بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

امام ابن ماجہؒ

اور

علمِ حدیث

عہدِ رسالت سے لیکر امام ابن ماجہؒ کے زمانہ تک کی تاریخ تدوینِ حدیث
اور امام ممدوح کی کتاب "سنن ابن ماجہ" پر تفصیلی نظر

مؤلفہ

مولانا محمد عبدالرشید نعمانی

ناشر

نور محمد، اصح المطابع و کارخانہ تجارت کتب، آرام باغ، کراچی

فہرست مضامین اجمالی

فہرست مضامین تفصیلی

Telegram : t.me/pasbanehaq1

"نظر کو بلند تر کیجئے۔ جس اُمت نے حُفّاظ حدیث کے حالات کو اس طرح محفوظ کیا ہو، اُس نے خود حدیث کے حفظ اور اس کی یادداشت میں کیا کچھ اہتمام نہ کیا ہوگا۔ آج جب کہ موجود نسل نے اپنی قوتِ حافظہ کو معطل کر کے اُسے بالکل بیکار اور مضمحل بنا دیا ہے، اور مطابع کے عالَم وجود میں آجانے کے باعث جو علم کہ اگلے علماء کے دماغوں میں تھا وہ ہمارے کتب خانوں میں منتقل ہو چکا ہے، حفظِ حدیث کے واقعات کو کتنے ہی تعجب اور حیرت کی نظر سے کیوں نہ دیکھا جائے، مگر حقیقت بہرحال حقیقت ہے۔ . . . .

یہی وہ زمانہ تھا جب "علم سینہ بہ از علم سفینہ" پر صحیح معنوں میں عملدرآمد تھا۔"

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمد للہ وکفیٰ وسلام علی عبادہ الذین اصطفیٰ،

امابعد

نام ونسب محمد نام، ابوعبداللہ کنیت، الربعی القزوینی نسبت، اور ابن ماجہ عرف ہے۔ شجرہ نسب یہ ہے؛
ابوعبداللہ محمد بن یزید الربعی مولاہم بالولاء القزوینی الشہیر بابن ماجہ،

عام کتابوں میں دادا کا نام مذکور نہیں لیکن شاہ عبدالعزیز صاحب محدث دہلوی نے بستان المحدثین میں شجرۂ نسب دادا تک پہنچایا ہے اور ان کا نام عبداللہ لکھا ہے۔

"ماجہ" کے بارے میں سخت اختلاف ہے بعض اس کو دادا کا نام سمجھتے ہیں جو صحیح نہیں، بعض کا قول ہے کہ یہ آپ کی والدہ ماجدہ کا نام ہے۔ علامہ سید مرتضیٰ زبیدی نے بعض علماء سے اس قول کی تصحیح بھی نقل کی ہے، چنانچہ تاج العروس شرح قاموس میں لکھتے ہیں؛

وھناک قول اٰخر صححوہ وھو ان ماجۃ اسم لامہ واللہ اعلم

اور اس بارے میں ایک اور قول بھی ہے اور اس کی بھی علماء نے تصحیح کی ہے کہ ماجہ آپ کی والدہ کا نام تھا۔ واللہ اعلم۔

اور شاہ عبدالعزیز صاحبؒ نے بھی بستان المحدثین میں اسی کو صحیح قرار دیا ہے، چنانچہ فرماتے ہیں؛

وصحیح آنست کہ ماجہ بتخفیف جیم مادر او بود پس بالا، ابن الف باید نوشت تا معلوم شود کہ ابن ماجہ صفت محمد است نہ صفت عبداللہ بدستور عبداللہ بن مالک ابن بحینہ ازدی کہ صحابی مشہور است وبدستور اسمٰعیل بن ابراہیم ابن عُلَیہ کہ معاصر امام شافعی بود۔[1]

اور صحیح یہی ہے کہ "ماجہ" (جس میں جیم پر تشدید نہیں ہے) آپ کی والدہ تھیں، لہٰذا "ابن" میں الف لکھنا چاہیے تاکہ معلوم ہو جائے کہ "ابن ماجہ" محمد کی صفت ہے نہ کہ عبداللہ کی، جس طرح سے کہ عبداللہ بن مالک ابن بحینہ ازدی میں کہ جو مشہور صحابی ہیں اور اسمٰعیل بن ابراہیم ابن عُلَیہ میں کہ جو امام شافعیؒ کے معاصر تھے لفظ "ابن" میں الف لکھنے کا دستور ہے۔

نواب صدیق حسن خاں نے بھی الحطہ بذکر الصحاح الستہ[2] اور اتحاف النبلاء المتقین باحیاء مآثر الفقہاء والمحدثین میں بعینہ یہی نقل کر دیا ہے۔

مگر خود شاہ صاحب موصوف کے عجالۂ نافعہ میں یہ الفاظ ہیں۔

وماجہ لقب پدر ابوعبداللہ است نہ لقب جد او ونہ نام

ماجہ، ابوعبداللہ کے والد کا لقب ہے دادا کا نہیں، اور ماں کا

[1] بستان المحدثین ص ۱۱۲ طبع محمدی لاہور۔ [2] ص ۱۲۸ طبع نظامی کانپور ۱۲۸۳ھ۔ [3] ص ۳۸۱ طبع نظامی ۱۲۸۸ھ۔ لطف یہ ہے کہ نواب صاحب موصوف نے اتحاف النبلاء میں بستان المحدثین کی عبارت تو بعینہ نقل کر دی مگر سلسلہ نسب میں عبداللہ کا سرے سے نام ہی نہیں لیا جس کی وجہ سے عبارت مذکورہ (ابن ماجہ صفت محمد است نہ صفت عبداللہ) میں پتہ ہی نہیں چل سکتا کہ عبداللہ سے کون مراد ہے۔

ماد، وبتخفیف جیم باید خواند نہ بہ تشدید، ووقع فی ذلک اغلاط کثیرۃ۔ [1]	نام بھی نہیں ہے اس کو تخفیف جیم کے ساتھ پڑھنا چاہئے تشدید کے ساتھ نہیں۔ اور اس کے متعلق بہت سی غلطیاں ہوئی ہیں۔

شاہ صاحبؒ نے عجالۂ نافعہ میں جو لکھا ہے اکثر علماء کی تصریحات اسی کے مطابق ہیں۔ یاد رہے کہ اس بحث کے طے کرنے کا حق سب سے زیادہ مورخین قزوین کو ہے کہ "اھل البیت ادری بما فیہ" [2] اوران حضرات کے بیانات حسب ذیل ہیں۔ محدث رافعی، تاریخ قزوین میں امام ابن ماجہ کے تذکرہ میں لکھتے ہیں۔

"ان کا نام محمد بن یزید ہے اور ماجہ یزید کا لقب ہے، جس پر تشدید نہیں ہے، یہ فارسی نام ہے اور کبھی ان کا شجرۂ نسب یوں بھی بیان کر دیا جاتا ہے محمد بن یزید بن [3] ماجہ، لیکن پہلی بات زیادہ ثابت ہے"۔ [3]

اور حافظ ابن کثیر نے البدایہ والنہایہ میں حافظ خلیلی کے حوالے سے جو قزوین کے مشہور مورخ ہیں نقل کیا ہے کہ ماجہ یزید کا عرف تھا [4]۔ سب سے بڑھ کر یہ کہ اس بارے میں خود امام ابن ماجہ کے مشہور ترین شاگرد حافظ ابوالحسن بن القطان کا بیان موجود ہے جس میں وہ نہایت جزم کے ساتھ تصریح کرتے ہیں کہ ماجہ آپ کے والد کا لقب تھا دادا کا نہیں۔ ظاہر ہے کہ ان حضرات کی تصریحات کے ہوتے ہوئے اب اس بارے میں کوئی شبہ نہیں رہتا کہ ماجہ درحقیقت آپ کے والد ماجد ہی کا لقب تھا۔ اسی لئے امام نووی نے تہذیب الاسماء واللغات میں اور علامہ مجدالدین فیروز آبادی نے القاموس المحیط [5] میں اور علامہ ابوالحسن سندی نے شرح ابن ماجہ میں صاف تصریح کی ہے کہ "ماجہ آپ کے والد کا لقب تھا دادا کا نہیں" اور ایسی صورت میں قواعد املاء کے مطابق "ابن ماجہ" میں ابن کو الف کے ساتھ لکھنا چاہئے تاکہ اس کو محمد کی صفت سمجھا جائے، یزید یا عبداللہ کی نہیں۔

ماجہ جیسا کہ محدث رافعی نے تصریح کی ہے فارسی نام ہے جو غالباً ماہ یا ماہچہ کا معرب ہے اور اس سے ظاہر ہے کہ امام ابن ماجہ عجمی نژاد ہیں عربی النسل نہیں، اس لئے رَبعی جو آپ کی نسبت ہے یہ نسلی نہیں بلکہ نسبت ولاء ہے۔ چنانچہ مورخ ابن خلکان نے صاف تصریح کی ہے الربعی بالولاء [6]۔ اس زمانہ کا اسلامی دستور تھا کہ جب کوئی نومسلم مشرف بہ اسلام ہوتا تو وہ جس قبیلہ کے کسی شخص سے عقد موالات یعنی دوستی کا عہد و پیمان کرتا اسی قبیلہ کی طرف منسوب ہو جاتا تھا اور اس کا حلیف اور مولیٰ کہلاتا تھا۔

رَبعی بفتح را، ربیعہ بن نزار کی طرف نسبت ہے۔ حافظ سمعانی نے کتاب الانساب میں لکھا ہے کہ عام طور پر یہ نسبت قلیل الاستعمال ہے کیونکہ بنو ربیعہ بن نزار ایک بہت بڑی قوم ہے جس میں بڑے بڑے قبیلے اور بہت سے خاندان اور شاخیں ہیں لہذا لوگ بجائے ربیعہ کے ان قبائل اور خاندانوں کی طرف

---

[1] ص ۲۸ طبع مجتبائی دہلی۔ [2] اس صورت میں چونکہ "بن" میں الف مذکور نہیں اس لئے وہ دادا کا نام قرار پائے گا کیونکہ اس وقت وہ یزید کی صفت ہوگا محمد کی نہیں۔ [3] حافظ ابن حجر نے تہذیب التہذیب میں امام ابن ماجہ کے تذکرہ میں تاریخ قزوین کی یہ عبارت نقل کی ہے۔ [4] البدایہ والنہایہ ج ۱۱ ص ۵۲ طبع مصر۔ [5] علامہ سید مرتضیٰ زبیدی تاج العروس میں اپنے شیخ ابوالطیب فاسی سے ناقل ہیں کہ

"مصنف (صاحب قاموس) جس طرف گئے ہیں اسی کو ابوالحسن ابن القطان نے جزم سے بیان کیا ہے اور ہبۃ اللہ بن زاذان وغیرہ نے ان کی رائے سے موافقت کی ہے"۔

[6] وفیات الاعیان تذکرہ ابن ماجہ۔ ع گھر کی بات گھر والے ہی خوب جانتے ہیں۔

منسوب ہوجاتے ہیں۔ علامہ سمعانی نے یہ بھی تصریح کی ہے کہ جو لوگ قبیلہ ربیعۃ الاَزد کی طرف منسوب ہیں ان کو بھی ربعی کہا جاتا ہے۔ [۱]

امام ابن ماجہ کا انتساب عرب کے ربیعہ نامی کونسے قبیلے کی طرف ہے اس کے تعین سے تاریخ کے اوراق بالکل خاموش ہیں۔ چنانچہ مشہور مورخ قاضی شمس الدین ابن خلکان کے الفاظ اس سلسلے میں حسب ذیل ہیں:

ھذہ النسبۃ الی ربیعۃ وھی اسم لعدۃ قبائل لاادری الی ایھا ینسب المذکور۔ [۲]	یہ ربیعہ کی طرف نسبت ہے جو متعدد قبائل کا نام ہے مجھے معلوم نہیں کہ امام ابن ماجہ ان میں سے کس قبیلہ کی طرف منسوب ہیں۔

بہرحال ابن ماجہ اگرچہ عجمی النسل ہیں لیکن قبیلہ ربیعہ سے نسبت ولاء کی بنا پر ان کو ربعی اور مولیٰ ربیعہ [۳]

---

[۱] کتاب الانساب ورق ۲۴۸ طبع لیڈن یورپ۔ [۲] وفیات الاعیان ج ۳ ص ۴۰۸ طبع مصر ۱۹۴۸ء۔ [۳] چنانچہ حافظ ابن الجوزی نے المنتظم (ج ۵ ص ۹۰ طبع دائرۃ المعارف) میں اور علامہ مورخ جمال الدین ابوالمحاسن ابن تغری بردی حنبلی نے النجوم الزاہرہ (ج ۳ طبع مصر) میں ان کو مولا ربیعہ اور علامہ ابن العماد حنبلی نے شذرات الذہب میں بحوالہ مورخ ابن ناصر الدین الربعی مولاہم القزوینی لکھا ہے۔

واضح رہے کہ مولیٰ کا لفظ جیسا کہ علامہ نووی نے تہذیب الاسماء واللغات کے مقدمہ میں تصریح کی ہے اگرچہ زیادہ تر حلیف اور "مولی الموالاۃ" ہی کے معنی میں مستعمل ہے۔ تاہم چونکہ مولی غلام کو بھی کہتے ہیں اس لئے لفظی شارکت کی بنا پر بعض وقت دھوکہ ہوجاتا ہے، امام ابن ماجہ کے متعلق چونکہ ہم مورخ ابن خلکان سے بصراحت نقل کرچکے ہیں کہ یہ "نسبت ولاء" ہے اس لئے اب یہاں دوسرے احتمال کی قطعاً گنجائش نہیں۔ امام اعظم رحمہ اللہ کے بارے میں بھی بعض لوگوں کو یہی مغالطہ ہوا ہے کہ وہ مولی کے معنی غلام کے سمجھے لیکن خود امام اعظم رحمہ اللہ کی تصریح اس کے برخلاف موجود ہے۔ چنانچہ امام طحاوی رحمہ اللہ مشکل الآثار میں جو فن حدیث میں اپنے موضوع (یعنی مشکل احادیث کی تطبیق) پر ایک بے مثل کتاب ہے، عقد موالات پر بحث کرتے ہوئے امام اعظم رحمہ اللہ سے باسناد صحیح راوی ہیں:

قال عبد اللہ بن یزید المقری فیما سمعت بکار بن قتیبۃ یقول قال ابو عبد الرحمن المقری اتیت اباحنیفۃ فقال لی من الرجل فقلت رجل منّ اللہ علیہ بالاسلام فقال لی لا تقل ھکذا ولکن وال بعض ھذہ الاحیاء ثم انتم الیھم فانی کنت انا کذلک، قال ابو جعفر ولم یسمع بکار الحدیث من المقری ولکن حدثنی محمد بن جعفر بن محمد بن اعین قال سمعت احمد بن منصور الرمادی یقول سمعت المقری یقول ثم ذکر ھذا الحدیث۔

(مشکل الآثار۔ ج ۴ ص ۵۴ طبع دائرۃ المعارف حیدرآباد دکن)

عبداللہ بن یزید مقری کا بیان جیسا کہ میں نے بکار بن قتیبہ سے سنا یہ ہے کہ ابوعبدالرحمن مقری (یہ عبداللہ کی کنیت ہے) نے کہا کہ میں امام ابوحنیفہؒ کے پاس آیا تو وہ مجھ سے دریافت کرنے لگے تم کون ہو، میں نے عرض کیا ایک ایسا شخص کہ جس پر اللہ تعالیٰ نے اسلام کے ذریعے احسان فرمایا ہے (یعنی نومسلم) امام صاحب نے فرمایا یوں نہ کہو۔ بلکہ ان قبائل میں سے کسی سے موالات کرلو پھر تمہارا بھی انتساب انہی کی طرف ہونے لگے گا۔ کیونکہ خود میں بھی ایسا ہی تھا۔ ابوجعفر (یعنی امام طحاوی) کہتے ہیں بکار نے یہ بات خود مقری کی زبانی نہیں سنی مگر مجھ سے محمد بن جعفر بن محمد بن اعین نے بیان کیا کہ انھوں نے احمد بن منصور رمادی سے سنا ہے وہ کہتے تھے کہ میں نے مقری سے سنا پھر انھوں نے اس واقعہ کا ذکر کیا۔

عبداللہ بن یزید ابوعبدالرحمن مقری، امام اعظمؒ کے خاص شاگرد ہیں۔ انھوں نے امام صاحب سے نوسو حدیثیں سنی ہیں [ب] بڑی جلالت شان کے مالک تھے۔ فن حدیث میں ان کا شمار امام بخاری کے اکابر شیوخ میں ہے۔

[ب] علامہ کردری لکھتے ہیں عبداللہ بن یزید المقری المکی سمع من الامام تسع مائۃ حدیث (مناقب الامام الاعظم از کردری

کہاجاتاہے، جس طرح سے کہ امام اعظمؒ کو تیمی یا مولی بنی تیم اللہ اور امام بخاریؒ کو جعفی یا الجعفی مولاہم کہا جاتا ہے۔ بالتصریح تو معلوم نہ ہو سکا کہ یہ عقد موالات کس نے کیا تھا لیکن قیاس چاہتا ہے کہ خاندان کے مورث اول نے جو پہلے پہل مسلمان ہوئے ہوں گے یہ تعلق قائم کیا ہوگا، اور چونکہ عام تاریخوں میں آپ کا سلسلۂ نسب باپ تک پہنچا کر ختم کر دیا جاتا ہے اس لئے ظن غالب یہی ہے کہ آپ کے پدر بزرگوار یزید نے جو ماجہ کے لقب سے مشہور ہیں، ربیعہ نامی قبیلہ کے کسی فرد سے دوستانہ تعلقات قائم کرکے عہدِ ولاء کیا ہوگا۔ واللہ اعلم۔

قزوینی، قزوین کی طرف نسبت ہے جو عراق عجم کا مشہور شہر ہے اور جس کو امام ابن ماجہ کے وطنِ عزیز ہونے کا فخر حاصل ہے، یہ ایران کے صوبہ آذربائجان میں واقع ہے۔ علامہ یاقوت حموی، معجم البلدان میں جو عربی زبان میں قدیم جغرافیا پر مشہور ترین کتاب ہے رقمطراز ہیں:

"قزوین میں قاف پر زبر، زا پر سکون، واؤ پر زیر اور یا، ساکن ہے اور یہ مشہور شہر ہے، اس کے اور رے کے درمیان ستائیس فرسخ کی مسافت ہے اور ابہر اس کے بارہ فرسخ پر ہے، یہ شہر اقلیم چہارم میں پچھتر درجہ طول بلد اور سینتیس درجہ عرض بلد پر واقع ہے، ابن الفقیہ کا بیان ہے کہ سب سے پہلے جس نے اس شہر کی بنیاد ڈالی وہ شاہ پور ذوالاکتاف تھا۔"[1]

امام ابن ماجہ، حافظ خلیلی اور محدث رافعی نے قزوین کی تاریخ پر مفصل کتابیں لکھی ہیں۔ جن کا ذکر صاحب کشف الظنون نے تواریخ قزوین کے ضمن میں کیا ہے[2]۔ رافعی کی کتاب کا نام التدوین فی اخبار قزوین ہے، شیخ علاء ابن خطیب الناصریہ کے کتب خانے میں اس کا ایک قابلِ اعتماد نسخہ موجود تھا جس کو حلب میں حافظ ابن حجر عسقلانی نے انتخاب کیا تھا۔ حافظ صاحب کا یہ انتخاب چند کراسوں پر مشتمل تھا۔ بعد کو جب یہ نسخہ محب بن الشحنہ کے پاس آیا تو اس کی متعدد نقلیں لی گئیں[3]۔

قزوین حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں فتح ہوا ہے، آپ نے ۲۴ھ ہجری میں حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ کو رے کا والی مقرر کیا تھا انھوں نے اسی سنہ میں پہلے ابہر کو فتح کیا اور پھر قزوین پہ آکر اپنی فوجیں ڈال دیں۔ اہل شہر نے صلح کی درخواست کی، حضرت براء رضی اللہ عنہ نے اہالی ابہر سے جن شرائط پر صلح ہوئی تھی وہی شرطیں ان کے سامنے رکھیں۔ قزوین والوں نے سب شرطیں منظور کیں مگر جزیہ دینے پہ آمادہ نہ ہوئے لیکن جب حضرت براء رضی اللہ عنہ نے صاف کہدیا کہ اس کے بغیر کام نہیں چلے گا تو سب نے اسلام قبول کر لیا جس کی بدولت ان کی سابقہ حالت برقرار رہی اور قزوین کی سب اراضی عشری قرار پائیں۔ پھر حضرت براء رضی اللہ عنہ نے ان میں سے پانچ سو مسلمانوں کی ایک جماعت مرتب کی جن میں طلیحہ بن خویلد اسدی، میسرہ عائذی اور بنو تغلب کے بھی کچھ لوگ شامل تھے اور ان کو اراضی و قطعات کا

---

[1] معجم البلدان ج ۷ ص ۸۰ طبع مصر۔ [2] کشف الظنون ج ۱ ص ۳۰۰ طبع جدید ۱۳۶۰ھ۔ [3] ملاحظہ ہو الاعلان بالتوبیخ لمن ذم التاریخ از حافظ شمس الدین محمد بن عبدالرحمٰن سخاوی ص ۱۲۸ طبع دمشق ۱۳۴۹ھ

ع کراسہ: جزء یا کاپی جو کتاب سے کم ہو۔

وہ حصہ کہ جو کسی کی ملکیت میں نہ تھا بطور جاگیر عنایت فرمایا چنانچہ ان لوگوں نے ان زمینوں کو آباد کیا وہاں نہریں نکالیں کنوئیں کھودے اور وہیں کے باشندے کہلائے۔ ان لوگوں کی آبادکاری کی شرطیں وہی تھیں جو اساورہ بصرہ عہ کی تھیں کہ جس کے ساتھ چاہیں گے رہیں گے۔ چنانچہ ان میں سے کچھ لوگ وہاں سے کوفہ آگئے اور زہرہ بن حویہ کے حلیف ہو گئے۔ یہاں یہ حمراء الدیلم کہلاتے تھے مگر اکثر و بیشتر قزوین ہی میں مقیم رہے، بعد کو جب ولید بن عتبہ کے بعد سعید بن العاصی بن امیہ، کوفہ کے والی ہوئے اور جہاد میں دیلمیوں سے ان کے سخت خونریز معرکے ہوئے تو اس وقت انھوں نے قزوین آکر نئے سرے سے اسے آباد کیا اور جنگی ضرورتوں کے پیش نظر دیلمیوں کی روک تھام کے لئے اس کو اہل کوفہ کی چھاؤنی بنا دیا۔ چنانچہ صدیوں تک قزوین غازیوں کا پڑاؤ بنا رہا۔ یہاں کے لوگ عام طور پر بڑے مجاہد اور جانباز ہوتے تھے۔ ایک دفعہ ہارون الرشید، خراسان کے ارادے سے ہمدان آیا ہوا تھا، اہالی قزوین نے موقع کو غنیمت جان کر دربارِ خلافت میں عرض کیا کہ امیر المومنین، ہمارا شہر دشمن کی سرحد پر واقع ہے ہر وقت جہاد کے لئے کمربستہ رہنا پڑتا ہے اس لئے آپ ہماری مشکلات پر نظر فرما کر عشر میں تخفیف فرمائیں، ہارون نے یہ سنا تو خود قزوین آیا۔ یہاں پہنچ کر اس نے جامع مسجد تعمیر کرائی اور دروازہ مسجد پر اپنے نام کا کتبہ نصب کیا۔ بہت سی دکانیں اور جاگیریں خرید کر ان کو شہری ضروریات، شہر پناہ اور اس کے قبوں کی تعمیر کے لئے وقف کیا۔ ان ہی ایام میں ایک روز ہارون الرشید سیر کی غرض سے ایک قبہ پر چڑھا۔ یہ قبہ دروازۂ شہر پر بنا ہوا تھا اور نہایت بلند تھا۔ خلیفہ نے بازاروں کی طرف جو نظر ڈالی تو عجیب منظر دیکھا کہ نفیر عام ہے اور اہالی شہر دکانوں کو بند کئے ہوئے شمشیر و سپر ہاتھ میں ہتھیار بدن پر سجائے پرچم اڑاتے جوق در جوق تیزی سے نکلے چلے جا رہے ہیں۔ ہارون الرشید یہ پرجوش منظر دیکھ کر بڑا متاثر ہوا کہنے لگا یہ لوگ مجاہد ہیں اور ہم پر ان کی خبرگیری واجب ہے چنانچہ خواص اور ندیموں سے مشورہ کیا سب نے اپنی اپنی رائے بتائی۔ ہارون الرشید نے کہا مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ان لوگوں پر سے خراج بالکل ہٹا دیا جائے البتہ شہری ضرورتوں کے لئے جو معمولی رقم مقرر ہے وہ رہنے دی جائے چنانچہ دس ہزار درہم سالانہ بالاقساط مقرر کر کے سارا خراج یکقلم موقوف کر دیا۔ [1]

قزوین کے فضائل میں متعدد حدیثیں روایت کی جاتی ہیں، خود سنن ابن ماجہ میں بھی اس سلسلہ میں ایک روایت موجود ہے لیکن ناقدین فن کے نزدیک یہ تمام روایتیں پایۂ اعتبار سے ساقط ہیں۔ چنانچہ علامہ یاقوت حموی المتوفی ۶۲۶ھ معجم البلدان میں ارقام فرماتے ہیں۔

وقد روی المحدثون فی فضائل قزوین اخبارا لا تصح عند الحفاظ النقاد تتضمن الحث علی المقام بها لکونها من الثغور

محدثین نے فضائل قزوین میں متعدد روایتیں نقل کی ہیں جو حفاظ حدیث اور ناقدین فن کے نزدیک صحیح نہیں ہیں۔ قزوین چونکہ سرحد اسلام پر واقع ہے اس لئے ان روایتوں میں وہاں کے

---

[1] قزوین کے بارے میں یہ ساری تفصیلات معجم البلدان طبع مصر ج ۷، ص ۸۰ و ۸۱ سے لی گئی ہیں۔

عہ "اساورہ" وہ نو مسلم عجمی جنہوں نے اس زمانے میں بصرہ میں توطن اختیار کر لیا تھا۔ یہ سوار کی عربی جمع ہے۔

واما اشبه ذلك وقد ترکتها کراهۃ للاطالۃ (ج ۷، ص ۸۱)
قیام کی ترغیب اور اسی قسم کی باتیں مذکور ہیں۔ چنانچہ میں نے ان روایات کو طوالت کے ناپسند ہونے کی بنا پر چھوڑ دیا ہے۔

فنِ حدیث میں قزوین کی شہرت کا آغاز تیسری صدی ہجری سے شروع ہوتا ہے۔ اس صدی میں جو مشہور محدث یہاں کے باشندے یا نزیل تھے ان میں محمد بن سعید بن سابق ابو عبداللہ رازی المتوفی ۲۱۶ھ حافظ علی بن محمد ابوالحسن طنافسی المتوفی ۲۳۳ھ حافظ عمرو بن رافع ابو حجر بجلی المتوفی ۲۳۷ھ اسمٰعیل بن توبہ ابو سلیمان قزوینی حنفی المتوفی ۲۴۷ھ اور امام ابن ماجہ خاص طور پر قابلِ ذکر ہیں۔ بعد میں یہاں کی خاک سے بڑے بڑے محدثین اور فقہاء پیدا ہوئے جن کے ذکر سے "تواریخ قزوین" مالامال ہیں۔

امام ابنِ ماجہ کا عجمی النسل ہونا قطعی ہے اور ماجہ چونکہ فارسی نام ہے اس لئے قیاس یہی چاہتا ہے کہ آپ نسل فارس سے ہوں۔ فارس کے بارے میں صحیحین اور جامع ترمذی میں حضرت ابوھریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ہم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمتِ مبارک میں بیٹھے ہوئے تھے اسی اثنار میں سورۂ جمعہ نازل ہوئی اور جب آپؐ نے آیت وَّاٰخَرِیْنَ مِنْهُمْ لَمَّا یَلْحَقُوْا بِهِمْ (اور اٹھایا اس رسول کو ایک دوسرے لوگوں کے واسطے بھی ان ہی میں سے جو ابھی ان میں نہیں ملے) کی تلاوت فرمائی تو حاضرین میں سے کسی نے عرض کیا یارسول اللہؐ یہ کون لوگ ہیں جو ابھی تک ہم سے نہ مل سکے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب میں خاموشی اختیار فرمائی۔ سائل نے مکرر سہ کرر دریافت کیا تب آپ نے حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ پر جو اس وقت حاضر خدمت تھے اپنا دست مبارک رکھ کر ارشاد فرمایا:

لو کان الایمان عند الثریا لنالہ رجال من ھؤلاء [۱]
اگر ایمان ثریا کے پاس بھی ہوا۔ تو ان میں کے کچھ لوگ اس کو پالیں گے۔

اور مسند امام احمد بن حنبل میں ایک اور اسناد کے ساتھ یہ الفاظ بھی مروی ہیں:

لو کان العلم بالثریا لتناولہ ناس من ابناء فارس۔ [۲]
اگر علم ثریا کے پاس بھی ہوا تو نسلِ فارس کے کچھ لوگ اس کو حاصل کریں گے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اس پیشین گوئی کا مصداق عام طور پر علماء امام ابوحنیفہؒ اور دیگر ائمہ احناف کو قرار دیتے ہیں کیونکہ ظاہر ہے کہ فارس و عجم میں جو قبولِ عام حنفی مذہب کو حاصل ہوا وہ دوسرے مذاہب کو نصیب نہ ہوسکا، لیکن سرخیل اہلِ حدیث نواب صدیق حسن خاں کے خیال میں اس حدیث کا مصداق مصنفین صحاح ستہ و دیگر محدثین ہیں چنانچہ وہ عون الباری لحل ادلۃ البخاری میں لکھتے ہیں۔

قلت وھولاء الرجال ھم امثال البخاری و مسلم والترمذی وابی داؤد والنسائی وابن ماجۃ
میں کہتا ہوں اور یہ لوگ جیسے کہ بخاری، مسلم، ترمذی، ابوداؤد، نسائی اور ابن ماجہ ہیں۔ نیز وہ اشخاص کہ جو ان کے ڈھنگ پر

---

[۱] صحیح بخاری کتاب التفسیر سورۂ جمعہ، صحیح مسلم باب فضل فارس۔ جامع ترمذی کتاب التفسیر سورۂ جمعہ اور ابواب المناقب فی فضل العجم۔ جامع ترمذی میں یہ روایت والذی نفسی بیدہ کے ساتھ موکد بہ قسم آئی ہے۔ [۲] مسند امام احمد ج ۲ ص ۴۲۲۔

عہ مشہور رہا ہے۔

ومن خالفوهم وحذا احذ وهم۔ [1]

رہے اور ان کے قدم بقدم چلے۔

اور اتحاف النبلاء المتقین میں فرماتے ہیں:

جہابذہ محدثین مثل بخاری ومسلم وترمذی وابوداؤد وابن ماجہ واحثال ایشاں اولے تر واحق تراند بمصداق بودن آں، زیراکہ ہمہ ایشاں از عجم وسرزمین فرس بودہ اند۔ (ص ۴۲۴)

بڑے بڑے محدثین جیسے کہ بخاری، مسلم، ترمذی، ابوداؤد، ابن ماجہ اور ان جیسے حضرات اس کا مصداق بننے کے لئے زیادہ موزوں اور زیادہ حقدار ہیں کیونکہ یہ سب کے سب عجم اور سرزمین فارس سے ہوئے ہیں۔ [2]

نواب صاحب نے تو اس بشارت کو صرف محدثین تک محدود رکھا ہے لیکن شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلوی نے اس میں محدثین کے ساتھ فقہاء کو بھی شامل کرلیا ہے چنانچہ فرماتے ہیں:

خبر داد کہ از فارس رجال علماء پیدا خواہند شد، کبار محدثین بخاری ومسلم وترمذی وابوداؤد ونسائی وابن ماجہ ودارمی ودارقطنی وحاکم وبیہقی وغیر ایشاں ہمہ از فارس پیدا شدند، واز فقہاء ابوطیب وشیخ ابوحامد وشیخ ابواسحاق شیرازی وجوینی وامام الحرمین وامام غزالی وغیر ایشاں از فارس پیدا شدند۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خبر دی کہ فارس سے علماء پیدا ہوں گے، چنانچہ بڑے بڑے محدثین، بخاری، مسلم، ترمذی، ابوداؤد، نسائی، ابن ماجہ، دارمی، دارقطنی، حاکم، بیہقی، وغیرہ سب فارس سے پیدا ہوئے اور فقہاء میں ابوطیب، شیخ ابوحامد، شیخ ابواسحٰق شیرازی، جوینی، امام الحرمین اور امام غزالی وغیرہ سب فارس ہی سے پیدا ہوئے۔

بلکہ امام ابوحنیفہ ویاران ماوراء النہر وخراسانی اونیز از اہل فارس اند ودرمیان ایں بشارت داخل۔ [3]

بلکہ امام ابوحنیفہ اور آپ کے اصحاب ماوراء النہر واصحابِ خراساں بھی اہل فارس سے ہیں اور اس بشارت میں داخل ہیں۔

اور شاہ صاحبؒ کے مشہور شاگرد بیہقی وقت قاضی ثناء اللہ صاحب پانی پتی نے اس کو اور زیادہ عام کرکے فقہاء ومحدثین کے ساتھ مشائخ صوفیہ کو بھی اس کا مصداق بتایا ہے، چنانچہ تفسیر مظہری میں ارقام فرماتے ہیں:

قلت ولعل فی هذه الاحادیث اشارة الی مشائخ ماوراء النهر بهاء الدین نقشبند وامثاله فان هولاء الکرام من الاعاجم توطنا وان کان اکثرهم من آل النبی

میں کہتا ہوں غالباً ان احادیث میں اشارہ مشائخ ماوراء النہر حضرت خواجہ بہاء الدین نقشبند اور ان جیسے بزرگوں کی طرف ہے کیونکہ یہ حضرات وطن کے اعتبار سے عجمی ہیں، گو نسب کے لحاظ سے ان میں سے بیشتر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم

---

[1] عون الباری ج۳، ص ۵، طبع مصر برحاشیہ نیل الاوطار۔ [2] نواب صاحب موصوف نے عون الباری میں تو اس پیشین گوئی کو صرف زمرہ محدثین تک محدود رکھا ہے لیکن اتحاف النبلاء میں (امام سیوطی اور حافظ شامی مصنف سیرۃ شامیہ پر سخت برہمی کے باوجود کہ انہوں نے اس حدیث کا مصداق خاص امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کو کیوں قرار دیا) بہت کچھ چناں چنیں کے بعد آخر اقرار کرلیا ہے کہ

صواب آنست کہ ہم امام دراں داخل است وہم جملہ محدثین فرس باشارۃ النص واللہ اعلم (ص ۴۲۴)

صحیح یہی ہے کہ اشارۃ النص کے اعتبار سے امام ابوحنیفہ بھی اس بشارت میں داخل ہیں اور فارس کے سارے محدثین بھی، واللہ اعلم

[3] ازالۃ الخفاء عن خلافۃ الخلفاء از شاہ ولی اللہ صاحب ج ۱ ص ۲۷۱ طبع صدیقی بریلی۔

صلی اللہ علیہ وسلم واصحابہ نسباً، قد احیوا سنۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم بعد ما امیتت وما رضوا بالبدعۃ وان کانت حسنۃ ولنعم ما قال الجامی

سکہ کہ در یثرب و بطحا زدند
نوبت آخر ببخارا زدند

وایضاً الی علماء ما وراء النہر مثل ابی عبد اللہ البخاری وامثالہ من المحدثین والفقہاء واللہ اعلم،[۱]

کی آل واصحاب کی اولاد ہیں۔ ان حضرات نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کو مٹ جانے کے بعد دوبارہ زندہ کیا اور بدعت سے اگرچہ وہ بدعت حسنہ ہی کیوں نہ ہو راضی نہ ہوئے عارف جامی نے بہت خوب کہا ہے

سکہ کہ در یثرب و بطحا زدند[۴]
نوبت آخر بہ بخارا زدند

نیز اس حدیث میں علماء ماوراء النہر امام بخاری اور ان کے ہم پایہ دیگر محدثین وفقہاء کی طرف بھی اشارہ ہے۔ واللہ اعلم۔

بہرحال جبکہ حدیث میں رجال من ھؤلاء بصیغہ جمع آیا ہے تو ایسی صورت میں اگر اس کو علماء کے کسی خاص گروہ اور طبقہ کے ساتھ مخصوص نہ کیا جائے اور فقہاء محدثین اور صوفیہ سب کو داخل سمجھا جائے تو اس میں کیا حرج ہے، گو یہ ظاہر ہے کہ عجم کی خاک سے جتنے بھی بڑے لوگ پیدا ہوئے خواہ وہ اہل سیف ہوں یا اہل قلم صوفیہ ہوں یا علماء ان میں اکثریت احناف ہی کی رہی ہے "وللاکثر حکم الکل" ہاں یہ ضرور ہے کہ اس بشارت میں داخل ہونے کے لئے صرف توطن کافی نہیں جیسا کہ قاضی صاحب موصوف کا خیال ہے بلکہ نسل فارس سے ہونا ضروری ہے کیونکہ حدیث شریف میں ابناء فارس کی صاف تصریح موجود ہے اور ظاہر ہے کہ توطن سے نسل نہیں بدلا کرتی

تعجب ہے کہ شاہ ولی اللہ صاحب اور نواب صدیق حسن خاں نے مصنفین "صحاح ستہ" کو اہل فارس میں شمار کیا ہے حالانکہ تاریخ سے بجز امام بخاری یا امام ابن ماجہ کے اور کسی کا فارسی بالنسل ہونا ثابت نہیں، امام مسلم کے متعلق خود علامہ نووی کی تصریح موجود ہے "القشیری نسباً نیساپوری وطناً عربی صلبیۃ"[۲] اور امام ابوداؤد ازدی ہیں۔ امام ترمذی، سلمی، اسی طرح محدث حاکم ضبی ہیں۔ اور امام دارمی منسوب ہیں بنی دارم کی طرف جو قبیلہ تمیم کی مشہور شاخ ہے۔ حافظ سمعانی نے کتاب الانساب میں ان کے متعلق صاف لکھا ہے "من بنی دارم بن مالک بن حنظلۃ" شاہ صاحب نے فقہاء میں بھی جن لوگوں کے نام لئے ہیں ان کے بارے میں بھی یقینی طور سے کہنا مشکل ہے کہ یہ سب فارسی نژاد ہیں۔

بہرحال امام ابن ماجہ کے شرف کے لئے یہ کافی ہے کہ وہ بھی اس حدیث کے عموم میں داخل ہیں۔[۳]

فی الجملہ نسبتے بتو کافی بود مرا
بلبل ہمیں کہ قافیہ گل بود بس است

ولادت امام ابن ماجہ کی ولادت باسعادت جیسا کہ خود ان کی زبانی ان کے شاگرد جعفر بن ادریس نے اپنی تاریخ میں نقل کیا ہے ۲۰۹ھ ہجری میں واقع ہوئی[۵] جو ۸۲۴ء عیسوی کے مطابق ہے۔

---

[۱] تفسیر مظہری ج ۳ ص ۲۵۸ سورۂ نساء طبع دہلی۔ [۲] مقدمہ شرح صحیح مسلم از امام نووی، تذکرہ امام مسلم۔
[۳] معجم البلدان ج ۷، ص ۳۸۔ [۴] عارف جامی کا یہ شعر ان کی مشہور مثنوی تحفۃ الاحرار کا ہے جو انھوں نے حضرت خواجہ بہاء الدین نقشبندی بخاری رحمہ اللہ کی منقبت میں کہا ہے۔

اس اعتبار سے اگر چہ ارباب صحاح ستہ اور امام احمد بن حنبل اور امام یحییٰ بن معین سے آپ کی معاصرت کا حساب لگایا جائے تو حسب ذیل ہوتا ہے۔

امام یحییٰ بن معین المتوفی ۲۳۳ھ نے جب انتقال کیا تو اس وقت امام ابن ماجہ کی عمر ۲۴ سال تھی۔

امام احمد بن حنبل المتوفی ۲۴۱ھ	"	"	۳۲ "
امام محمد بن اسمٰعیل بخاری المتوفی ۲۵۶ھ	"	"	۴۷ "
امام مسلم بن الحجاج المتوفی ۲۶۱ھ	"	"	۵۲ "

امام ابوداؤد المتوفی ۲۷۵ھ کی ولادت آپ سے سات سال پہلے ہوئی اور دو سال بعد انتقال کیا۔

امام ابوعیسیٰ ترمذی المتوفی ۲۷۹ھ کی وفات آپ سے چھ سال بعد ہوئی۔

امام احمد بن شعیب نسائی المتوفی ۳۰۳ھ آپ سے عمر میں چھ سال چھوٹے ہیں اور آپ سے تیس سال بعد قضا کی ہے۔

عہد طالب العلمی امام ابن ماجہ کے بچپن کا زمانہ علوم وفنون کے لئے باغ وبہار کا زمانہ تھا، اسوقت بنو عباس کا آفتاب اقبال نصف النہار پر تھا۔ اور دودمان عباسی کا گل سرسبد مامون عباسی سریرآرائے خلافت بغداد تھا۔ عہد مامونی خلافت عباسیہ کے اوج شباب کا زمانہ سمجھا جاتا ہے اور یہ واقعہ ہے کہ علوم وفنون کی جیسی سرپرستی مامون نے اپنے دور حکومت میں کی مسلمان بادشاہوں میں سے کم کسی نے کی ہوگی۔ مامون کی حکومت کا دائرہ حجاز وعراق سے لیکر شام، افریقہ، ایشیائے کوچک، ترکستان، خراسان، ایران، افغانستان، اور سندھ تک پھیلا ہوا تھا اور ایک ایک شہر بلکہ ایک ایک قصبہ مختلف علوم وفنون کے لئے یونیورسٹی کا کام دیتا تھا۔ مامون خود بہت بڑا عالم اور علماء کا قدرشناس تھا۔ علوم مروجہ وقت میں سے ہر علم میں اس کو دستگاہ کامل حاصل تھی۔ خاص طور پر شعروادب، تاریخ، ایام عرب، فقہ اور حدیث میں وہ بڑے بڑے ماہرین فن کا ہمسر سمجھا جاتا تھا۔ علامہ تاج الدین سبکی، طبقات الشافعیۃ الکبریٰ میں اس کے متعلق لکھتے ہیں؛

وذکر المورخون انہ کان بارعاً فی الفقہ و العربیۃ وایام الناس (ج ۱ ص ۲۱۷ طبع مصر)	مورخین کا بیان ہے کہ وہ فقہ، عربیت اور ایام عرب میں ممتاز تھا۔

اور علامہ سیوطی نے تاریخ الخلفاء میں تصریح کی ہے کہ

ولم یل الخلافۃ من بنی العباس اعلم منہ ؎	بنو عباس میں کوئی خلیفہ اس سے بڑھ کر عالم نہیں ہوا۔

اور ابو معشر منجم کہتے ہیں کہ

کان المامون امارا بالعدل فقیہ النفس یعد من کبار العلماء۔ ؎	مامون انصاف کا بڑا حکم دینے والا تھا فقہ میں ذاتی طور پر ملکہ رکھتا تھا اور کبار علماء میں شمار کیا جاتا تھا۔

حدیث وفقہ کی تکمیل مامون نے اس عہد کے مشہور ائمہ فن سے کی تھی؛ امام مالکؒ سے موطا اور امام محمدؒ سے

؎ ۱، ۲ ان دونوں حوالوں کے لئے ملاحظہ ہو تاریخ الخلفاء ص ۲۱۲ طبع مجتبائی دہلی۔

سیر کبیر پڑھی تھی علمی مباحثہ میں بڑے بڑے علماء کو ساکت کر دیتا تھا۔ چنانچہ جس زمانہ میں وہ مرو میں قیام پذیر تھا بعض مشہور محدثین سے فقہ حنفی کے بعض مسائل پر جب اس کی گفتگو ہوئی تو ان کو اس کی وسعتِ معلومات کے سامنے سپر ڈالنی پڑی۔[1]

[1] مرو میں عرصہ سے فقہ حنفی کی حکمرانی تھی اور امام ابو حنیفہؒ کے تلامذہ کی ایک بڑی جماعت یہاں درس و افتا میں مشغول تھی۔ علامہ نضر بن شمیل جب بصرے سے مامون کی قدر دانی کا شہرہ سن کر مرو آئے ہیں تو چونکہ وہ اربابِ ظواہر میں سے تھے فقہ حنفی کا قبول عام برداشت نہ کر سکے اور بعض نو عمر محدثین کو اپنے ساتھ ملا کر مخالفت پر آمادہ ہو گئے چنانچہ صدر الائمہ مکی فتح بن عمرو وراق سے بسند ناقل ہیں کہ نضر بن شمیل جس زمانہ میں مرو میں مقیم تھے میں وہیں تھا۔ ان لوگوں نے امام ابو حنیفہؒ کی کتابوں کو آب رواں میں بھیجکر دھونا شروع کر دیا۔ خالد بن صبیح نے جو ان دنوں مرو کے قاضی تھے جب یہ واقعہ سنا تو وہ خود اور آل صبیح کے دیگر افراد سوار ہو کر فضل بن سہل کے پاس پہنچے (جو مامون کا وزیر اعظم تھا) وراق کا بیان ہے کہ لوگ بتاتے تھے اس زمانہ میں آل صبیح میں پچاس یا اس سے بھی زائد ایسے علماء موجود تھے جو قاضی بننے کی صلاحیت رکھتے تھے، خالد کے ساتھ ابراہیم بن رستم اور سہل بن مزاحم بھی سوار ہوئے۔ ان سب حضرات نے آکر فضل بن سہل سے اس امر کی شکایت کی۔ فضل نے کہا کہ میں جب تک خلیفہ کو جا کر صورت واقعہ نہ بتا دوں اس بارے میں کچھ نہیں کہہ سکتا۔ یہ کہہ کر فضل مامون کے پاس آیا اور اس سے سارا واقعہ بیان کیا۔ مامون نے دونوں فریقوں کے متعلق دریافت کیا کہ یہ کون لوگ ہیں۔ فضل نے بتایا کہ یہ نوخیز۔ تو اسحق بن راہویہ اور احمد بن زہیر وغیرہ ہیں مگر نضر بن شمیل ان کے ساتھ ہیں۔ اور یہ لوگ خالد بن صبیح، سہل بن مزاحم اور ابراہیم بن رستم ہیں۔ مامون نے کہا اچھا پھر کل دونوں فریق کو حاضر کرنا تاکہ میں ان کے باہم فیصلہ کر سکوں اور دیکھوں کہ دلیل کس فریق کے ہاتھ میں ہے۔ اسحق اور ان کے رفقا نے مامون کی گفتگو سنی تو اسحق بولے کل مامون کے سامنے کون بحث کرے گا۔ ادھر نضر بن شمیل کا یہ حال تھا کہ وہ مامون کے مقابلہ میں نہ کلام میں ٹھہر سکتے تھے اور نہ حدیث میں۔ آخر سب کے مشورہ سے یہ طے پایا کہ احمد بن زہیر، مامون سے گفتگو کریں۔ چنانچہ دوسرے دن علی الصباح سب لوگ دربار میں جمع ہوئے۔ مامون نے آتے ہی سلام کیا اور نضر بن شمیل سے مخاطب ہو کر کہنے لگا کہ امام ابو حنیفہؒ کی کتابوں کے متعلق آپ لوگوں نے یہ کیا رویہ اختیار کیا کہ انھیں آب رواں میں بھیج کر دھو ڈالا۔ نضر تو خاموش رہے کچھ جواب نہ دیا مگر احمد بن زہیر نے عرض کیا، امیر المومنین اگر اجازت دیں تو میں کچھ عرض کروں۔ مامون نے کہا اگر تم بہتر طریقہ پر گفتگو کر سکتے ہو تو تم ہی کرو۔ وہ کہنے لگے امیر المومنین ہم نے ان کتابوں کو کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف پایا۔ مامون نے کہا کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف کس طرح، اتنا کہہ کر خالد بن صبیح سے ایک مسئلہ دریافت کیا کہ اس کے بارے میں امام ابو حنیفہؒ نے کیا کہا ہے۔ خالد نے امام ممدوح کے قول پر فتویٰ بتایا۔ احمد بن زہیر اس کے خلاف روایت بیان کرنے لگے مگر مامون نے امام ابو حنیفہؒ کی تائید میں وہ احادیث پیش کیں جو ان لوگوں کے علم میں بھی نہ تھیں۔ آخر اسی قسم کی باتیں جب ان لوگوں نے زیادہ بنائیں تو مامون کہنے لگا لو وجدناہ مخالفا لکتاب اللہ وسنۃ رسولہ صلی اللہ علیہ وسلم ما استعملناہ۔ (اگر ہم ان کو کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف پاتے تو ان پر عمل کرانے کے خواہشمند ہی کیوں ہوتے) خبردار اب آئندہ ایسی حرکت کرنے سے باز رہنا۔ اگر یہ بڑے میاں (نضر بن شمیل) تم میں نہ ہوتے تو میں تم کو ایسی سزا دیتا کہ یاد رکھتے

(مناقب امام الاعظم از صدر الائمہ

ج ۲ ص ۵۵ و ۵۶)

اسی کے ساتھ علما کی قدر شناسی کا یہ عالم تھا کہ اپنے عہدِ خلافت میں جب اس نے بغداد میں آکر قیام کیا ہے تو دو سو فقیہ اس کے دربار میں بیٹھتے تھے دستور تھا کہ اگر ان میں سے کوئی فوت ہوجاتا تو دوسرے کو بلاکر اس کی جگہ پُر کی جاتی تھی، مامون خود بھی ان سب میں فقہ و علم کے اعتبار سے ممتاز تھا۔ علامہ سیوطی نے لکھا ہے کہ مامون نے فقہاءِ آفاق کو جمع کرلیا تھا۔ سیوطی نے حافظ ابن عساکر کی تاریخ کے حوالہ سے یہ بھی نقل کیا ہے کہ سہ شنبہ کا دن خاص فقہی مباحثہ کے لئے مخصوص تھا اور مامون خود بہ نفس نفیس اس مباحثہ میں حصہ لیتا تھا۔ [3]

مامون نے پنجشنبہ ۱۲ رجب ۲۱۸ھ کو وفات پائی اور اس کا بھائی معتصم باللہ اس کی جگہ تخت خلافت پر متمکن ہوا، امام ابن ماجہ کا سن اس وقت نو سال کا تھا معتصم اگرچہ علم سے بالکل عاری تھا لیکن ایسا شکوہ و دبدبہ رکھتا تھا کہ شاہانِ عالم کا اس کے سامنے زہرہ آب تھا۔ آذربائجان، طبرستان، سیستان، اشباصح، فرغانہ، طیخارستان، صغد اور کابل ان تمام ممالک کے بادشاہ اس کے دربار میں گرفتار ہوکر آچکے تھے۔ معتصم نے ۸ سال ۸ ماہ ۸ دن حکومت کرکے ۱۸ ربیع الاول ۲۲۷ھ کو قضا کی۔ اب امام ابن ماجہ کی عمر ۱۸ سال کی ہوچکی تھی۔

امام ابن ماجہ کی زندگی کے عام حالات بالکل پردہ خفا میں ہیں اور خاص طور پر بچپن کے متعلق تو کچھ نہ معلوم ہوسکا۔ تاہم قیاس چاہتا ہے کہ عام دستور کے مطابق آپ نے لڑکپن ہی میں تعلیم کی ابتدا کی ہوگی اور شروع میں قرآن پاک پڑھا ہوگا، بعد کو سن تمیز پر پہنچ جانے اور ذرا سیانے ہوجانے پر حدیث کے سماع پر متوجہ ہوئے ہوں گے، اس لئے ہم آپ کی ابتدائی تعلیم کا زمانہ عہدِ مامون اور عہدِ معتصم کو قرار دیتے ہیں۔

قزوین: جو امام ابن ماجہ کا مولد و مسکن تھا جب امام موصوف نے آنکھ کھولی ہے تو علم حدیث کی درسگاہ بن چکا تھا اور بڑے بڑے علما یہاں مسند درس و افتا پر جلوہ گر تھے۔ ظاہر ہے کہ امام موصوف نے علم حدیث کی تحصیل کا آغاز وطن مالوف ہی سے کیا ہوگا۔ امام ابن ماجہ نے اپنی سنن میں قزوین کے جن مشائخ سے احادیث روایت کی ہیں وہ حسب ذیل ہیں،

علی بن محمد ابو الحسن طنافسی، مشہور حافظ حدیث ہیں، حافظ ذہبی نے تذکرۃ الحفاظ میں آپ کا تذکرہ ان لفظوں سے کیا ہے محدث قزوین وعالمھا۔ اصل میں کوفہ کے رہنے والے تھے، بعد کو رے اور قزوین میں سکونت اختیار کرلی تھی، ان کا خاندان اہلِ علم کا خاندان تھا، آپ کے دونوں ماموں یعلی بن عبید اور محمد بن عبید بھی محدث تھے، حسن بن محمد آپ کے بھائی بھی بڑے عالم تھے اور آپ کے صاحبزادے حسین قزوین کے قاضی تھے، آپ نے اپنے دونوں ماموؤں سے نیز کوفہ اور دوسرے شہروں کے مشاہیر ائمہ حدیث عبداللہ بن ادریس، حفص بن غیاث، ابومعاویہ، وکیع، ابن عیینہ اور ابن وہب وغیرہ سے حدیثیں سنی تھیں اور آپ سے ابوزرعہ، ابوحاتم، ابن ماجہ اور آپ کے صاحبزادے حسین طنافسی وغیرہ بہت سے علما روایت کرتے

---

[1] یہ بات بھی صدر الائمہ نے اسی واقعہ کے ذیل میں وراق کی زبانی نقل کی ہے۔ [2] ان کے اصل الفاظ یہ ہیں وجمع الفقہاء من الآفاق۔ تاریخ الخلفاء ص ۲۱۲۔ [3] ایضاً ص ۲۲۷۔

ہیں، حافظ ابن حبان نے کتاب الثقات میں آپ کا ذکر کیا ہے، محدث خلیلی کہتے ہیں کہ "آپ اور آپ کے بھائی حسن دونوں قزوین کے امام ہیں اور دونوں بڑے بلند پایہ تھے، بڑے بڑے علما تحصیلِ علم کی خاطر ان حضرات کے پاس سفر کرکے آیا کرتے تھے"۔ امام ابوحاتم فرماتے ہیں،

کان ثقة صدوقا وهو احب الی من ابی بکر بن ابی شيبة في الفضل والصلاح وابو بكر اكثر حديثا وافهم،	آپ ثقہ اور صدوق تھے اور مجھے فضیلت اور صلاح میں آپ ابوبکر بن ابی شیبہ سے بھی زیادہ پیارے ہیں مگر ابوبکرہ آپ سے حدیث کے علم اور اس کی فہم میں زیادہ تھے۔

آپ کی وفات ۲۳۸ھ میں ہوئی ہے۔ امام نسائی آپ کے بیک واسطہ شاگرد ہیں، کیونکہ انھوں نے مسند علی میں زیاد بن ایوب طوسی کے واسطے سے آپ سے حدیثیں نقل کی ہیں۔ (تذکرۃ الحفاظ وتہذیب التہذیب)

عمرو بن رافع ابو حجر بجلی، قزوین کے رہنے والے تھے، حفاظ حدیث میں آپ کا شمار ہے، عبداللہ بن مبارک، فضل بن موسیٰ اور ہشیم وغیرہ کے شاگرد ہیں اور آپ سے امام ابن ماجہ، ابوزرعہ اور ابوحاتم کو تلمذ حاصل ہے، ابوحاتم کا بیان ہے کہ ان سے زیادہ صادق اللہجہ اور صحیح الحدیث حضرات سے کم لکھنے کا اتفاق ہوا ہے، ابن حبان نے کتاب الثقات میں آپ کا ذکر کیا ہے اور لکھا ہے کہ حدیث میں بڑے مستقیم ہیں، خلیلی نے آپ کا سنہ وفات ۲۳۷ نقل کیا ہے۔ (خلاصہ خزرجی اور تہذیب التہذیب)۔

اسمٰعیل بن توبہ ابوسہل قزوینی، مشہور فقیہ اور محدث ہیں۔ آپ کی کنیت ابوسہل بھی ہے۔ پہلے رے میں رہتے تھے پھر قزوین میں آبسے، نسلاً آپ ثقفی ہیں اور آپ کے بزرگ طائف کے باشندے تھے۔ امام محمد، ہشیم، سفیان بن عیینہ، خلف بن خلیفہ اور اسمٰعیل بن جعفر وغیرہ سے فن حدیث کی تکمیل کی، اور آپ سے ابن ماجہ، ابوزرعہ، ابوحاتم، حسین بن اسحٰق تستری، علی بن سعید رازی، علی بن اسحاق کسائی اور محمد بن یونس اور دیگر علما کی ایک بڑی جماعت نے حدیثیں روایت کیں ۲۴۷ھ میں وفات پائی۔ امام ابوحاتم نے آپ کو صدوق کہا ہے اور خلیلی کے آپ کے بارے میں یہ الفاظ ہیں،

كان عالما كبيرا مشهورا رحل الی الحجاز والعراق،	یہ بڑے مشہور عالم تھے اور طلب علم میں انھوں نے حجاز و عراق کا سفر کیا تھا۔

حافظ ابن حبان نے کتاب الثقات میں آپ کا تذکرہ کیا ہے اور لکھا ہے کہ مستقیم الامر فی الحدیث یعنی فن حدیث میں آپ پختہ کار ہیں، آپ کے آخری شاگرد ابوبکر محمد بن حجاج مقری ہیں۔

آپ کا شمار کبار ائمہ حنفیہ میں سے ہے چنانچہ حافظ عبدالقادر قرشی نے الجواہر المضیۃ فی طبقات الحنفیہ میں آپ کا ذکر کیا ہے اور لکھا ہے کہ امام محمد کی مشہور کتاب السیر الکبیر کے آپ راوی ہیں۔ امام محمد ہارون الرشید کے شہزادگان کو جس زمانہ میں تعلیم دیتے تھے تو سیر کبیر کے درس میں یہ بھی ان کے ساتھ شریک رہتے تھے۔

واضح رہے کہ سیر کبیر کا شمار فقہ حنفی کی ان چھ کتابوں میں ہے کہ جو کتب ظاہر الروایۃ سے موسوم ہیں۔ (الجواہر المضیۃ، تہذیب التہذیب)۔

ہارون بن موسیٰ بن حیان تمیمی، کنیت ابوموسیٰ ہے، قزوین کے رہنے والے تھے، بہت سے محدثین سے حدیثیں سنی ہیں، اور آپ سے امام ابن ماجہ، ابوزرعہ، ابوحاتم اور آپ کے صاحبزادے موسیٰ نے حدیثیں نقل کی ہیں، ابن ابی حاتم نے آپ کو صدوق ثقہ کہا ہے اور خلیلی آپ کے متعلق لکھتے ہیں، ثقۃ کبیر المحل مشھور بالامانۃ والعلم والدیانۃ (ثقہ ہیں بڑے پایہ کے شخص ہیں، امانت، علم اور دیانت میں مشہور ہیں ۲۴۸ھ میں انتقال کیا۔ (تہذیب التہذیب)۔

محمد بن ابی خالد ابوبکر قزوینی، ان کے والد کا نام یزید ہے، آپ کو طبری بھی کہا جاتا ہے، فن حدیث میں عبدالرحمن بن مہدی، عبدالرزاق بن ہمام اور ابراہیم بن خالد کے شاگرد ہیں اور آپ سے امام ابن ماجہ اور موسیٰ بن ابراہیم بن حیان قزوینی نے حدیثیں روایت کی ہیں۔ خلیلی نے تاریخ قزوین میں آپ کا ذکر کیا ہے اور لکھا ہے کہ آپ قدیم الموت ہیں۔ (تہذیب التہذیب)۔

بہرحال امام ابن ماجہ کے پہلے اساتذہ کہ جن کے پاس آپ نے تحصیل فن کا آغاز کیا ہے یہی حضرات ہیں اور ان میں بھی محمد بن ابی خالد قزوینی جیسا کہ خلیلی نے ان کے قدیم الموت ہونے کی تصریح کی ہے شاید اور بھی پہلے ہوں۔

اس میں شک نہیں کہ اگرچہ ان بزرگوں کی درسگاہوں سے امام ابن ماجہ کو حدیث کا بہت بڑا ذخیرہ ہاتھ آیا تاہم تکمیلِ فن کے لئے بلادِ اسلامیہ کی طرف رحلت ضروری تھی تاکہ ایک حافظِ حدیث کے لئے طرق واسانید کا جتنا سرمایہ درکار ہے وہ فراہم ہوجائے۔

طلبِ حدیث کیلئے رحلت

رحلت وہ مقدس سفر ہے جو علم دین کی تحصیل کے لئے کیا جاتا تھا۔ یہ وہ مبارک عہد تھا کہ اس میں علم نبوی کے لئے گھر چھوڑنا اور دور دراز ممالک کا سفر کرنا مسلمانوں کا خصوصی شعار تھا، علماء سلف کو اس سفر کے ساتھ جو غیر معمولی شغف تھا آج اس کا اندازہ لگانا بھی ہمارے لئے مشکل ہے۔ محدثین کے حالات پڑھنے سے لفظ "رحلت" بجائے خود ایک مقدس لفظ معلوم ہونے لگتا ہے۔ ہائے کیسا مقدس تھا وہ گروہ کہ جس نے سفر کرتے کرتے خود لفظ میں تقدس پیدا کردیا اور کیسے نہ ہوتا جبکہ خود کتاب وسنت میں اس مبارک سفر کی ترغیب وتاکید موجود ہے۔ قرآن پاک میں ایک طرف حضرت موسیٰ علی نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام کے متعلق مذکور ہے کہ آپ نے طلبِ علم کی خاطر "مجمع البحرین" تک سفر کیا تھا اور دوسری طرف دینی تفقہ کے حصول کے لئے یہ خصوصی تاکید ہے۔

وَمَا كَانَ الْمُؤْمِنُونَ لِيَنْفِرُوا كَافَّةً فَلَوْلَا نَفَرَ مِنْ كُلِّ فِرْقَةٍ مِنْهُمْ طَائِفَةٌ لِيَتَفَقَّهُوا فِي الدِّينِ وَلِيُنْذِرُوا قَوْمَهُمْ إِذَا رَجَعُوا إِلَيْهِمْ لَعَلَّهُمْ يَحْذَرُونَ.	اور یہ ٹھیک نہیں کہ مسلمان سب کے سب نکل کھڑے ہوں پھر کیوں نہ نکلے ان کی ہر جماعت میں سے چند لوگ تاکہ سمجھ پیدا کریں دین میں اور ڈرائیں اپنی قوم کو جب لوٹ آئیں ان کی جانب تاکہ وہ بچتے رہیں۔

اور صحیح مسلم میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی زبانی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ مبارک ارشاد منقول ہے:

ومن سلك طریقا یلتمس فیہ علما سھل اللہ لہ طریقا الی الجنۃ (مشکوۃ کتاب العلم فصل اول) — جو شخص علم کی تلاش میں کسی راستہ پر گامزن ہوتا ہے اللہ تعالیٰ اس کے صلہ میں اس کے لئے جنت کی راہ آسان فرما دیتے ہیں۔

اور جامع ترمذی اور سنن دارمی میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

من خرج فی طلب العلم فھو فی سبیل اللہ حتی یرجع (مشکوۃ کتاب العلم، فصل ثانی) — جو شخص طلب علم میں نکلا وہ جب تک لوٹ کر نہ آئے راہِ خدا میں ہے۔

عہدِ رسالت میں اطراف عرب سے مختلف قبائل کے لوگ حاضرِ خدمت ہوتے اور ضروری تعلیم حاصل کرکے واپس ہو جاتے تھے، اصحاب صفہ مستقل طور پر آستانِ رسالت پر مقیم رہتے اور ہر وقت کی تعلیمات سے باخبر ہوتے تھے، یہ تو عہد نبوی کا حال تھا اور آپ کی وفات کے بعد بارہا ایسے واقعات پیش آئے ہیں کہ ایک ایک حدیث کی خاطر صحابہ نے ایک ایک ماہ کی مسافت طے کر ڈالی ہے۔

محدثین نے تو اس عنوان پر اپنی تصانیف میں مستقل ابواب قائم کئے ہیں، چنانچہ امام بخاری نے اپنی صحیح میں کتاب العلم کے اندر دو باب اسی مضمون کے باندھے ہیں، پہلا باب ہے باب الخروج فی طلب العلم اور ترجمۃ الباب میں ذکر کرتے ہیں کہ

ورحل جابر بن عبداللہ مسیرۃ شھر الی عبداللہ بن انیس فی حدیث واحد۔ — حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ نے حضرت عبداللہ بن انیس رضی اللہ عنہ سے ایک حدیث سننے کی خاطر ایک ماہ کا سفر کیا تھا۔

اور دوسرے باب کا عنوان ہے باب الرحلۃ فی المسئلۃ النازلۃ یعنی جو مسئلہ پیش آجائے اس کے دریافت کرنے کے لئے سفر اختیار کرنا اور دارمی نے اپنی سنن میں باب باندھا ہے باب الرحلۃ فی طلب العلم والعناء فیہ یعنی طلب علم کی غرض سے سفر کرنا اور اس میں مشقت اٹھانی۔

امام بخاری نے "ترجمۃ الباب" میں جس واقعہ کی طرف اشارہ کیا ہے اس کی تفصیل خود امام موصوف نے اپنی مشہور کتاب الادب المفرد میں اور امام احمد اور ابو یعلیٰ نے اپنی اپنی مسند میں بواسطہ عبداللہ بن محمد بن عقیل خود حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے اس طرح نقل کی ہے کہ مجھے ایک صاحب کے متعلق اطلاع ملی کہ انھوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ایک حدیث سنی ہے۔ میں نے فوراً اونٹ خریدا اس پر کجاوہ کسا اور ان صاحب کی طرف ایک ماہ کا سفر طے کرکے سیدھا ملکِ شام پہنچا۔ یہ صاحب عبداللہ بن انیس تھے۔ میں نے ان کے دربان سے کہا جاکر کہو جابر دروازہ پر کھڑا ہے۔ انھوں نے سنتے کے ساتھ ہی پوچھا کیا ابن عبداللہ۔ میں نے کہا جی ہاں۔ وہ فوراً باہر آئے گلے ملے۔ میں نے کہا مجھے ایک حدیث کے متعلق اطلاع ملی تھی کہ آپ نے اسے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے میں ڈرا کہ کہیں مجھے موت آجائے اور اس حدیث مبارک کے سننے سے محروم رہ جاؤں۔ یہ سن کر حضرت عبداللہ بن انیس رضی اللہ عنہ نے وہ حدیث بیان کردی۔ یہ حدیث[1] آخرت میں قصاص سے متعلق ہے اور امام بخاری نے اس کا ایک ٹکڑا صحیح بخاری، کتاب التوحید،

[1] فتح الباری بشرح صحیح البخاری ج ۱ ص ۱۵۸ و ۱۵۹ طبع میریہ مصر۔

باب لا تنفع الشفاعة الا لمن اذن له میں بھی ذکر کیا ہے۔

امام دارمی نے اپنی سنن میں عبد اللہ بن بریدہؓ سے روایت کی ہے کہ ایک صحابی سفر کرکے حضرت فضالہ بن عبید رضی اللہ عنہ کے پاس مصر پہنچے یہ اس وقت اپنی اونٹنی کو چارہ کھلا رہے تھے ان کو دیکھتے ہی بولے مرحبا صحابی مذکور نے فضالہؓ سے کہا لم اٰتك زائرا میں آپ کی ملاقات کے لئے نہیں آیا بلکہ اس غرض سے آیا ہوں کہ میں نے اور آپ نے ایک حدیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنی تھی مجھے امید ہے کہ وہ آپ کے علم میں ہوگی فضالہ نے پوچھا ما ھو وہ کونسی حدیث ہے؟ صحابی مذکور نے کہا کذا کذا جس میں یہ یہ ہے۔[1]

اسی طرح کا ایک واقعہ محدث حاکم نے معرفت علوم الحدیث میں حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ کا نقل کیا ہے کہ وہ بھی حضرت عقبہ بن عامر جہنی رضی اللہ عنہ کی خدمت میں صرف ایک حدیث کی خاطر سفر کرکے مصر تشریف لے گئے تھے چنانچہ جب وہ مسلمہ بن مخلد انصاری رضی اللہ عنہ کے مکان پر پہنچے جو اس وقت مصر کے گورنر تھے تو ان کو اطلاع دی مسلمہ جلدی سے باہر آئے معانقہ کیا، پوچھا کیسے تشریف آوری ہوئی، فرمایا ایک حدیث میں نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے سنی تھی، اب سوائے میرے اور عقبہ کے اور کوئی حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے اس کا سننے والا باقی نہیں اس لئے کسی کو بھیجدو جو مجھے ان کے مکان کا پتہ بتلادے مسلمہ رضی اللہ عنہ نے فوراً آدمی ساتھ کردیا۔ حضرت عقبہ رضی اللہ عنہ کو اطلاع ہوئی تو جلدی سے نکل کر معانقہ کیا اور پوچھنے لگے اے ابوایوب کیسے آنا ہوا؟ جواب دیا مسلمان کی پردہ پوشی کے بارے میں ایک حدیث میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے سنی تھی، اب میرے اور تمہارے سوا اور کوئی آپؐ سے اس کا سننے والا باقی نہیں ہے۔ عقبہ رضی اللہ عنہ بولے ہاں میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا ہے،

من ستر علی مومن فی الدنیا علی خزیۃ	جو دنیا میں کسی رسوائی پر مسلمان کی پردہ پوشی کرے گا
ستره الله یوم القیامۃ ۔	اللہ تعالیٰ قیامت میں اس کی پردہ پوشی فرمائے گا۔

حضرت ابوایوب رضی اللہ عنہ نے سن کر کہا تم نے سچ کہا۔ یہ کہہ کر سواری کا رُخ کیا اور سوار ہوکر مدینہ طیبہ کو واپس ہوگئے۔ واپسی میں اتنی جلدی کی کہ حضرت مسلمہ رضی اللہ عنہ نے جو نذرانہ ان کو بھیجا تھا وہ بھی عریش مصر میں ان کو ملا۔[2]

یہ دورِ صحابہؓ کے چند واقعات تھے جو بطور نمونہ کے از گزارے ہدیہ ناظرین کئے گئے، تابعین کا دور آیا تو اس سلسلہ کو اور ترقی ہوئی۔ خطیب بغدادی نے عبید اللہ بن عدی سے جو کبار تابعین سے ہیں نقل کیا ہے کہ مجھے ایک حدیث کی بابت پتہ چلا کہ وہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو معلوم ہے۔ ساتھ ہی خدشہ گذرا کہ کہیں خدانخواستہ ان کا انتقال ہوگیا تو پھر کسی اور سے وہ حدیث معلوم نہ ہوسکے گی۔ بس فوراً سفر شروع کردیا اور آپ کی خدمت میں عراق پہنچ کر دم لیا[3]

کثیر بن قیس کہتے ہیں میں مسجد دمشق میں حضرت ابودرداء رضی اللہ عنہ کی خدمت میں بیٹھا ہوا تھا دفعتاً

---

[1] سنن دارمی ص ۵، طبع نظامی کانپور حافظ ابن حجر نے فتح الباری (ج ۱ ص ۱۵۹) میں اس کو بحوالہ ابوداؤد نقل کیا ہے
[2] ص ۷ و ۸ طبع مصر۔ [3] فتح الباری ج ۱ ص ۱۵۹۔

ایک شخص نے ان سے آکر عرض کیا ابوالدرداء! میں مدینۃ الرسول (علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام) سے چل کر تمہارے پاس آرہا ہوں اور کسی حاجت و ضرورت سے نہیں آیا صرف ایک حدیث کے لئے آیا ہوں جس کے متعلق مجھے یہ معلوم ہوا ہے کہ آپ اسے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے بیان کیا کرتے ہیں۔ حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ نے جب یہ سنا تو فضیلتِ علم کے بارے میں جو حدیث انھوں نے سنی تھی اس شخص سے بیان کی۔ [۱]

صحیح بخاری میں مذکور ہے کہ علامۃ التابعین عامر شعبی نے ایک بار ایک حدیث بیان کی اور پھر سائل سے (جو خراسان کا رہنے والا تھا) کہنے لگے کہ ہم نے تمہیں مفت بتا دیا ہے ورنہ اس سے بھی کم کے لئے تو مدینہ کا سفر کیا جاتا تھا۔[۲] دارمی نے بسند صحیح بسر بن عبید اللہ سے روایت کیا ہے کہ میں صرف ایک حدیث کی خاطر شہر شہر کا سفر کیا کرتا تھا۔ اور ابوالعالیہ سے نقل کیا ہے کہ ہم بصرہ میں صحابہ کی روایات سنتے مگر جب تک مدینہ طیبہ جاکر خود ان کی زبانی نہ سن لیتے راضی نہ ہوتے۔[۳] سعید بن المسیب فرماتے ہیں کہ میں ایک ایک حدیث کی خاطر کئی کئی دن اور کئی کئی رات کا سفر کیا کرتا تھا۔[۴] امام احمد بن حنبلؒ سے کسی نے پوچھا کہ اسناد عالی کی طلب کے بارے میں آپ کی کیا رائے ہے۔ فرمانے لگے اسناد عالی کا طلب کرنا سلف کی سنت ہے کیونکہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے تلامذہ (آپ سے علم حاصل کرنے اور حدیثیں سن لینے کے باوجود) مدینہ کا سفر کرتے اور وہاں جاکر حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے علم سیکھتے اور حدیثیں سنتے تھے۔[۵]

ائمہ اربعہ میں بجز امام مالک کے کہ آپ نے کبھی طلب علم کے لئے مدینہ سے باہر قدم نہیں نکالا (کیونکہ اس وقت خود مدینہ دار العلم تھا اور تمام ممالک کے شیوخ و اساتذہ خود آستانۂ نبوی پر حاضر ہوتے تھے) بقیہ تمام ائمہ کے اسفار علمیہ ثابت ہیں، امام اعظم ابوحنیفہ کوفیؒ نے طلب علم میں بیس مرتبہ سے زیادہ بصرہ کا سفر کیا تھا اور اکثر سال سال بھر کے قریب کم و بیش قیام رہتا تھا۔[۶] اس زمانے میں حج بھی افادہ و استفادہ کا بڑا ذریعہ تھا کیونکہ ممالک اسلامیہ کے گوشہ گوشہ سے بڑے بڑے اہل کمال حرمین میں آکر جمع ہو جاتے تھے اور درس و افتا کا سلسلہ برابر جاری رہتا تھا۔ امام ابوالمحاسن مرغینانی نے بسند نقل کیا ہے کہ آپ نے پچپن[ع] حج کئے تھے۔[۷] علاوہ ازیں ۱۳۰ھ سے لے کر منصور عباسی کے زمانۂ خلافت تک جس کو چھ سال کا عرصہ ہوتا ہے آپ کا مستقل طور پر قیام مکہ معظمہ ہی میں رہا۔[۸]

---

[۱] یہ پوری حدیث مع اس واقعہ کی تفصیل کے مشکوٰۃ المصابیح کتاب العلم فصل ثانی میں بحوالہ احمد، ترمذی، ابوداؤد، ابن ماجہ اور دارمی مذکور ہے۔ [۲] باب تعلیم الرجل امتہ واہلہ۔ واضح رہے کہ امام شعبی کی طبیعت میں مزاح تھا۔
[۳] سنن دارمی ص ۷۴۔ [۴] معرفۃ علوم الحدیث ص ۸، [۵] مناقب الامام احمد لابن جوزی ص ۲۰۳ طبع مصر۔
[۶] مناقب الامام الاعظم از صدر الائمہ موفق بن احمد مکی ج ا ص ۵۹۔ [۷] ایضاً ج ا ص ۲۵۳۔ [۸] ایضاً ج ۲ ص ۲۴۔
[ع] ظاہر بینوں کو شاید امام اعظمؒ کی فہرست کمالات میں حج کی یہ تعداد مبالغہ آمیز نظر آئے۔ مگر تاریخ اسلام میں یہ کوئی عجیب بات نہیں ہم متعدد شخصوں کے نام بتا سکتے ہیں کہ جن کے حج کی تعداد اس سے بھی کہیں زیادہ ہے۔ امام ابن ماجہ نے اپنے شیخ علی بن منذر سے خود سنا ہے کہ انھوں نے اکہتر حج کئے تھے اور ان میں بھی بیشتر پیادہ پا ہی تھے۔ (سنن ابن ماجہ باب صید الکلب) محدث ابن جوزی نے مناقب احمد (ص ۳۸۷) میں سعید بن سلیمان ابوعثمان واسطی معروف بہ سعدویہ کے متعلق لکھا ہے کہ انھوں نے ساٹھ حج کئے تھے۔ اور حافظ عبدالقادر قرشی نے الجواہر المضیہ فی طبقات الحنفیہ میں سفیان بن عیینہ کے ترجمہ میں ذکر کیا ہے کہ انھوں نے ستر حج کئے تھے۔

امام شافعیؒ کے حدودِ سفر میں حافظ ابن حجر عسقلانی نے حسب ذیل مقامات کے نام لئے ہیں۔ مدینہ، یمن، عراق اور مصر[1] امام احمد بن حنبلؒ نے طلبِ حدیث میں کوفہ، بصرہ، مکہ، مدینہ، یمن، شام اور جزیرہ کا سفر کیا تھا[2]۔ اسی طرح امام ابو یوسف نے عراق و حجاز اور دیگر ممالک کے بہت سے مشائخ سے حدیث کی تحصیل کی ہے[3]۔ اور امام محمد نے کوفہ، بصرہ مکہ، مدینہ، شام اور بلادِ عراق میں جا کر حدیث کا سماع کیا تھا[4]، حافظ ذہبی نے مناقب ابی حنیفہ وصاحبیہ میں خود امام محمد کی زبانی نقل کیا ہے کہ میرے پدر بزرگوار نے تیس ہزار درہم چھوڑے تھے۔ میں نے ان میں سے پندرہ ہزار نحو اور شعر کی تحصیل پر صرف کئے اور پندرہ ہزار حدیث و فقہ کی تکمیل پر[5]۔

بہرحال علم کی دھن میں ملکوں ملکوں پھرنا سیکڑوں میل پا پیادہ طے کر لینا براعظم اور سمندر کو پار کر لینا اس دَور کے علماء کے نزدیک معمولی بات تھی۔ اسی عہد کا ذکر ہے کہ ایک دفعہ ایک شخص نے حضرت خلف بن ایوبؒ[6] سے جو

---

[1] توالی التاسیس بمعالی ابن ادریس از حافظ ابن حجر ص ۵۳ طبع میریہ مصر۔ [2] مناقب امام احمد از ابن جوزی ص ۲۲ طبع مصر ۱۳۴۹ھ۔ [3] ملاحظہ ہو حسن التقاضی فی سیرۃ الامام ابی یوسف القاضی از محدث کوثری ص ۵۴ طبع مصر۔
[4] بلوغ الامانی فی سیرۃ الامام محمد بن الحسن الشیبانی۔ از محدث کوثری ص ۶ طبع مصر۔ [5] کتاب مذکور طبع مصر ص ۵۴۔
[6] اہل بلخ کے امام ہیں بہت بڑے محدث اور فقیہ تھے آپ کا شمار اپنے وقت کے اکابر اولیاء اللہ میں ہے۔ حافظ ذہبی نے میزان الاعتدال میں آپ کا تذکرہ ان لفظوں سے شروع کیا ہے۔ خلف بن ایوب العامری البلخی ابو سعید احد الفقہاء الاعلام ببلخ، محدث حاکم کے الفاظ ہیں فقیہ اھل بلخ وزاھدھم، حافظ خلیلی لکھتے ہیں،

صدوق مشھور کان یوصف بالستر والصلاح والزھد وکان فقیھا علی رای الکوفیین۔

حدیث میں بڑے صادق اور مشہور ہیں، ستر و صلاح اور زہد سے موصوف تھے اور کوفیوں (احناف) کے مذہب پر فقیہ تھے۔

ذہبی فرماتے ہیں،

کان ذا علم وعمل وتالہ، زارہ سلطان بلخ فاعرض عنہ۔

آپ صاحبِ علم و عمل اور اللہ والے تھے، سلطان بلخ آپ کی زیارت کے لئے آیا تو آپ نے منہ پھیر لیا۔

حاکم نے لکھا ہے کہ فقہ کی تعلیم آپ نے امام ابو یوسفؒ اور ابن ابی لیلی سے پائی اور زہد و تصوف حضرت ابراہیم بن ادہم سے اخذ کیا، حافظ عبد القادر قرشی نے الجواہر المضیہ فی طبقات الحنفیہ میں لکھا ہے کہ "آپ امام محمد اور امام زفر کے تلامذہ میں سے تھے۔ ایکبار کسی نے آپ سے کہا کہ حسن بن زیاد کے ساتھ آپ کو بڑی شیفتگی ہے حالانکہ وہ نماز میں تخفیف کرتے ہیں فرمایا تخفیف نہیں بلکہ انھوں نے نماز کو سبک کر دیا ہے یعنی رکوع اور سجود پورا پورا ادا کرتے ہیں اور حدیث میں بھی آتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ارکان کی پوری ادائیگی کے باوجود سب سے سبک تر نماز ادا فرماتے تھے"۔ ابن حبان نے کتاب الثقات میں آپ کا ذکر کیا ہے اور حاکم نے تاریخ نیشاپور میں آپ کا مبسوط تذکرہ لکھا ہے۔

حدیث کا سماع آپ کو امام ابو یوسف، امام محمد، امام زفر اور ابن ابی لیلی کے علاوہ عوف اعرابی، قیس بن الربیع، اسرائیل بن یونس، اسد بن عمرو بجلی، جریر بن عبد الحمید اور دیگر علماء کی ایک جماعت سے حاصل ہے۔ ذہبی نے لکھا ہے کہ "آپ سے امام احمد ابو کریب اور ایک مخلوق نے حدیثیں روایت کی ہیں"۔ حاکم لکھتے ہیں کہ "۲۰۰ھ میں آپ نیشاپور تشریف لائے تھے تو ہمارے یہاں کے مشائخ نے آپ سے حدیثیں لکھی تھیں"۔ آپ کے شاگردوں میں امام احمد کے علاوہ امام یحیی بن معین اور مشہور فقیہ اور زاہد حضرت ایوب بن حسن حنفی خاص طور پر قابلِ ذکر ہیں۔ امام ترمذی نے بھی اپنی جامع میں ابو کریب محمد بن العلاء کے واسطے سے آپ سے یہ حدیث نقل کی ہے۔

(باقی بر صفحۂ آئندہ)

بلخ میں تھے آکر ایک مسئلہ دریافت کیا وہ کہنے لگے کہ مجھے تو معلوم نہیں۔ سائل نے کہا پھر کسی ایسے شخص کو بتائیے جسے یہ مسئلہ معلوم ہو۔ کہنے لگے ایسے تو حسن بن زیاد ہیں جو کوفہ میں ہیں۔ اس پر سائل نے کہا کوفہ تو بہت دور ہے۔ خلف نے کیا عمدہ جواب دیا۔

من همه الدین فالکوفة الیه قریبة — جسے دین کا فکر ہو اس کے لئے کوفہ قریب ہے۔

یہی وجہ تھی کہ جو اس زمانے میں طلب علم میں قطع منازل سے گھبراتا وہ طعن ملامت کا نشانہ بنتا تھا چنانچہ امام یحیی بن معین جو سید الحفاظ اور ناقد فن کہلاتے ہیں فرماتے ہیں "جو محدث اپنے ہی شہر میں حدیثیں لکھا کرے اور سفر نہ کرے اس میں تم کبھی بھلائی محسوس نہ کرو گے" اس عہد میں یہ سفر کتنا مبارک سمجھا جاتا تھا اس کا اندازہ آپ اس سے لگائیے کہ حضرت ابراہیم بن ادہم[۲] جو اپنے وقت کے کبار اولیاء اللہ میں سے تھے یوں فرماتے ہیں کہ

ان الله تعالیٰ یدفع البلاء عن هذه الامة برحلة اصحاب الحدیث (مقدمہ ابن صلاح ص ۲۱۰ طبع حلب) — اللہ تعالیٰ محدثین کے سفر کی برکت سے اس امت کی بلاؤں کو دفع فرماتا رہتا ہے۔

(بقیہ حاشیہ از صفحۂ گذشتہ)

خصلتان لا تجتمعان فی منافق حسن سمت ولا فقه فی الدین (باب ما جاء فی فضل الفقه علی العبادة) — دو خصلتیں ہیں جو منافق میں جمع نہیں ہوتیں ایک اچھا رویہ اور دوسرے دین کی سمجھ۔

افسوس ہے کہ امام ترمذی کو حضرت خلف کے حالات پر اطلاع نہ ہو سکی چنانچہ وہ اس حدیث کو روایت کر کے لکھتے ہیں کہ "سوائے محمد بن العلاء کے اور کسی کو میں نے ان سے روایت کرتے نہیں دیکھا اور مجھے پتہ نہیں کہ وہ کیسے شخص تھے" امام ذہبی ترمذی کی مذکورہ بالا عبارت نقل کر کے فرماتے ہیں، حدث عنه جماعة (ان سے تو ایک جماعت نے حدیثیں بیان کی ہیں) صدر الائمہ لکھتے ہیں:

"آپ اپنے اہل عصر میں سب سے بڑے زاہد و عابد تھے، عبد اللہ بن مبارک کی خدمت میں جب آپ پہنچے تو انہوں نے آپ سے معانقہ کیا اور بڑے اکرام سے پیش آئے اور جب اٹھ کر چلنے لگے تو فرمایا اس شخص کا طرز اہل جنت کے طرز سے کتنا ملتا جلتا ہے۔ اسی طرح ایک دفعہ آپ حماد بن سلمہ سے حدیث کا سماع کر رہے تھے جب درس سے فارغ ہو کر کھڑے ہوئے تو حماد کی زبان سے نکلا اس شخص کا طور طریق کتنا اچھا ہے۔ خراسان سے کوئی شخص اس سے زیادہ بہتر ہمارے پاس نہیں آیا۔ ۲۰۵ھ میں وفات پائی۔ جب جنازہ اٹھایا جانے لگا تو نوح بن اسد والی بلخ نے بڑھ کر جنازہ کو کاندھا دیا اور مصلے (وہ جگہ جو نماز جنازہ کے لئے مخصوص ہوتی ہے) تک اٹھائے لئے چلا گیا اور خود ہی نے نماز جنازہ پڑھائی۔ سلام پھیرا تو فضا سے آواز سنائی دی کہ اے نوح بن اسد تو نے روئے زمین کے بہترین شخص پر نماز پڑھی، تو نے خلف بن ایوب پر نماز پڑھی، تو فائز المرام ہے" (مناقب الامام الاعظم ج ۲ ص ۶۱ و ۶۲)۔

حاکم نے تاریخ نیشاپور میں آپ کا سنہ وفات ۲۱۵ لکھا ہے اور ابن جوزی نے المنتظم میں ۲۲۰ھ ذکر کیا ہے مگر صدر الائمہ نے جو سنہ وفات بیان کیا ہے، ذہبی نے میزان الاعتدال میں اسی کی تصحیح کی ہے۔ (میزان الاعتدال، تہذیب التہذیب، الجواہر المضیہ)

(حاشیہ صفحۂ ہذا) [۱] معرفة علوم الحدیث از حاکم نیشاپوری ص ۹ طبع مصر

[۲] آپ کا سلسلۂ نسب یہ ہے، ابراہیم بن ادہم بن منصور عجلی، بعض تمیمی بتاتے ہیں، ابو اسحاق آپ کی کنیت ہے بلخ کے رہنے والے تھے۔ پھر کوفہ آکر رہے۔ امام ابو حنیفہؒ سے فقہ کی تحصیل کی۔ اور بعد کو ملک شام میں جا کر سکونت اختیار کر لی۔ امام کردری لکھتے ہیں صحب الامام وروی عنه ونصحه الامام (مناقب امام اعظم از کردری ج ۲ ص ۲۲۲) یعنی آپ امام ابو حنیفہ کی صحبت میں رہے ہیں اور آپ سے حدیثیں روایت کی ہیں۔ امام صاحب نے آپ کو نصیحت بھی کی تھی۔ امام صاحب کی نصیحت کے الفاظ حسب ذیل ہیں۔ (باقی حاشیہ بر صفحۂ آئندہ)

طلب حدیث میں رحلت کے لئے جو ہدایات اصولِ حدیث کی کتابوں میں مذکور ہیں وہ یہ ہیں؛

واذا اخذ فیه فلیشمر عن ساق جده و اجتهاده ویبدأ بالسماع من اسند شیوخ مصره ومن الاولی فالاولی من حیث العلم او الشهرة او الشرف او غیر ذلك واذا فرغ من سماع العوالی والمهمات التی ببلده فلیرحل الی غیره۔ (مقدمہ ابن صلاح ص ۲۱۰)

جب فنِ حدیث کی تحصیل شروع کرے تو پھر پوری پوری سعی وکوشش کو کام میں لائے اور سب سے پہلے اپنے شہر کے شیوخ میں جو سب سے زیادہ علمِ روایت میں بڑھا ہوا ہو اس سے حدیث کا سماع شروع کرے اور علم یا شہرت یا شرف وغیرہ میں جو زیادہ سے زیادہ ممتاز ہوں پہلے ان ہی سے حاصل کرے اور جب اپنے شہر کی عالی اسانید اور مہمات کے سماع سے فارغ ہو جائے تو پھر دوسری جگہ کا سفر کرے۔

اور حافظ ابن حجر لکھتے ہیں:

وصفة الرحلة حیث یبتدئ بحدیث اهل بلده فیستوعبه ثم یرحل فیحصل فی الرحلة مالیس عنده۔ (شرح نخبہ)

اور رحلت کا طریقہ یہ ہے کہ اپنے اہل شہر کی حدیثوں سے ابتدا کرے اور جب وہ پورے طور پر حاصل کر چکے تو پھر اور شہروں کا سفر کرے اور اس سفر میں ان روایات کو حاصل کرے جو اس کے پاس نہ ہوں۔

امام ابن ماجہ نے بھی جب فن حدیث پر توجہ کی تو اسی قاعدہ کے بموجب سب سے پہلے اپنے شہر کے اساتذۂ فن کے سامنے زانوئے شاگردی تہ کیا اور اکیس بائیس سال کی عمر تک وطن عزیز ہی میں تحصیلِ علم میں مصروف رہے پھر جب یہاں سے فارغ ہوئے تو دوسرے ممالک کا سفر اختیار کیا۔ آپ کی "رحلت علمیہ" کی صحیح تاریخ تو معلوم نہ ہو سکی مگر علامہ صفی الدین خزرجی نے خلاصہ تذہیب تہذیب الکمال میں اسمٰعیل بن عبداللہ بن زرارۃ ابو الحسن الرقی کے ترجمہ میں تصریح کی ہے کہ

انما رحل ابن ماجة بعد الثلاثین (ص ۳۴ طبع مصر)

ابن ماجہ نے ۲۳۰ھ کے بعد سفر کیا ہے۔

جس سے اتنا معلوم ہوتا ہے کہ غالباً عمر عزیز کے تیئسویں [۲۳] سال آپ نے راہِ طلب میں وطن مالوف سے

(بقیہ حاشیہ از صفحۂ گذشتہ)

یا ابراهیم انك قد رزقت من العبادة شیئا صالحا فلیکن العلم من بالك فانه راس العبادة وبه قوام الامور۔ (مناقب صدر الائمہ ج ۲ ص ۹۱)

اے ابراہیم تمہیں عبادت کی تو بہت کچھ توفیق مل چکی ہے اسلئے علم کا بھی اہتمام چاہیئے کیونکہ وہ عبادت کی اصل ہے اور اسی پر سارے کاموں کی درستی کا مدار ہے۔

صدر الائمہ نے لکھا ہے کہ "آپ نے امام ابوحنیفہ، اعمش، محمد بن زیاد اور ان کے اقران سے حدیث کا سماع کیا ہے" (ج ا ص ۹۱) اور آپ سے امام اوزاعی (باوجودیکہ وہ عمر میں آپ سے بڑے تھے) سفیان ثوری، ابراہیم بن بشار، بقیہ بن الولید اور حضرت شقیق بلخی روایت کرتے ہیں، امام ترمذی نے اپنی سنن میں کتاب الطہارۃ کے اندر آپ سے ایک حدیث تعلیقاً نقل کی ہے۔ امام نسائی، دار قطنی، ابن معین، ابن نمیر نے آپ کو ثقہ کہا ہے اور ابن حبان کتاب الثقات میں آپ کے اوصاف کا ذکر اس طرح کرتے ہیں۔

کان صابرا علی الجهد والفقر والورع الدائم والسخاء الوافر الی ان مات۔

آپ مجاہدہ، فقر، مسلسل تقویٰ شعاری اور بہت زیادہ سخاوت میں مرتے دم تک ثابت قدم رہے۔

یعقوب بن سفیان کہتے ہیں کان من خیار الافاضل، امام نسائی فرماتے ہیں ثقة مامون احد الزهاد ۱۶۱ یا ۱۶۲ھ میں بلاد روم میں آپ نے وفات پائی۔ رحمہ اللہ ورضی عنہ (تہذیب التہذیب)

قدم باہر نکالا ہے، یہ وہ زمانہ ہے کہ محدثین اطرافِ عالم میں پھیل چکے تھے اور جا بجا اسناد و روایت کے دفتر کھلے ہوئے تھے تمام بلادِ اسلامیہ میں سینکڑوں نہیں بلکہ ہزاروں درس گاہیں قائم تھیں اور بڑے زور شور سے حدیث پاک کا درس جاری تھا۔ اس زمانہ میں عامہ مسلمین میں علم حدیث کا شوق اور رواج اس درجہ تھا کہ ایک ایک محدث کے حلقہ درس میں دس دس ہزار طلبہ کا شریک ہو جانا معمولی بات تھی۔ حافظ شمس الدین ذہبی، تذکرۃ الحفاظ میں آٹھویں طبقہ کے (جو امام ابن ماجہ کے شیوخ کا طبقہ ہے) ایک سو تیس اکابر حفاظ حدیث کا ذکر کرکے لکھتے ہیں:

ولعل قد اهملنا طائفة من نظرائهم، فان المجلس الواحد في هذا الوقت كان يجتمع فيه ازيد من عشرة آلاف محبرة يكتبون الآثار النبوية ويعتنون بهذا الشأن وبينهم نحو من مائتي امام قد برزوا وتاهلوا للفتيا (ج ۲ ص ۱۱۰ طبع جدید)

اور غالباً ہم ان ہی کے ہم پایہ حفاظ حدیث کی ایک جماعت کا ذکر رہ گیا ہے کیونکہ اس عہد میں ایک ایک مجلس میں دس دس ہزار سے زائد دواتیں جمع ہوتی تھیں اور لوگ احادیث نبوی کی کتابت میں مصروف اور اس فن پر متوجہ تھے اور ان میں تقریباً دو سو امام ایسے تھے جو بالکل نمایاں تھے اور فتوے دینے کے اہل تھے۔

حافظ ذہبی نے دس ہزار طلبہ کی جو تعداد بتائی ہے یہ عام حلقہ ہائے درس کی ہے ورنہ خاص خاص ائمہ حفاظ کی مجلس املا میں یہ تعداد اس سے کئی کئی گنا زیادہ ہوتی تھی جو کبھی ایک لاکھ سے بھی اوپر پہنچ جاتی تھی، چنانچہ مسند عراق امام حافظ ابو الحسن علی بن عاصم واسطی جو امام ابو حنیفہؒ کے مشہور شاگرد ہیں ان کے حلقہ درس میں تیس ہزار سے زیادہ کا اجتماع ہوتا تھا[1] ان ہی کے صاحبزادے ہیں امام ابو الحسین عاصم بن علی واسطی المتوفی ۲۲۱ھ

[1] تذکرۃ الحفاظ، تذکرہ علی بن عاصم۔ یہی وہ حلقہ درس تھا کہ جس میں بڑے بڑے نامور ائمہ حدیث مثلاً امام احمد بن حنبل محمد بن یحییٰ ذہلی، عبد بن حمید، یعقوب بن شیبہ، حارث بن ابی اسامہ وغیرہ نے حاضر ہو کر آپ کے سامنے زانوئے شاگردی تہ کیا ہے۔ امام موصوف کا بیان ہے کہ میرے والد بزرگوار نے ایک لاکھ درہم مجھ کو دیئے تھے اور یہ کہدیا تھا کہ جاؤ اب بغیر ایک لاکھ حدیثوں کے میں تمہاری صورت نہ دیکھنے پاؤں۔ ہونہار فرزند نے باپ کی توقع کو ضائع نہیں کیا اور اپنی سعی بلیغ سے اس فن میں وہ کمال حاصل کیا کہ دربار علم سے آپ کو مسند العراق اور الامام الحافظ کے خطابات عطا کئے گئے۔ چنانچہ ذہبی نے تذکرۃ الحفاظ میں جب آپ کا تذکرہ لکھا تو ان ہی لفظوں سے شروع کیا ہے۔ (تذکرۃ الحفاظ)

علی بن عاصم، امام اعظمؒ کے مخصوص تلامذہ میں سے تھے۔ حدیث و فقہ کا بیشتر علم انھوں نے امام صاحب ہی سے حاصل کیا ہے چنانچہ صدر الائمہ موفق بن احمد مکی المتوفی ۵۶۸ھ مناقب الامام الاعظم میں رقمطراز ہیں،

وعلی بن عاصم هذا امام اهل واسط في الحديث والفقه وانواع العلوم اكثر عن ابي حنيفة رضي الله عنه الحديث والفقه۔ (ج ۲ ص ۴۰)

یہ علی بن عاصم حدیث فقہ اور دیگر انواع علوم میں اہل واسط کے امام ہیں۔ انھوں نے امام ابو حنیفہؒ سے حدیث و فقہ کی بکثرت روایت کی ہے۔

چونکہ انھوں نے امام صاحب سے بہت زیادہ علمی استفادہ کیا تھا اس لئے ان کو امام صاحب کے علم پر رائے قائم کرنے کا کافی موقع ملا تھا، ان کا قول ہے: لو وزن علم ابي حنيفة باهل زمانه لرجح علم ابي حنيفة۔ اگر ابو حنیفہؒ کے علم کا ان کے اہل زمانہ کے علم کے ساتھ موازنہ کیا جائے تو ابو حنیفہ کے علم کا پلڑا بھاری رہے گا۔

ان کو امام اعظمؒ سے تعلق اور محبت اس درجہ تھی کہ ان کے شاگرد جب یہ محسوس کرتے کہ استاد تازہ دم ہو کر پھر طلبہ کی طرف متوجہ ہوں اور درس کا سلسلہ دیر تک جاری رہے تو فوراً امام صاحب اور مغیرہ (بن مقسم کوفہ کے مشہور فقیہ جو امام صاحب کے معاصر تھے) کا ذکر چھیڑ دیتے اور تازہ دم ہو کر پھر کثرت سے روایتیں بیان کرنا شروع کر دیتے (مناقب موفق ج ۲ ص ۴۰) ۱۰۵ھ میں پیدا ہوئے اور ۲۰۱ھ میں وفات پائی۔

جوامام بخاری کے بھی شیوخ میں ہیں اور ان سے انھوں نے اپنی صحیح میں حدیثیں روایت کی ہیں ان کے متعلق حافظ ذہبی، تذکرۃ الحفاظ میں رقمطراز ہیں:

قدم بغداد واملی بھا وتزاحموا علیہ — یہ بغداد آئے، وہاں حدیث کی املا کرائی، اور لوگوں کا ان کے پاس اژدحام لگ گیا۔

ابوالحسین بن المبارک کا بیان ہے کہ ان کی مجلس درس میں حاضرین کا اندازہ ایک لاکھ نفوس سے اوپر کا کیا جاتا تھا۔ ہارون نامی مستملی کھجور کے ایک درخت پر چڑھ کر ان کی طرف سے مستملی (نائب جو شیخ کے الفاظ کو دور دور تک پہنچا سکے) ہوتے تھے، عمر بن حفص سدوسی کہتے ہیں کہ شہزادہ معتصم نے (جو آگے چل کر مامون کے بعد خلیفہ ہوا) ایک بار اپنے کارندوں کو ہمارے شیخ عاصم کی مجلس املا میں جو "رحبۃ النخل" (بغداد کے نخلستان کا وسیع میدان) میں منعقد ہوا کرتی تھی شرکاء درس کا اندازہ کرنے کے لئے بھیجا، عاصم چھت پر بیٹھ کر عام آدمیوں کو سنایا کرتے تھے (خلقت کے ہجوم کی یہ کیفیت تھی) کہ خود میں نے ایک دن سُنا کہ وہ کہتے جاتے تھے حدثنا اللیث بن سعد اور کثرتِ اژدحام کے باعث چونکہ لوگوں کے کانوں تک آواز نہیں پہنچ رہی تھی اس لئے وہ بار بار ان سے پوچھتے جاتے تھے یہاں تک کہ یہی کلمہ ان کو چودہ دفعہ دوہرانا پڑا۔ اس مجلس میں ہارون مستملی بھی ایک خمدار کھجور کے درخت پر چڑھ کر ان کی آواز پہنچا رہے تھے۔ معتصم کے کارندوں نے جب اس مجلس کے شرکاء کا اندازہ کیا تو حاضرین کی تعداد ایک لاکھ بیس ہزار آئے پہنچی۔ ان ہی کے متعلق عجلی کہتے ہیں کہ میں عاصم بن علی کی مجلس درس میں شریک تھا اس روز جب لوگوں نے اس مجلس کے حاضرین کا اندازہ لگایا تو ایک لاکھ ساٹھ ہزار تھے۔ ؎۲

امام اعظم ہی کے ایک اور شاگرد خاص ہیں یزید بن ہارون جو فن حدیث کے مشہور امام ہیں، ان کے متعلق یحیی بن ابی طالب کا بیان ہے کہ میں نے بغداد میں ان سے حدیث کا سماع کیا ہے، اس وقت لوگ ان کے درس میں ستر ہزار حاضرین کی تعداد بتایا کرتے تھے۔ ؎۳

ابوحاتم کہتے ہیں کہ میں بغداد میں سلیمان بن حرب المتوفی ۲۲۴ھ (کہ جن کا شمار مشہور حفاظ حدیث میں ہے)

؎۱ تذکرۃ الحفاظ تذکرہ عاصم بن علی بن عاصم۔ ؎۲ تہذیب التہذیب تذکرہ امام موصوف۔ ؎۳ تذکرۃ الحفاظ، ترجمہ یزید بن ہارون۔ حافظ ذہبی نے ان کا بڑا بسوط تذکرہ لکھا ہے جو ان الفاظ سے شروع ہوتا ہے الحافظ القدوۃ شیخ الاسلام علی بن مدینی کا قول ہے کہ میں نے یزید بن ہارون سے بڑھ کر کسی کو حافظ حدیث نہیں پایا، ابن ابی شیبہ کہتے ہیں کہ ہم نے یزید سے زیادہ حفظ میں پکا کسی کو نہیں دیکھا۔ علی بن عاصم کا بیان ہے کہ یزید رات بھر نوافل میں مصروف رہتے تھے انھوں نے کچھ اوپر چالیس سال تک عشا کے وضو سے صبح کی نماز پڑھی ہے۔ ۱۱۷ھ یا ۱۱۸ھ میں آپ کی ولادت ہوئی اور ۲۰۶ھ میں وفات پائی۔ حافظ عبدالقادر قرشی نے الجواہر المضیہ فی طبقات الحنفیہ میں آپ کا ذکر کیا ہے اور حافظ ذہبی نے تذکرۃ الحفاظ میں امام ابوحنیفہ کے ترجمہ میں تصریح کی ہے کہ یزید بن ہارون نے آپ سے حدیثیں روایت کی ہیں، یہ امام صاحب کے فضل و کمال اور حفظ حدیث کے نہایت معترف تھے چنانچہ محدث صیمری (جو حدیث میں خطیب بغدادی کے استاد ہیں) اپنی مشہور تصنیف مناقب الامام ابی حنیفہ میں یہ سند ان کو ناقل ہیں کان ابو حنیفۃ تقیا نقیا زاھدا عالما صدوق اللسان احفظ اھل زمانہ (امام ابوحنیفہ، متقی، پاکیزہ اوصاف زاہد، عالم، صداقت شعار، اور اپنے معاصرین میں حدیث کے سب سے بڑے حافظ تھے) مناقب صیمری کا قلمی نسخہ مجلس علمی کے کتب خانے میں کراچی میں موجود ہے اور ہم نے اسی سے یہ عبارت نقل کی ہے۔

کی مجلسِ درس میں شریک تھا۔ حاضرین کا تخمینہ چالیس ہزار لگایا گیا۔ قصرِ مامون کے پہلو میں ایک مرتفع جگہ مثل منبر تیار کی گئی۔ سلیمان نے اس پر چڑھ کر درس دیا۔ خلیفہ مامون اور تمام امراء دربار حاضر تھے۔ سلیمان جو املا کرا رہے تھے۔ مامون خود بھی اس کو لکھتے جاتے تھے۔[۱]

احمد بن جعفر ختلی کہتے ہیں کہ حافظ ابو مسلم کجی صاحب السنن المتوفی ۲۹۲ھ جب بغداد آئے اور انھوں نے "رحبہ غسان" (غسان کا چوک) میں حدیث کی املا کرائی تو اس وقت ان کی مجلس میں سات مستملیوں کو اس طرح کھڑا ہونا پڑا کہ ہر ایک دوسرے کو شیخ کی آواز پہنچا سکے، کثرت اژدحام کے سبب لوگ کھڑے کھڑے حدیثیں لکھ رہے تھے، درس کے بعد جب "رحبہ" کی پیمائش کی گئی اور صرف ان لوگوں کو گنا گیا کہ جو دواتیں لیکر آئے تھے تو کچھ اوپر چالیس ہزار نفوس تھے اور جو لوگ لکھتے نہ تھے صرف سماعاً شریک تھے وہ اس کے علاوہ ہیں۔ ذہبی نے اس واقعہ کو نقل کرکے لکھا ہے کہ هذه حكاية ثابتة رواها الخطيب في تاريخه عن بسر الفاتني انه سمع الختلي يقولها (یعنی یہ صحیح واقعہ ہے اس کو خطیب نے اپنی تاریخ میں بسر فاتنی سے نقل کیا ہے اور انھوں نے خود ختلی سے سنا ہے)۔[۲]

حافظ جعفر فریابی المتوفی ۳۰۱ھ کا جب بغداد میں ورود ہوا تو طبل ودمامہ سے ان کا استقبال کیا گیا اور لوگوں میں اعلان ہوا کہ "شارع منار" (بغداد کی مشہور شاہراہ) میں ان کا درس حدیث ہوگا پھر جب حاضرین درس کا اندازہ لگایا گیا تو تیس ہزار کے قریب تخمینہ ہوا اور مستملیوں کی تعداد تین سو سولہ تھی۔ ابو الفضل زہری کا بیان ہے کہ جب میں نے فریابی سے حدیث سنی ہے تو ان کی مجلس میں دس ہزار کے قریب وہ لوگ موجود تھے جو لکھنے کیلئے دواتیں اپنے ساتھ لائے تھے اور جو لوگ نہیں لکھ رہے تھے وہ اس تعداد سے خارج ہیں۔ حافظ ذہبی نے لکھا ہے کہ ابو الفضل نے فریابی سے ۲۹۵ھ میں حدیث کا سماع کیا ہے۔[۳]

امام علامہ حافظ الحدیث ابو محمد عبداللہ حارثی بخاری، جامع مسند امام ابو حنیفہ المتوفی ۳۴۰ھ کہ جن کو دربار علم سے فن حدیث میں عبداللہ الاستاذ کا ممتاز خطاب ملا تھا جب اپنی مشہور تصنیف کشف الآثار الشریفہ فی مناقب الامام ابی حنیفہ کا املاء کراتے تھے تو آپ کی مجلس املاء میں چار سو مستملی ہوتے تھے۔[۴] خیال کیجئے کہ جب

---

[۱] تذکرۃ الحفاظ، ترجمہ سلیمان بن حرب۔ [۲] ایضاً تذکرہ حافظ ابو مسلم کجی۔ [۳] ایضاً تذکرہ فریابی۔

[۴] الجواہر المضیہ فی طبقات الحنفیہ از حافظ عبدالقادر قرشی اور الاثمار الجنیہ فی طبقات الحنفیہ از محدث ملا علی قاری، ان دونوں کتابوں میں امام موصوف کا تذکرہ ملاحظہ ہو، ان دونوں اکابر کے متفقہ الفاظ میں ولما املی مناقب ابی حنیفۃ کان یستملی علیہ اربع مائۃ مستمل، الاثمار الجنیہ ہماری نظر سے نہیں گذری۔ مولانا عبدالحی فرنگی محلی نے الفوائد البہیہ فی تراجم الحنفیہ میں ملا علی قاری کی یہ عبارت نقل کی ہے۔ امام حارثی مشاہیر ائمہ احناف میں سے ہیں۔ شاہ ولی اللہ صاحب نے اپنے رسالہ الانتباہ میں آپ کو "اصحاب الوجوہ" میں سے شمار کیا ہے اور لکھا ہے کہ یہ اپنے زمانہ میں فقہاء حنفیہ کا مرجع تھے۔ "اصحاب الوجوہ" کا درجہ مجتہد فی المذہب اور مجتہد مطلق منتسب کے درمیان ہے۔ فقہ کی تحصیل آپ نے امام ابو حفص صغیر سے کی تھی اور انھوں نے اپنے والد ماجد امام ابو حفص کبیر سے جو امام محمد کے مشاہیر تلامذہ میں سے ہیں۔

اور علم حدیث کیلئے آپ نے خراسان، عراق اور حجاز کے مختلف شہروں کا سفر کیا تھا اور بہت سے شیوخ سے اس فن کی تحصیل کی تھی۔ حافظ سمعانی، کتاب الانساب میں لکھتے ہیں۔ (باقی حاشیہ برصفحہ آئندہ)

امام اعظمؒ کے بیان مناقب میں سنّیلیوں کی یہ تعداد ہوتی تھی تو آپ کی مسند کے درس میں خدا جانے یہ تعداد کہاں سے کہاں جا پہنچتی ہوگی۔

اور یہ تو وہ حضرات ائمہ تھے کہ جن کی مجلس درس کے حاضرین کا خواہ وہ تعداد میں کتنے ہی زیادہ سہی لیکن بہرحال شمار کر لیا گیا مگر ائمہ مشاہیر میں بعض ایسے بھی گزرے ہیں کہ جن کو خدا نے وہ قبول عام بخشا تھا کہ ان کے حضار مجلس کا شمار بھی دشوار رہا تھا ان ہی خوش قسمت بزرگوں میں صاحبین (امام ابو یوسف اور امام محمد) بھی داخل ہیں۔ چنانچہ حافظ عبد القادر قرشی[۱] الجواہر المضیہ کے مقدمہ میں فرماتے ہیں۔

(بقیہ حاشیہ از صفحۂ گذشتہ) رحل الی خراسان والعراق والحجاز وادرك الشیوخ۔ اور حافظ خلیلی کے الفاظ ہیں یعرف بالاستاذ له معرفة بهذا الشان (استاذ مشہور ہیں اور اس فن کی انھیں معرفت حاصل ہے) حافظ سمعانی لکھتے ہیں کان شیخا مکثرا من الحدیث (بڑے کثیر الحدیث شیخ تھے) اور حافظ شمس الدین ذہبی نے تذکرۃ الحفاظ میں قاسم بن اصبغ کے ترجمہ میں بضمن وفیات ۳۴۰ھ ان کا ذکر ان شاندار الفاظ میں کیا ہے:

وفیها مات عالم ما وراء النهر ومحدثها الامام العلامة ابو محمد عبد الله بن محمد بن یعقوب بن الحارث الحارثی البخاری الملقب بالاستاذ جمع مسند ابی حنیفة الامام وله اثنتان وثمانون سنة	اور اسی سال میں ماوراء النہر کے عالم اور محدث امام علامہ ابو محمد عبد اللہ بن محمد بن یعقوب بن حارث حارثی بخاری نے کہ جو الاستاذ کے لقب سے ملقب ہیں اور جنھوں نے امام ابو حنیفہ کی مسند کو جمع کیا ہے بیاسی سال کی عمر میں وفات پائی۔

یہ مسند کس شان کی ہے اس کے متعلق محدث محمد بن محمود خوارزمی المتوفی ۶۶۵ھ، جامع مسانید الامام الاعظم میں رقمطراز ہیں۔

ومن طالع مسنده الذی جمعه للامام ابی حنیفة علم تبحره فی علم الحدیث واحاطته بمعرفة الطرق والمتون - (ج ۲ ص ۵۲۵ مطبوعہ مطبع دائرۃ المعارف حیدرآباد دکن)	جو شخص بھی ان کی اس مسند کا مطالعہ کریگا کہ جس میں انھوں نے امام ابو یوسف کی مرویات کو جمع کیا ہے۔ وہ علم حدیث میں ان کے تبحر اور طرق اسانید و متون پر ان کی انتہائی وسعتِ نظر کا قائل ہو جائے گا۔

حافظ ابن حجر عسقلانی نے بھی تعجیل المنفعہ بزوائد رجال الائمۃ الاربعہ (ص ۵ مطبوعہ دائرۃ المعارف) میں آپ کو حافظ حدیث تسلیم کیا ہے، بڑے بڑے حفاظ حدیث جیسے حافظ ابن مندہ، حافظ ابن عقدہ حافظ ابو بکر جابی فن حدیث میں آپ کے شاگرد تھے۔ افسوس ہے کہ ایسا بلند پایہ حافظ حدیث اور امام وقت بھی دشمنوں کے حملہ سے نہیں بچا اور بعض متعصب محدثین نے جن کو حنفیہ کی تنقیص میں مزہ آتا ہے ان پر بھی جرح کر ڈالی، بلکہ ابن جوزی نے تو ابو سعید رواس سے آپ کے متعلق بہت ہی سخت ریمارک نقل کر ڈالا۔ آخر حافظ عبد القادر قرشی کو لکھنا پڑا کہ

عبد الله بن محمد اکبر واجل من ابی سعید الرواس۔	امام عبد اللہ کا رتبہ ابن جوزی اور ابو سعید دونوں سے بڑھ چڑھ کر ہے

(کتاب الانساب سمعانی، تذکرۃ الحفاظ، لسان المیزان، الجواہر المضیہ، الفوائد البہیہ)

(حاشیہ صفحہ ھذا) [۱] آپ کی کنیت ابو محمد اور لقب محی الدین ہے۔ حافظ ابن فہد نے لحظ الالحاظ میں آپ کا تذکرہ لکھا ہے۔ یہ کتاب امام ذہبی کی تذکرۃ الحفاظ کا ذیل ہے اور اس میں صرف ان ہی خوش قسمت لوگوں کا تذکرہ ہے جو حدیث کے حافظ شمار کئے جاتے ہیں۔ آپ کی ولادت ۶۹۶ھ میں ہوئی۔ سلسلہ نسب یہ ہے عبد القادر بن محمد بن محمد بن نصر اللہ بن سالم بن ابی الوفاء القرشی الحنفی۔ حدیث کی تحصیل اس عصر کے مشاہیر اساتذۂ فن سے کی۔ حافظ دمیاطی نے بھی آپ کو حدیث کی اجازت دی تھی۔ ابن فہد نے آپ کا تذکرہ الامام العلامۃ الحافظ کے الفاظ سے کیا ہے۔ حدیث کے علاوہ فقہ اور دیگر علوم میں بھی کمال حاصل تھا۔ (باقی بر صفحۂ آئندہ)

واصحاب الامالی الذین رووھا عن ابی یوسف لا یحصون۔	امام ابو یوسفؒ سے جن لوگوں نے ان کی امالی کو روایت کیا وہ شمار نہیں کئے جا سکتے۔

امام محمد جب کوفہ میں موطا کا درس دیتے تھے تو اس کثرت سے لوگ آتے کہ راستے بند ہو جاتے تھے۔[1] موطا کی عراق میں اسی مقبولیت کو دیکھ کر سعدون مالکی نے کہا تھا۔

(بقیہ حاشیہ از صفحۂ گذشتہ) علامہ کفوی، طبقات الحنفیہ میں لکھتے ہیں کان عالما فاضلا جامعا للعلوم ابن فہد رقمطراز ہیں۔ وتفقہ وبرع وافتی ودرس وصنف وجمع۔ تفقہ حاصل کیا، ممتاز ہوئے، فتوی دیا، درس دیا، تصنیف کی اور مدون کیا۔

بڑے بڑے حفاظ حدیث اور نامور فضلاء نے آپ سے فن حدیث کی تحصیل کی، ابن فہد کی تصریح ہے وحدث وسمع منہ الحفاظ والفضلاء، ۸۵۵ھ میں وفات پائی، اور حسب ذیل نادر تصانیف آپ نے یادگار چھوڑی ہیں۔ (۱) الحاوی فی بیان آثار الطحاوی (۲) الدر المنیف فی الرد علی ابن ابی شیبۃ فیما اوردہ علی ابی حنیفہ۔ (۳) العنایہ فی تخریج احادیث الہدایہ۔ (۴) تہذیب الاسماء الواقعۃ فی الہدایہ والخلاصہ۔ (۵) البستان فی فضائل النعمان۔ (۶) اوہام الہدایہ (۷) الاعتماد فی شرح الاعتقاد۔ (۸) الطرق والوسائل الی معرفۃ احادیث خلاصۃ الدلائل (۹) شرح الخلاصہ (۱۰) مختصر فی علوم الحدیث۔ (۱۱) کتاب فی المؤلفۃ قلوبہم۔ (۱۲) الوفیات (۱۳) الجواہر المضیئۃ فی طبقات الحنفیہ (لحظ الالحاظ، الفوائد البہیہ)

(حاشیہ صفحۂ ھذا) [1] یہ واقعہ امام مالکؒ کی وفات کے بعد کا ہے جس کی تفصیل امام اسد بن فرات اس طرح بیان کرتے ہیں کہ ہم ایک دن امام محمد بن حسن کے حلقہ درس میں موجود تھے دفعۃً ایک شخص گردنوں کو پھلانگتا ہوا سیدھا امام محمد کے پاس پہنچا اور ہم نے امام موصوف کی زبان سے یہ کلمات سنے،

انا للہ وانا الیہ راجعون مصیبۃ ما اعظمہا مات مالک بن انس امیر المؤمنین فی الحدیث۔	انا للہ وانا الیہ راجعون، کتنی بڑی مصیبت ہے کہ مالک بن انس کا انتقال ہو گیا جو حدیث میں امیر المؤمنین تھے۔

پھر یہ خبر مسجد میں پھیلی اور لوگوں کو امام مالک کی وفات کا سخت قلق ہوا۔ اسد کا بیان ہے کہ

وکان اذا حدث عن مالک بعد ذلک اجتمع علیہ الناس وانسدت الیہ الطرق رغبۃ منہم فی حدیث مالک واذا حدث عن غیرہ لم یجئہ الا الخواص۔ (ذیل الامانی از محدث کوثری، نقلا عن معالم الایمان ج ۲)	اس کے بعد جب آپ امام مالک سے حدیث روایت کرتے تو لوگ امام مالک کی حدیث کے شوق میں اس کثرت سے آپ کی خدمت میں جمع ہوتے کہ آپ کے یہاں آنے کے لئے راستے مسدود ہو جاتے اور جب امام مالک کے علاوہ اور لوگوں سے حدیث روایت کرتے تو بجز خواص کے اور لوگ نہیں آتے تھے۔

غالباً اسی زمانے کے قریب امام شافعی بھی تحصیل علم کی غرض سے آپ کے آستانہ پر حاضر ہوئے تھے کیونکہ ان کے الفاظ یہ ہیں:

کان محمد بن الحسن اذا حدثہم عن مالک امتلأ منزلہ وکثروا حتی یضیق بہم الموضع واذا حدث عن غیر مالک لم یأتہ الا الیسیر۔ (مناقب ابی حنیفہ وصاحبیہ للذہبی۔ ص ۵۰ طبع مصر)	امام محمد بن حسن جب امام مالک سے حدیث بیان کرتے تو ان کی فرودگاہ پر ہو جاتی تھی اور لوگ اتنی کثرت سے جمع ہوتے کہ جگہ تنگ ہو جاتی اور جب امام مالک کے علاوہ کسی اور سے حدیث روایت کرتے تھے تو لوگ تھوڑے آتے تھے۔

قدرتی طور پر امام محمد کو لوگوں کا یہ طرز عمل گراں گزرتا تھا، امام شافعی کا بیان ہے کہ ایک بار وہ حاضرین سے اس انداز میں شکوہ فرمانے لگے۔

ما اعلم احدا اسوأ ثناء علی اصحابہ منکم اذا	میرے علم میں تم سے بڑھ کر اپنے شیوخ کا ناقدرا کوئی نہیں، جب میں

(باقی بر صفحۂ آئندہ)

ومما به اهل الحجاز تفاخرا ◆ ان الموطا في العراق محبب

اور منجملہ ان باتوں کے کہ جن پر اہلِ حجاز کو فخر ہے ایک چیز یہ بھی ہے کہ موطا، عراق میں محبوب ہے۔ [1]

(بقیہ حاشیہ از صفحہ گذشتہ) حدثتکم عن مالک ملأتم علی الموضع واذا حدثتکم عن اصحابکم انما تأتون متکارھین۔ (حوالہ بالا)
تم سے مالک کی حدیثیں بیان کرتا ہوں تو تم میرے پاس آکر ساری جگہ بھر دیتے ہو اور جب تم سے تمہارے ہی شیوخ کی حدیثیں روایت کرتا ہوں تو تم ناخوشدلی کے ساتھ آتے ہو۔

مگر اہلِ کوفہ اس سلسلہ میں مجبور تھے کیونکہ ان کے شیوخ کی حدیثوں سے سارا عراق بھرا پڑا تھا اور ان شیوخ کے تلامذہ ہر جگہ بکثرت موجود تھے جن میں بہت سے وہ بھی تھے کہ جو امام محمد سے طبقہ میں بڑے تھے ایسی صورت میں کوفہ کے دیگر اساتذہ کے حلقۂ درس کو چھوڑ کر ان کے یہاں آنے کی کوئی خاص وجہ نہیں تھی چنانچہ جب تک امام مالک زندہ رہے اور لوگوں کو یہ امید رہی کہ خود ان کی خدمت میں جا کر موطا کا سماع کیا جا سکتا ہے اسوقت تک امام محمد کے یہاں موطا کے درس میں بھی وہ ہجوم نہیں ہوتا تھا۔ لیکن اب امام مالک کی وفات کے یکسوم بعد چونکہ کوفہ میں امام موصوف کے تلامذہ میں سے کوئی اس پایہ کا جلیل المرتبت شخص موجود نہ تھا اس لئے ان کے آستانہ پر طالبانِ حدیثِ مالک کا ہجوم ایک قدرتی امر تھا۔

اور کوفہ ہی کی کیا تخصیص ہے غور سے دیکھا جائے تو جتنے بھی لوگوں نے امام مالک سے موطا کی روایت کی ہے ان میں کوئی بھی جلالت شان میں امام محمد کا ہمسر نہیں، بلاشبہ امام شافعی بھی موطا کے رواۃ میں داخل ہیں لیکن قطع نظر اس بات کے کہ ان سے موطا کا کوئی نسخہ مروی نہیں، ان کو بھی امام محمد سے وہی نسبت ہے جو امام مالکؒ سے ہے کیونکہ امام شافعی نے ہر دو ائمہ سے یکساں فیض اٹھایا ہے۔ اور گو انھوں نے امام محمد سے حدیث کا علم بھی بہت کچھ حاصل کیا تھا (اور اپنی تصانیف میں جابجا ان کی احادیث بطور سند بھی پیش کرتے ہیں۔ چنانچہ حافظ ذہبی کی مناقب ابی حنیفہ وصاحبیہ میں تصریح ہے۔

واما الشافعی رحمہ اللہ فاحتج بمحمد بن الحسن فی الحدیث۔ (ص ۵۹ طبع مصر)
اور امام شافعی رحمہ اللہ سو انھوں نے امام محمد بن حسن رحمہ اللہ سے حدیث میں حجت پکڑی ہے۔)

لیکن اس میں کچھ شک نہیں کہ فقہ میں وہ خاص طور پر امام محمد ہی کے تربیت یافتہ ہیں اور یہی وجہ ہے کہ وہ حد سے زیادہ ان کی تعظیم کرتے اور نہایت واضح الفاظ میں ان کے علمی احسانات کا اظہار کرتے تھے۔ چنانچہ محدث خطیب بغدادی اپنی تاریخ میں امام شافعی سے ناقل ہیں

امن الناس علیّ فی الفقہ محمد بن الحسن۔ (تاریخ بغداد، ج ۲ ص ۱۷۶ طبع مصر)
فقہ کے بارے میں مجھ پر سب سے زیادہ احسان محمد بن حسن کا ہے۔

اور حافظ سمعانی، بوعلی کی زبانی امام شافعی کے یہ الفاظ روایت کرتے ہیں۔

اعاننی اللہ برجلین بابن عیینۃ فی الحدیث وبمحمد فی الفقہ (بلوغ الامانی ص ۲۳)
اللہ تعالیٰ نے دو شخصوں کے ذریعہ میری معاونت فرمائی، ابن عیینہ کے ذریعہ حدیث میں اور امام محمد کے ذریعہ فقہ میں۔

آج بھی موطا کے دو ہی نسخے متداول ہیں ایک یحییٰ بن یحییٰ اللیثی مصمودی کا اور دوسرا امام محمد کا جن کے متعلق ذہبی لکھتے ہیں:

کان من بحور العلم والفقہ قویا فی مالک۔ (میزان الاعتدال، ترجمہ امام محمد)
علم اور فقہ کے سمندروں میں سے تھے اور مالک کی روایت میں قوی۔

امام مالک کے سارے تلامذہ میں امام محمد کی ایک خصوصیت یہ بھی ہے کہ انھوں نے امام مالک کی ساری حدیثوں کو خود ان کی زبان سے سنا تھا ورنہ عام طور پر امام مالک کے یہاں شاگرد پڑھتے تھے اور وہ خود سنتے تھے۔ اور یہی وجہ ہے کہ امام محمد کو موطا کے سماع میں پورے تین سال لگے تھے۔

(حاشیہ صفحہ ھذا) [1] یہ شعر سعدون کے مشہور قصیدہ کا ہے جو اس نے موطا کی تعریف میں نظم کیا ہے۔ سعدون کا یہ قصیدہ شاہ ولی اللہ صاحب نے اپنی مشہور کتاب مصفیٰ شرح موطا کے مقدمہ میں نقل کیا ہے۔

دور کیوں جائیے خود امام ابن ماجہ کے شیوخ میں حافظ ابوبکر بن ابی شیبہ اور ان کے بھائی عثمان بن ابی شیبہ اس پایہ کے محدث گذرے ہیں کہ جن کے حلقۂ درس میں تیس تیس ہزار نفوس کا اجتماع ہوتا تھا، چنانچہ ابوالفرج عبدالرحمٰن بن جوزی، مناقب الامام احمد بن حنبل میں ابراہیم بن محمد بن عرفہ سے بسند نقل کرتے ہیں:

"۲۳۴ھ ہجری میں خلیفہ المتوکل عباسی نے جن فقہاء اور محدثین کو طلب کیا تھا ان میں مصعب زبیری، اسحٰق بن ابی اسرائیل، ابراہیم بن عبداللہ ہروی اور ابوشیبہ کے دونوں صاحبزادے عبداللہ اور عثمان بھی شامل تھے۔ چنانچہ ان حضرات کو صلے تقسیم کئے گئے اور ان کے لئے مددمعاش مقرر کی گئی، اور متوکل نے ان سے فرمائش کی کہ نفع عام کے لئے یہ اپنی مجالس درس قائم کریں اور لوگوں سے وہ حدیثیں بیان کریں کہ جن میں معتزلہ اور جہمیہ کا رد ہے، نیز رویت باری کی احادیث بھی روایت کریں۔ چنانچہ عثمان بن ابی شیبہ نے مدینۃ المنصور (بغداد کے غربی حصے) میں مجلس درس منعقد کی، ان کے لئے منبر نصب کیا گیا اور تیس ہزار کے قریب لوگ ان کے درس میں جمع ہوگئے اور ابوبکر بن ابی شیبہ نے مسجد رصافہ (بغداد کے شرقی حصہ کی جامع مسجد جو بہت بڑی تھی) میں اپنی مجلس درس قائم کی تو ان کے یہاں بھی تیس ہزار ہی کے قریب لوگ اکٹھے ہوگئے۔" [1]

ملاحظہ فرمایا آپ نے اس زمانہ میں حدیث پاک کا عامۂ مسلمین میں کیا ذوق و شوق تھا۔ اور اس کی کیسی کچھ طلب تھی۔ محدثین اور حفاظ حدیث کی کثرت کا اس زمانہ میں کیا عالم ہوگا اس کو اسی پر قیاس کر لیجئے۔ امام ابوداؤد سجستانی فرماتے ہیں کہ حافظ مسلم بن ابراہیم فراہیدی بصری المتوفی ۲۲۲ھ نے تقریباً ایک ہزار شیوخ سے حدیثیں لکھیں اور سفر کرنے کی ضرورت پیش نہ آئی [2] یعنی ایک ہی شہر میں ایک ہزار کے قریب ان کو ایسے اساتذۂ حدیث مل گئے کہ جو شیخ کا لقب حاصل کر چکے تھے۔ اور حافظ شمس الدین ذہبی، تذکرۃ الحفاظ میں طبقہ تاسعہ جس کے بعد والے طبقہ میں امام ابن ماجہ کا شمار ہے) کے ایک سو چھ حفاظ حدیث کا ذکر کر کے لکھتے ہیں:

ولقد کان فی ھذا العصر وما قاربہ من ائمۃ الحدیث النبوی خلق کثیر وما ذکرنا عشرھم واکثرھم مذکورون فی تاریخی۔ [3]	اس دور میں اور جو اس کے قریب کا دور تھا، حدیث نبویؐ کے اماموں کی ایک بڑی خلقت موجود تھی جن کا ہم دسواں حصہ بھی ذکر نہ کر سکے اور ان میں سے اکثر کا تذکرہ میری تاریخ میں آگیا ہے۔

یہی وجہ ہے کہ اس زمانہ میں عام طور پر محدثین کے اساتذہ کی تعداد بہت زیادہ ہوتی تھی، علماء سلف میں ایسے بہت سے گذرے ہیں کہ جن کے اساتذہ ایک ہزار سے اوپر تھے بلکہ بعض بعض کے شیوخ کی تعداد تو چار ہزار تک پہنچ جاتی ہے۔ عباس بن مصعب نے تاریخ مرو میں امام عبداللہ بن مبارک [4] کی زبانی نقل کیا ہے کہ "میں نے چار ہزار شیوخ سے علم حاصل کیا اور پھر ایک ہزار سے روایت کی"۔ عباس کا بیان ہے کہ ان میں سے

---

[1] مناقب احمد ص ۳۵۷ و ۳۵۸ طبع مصر۔ [2] تہذیب التہذیب۔ تذکرہ مسلم بن ابراہیم۔ [3] ج ۲ ص ۸۲ طبع جدید

[4] امام عبداللہ بن مبارک کا شمار بھی "صاحبین" یعنی امام ابویوسف اور امام محمد کی طرح مذہب حنفی کے مجتہدین میں ہے اور فقہ حنفی کی کتابوں میں عام طور پر ان کے اقوال اور روایات منقول ہیں۔

آٹھ سو شیوخ کی روایات مجھے بھی ملی ہیں[1]۔ صدر الائمہ مکی، شمس الائمہ بکر بن محمد بن علی زرنجری[2] سے نقل کرتے ہیں کہ امام ابو حفص صغیر کے زمانے میں ایک بار حنفیوں اور شافعیوں میں اس بات پر بحث چھڑ گئی کہ امام ابو حنیفہ اور امام شافعی، ان دونوں میں افضل کون ہے۔ امام ابو حفص نے فرمایا کہ دونوں کے اساتذہ شمار کرلو۔ چنانچہ امام شافعیؒ کے اساتذہ کو شمار کیا تو اسی ہوئے پھر امام اعظم کے مشائخ کا حساب لگایا تو چار ہزار نکلے[3]۔ حافظ کبیر ابوداؤد طیالسی المتوفی ۲۰۴ھ جن کی مسند مشہور ہے ان کا بیان ہے کہ میں نے ایک ہزار شیوخ سے حدیثیں لکھی ہیں[4]۔ امام بخاری فرماتے ہیں

کتبت عن الف وثمانین نفساً لیس فیهم الا صاحب حدیث۔ — میں نے ایک ہزار اسی نفوس سے حدیثیں لکھی ہیں اور ان میں کوئی بھی ایسا نہ تھا جو محدث نہ ہو۔[5]

حافظ ابو یوسف یعقوب بن سفیان فسوی المتوفی ۲۷۷ھ کا بیان ہے کہ میں نے تیس سال مسلسل رحلت میں بسر کئے اور ایک ہزار سے زائد ایسے شیوخ سے حدیثیں نقل کیں جو سب کے سب ثقہ تھے۔[6]

مسلمانوں کے زمانۂ عروج میں محدثین طلب حدیث کے لئے جن مقامات کی طرف رحلت کیا کرتے تھے

[1] تذکرۃ الحفاظ، تذکرہ عبداللہ بن مبارک۔ [2] زرنجری (بفتح زا و را، بعدہ بسکون نون و فتح جیم) زرنجر کی طرف نسبت ہے جو "زرنگرہ" کا معرب ہے۔ یہ بخارا کا ایک گاؤں تھا۔ آپ حضرت جابر بن عبداللہ انصاری رضی اللہ عنہ کی اولاد میں سے ہیں جو مشہور صحابی ہیں، فقہ کی تعلیم آپ نے شمس الائمہ حلوانی سے حاصل کی تھی اور اس فن میں وہ کمال بہم پہنچایا تھا کہ اس دیار میں آپ ابو حنیفہ اصغر کہلاتے تھے۔ فقہ حنفی کے حفظ میں ضرب المثل تھے اور روایات اس درجہ از بر تھیں کہ طالب علموں کی خواہش پر فقہ کا درس جہاں سے چاہتے بغیر کتاب کے مطالعہ اور اس کی طرف مراجعت کے شروع کر دیتے تھے۔ فقہاء کو جب کسی مسئلہ میں اشکال ہوتا تو وہ آپ کی طرف رجوع کرتے اور آپ کے فیصلے کو بے چون وچرا تسلیم کرلیتے تھے۔ فقہ کے علاوہ حدیث، تواریخ اور انساب آپ کے خصوصی فن تھے۔ حافظ سمعانی لکھتے ہیں وكانت له معرفة بالانساب والتواريخ۔ عمر طویل پائی اور حدیث کی خوب نشر و اشاعت کی، ۴۲۷ھ میں پیدا ہوئے اور شعبان ۵۱۲ھ میں وفات ہوئی۔ سمعانی کے الفاظ ہیں؛

عمر العمر الطويل حتى انتشر عنه العلم وحدث بالكثير واملى۔ — اتنی عمر طویل پائی کہ علم کی آپ سے خوب نشر و اشاعت ہوئی حدیث کا بہت زیادہ درس دیا اور املا کرائی۔

سمعانی نے یہ بھی لکھا ہے کہ بعض کتابیں آپ کے پاس اتنی عالی سند سے تھیں کہ ان کی روایت ہم کو صرف انہی سے مل سکی منجملہ ان کے ایک صحیح بخاری (بروایته عن ابی سهل احمد بن علی الابيوردی سنة ست واربعين واربع مائة عن ابی علی اسمعیل بن احمد الكشانی عن الفربری عن البخاری) اور دوسری کتاب اللؤلؤیات مصنفہ ابو مطیع مکحول بن الفضل النسفی (بروایته عن ابی القاسم میمون بن علی بن میمون المیمونی عن ابی بکر احمد بن محمد بن اسمعیل البخاری الاسمعیلی عن المصنف) حافظ سمعانی کو آپ نے ۵۰۸ھ میں حدیث کی اجازت لکھ کر دی تھی، بعد کو سمعانی نے آپ کے شاگردوں کی ایک بڑی جماعت کے واسطے سے آپ سے احادیث کی روایت کی۔ سمعانی نے کتاب الانساب، ذیل تاریخ بغداد اور اپنی معجم شیوخ میں آپ کا مفصل تذکرہ لکھا ہے اور آپ کے شیوخ و تلامذہ کو تفصیل سے بیان کیا ہے۔ (الجواہر المضیئہ، کتاب الانساب)

[3] مناقب الامام الاعظم از صدر الائمہ ج ۱ ص ۳۸۔ [4] تذکرۃ الحفاظ، ترجمہ ابو داؤد طیالسی۔ [5] مقدمہ فتح الباری ص ۴۷۹ طبع میریہ مصر۔ [6] تہذیب التہذیب، ترجمہ فسوی مذکور۔

حافظ ذہبی نے ان ممالک اور اضلاع کے بیان میں ایک مستقل رسالہ سپرد قلم فرمایا ہے جس کا نام ہے الامصار ذوات الآثار یعنی "محدثوں کے شہر" یہ پورا رسالہ حافظ سخاوی نے الاعلان بالتوبیخ لمن ذم التاریخ میں نقل کردیا ہے[1]۔ اس میں جن مقامات کے نام خصوصیت سے مذکور ہیں وہ یہ ہیں۔ مدینہ طیبہ، مکہ مکرمہ، بیت المقدس، دمشق (جس سے یہاں پورا ملک شام مراد ہے) مصر (جو ایک وسیع مملکت ہے) اسکندریہ، بغداد، حمص، کوفہ، بصرہ، یمن (جس میں اس زمانہ میں تہامہ اور نجد بھی داخل تھا) اندلس (جس میں قرطبہ، اشبیلیہ، غرناطہ، بلنسیہ جیسے علمی مراکز تھے) اقلیم مغرب (یعنی افریقہ جس کا صدر مقام قیروان تھا اور جس میں بجایہ، تلمسان، فاس اور مراکش بھی داخل ہیں) جزیرہ (جس کا سب سے بڑا شہر موصل تھا اور جس میں منبج، بالس، رہا، حران اور رقہ جیسے شہر بھی تھے جہاں کی خاک سے بڑے بڑے محدثین پیدا ہوئے) دینور، ہمدان، رے۔ قزوین، جرجان، نیشاپور، طوس، ہرات، مرو، بلخ، بخارا، سمرقند، شاش، فرباب، خوارزم، شیراز، کرمان، سجستان، اہواز، تستر، قومس، دامغان، سمنان، بسطام، قہستان، زنجان، ابہر، عراق، فارس، ایران، جیلان، آرمینیہ، آذربائیجان، جبال، خراسان، اصبہان۔

امام **ابن ماجہ** نے طلب حدیث میں کن کن ملکوں کا سفر کیا، مورخین نے اس سلسلہ میں حسب ذیل ممالک کے نام بالتصریح لکھے ہیں، خراسان، عراق، حجاز، مصر، شام، اور شہروں میں خصوصیت کے ساتھ رے، بصرہ، کوفہ، بغداد، مکہ اور دمشق کا ذکر کیا ہے چنانچہ حافظ ابو یعلی خلیلی لکھتے ہیں

ارتحل الی العراقین ومصر والشام۔[2] — ابن ماجہ نے کوفہ، بصرہ، مصر اور شام کا سفر کیا۔

اور حافظ ابن جوزی رقمطراز ہیں؛

رحل الی مکۃ والبصرۃ والکوفۃ وبغداد والشام ومصر والری۔[3] — مکہ، بصرہ، کوفہ، بغداد، شام، مصر اور رے کا سفر کیا

اور مورخ شمس الدین بن خلکان کے الفاظ ہیں،

ارتحل الی العراق والبصرۃ والکوفۃ وبغداد ومکۃ والشام ومصر والری لکتب الحدیث۔[4] — حدیث پاک کے لکھنے کے لئے عراق، بصرہ، کوفہ، بغداد، مکہ، شام، مصر اور رے کا سفر کیا۔

اور حافظ ابن حجر عسقلانی تحریر کرتے ہیں؛

سمع بخراسان والعراق والحجاز ومصر والشام وغیرھا من البلاد۔[5] — خراسان، عراق، حجاز، مصر، شام، اور دیگر بلاد میں سماع حدیث کیا

تاریخ ورجال کی کتابوں میں تو عام طور پر ان ہی ملکوں اور شہروں کے نام مذکور ہیں، لیکن حافظ ابن حجر نے جو انہیں تصریح کی ہے وغیرھا من البلاد اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ فہرست انہی ناموں تک

---

[1] کتب مذکور ص ۳۶۹، لغایت ۴۲۶۔ طبع دمشق سنہ ۱۳۴۹ھ۔ [2] البدایہ والنہایہ از حافظ ابن کثیر ج ۱۱ ص ۵۲ طبع مصر۔ [3] المنتظم فی تاریخ الملوک والامم، ج ۵ ص ۹۰۔ طبع دائرۃ المعارف حیدرآباد دکن۔ [4] وفیات الاعیان، تذکرہ امام ابن ماجہ۔ [5] تہذیب التہذیب، ترجمہ امام موصوف۔

محدود نہیں بلکہ امام ابن ماجہ کے حدود سفر میں ان کے علاوہ اور شہر بھی داخل ہیں۔ چنانچہ امام موصوف کے شیوخ کے احوال پر نظر ڈالئے تو آپ کو معلوم ہوگا کہ وہ حسب ذیل مقامات تک رہنے والے یا نزیل تھے۔ اصفہان، اہواز، ایلہ، بالسیا، بالس، بغداد، بصرہ، بلخ، بیت المقدس، تنیس، جلجرایا، حران، حدیثہ، حمص، دمشق، دامغان، رقہ، رملہ، رے، سامرا، سمنان، عسقلان، کوفہ، مدینہ، مکہ، مرو، مصر، نیشاپور، ہمدان، واسط

افسوس ہے کہ تاریخ کی کتابوں سے یہ بالکل پتہ نہیں چلتا کہ امام ابن ماجہ نے اس مبارک سفر میں پہلے کن ممالک کا رخ کیا اور وطن سے نکل کر پہلے کن شہروں میں تحصیل کی غرض سے قیام فرمایا۔ بہرحال ترتیب سفر کچھ بھی رہی ہو، یہی وہ اضلاع وممالک تھے جو اس زمانے میں علوم دینیہ کے مرکز تھے۔ بالخصوص حرمین، کوفہ، بصرہ، اور شام تو وہ مقامات ہیں جہاں سے علم نبوی کے چشمے ابل ابل کر سارے عالم میں رواں ہوئے ہیں حافظ ابن تیمیہ فرماتے ہیں۔

فہذہ الامصار الخمسۃ، الحجازان والعراقان والشام ہی التی خرج منہا علوم النبوۃ من العلوم الایمانیۃ والقرآنیۃ والشرعیۃ۔ [1]

سو یہ پانچ شہر مکہ، مدینہ، کوفہ، بصرہ اور شام وہ ہیں جہاں سے علوم نبوت، علوم ایمانی، علوم قرآنی اور علوم شرعیت نکلے ہیں۔

مدینہ طیبہ

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا دار الہجرت اور نبوت کی اخیر قرارگاہ تھا، اسلئے علم نبوت کا اصل مخزن اور منبع ومعدن ہونے کا فخر اسی مبارک شہر کو حاصل ہے، چنانچہ عہد نبوی سے لیکر حضرت علی رضی اللہ عنہ کی خلافت کے ابتدائی زمانہ تک ساری دنیائے اسلام کا مرکز یہی تھا، بعد کو دار الخلافہ کے کوفہ اور پھر دمشق منتقل ہوجانے پر گو اس کی وہ حیثیت باقی نہیں رہی۔ تاہم امام مالک کے زمانہ تک اس کا علمی امتیاز مسلم تھا، چنانچہ شاہ ولی اللہ صاحب مصفی شرح موطا میں فرماتے ہیں؛

باید دانست کہ مدینہ مطہرہ در زمان او وپیشتر از زمان متاخر بلاشبہ مرجع فضلاء ومحط رحال علماء بودہ است۔ [2]

جاننا چاہئے کہ مدینہ شریف امام مالک کے زمانہ میں اخیر دور سے پہلے بلاشبہ فضلاء کا مرجع اور اہل علم کی فرودگاہ تھا۔

اور حافظ ذہبی لکھتے ہیں۔ [3]

"دار الہجرۃ مدینہ میں عہد صحابہ میں قرآن وسنن کا علم بہت زیادہ تھا اور زمانہ تابعین میں فقہائے سبعہ

---

[1] منہاج السنۃ النبویۃ فی نقض قول الشیعۃ والقدریۃ ج ۲ ص ۱۲۲ طبع میریہ مصر۔ [2] مصفی ج ۱ ص ۶ طبع دہلی سنہ ۱۲۹۶ھ
[3] حافظ عبد القادر قرشی، فرماتے ہیں؛

"فقہائے سبعہ" (حسب ذیل حضرات ہیں) سعید بن المسیب، عروہ بن زبیر، قاسم بن محمد بن ابی بکر صدیق، خارجہ بن زید بن ثابت، عبید اللہ بن عبد اللہ بن عتبہ بن مسعود، سلیمان بن یسار، اور ساتویں کی تعیین میں تین اقوال ہیں؛ (۱) ابو سلمہ بن عبد الرحمن بن عوف۔ حاکم ابو عبد اللہ نے اکثر علماء حجاز کا یہی قول نقل کیا ہے۔ (۲) سالم بن عبد اللہ بن عمر بن الخطاب، یہ ابن مبارک کا قول ہے۔ (۳) ابو بکر بن عبد الرحمن

جیسے حضرات موجود تھے، صغار تابعین کے دور میں عبید اللہ بن عمر، ابن ابی ذئب، ابن عجلان اور جعفر صادق تھے، پھر امام مالک، قاری مدینہ نافع، ابراہیم بن سعد، سلیمان بن بلال، اور اسمٰعیل بن جعفر ہوئے:

اس کے بعد ذہبی کی تصریح ہے کہ

ثم تناقص العلم جدًا بها فی الطبقة التی بعدهم ثم تلاشی۔	پھر ان کے بعد والے طبقہ میں وہاں علم بہت ہی کم ہو گیا اور اس کے بعد تو بالکل ہی جاتا رہا۔

اسمٰعیل بن جعفر کی وفات ۱۸۰ھ میں ہوئی اور ابراہیم بن سعد اگرچہ ان کے تین سال بعد تک زندہ رہے مگر وہ اخیر عمر میں بغداد میں قاضی ہو گئے تھے، اس لئے یوں سمجھنا چاہئے کہ ۱۸۰ھ تک مدینہ طیبہ کی حیثیت دار العلم کی باقی تھی، امام مالک کو اپنے یہاں کے علماء پر اتنا وثوق تھا کہ ان کے نزدیک عمل اہل مدینہ مستقل حجت ہے۔

امام ابن ماجہ کا زمانہ اگرچہ مدینہ شریف کے علمی انحطاط کا زمانہ ہے تاہم ابھی تک وہ محدثین سے

(بقیہ حاشیہ از صفحہ گذشتہ) بن الحارث بن ہشام، یہ ابو الزناد کا قول ہے اور اسی قول کے مطابق کسی شاعر[عہ] نے ان سب کو جمع کر دیا ہے چنانچہ وہ کہتا ہے:

الا ان من لا یقتدی بائمة	فقسمته ضیزی عن الحق خارجة
فخذهم عبید الله عروة قاسم	سعید ابوبکر سلیمان خارجة

عبید اللہ بن عتبہ بن مسعود، حضرت عائشہ اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں، اور ان سے زہری اور ابو الزناد، ۹۸ھ ہجری میں وفات پائی۔ روی له الجماعة (یعنی سارے ارباب صحاح ستہ نے ان سے حدیثیں نقل کی ہیں)۔

عروہ بن الزبیر بن عوام اپنے والد ماجد اور حضرت علی رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں اور ان سے ان کی اولاد اور زہری اور ایک خلقت نے روایت کی ہے۔ ۹۴ھ میں وفات پائی۔ روی له الجماعة۔

قاسم بن محمد بن ابی بکر صدیق، حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں اور ان سے امام زہری ۱۰۶ھ ہجری میں وفات پائی۔ روی له الجماعة۔

سعید بن المسیب، حضرت عمر اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں اور ان سے امام زہری، ۹۴ھ میں وفات پائی۔ روی له الجماعة۔

ابوبکر بن عبد الرحمٰن بن الحارث بن ہشام، حضرت ابوہریرہ اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں اور ان سے ان کی اولاد اور امام زہری، ۹۴ھ میں وفات پائی۔ روی له الجماعة

سلیمان بن یسار، ام المومنین حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا کے آزاد کردہ غلام تھے، ام المومنین اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں اور ان سے یحییٰ بن سعید اور ربیعہ ۱۰۷ھ میں وفات پائی۔ روی له الجماعة۔

خارجہ بن زید بن ثابت، اپنے والد ماجد اور حضرت اسامہ بن زید سے روایت کرتے ہیں اور ان سے ان کے صاحبزادے سلیمان، ۹۹ھ میں وفات پائی، روی له الجماعة (الجواہر المضیۃ ج ۲ ص ۲۱۱ و ۲۲۲)

یہ ساتوں فقہائے کرام وہ ہیں جو اپنے زمانے میں مدینہ طیبہ میں علم فقہ و حدیث کا مرجع تھے۔ امام ابن مبارک کا بیان ہے کہ جب کوئی مسئلہ آتا یہ سب ایک ساتھ مل کر اس پر غور کرتے تھے اور جب تک وہ ان کے سامنے پیش ہو کر طے نہ ہو جاتا، قاضی اس کی بابت کوئی فیصلہ صادر نہ کرتا تھا۔ (فتح المغیث از سخاوی ص ۳۹۹ طبع لکھنؤ ہند)

[عہ] یہ دونوں شعر محمد بن یوسف بن الخضر بن عبد اللہ حلبی حنفی المتوفی ۱۲۸۱ھ کے ہیں۔ منہ

بالکل خالی نہیں ہوا تھا اور امام مالک اور ان کے معاصر علما مذکورین کے اخیر تلامذہ علم کی آخری بہار دکھا رہے تھے چنانچہ ان بقیہ اہل علم میں جن حضرات سے آپ نے کسب فیض کیا وہ درج ذیل ہیں۔

حافظ ابو مصعب زہری احمد بن ابی بکر العوفی المدنی، حافظ ذہبی، تذکرۃ الحفاظ میں ان کے متعلق لکھتے ہیں، احد الاثبات وشیخ اھل المدینۃ وقاضیھم وعدثہم فقہ میں امام مالک کے شاگرد ہیں اور موطا کے اخیر راویوں میں سے ہیں، ابن حزم نے تصریح کی ہے کہ ان کے نسخہ موطا میں اور نسخوں کی بہ نسبت سو حدیثیں زیادہ ہیں۔ بجز نسائی کے سب مصنفین صحاح ستہ کو آپ سے براہ راست تلمذ حاصل ہے۔ ۱۵۰ھ میں پیدا ہوئے اور بانوے سال کی عمر میں جب کہ آپ مدینہ طیبہ میں عہدۂ قضا پر فائز تھے ۲۴۲ھ میں قضا کی۔

حافظ ابراہیم بن المنذر ابو اسحٰق الحزامی الاسدی المدنی، مدینہ منورہ کے تمام شیوخ میں ان سے امام ابن ماجہ نے اپنی سنن میں سب سے زیادہ حدیثیں روایت کی ہیں۔ حافظ ذہبی نے تذکرۃ الحفاظ میں ان کو الامام المحدث الثقۃ لکھا ہے۔ امام بخاری بھی ان کے شاگرد تھے، محرم ۲۳۶ھ میں وفات پائی۔

حافظ اسحٰق بن موسیٰ الانصاری الخطمی المدنی ابو موسیٰ قاضی نیشاپور، حافظ ذہبی نے تذکرۃ الحفاظ میں ان کا ترجمہ الفقیہ الحافظ الثبت جیسے شاندار اوصاف کے ساتھ شروع کیا ہے۔ حدیث میں یہ سفیان بن عیینہ، عبد السلام بن حرب اور معن بن عیسیٰ کے شاگرد ہیں اور ان سے امام مسلم، ترمذی، نسائی اور ابن ماجہ کو تلمذ حاصل ہے۔ واضح رہے کہ امام ترمذی جہاں اپنی جامع میں حدثنا الانصاری کہتے ہیں یہی مراد ہوتے ہیں، ابو حاتم رازی، امام نسائی اور خطیب بغدادی نے ان کو ثقہ کہا ہے، حافظ ذہبی لکھتے ہیں کان من ائمۃ الحدیث صاحب سنۃ۔ ۲۴۴ھ میں دمشق سے لوٹتے ہوئے بمقام جوسیہ جو حمص کا ایک قصبہ ہے وفات پائی رحمہ اللہ (تذکرۃ الحفاظ، تہذیب التہذیب)۔

ان تینوں حضرات کا شمار تو حفاظ حدیث میں ہے اور باقی شیوخ یہ ہیں (۱) بکر بن عبد الوہاب المدنی خواہر زادہ واقدی المتوفی بعد ۲۵۰ھ (۲) حسن بن داؤد ابو محمد المدنی المنکدری المتوفی ۲۴۷ھ (۳) محمد بن عبید بن میمون المدنی التبان۔

مکہ معظمہ

وہ حرم پاک جہاں سے وحی نبوت کا آغاز ہوا اور جہاں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بعثت کے بعد تیرہ ۱۳ سال گزارے، اسلام کی ابتدائی دو صدیوں میں یہ بھی دار العلم تھا، ذہبی لکھتے ہیں۔

عہد صحابہ میں یہاں علم کم تھا پھر صحابہ کے اخیر دور میں اس کی کثرت ہوئی اور اسی طرح عہد تابعین میں مجاہد، عطاء، سعید بن جبیر، اور ابن ابی ملیکہ اور پھر ان کے شاگردوں کے دور میں عبد اللہ بن ابی نجیح، قاری ابن کثیر، حنظلہ بن ابی سفیان اور ابن جریج، اور ہارون رشید کے وقت میں مسلم زنجی، فضیل ابن عیینہ، ابو عبد الرحمٰن مقری، ازرقی، حمیدی اور سعید بن منصور جیسے علما ہوئے ہیں۔

اس کے بعد حافظ ذہبی کے الفاظ ہیں:

ثم فی اثناء المائۃ الثالثۃ تناقص علم الحرمین وکثر بغیرھما۔

پھر تیسری صدی کے درمیان میں حرمین کا علم تو گھٹ گیا اور دوسرے مقامات میں کثرت سے ہوگیا۔

امام بخاری کو حرمین کے علم پر کتنا اعتماد تھا اس کا اندازہ اس سے کیجئے کہ انھوں نے اپنی صحیح میں ایک مستقل باب باندھا ہے "باب ما ذکر النبی صلی اللہ علیہ وسلم وحض علی اتفاق اھل العلم وما اجتمع علیہ الحرمان مکۃ والمدینۃ" علامہ کرمانی شارح بخاری لکھتے ہیں کہ

عبارۃ البخاری مشعرۃ بان اتفاق اھل الحرمین اجماع۔

امام بخاری کی عبارت یہ بتاتی ہے (کہ ان کے نزدیک) اہل حرمین کے کسی مسئلہ پر متفق ہوجانے سے اجماع منعقد ہوجاتا ہے۔

مگر حافظ ابن حجر عسقلانی کہتے ہیں کہ

لعلہ اراد الترجیح لا دعوی الاجماع۔ [۱]

شاید امام موصوف کا مقصد (وہاں کے مسلک کی) ترجیح ہو نہ کہ اس کے متعلق اجماع کا دعوی۔

بہرحال امام بخاری کی عبارت کا چاہے کچھ بھی مطلب نکالا جائے اتنی بات ظاہر ہے کہ اختلافی مسائل میں ان کے نزدیک وہی مسئلہ قابل ترجیح ہے جس پر علماء حرمین متفق ہوں۔ [۲]

---

[۱] فتح الباری بشرح صحیح البخاری ج ۱۳ ص ۲۵۷ طبع میریہ مصر۔ [۲] مدینہ طیبہ کے بارے میں تو ظاہر ہے کہ تمام اکابر صحابہؓ جو علوم نبوی کے خازن و امین تھے ایک زمانے میں یہیں جمع تھے، لیکن اہل مکہ کے اجماع کا دوسرے اسلامی شہروں کے اجماع کے مقابلہ میں قابل ترجیح ہونا اس کی بظاہر کوئی وجہ معلوم نہیں ہوتی کیونکہ جس پایہ کے علماء یہاں موجود تھے اور شہروں میں بھی تھے۔ علاوہ ازیں مہاجرین جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے قدیم صحبت یافتہ تھے ان میں سے پھر کسی ایک نے مکہ مکرمہ آکر دوبارہ قیام نہیں کیا کیونکہ اس کی ان کو شرعاً اجازت نہ تھی۔ علم کا شیوع بھی وہاں صغار صحابہ کے عہد سے شروع ہوتا ہے چنانچہ وہاں کی جو کچھ علمی رونق تھی وہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کے تلامذہ کے دم سے تھی، ہاں مدینہ طیبہ میں جب تک کہ صحابہ کا اجتماع رہا اور وہ بلاد و امصار میں متفرق نہیں ہوئے اس وقت تک بے شک اہل مدینہ کا کسی مسئلہ پر متفق ہوجانا یقیناً تمام مسلمانوں کے لئے اس مسئلہ کی ترجیح کے لئے کافی ہے لیکن بحث اس میں ہے کہ جب صحابہ کبار بڑی کثرت سے دوسرے شہروں میں جا بسے آیا اس وقت بھی کسی مسئلہ کے متعلق اہل مدینہ یا اہل حرمین کے اتفاق اور تعامل کی وہی حیثیت باقی رہتی ہے یا نہیں، اس بارے میں امام بخاری کی رائے آپ کی نظر سے گزری، اب دوسرے علماء کی رائے ملاحظہ فرمائیے، حافظ ابن حجر عسقلانی، فتح الباری بشرح صحیح البخاری میں باب مذکور کے آخر میں لکھتے ہیں:

وفضل المدینۃ ثابت لا یحتاج الی اقامۃ دلیل خاص ..... وانما المراد ھنا تقدم اھلھا فی العلم علی غیرھم فان کان المراد بذلک تقدیمھم فی بعض الاعصار وھو العصر الذی کان فیہ النبی صلی اللہ علیہ وسلم مقیما بھا فیہ والعصر الذی بعدہ من قبل ان یتفرق الصحابۃ فی الامصار فلا شک فی تقدیم

مدینہ شریف کی فضیلت تو ثابت ہے جس کے لئے کسی خاص دلیل کے قائم کرنے کی ضرورت نہیں، یہاں جو کچھ مقصود ہے وہ صرف یہ ہے کہ اہل مدینہ کا تقدم علمی دوسروں پر ثابت ہو سو اگر کسی خاص زمانہ میں ان کی فوقیت مراد ہو یعنی جس زمانہ میں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم وہاں قیام فرما تھے، نیز آپ کے بعد کا وہ زمانہ کہ جو صحابہ کے دوسرے شہروں میں منتقل ہونے سے پہلے پہلے کا تھا (باقی بر صفحہ آئندہ)

تیسری صدی ہجری میں اگرچہ مدینہ طیبہ کی طرح مکہ معظمہ کی بھی وہ پہلی سی علمی رونق باقی نہ رہی تھی تاہم بقایائے اہل علم میں سے جن حضرات کی بدولت ابھی بزرگوں کی یاد تازہ تھی ان میں حسب ذیل حفاظ حدیث سے امام ابن ماجہ نے علم حدیث کی تحصیل کی۔

(بقیہ حاشیہ از صفحہ گذشتہ) العصرین المذکورین علی غیرھم وھو الذی یستفاد من احادیث الباب وغیرھا وان کان المراد استمرار ذلک لجمیع من سکنھا فی کل عصر فھو محل النزاع ولا سبیل الی تعمیم القول بذلک۔

(ج ۱۲ ص ۲۶۳)

تو اس میں کچھ شک نہیں کہ ان دونوں مذکورہ زمانوں میں وہاں کے علماء کو دوسرے مقامات کے علماء پر فوقیت تھی اور یہی چیز احادیث باب وغیرہ سے مستفاد ہوتی ہے، اور اگر یہ مراد ہے کہ وہاں کے رہنے والوں کو ہر زمانہ میں علمی لحاظ سے فوقیت حاصل ہے تو یہ بات محل نزاع ہے اور ایسے عام ادعا کے لئے کوئی گنجائش نہیں۔

اور علامہ ابن القیم، اعلام الموقعین میں ارقام فرماتے ہیں:۔

والجدران والمساکن والبقاع لا تاثیر لھا فی ترجیح الاقوال، وانما التاثیر لاھلھا وسکانھا، ومعلوم ان اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم شاھدوا التنزیل وعرفوا التاویل وظفروا من العلم بما لم یظفر بہ من بعدھم فھم المقدمون فی العلم علی من سواھم کما ھم المقدمون فی الفضل والدین وعلمھم ھو العمل الذی لا یخالف وقد انتقل اکثرھم عن المدینۃ وتفرقوا فی الامصار بل اکثر علمائھم صاروا الی الکوفۃ والبصرۃ والشام مثل علی بن ابی طالب کرم اللہ وجھہ وابی موسی وعبد اللہ بن مسعود وعبادۃ بن الصامت وابی الدرداء وعمرو بن العاص ومعاویۃ بن ابی سفیان ومعاذ بن جبل وانتقل الی الکوفۃ والبصرۃ نحو ثلثمائۃ صحابی ونیف والی الشام ومصر نحوھم فکیف یکون عمل ھؤلاء معتبرا ما داموا فی المدینۃ فاذا خالفوا غیرھم لم یکن عمل من خالفوہ معتبرا فاذا فارقوا جدران المدینۃ کان عمل من بقی فیھا ھو المعتبر ولم یکن خلاف من انتقل عنھا معتبرا ھذا من الممتنع ولیس جعل عمل الباقین معتبرا اولی من جعل عمل المفارقین معتبرا

ترجیح اقوال کے سلسلہ میں دیواروں، مکانوں اور جگہوں سے کوئی اثر نہیں پڑتا، اثر تو وہاں کے اہالی اور باشندوں کا ہوتا ہے اور یہ بات معلوم ہے کہ اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی آنکھوں کے سامنے قرآن پاک نازل ہوا اور وہ اس کی صحیح مراد کے جاننے والے ہیں اور علم کے اس مقام پر فائز ہیں کہ جو ان کے بعد والوں کو نصیب نہ ہو سکا لہذا جس طرح وہ فضیلت اور دین میں مقدم ہیں اسی طرح علم میں بھی مقدم ہیں اور ان ہی کا عمل ایسا عمل ہے کہ جس کی مخالفت نہیں کی جا سکتی اب صورت حال یہ ہے کہ ان میں سے اکثر مدینہ شریف سے منتقل ہو کر دوسرے شہروں میں پھیل گئے۔ بلکہ مدینہ کے اکثر علما جیسے علی بن ابی طالب کرم اللہ وجہہ، ابو موسی اشعری، عبد اللہ بن مسعود، عبادہ بن الصامت، ابو الدرداء، عمرو بن العاص، معاویہ بن ابی سفیان، معاذ بن جبل رضی اللہ عنہم کوفہ، بصرہ اور شام چلے گئے تھے۔

کوفہ اور بصرہ کی طرف تقریباً تین سو سے زیادہ صحابہ منتقل ہوئے اور اتنے ہی شام اور مصر کی طرف، سو یہ کس طرح ہو سکتا ہے کہ ان صحابہ کا عمل جب تک یہ مدینہ میں ہوں اس وقت تک تو ایسا معتبر ہو کہ اگر دوسروں سے اختلاف ہو تو مخالفین کے عمل کا اعتبار نہ ہو پھر جوں ہی انہوں نے مدینہ کی دیواروں کو چھوڑا وہاں رہ جانے والوں کا عمل معتبر قرار پایا اور وہاں سے منتقل ہونے والوں کا اختلاف غیر معتبر ہو گیا یہ ایک ممتنع بات ہے، حالانکہ وہاں باقی رہ جانے والوں کے عمل کو (باقی بر صفحہ آئندہ)

حافظ حلوانی امام ابو محمد حسن بن علی بن محمد الخلال، اصل میں تو یہ حلوان کے رہنے والے ہیں جو عراق کا مشہور شہر ہے مگر بعد کو مکہ معظمہ میں اقامت گزیں ہو گئے تھے اسی لئے "محدث مکہ" کہلاتے ہیں۔ ذہبی لکھتے ہیں صنف وتعب فی ھذا العلم (یعنی انھوں نے اس علم میں تصنیف کی ہے اور مشقت اٹھائی ہے) ابراہیم بن اورمہ کہا کرتے تھے کہ آج دنیا میں صرف تین حافظ حدیث باقی ہیں، خراسان میں ذہلی، اصفہان میں ابن الفرات اور مکہ مکرمہ میں حلوانی۔ بجز نسائی کے جملہ مصنفین صحاح ستہ آپ کے شاگرد ہیں، یعقوب بن شیبہ کے آپ کے بارے میں یہ الفاظ ہیں کان ثقة ثبتا متقنا۔ ابن عدی نے لکھا ہے کہ آپ نے کتاب السنن تصنیف کی تھی، سنہ ۲۴۲ھ میں وفات پائی۔

حافظ زبیر بن بکار ابو عبداللہ بن ابی بکر قریشی اسدی مکی۔ حافظ ذہبی نے ان کا تذکرہ ان لفظوں میں شروع کیا ہے الامام الحافظ النسابة قاضی مکة، خطیب لکھتے ہیں کان ثقة ثبتا عالما بالنسب واخبار المتقدمین قریش کے نسب پر ان کی تصنیف مشہور ہے، یہ اصل میں مدینے کے رہنے والے تھے اور حضرت زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی اولاد میں سے تھے بعد کو مکہ معظمہ میں قاضی ہو گئے اور وہیں چوراسی سال کی عمر میں سنہ ۲۵۶ھ میں انتقال کیا، مصنفین صحاح ستہ میں بجز امام ابن ماجہ کے اور کوئی ان کا شاگرد نہیں ہے۔

(بقیہ حاشیہ از صفحہ گذشتہ) فان الوحی انقطع بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ولم یبق الا کتاب اللہ وسنة رسوله فمن کانت السنة معه فعمله هو العمل المعتبر حقا ثم کیف یترك السنة المعصومة لعمل غیر المعصوم۔

ثم یقال ارایتم لو استقر عمل اهل مصر من الامصار التی انتقل الیها الصحابة علی ما اداه الیهم من بها من الصحابة ما الفرق بینه وبین عمل اهل المدینة المستمرة علی ما اداه الیهم من بها من الصحابة والعمل انما استند الی قول رسول اللہ صلی اللہ علیه وآله وسلم وفعله فکیف یکون قوله وفعله الذی اداه من بالمدینة موجبا للعمل دون قوله وفعله الذی اداه غیرهم، هذا اذا کان النص مع عمل اهل المدینة فکیف اذا کان مع غیرهم النص ولیس معهم نص یعارضه ولیس معهم الا مجرد العمل۔

(اعلام الموقعین عن رب العالمین ج ۱ ص ۳۹۰ مطبوعہ اشرف المطابع دہلی)

معتبر قرار دینا وہاں سے منتقل ہو جانے والوں کے عمل کو معتبر قرار دینے سے اولی نہیں ہے کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد وحی منقطع ہو چکی اور کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سوا کوئی اور چیز باقی نہ رہی لہذا جس کے پاس سنت ہے اسی کا عمل حقیقت میں معتبر ہے پھر عمل غیر معصوم کی بنا پر سنت معصومہ کو کس طرح ترک کیا جا سکتا ہے۔

پھر یہ بھی کہا جائے گا کہ ذرا یہ تو دیکھئے کہ اگر کسی ایسے شہر والوں کا کہ جہاں صحابہ منتقل ہو گئے تھے وہاں کے صحابہ کی تعلیم کے مطابق کوئی عمل مستمر چلا آتا ہے تو اس عمل میں اور اہل مدینہ کے اس عمل میں کہ جو مدینہ کے صحابہ کی تعلیم کے مطابق برابر جاری ہے کیا فرق ہے، حالانکہ عمل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قول و فعل کی طرف منسوب ہوتا ہے، پھر یہ کیا کہ آپ کا وہ قول اور فعل تو موجب عمل ہو کہ جس کو وہ حضرات بتائیں کہ جو مدینہ میں ہوں اور وہ قول اور فعل موجب عمل نہ ہو کہ جس کو دوسرے بیان کریں اور یہ گفتگو تو اس صورت میں ہے جبکہ عمل اہل مدینہ کے ساتھ نص بھی موجود ہو ورنہ جس صورت میں کہ اوروں کے پاس نص ہو اور اہل مدینہ کے پاس اس کے مقابلہ میں کوئی نص بھی نہ ہو محض عمل ہی عمل ہو تو اس صورت میں کیا ہوگا۔

حافظ سلمہؒ بن شبیب النیسابوری ابوعبدالرحمن الحجری المسمعی نزیل مکہ ۔ یہ اصل میں نیشاپور کے رہنے والے تھے، بعد کو حرم مکہ میں اقامت اختیار کر لی تھی۔ یزید بن ہارون، ابوداؤد طیالسی، عبدالرزاق بن ہمام اور ابوعبدالرحمن مقری وغیرہم سے علم حدیث کی تحصیل کی تھی۔ مقری کے مستملی بھی رہے ہیں، بجز امام بخاری کے تمام اصحاب صحاح ستہ ان کے شاگرد ہیں۔ حافظ ذہبی نے ان کو الحافظ الجوال کا لقب دیا ہے، ابونعیم اصفہانی فرماتے ہیں کہ احد الثقات حدث عنہ الائمۃ والقدماء (ثقات میں سے ہیں اور ان سے ائمہ حدیث اور متقدمین نے روایتیں کی ہیں)۔ حاکم کے الفاظ ہیں ہو محدث اہل مکۃ والمتفق علی اتقانہ وصدقہ (یہ اہل مکہ کے محدث ہیں اور ان کے رسوخ علمی اور صداقت پر اتفاق ہے) ماہ رمضان المبارک ۲۴۶ھ میں فالودہ کے کھانے سے ان کی وفات ہوئی رحمہ اللہ۔ (تذکرۃ الحفاظ، تہذیب التہذیب)۔

حافظ عدنی ابوعبداللہ محمد بن یحیی بن ابی عمر، مکہ معظمہ میں مجاورت اختیار کر لی تھی، ان کی مسند مشہور ہے۔ اپنے زمانہ میں شیخ الحرم تھے، ستر حج کئے، بڑے صالح اور عابد تھے۔ ہر وقت طواف میں مصروف رہتے، امام مسلم اور ترمذی بھی آپ کے شاگرد ہیں، صحیح مسلم میں آپ کی روایت سے دو سو سولہ حدیثیں منقول ہیں، ۲۴۳ھ کے آخر میں انتقال ہوا۔

حافظ یعقوبؒ بن حمید بن کاسب، یہ بھی مدنی ہیں لیکن بعد میں مکہ مکرمہ جا رہے تھے۔ ذہبی نے ان کا تذکرہ ان الفاظ میں کیا ہے "الامام المحدث عالم المدینۃ ونزیل مکۃ" امام بخاری بھی ان کے شاگرد ہیں، چنانچہ اپنی صحیح میں شہدا بدر اور صلح کے باب میں ان سے حدیثیں نقل کی ہیں ابوحاتم نے ان کو ضعیف کہا ہے۔ ۲۴۱ھ میں وفات پائی۔

یہ چار تو حفاظ حدیث تھے اور بقیہ شیوخ یہ ہیں:

(۱) ابراہیم بن محمد بن العباس ابواسحاق الشافعی المکی المتوفی ۲۳۷ھ۔ یہ امام شافعیؒ کے چچا زاد بھائی تھے۔ (۲) حسین بن حسن بن حرب السلمی المروزی نزیل مکہ المتوفی ۲۴۶ھ۔ (۳) محمد بن عبداللہ بن یزید المعدوی ابویحیی المقری المکی المتوفی ۲۵۶ھ۔ (۴) محمد بن عثمان بن خالد الاموی ابومروان العثمانی المدنی نزیل مکہ المتوفی ۲۴۱ھ (۵) محمد بن میمون الخیاط البزاز ابوعبداللہ المکی المتوفی ۲۵۲ھ۔ یہ اُمی تھے (۶) محرز بن سلمہ المکی العدنی المتوفی ۲۳۴ھ انھوں نے اسی حج کئے تھے اور عمر نوے سال سے متجاوز تھی۔ (۷) یزید بن عبداللہ بن یزید الیمامی ابومحمد نزیل مکہ المتوفی ۲۴۱ھ، ابن حبان نے کتاب الثقاتؒ میں ان سب کا تذکرہ لکھا ہے۔ مکہ معظمہ کے ان تمام شیوخ میں امام ابن ماجہ نے اپنی سنن میں سب سے زیادہ حافظ حلوانی اور ابومروان عثمانی سے روایتیں نقل کی ہیں۔

سلہ کتاب الثقات کے متعدد قلمی نسخے ہماری نظر سے گذرے ہیں لیکن اس وقت یہ کتاب پیش نظر نہیں، اور اس کے جو حوالے دیئے گئے ہیں وہ تہذیب التہذیب سے منقول ہیں۔

کوفہ

وہ عظیم الشان اسلامی شہر جو صدیوں تک علوم اسلامیہ کا دار العلوم بنا رہا اور جو عہد مرتضوی سے لیکر بغداد کے تعمیر ہونے تک وسعتِ علم اور کثرتِ حدیث میں تمام بلادِ اسلامیہ میں ممتاز تھا جس کو علامہ نووی دار الفضل والفضلاء بتلاتے ہیں اور صاحب قاموس قبۃ الاسلام ودار ہجرۃ المسلمین لکھتے ہیں امیر المومنین حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے اس شہر کو اپنا دار الخلافہ قرار دیا۔ شاہ ولی اللہ صاحب حجۃ اللہ البالغہ میں فرماتے ہیں:

کان اغلب قضایاہ بالکوفۃ ۲ — حضرت علی رضی اللہ عنہ کے بیشتر فیصلے کوفہ میں صادر ہوئے۔

اور قرۃ العینین فی تفضیل الشیخین میں رقمطراز ہیں:

"وقضایائے بسیار در ایام خلافت بردست او ظاہر شدند"۳

اور حافظ ابن تیمیہ، منہاج السنہ میں لکھتے ہیں:

وانما ظہر علم علی وفقہہ فی الکوفۃ بحسب مقامہ فیہا عندہم مدۃ خلافتہ ۴ — بلاشبہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کا علم اور آپ کی فقہ کوفہ میں اسی قدر ظاہر ہوئی جتنا کہ آپ نے اپنی مدتِ خلافت میں کوفہ میں ان کے یہاں قیام فرمایا۔

حافظ ابن حزم نے فضائل اہل اندلس پر جو رسالہ لکھا ہے اس میں جناب امیر کے قیام کوفہ کی مدت پانچ سال اور چند ماہ بیان کی ہے۵ لیکن حافظ ابن حجر عسقلانی نے اس کے حاشیہ پر تصریح کی ہے کہ

صوابہ اربعۃ اعوام۔ ۶ — صحیح یہ ہے کہ یہ مدت چار سال ہے۔

اس میں شک نہیں کہ باب "مدینۃ العلم"۷ کی آمد سے کوفہ کی علمی افق پر چار چاند لگ گئے تھے مگر یہ ایک حقیقت ہے کہ کوفہ آپ کی تشریف آوری سے بہت پہلے عہد فاروقی ہی میں قرآن وسنت کا دار العلوم بن چکا تھا چنانچہ حافظ ابن تیمیہ کی تصریحات اس بارے میں حسب ذیل ہیں:

(۱) وانما کان غالب علمہ فی الکوفۃ ومع ہذا فاہل الکوفۃ کانوا یعلمون القرآن والسنۃ قبل ان یتولی عثمان فضلا عن علی۔ ۸ — اور بلاشبہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کا بیشتر علم کوفہ ہی میں رہا تاہم اہل کوفہ حضرت علیؓ کے وقت تو کیا حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے خلیفہ ہونے سے بھی پیشتر قرآن وسنت کا علم رکھتے تھے۔

(۲) فان اہل الکوفۃ التی کانت دارہ — کوفہ جو آپ (یعنی حضرت علی رضی اللہ عنہ) کا گھر تھا، وہاں کے

---

۱ شرح صحیح مسلم از علامہ نووی باب القراءۃ فی الظہر والعصر۔ ۲ حجۃ اللہ البالغہ ج ۱ ص ۱۳۲ طبع منیریہ مصر۔ ۳ قرۃ العینین ص ۱۳۰ طبع مجتبائی دہلی۔ ۴ منہاج السنہ ج ۲ ص ۱۳۷ طبع میریہ مصر۔ ۵ یہ رسالہ علامہ احمد بن محمد مقری المتوفی ۱۰۴۱ھ نے نفح الطیب من غصن الاندلس الرطیب کے باب سابع میں نقل کر دیا ہے۔ ۶ نفح الطیب ج ۲ ص ۱۷۱ طبع مصر ۱۳۶۷ھ۔ ۷ حدیث میں آتا ہے انا مدینۃ العلم وعلی بابہا (میں علم کا شہر ہوں اور علی اس کا دروازہ) ۸ منہاج السنہ ج ۴ ص ۱۳۹۔

كانوا قد تعلموا الايمان والقرآن وتفسيره والفقه والسنة عن ابن مسعود وغيره قبل ان يقدم علی الكوفة ۔ ؎۱

لوگ ایمان، قرآن، تفسیر قرآن، فقہ اور سنت کا علم حضرت عبد اللہ بن مسعود (رضی اللہ عنہ) وغیرہ سے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی کوفہ میں تشریف آوری سے پہلے ہی حاصل کر چکے تھے۔

(۳) ولما ذهب الى الكوفة كان اهل الكوفة قبل ان يأتيهم قد اخذوا الدين عن سعد بن ابی وقاص وابن مسعود وحذيفة وعمار وابی موسیٰ وغيرهم ممن ارسله عمر الى الكوفة ۔ ؎۲

جب حضرت علی کرم اللہ وجہہ کوفہ تشریف لے گئے ہیں تو اہل کوفہ آپ کے وہاں آنے سے پیشتر حضرت سعد بن ابی وقاص، حضرت عبد اللہ بن مسعود، حضرت حذیفہ، حضرت عمار، حضرت ابو موسیٰ وغیرہ (رضی اللہ عنہم) سے جن کو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کوفہ روانہ کیا تھا دین حاصل کر چکے تھے۔

فقہاء کوفہ میں اس کا خاص اہتمام تھا کہ جب کسی صحابی کی وہاں آمد ہوتی تو اس کے پاس آکر جمع ہو جاتے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیثوں کے سننے کی خواہش ظاہر کرتے۔ چنانچہ سنن ابن ماجہ میں امام شعبی سے روایت ہے کہ

لما قدم عدی بن حاتم الكوفة اتيناه فی نفر من فقهاء اهل الكوفة فقلنا لحدثنا ما سمعت من رسول الله صلی الله علیه وسلم۔
(باب فی القدر)

حضرت عدی بن حاتمؓ جب کوفہ تشریف لائے تو ہم فقہا کی ایک جماعت کے ساتھ ان کی خدمت میں حاضر ہوئے اور ان سے عرض کرنے لگے کہ آپ نے جو کچھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے ہم سے بھی بیان فرمایئے۔

امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ باایں وسعت نظر ہمیشہ اس بات کے درپے رہتے کہ جب کوفہ میں کوئی نامور محدث آئے تو اس کی معلومات سے اپنے علم میں اضافہ کیا جائے۔ چنانچہ امام نضر بن محمد مروزی جو امام صاحب کے مشہور تلامذہ میں سے ہیں فرماتے ہیں؛

لما رأيت رجلا الزم للاثر من ابی حنيفة قدم علينا يحيیٰ بن سعيد الانصاری و هشام بن عروة وسعيد بن ابی عروبة فقال لنا ابو حنيفة انظروا اتجدون عند هؤلاء شيئاً نسمعه ؎۳

میں نے امام ابو حنیفہؒ سے زیادہ کسی شخص کو حدیث سے اعتنا کرنے والا نہیں دیکھا، ایک دفعہ ہمارے پاس یحییٰ بن سعید انصاری، ہشام بن عروہ اور سعید بن ابی عروبہ آئے تو امام ابو حنیفہ ہم سے فرمانے لگے کہ دیکھو تو ان لوگوں کے پاس تمہیں کوئی ایسی چیز بھی ملتی ہے کہ جس کا ہم بھی سماع کریں۔

امام اعظمؒ کے ایک اور شاگرد محدث عبد العزیز بن ابی رزمہ کا بیان بھی اسی کے قریب ہے چنانچہ امام عبد اللہ حارثی بسند ناقل ہیں کہ

حدثنا داؤد بن ابی العوام سمعت وهب بن زمعة سمعت عبد العزيز بن ابی رزمة وذكر علم ابی حنيفة بالحديث فقال قدم

عبد العزیز بن ابی رزمہ نے امام ابو حنیفہ کے علم حدیث کا تذکرہ چھیڑا اور اسی سلسلہ میں یہ بھی بتایا کہ ایک بار کوفہ میں ایک محدث آئے تو امام ابو حنیفہ اپنے اصحاب سے فرمانے لگے

؎۱ منہاج السنہ ج ۴ ص ۱۴۲۔ ؎۲ ایضاً ج ۴ ص ۱۵۷۔ ؎۳ الجواہر المضیہ فی طبقات الحنفیہ تذکرہ نضر بن محمد۔

الکوفۃ محدث فقال ابوحنیفۃ لاصحابہ انظر واھل عندہ شئ من الحدیث لیس عندنا قال وقدم علینا محدث اٰخر فقال لاصحابہ مثل ذلک۔[1]	دیکھو توان کے پاس حدیث میں کوئی ایسی چیز ہے کہ جو ہمارے پاس نہیں ہے۔ عبدالعزیز کا بیان ہے کہ دوبارہ ایک اور محدث ہمارے پاس آئے جب بھی آپ نے اپنے اصحاب سے یہی فرمایا۔

کوفہ میں کتنے صحابہ نے آکر بود و باش اختیار کی اس کے متعلق حافظ ابوبشر دولابی،[2] قتادہ سے جن کا شمار کبار تابعین میں ہے بسند ناقل ہیں کہ

---

[1] مناقب الامام الاعظم، ار صدر الائمہ مکی ج ۱ ص ۸۳۔

[2] دولابی، دولاب کی طرف نسبت ہے یہ متعدد مواضع کا نام ہے منجملہ ان کے ایک بغداد کی شرقی جانب واقع تھا اور دوسرا رے کا ایک مشہور قریہ تھا۔ حافظ ذہبی نے تذکرۃ الحفاظ میں ان کا تعارف ان الفاظ میں کرایا ہے "الحافظ العالم ابوبشر محمد بن احمد بن حماد بن سعید بن مسلم الانصاری الرازی الدولابی الوراق" اور میزان الاعتدال میں صراحت کے ساتھ ان کے لئے من اھل الری کے الفاظ استعمال کئے ہیں جس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ قریہ دولاب واقع رے کے رہنے والے تھے لیکن حافظ ابن حجر عسقلانی، لسان المیزان میں مسلمہ بن قاسم سے ناقل ہیں کہ ان کا مسکن دولاب واقع بغداد تھا، انصاری بھی نسلاً نہیں ہیں بلکہ ولاءً ہیں۔ دولابی حدیث کے مشہور حفاظ میں سے ہیں اور فن جرح و تعدیل کے امام ہیں۔ طلب حدیث میں حسب تصریح ذہبی، حرمین، عراق مصر اور شام کا سفر کیا اور بہت سے شیوخ سے اس فن کی تحصیل کی، ابن الجوزی، المنتظم میں لکھتے وحدث عن اشیاخ فیھم کثرۃ (اتنے شیوخ سے حدیث بیان کی کہ جو بکثرت ہیں۔) امام بخاری اور امام نسائی سے بھی تلمذ حاصل ہے۔ چنانچہ امام بخاری سے ان کی کتاب الضعفاء الصغیر کے بھی راوی ہیں۔ حافظ ابن یونس لکھتے ہیں، کان الدولابی من اھل الصنعۃ حسن التصنیف (دولابی اہل فن میں سے ہیں اور عمدہ مصنف ہیں) حافظ مسلمہ بن قاسم فرماتے ہیں کان مقدما فی العلم الروایۃ ومعرفۃ الاخبار (یہ علم و روایت اور معرفت احادیث میں مقدم ہیں) مسلمہ نے یہ بھی تصریح کی ہے کہ فقہ میں یہ حنفی مذہب کے پیرو تھے چنانچہ ان کے الفاظ ہیں جالس العلماء وتفقہ لابی حنیفۃ رحمہ اللہ (علماء کی خدمت میں رہے اور امام ابوحنیفہ کے مذہب پر تفقہ حاصل کیا)۔ فن حدیث میں جن اکابر حفاظ نے آپ کے آگے زانوئے شاگردی تہ کیا ان میں ابن عدی، طبرانی، ابن المقری، ابوبکر بن جندس خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔

افسوس ہے کہ ابن عدی وغیرہ بعض متعصب محدثین نے مخالفت مذہبی کی بنا پر جیسا کہ حنفیہ کے بارے میں ان لوگوں کی عام عادت ہے ان پر بھی کلام کیا ہے لیکن غنیمت ہے کہ ان ہی میں سے خود محدث دارقطنی نے ان کی تردید کردی ہے چنانچہ وہ فرماتے ہیں تکلموا فیہ ما تبین من امرہ الا خیر (لوگوں نے ان کے بارے میں چہ میگوئیاں کی ہیں مگر ان میں بجز خیر کے اور کچھ ظاہر نہیں ہوا) ۲۲۴ھ میں ان کی ولادت ہوئی اور ۳۱۰ھ میں ذیقعدہ کے مہینہ میں بمقام عرج جو مکہ اور مدینہ کے مابین ہے وفات پائی (رحمہ اللہ تعالیٰ) انھوں نے متعدد تصانیف یادگار چھوڑیں جن میں سے کتاب الکنی والاسماء دو جلدوں میں حیدر آباد دکن سے مجلس دائرۃ المعارف نے طبع کر کے شائع کردی ہے۔

(تذکرۃ الحفاظ، میزان الاعتدال، لسان المیزان، المنتظم)

حدثنی ابراھیم بن الجنید الختلی قال حدثنا نصر بن علی الازدی قال حدثنا نوح بن قیس عن ابی الرجاء محمد بن سیف عن قتادۃ قال نزل الکوفۃ الف وخمسون رجلا من اصحاب النبی صلی اللہ علیہ وسلم واربعۃ وعشرون من اھل بدر۔ (کتاب الکنی والاسماء ج ۱ ص ۱۴۲)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہؓ میں سے ایک ہزار پچاس شخص اور چوبیس وہ بزرگ کہ جو غزوۂ بدر میں آپ کے ہمرکاب رہے تھے۔ کوفہ میں آکر فروکش ہوئے تھے۔

اور امام ابوالحسن احمد بن عبداللہ عجلی المتوفی ۲۶۱ھ (جو فن رجال میں امام احمد بن حنبل اور امام یحییٰ بن معین کے ہمسر شمار کئے جاتے ہیں) اپنی تاریخ میں اس سے بھی زیادہ تعداد بتلاتے ہیں چنانچہ وہ فرماتے ہیں کہ

نزل الکوفۃ الف وخمسمائۃ من الصحابۃ [1] کوفہ میں ڈیڑھ ہزار صحابہ آکر اترے۔

امام ابوعبداللہ حاکم صاحب المستدرک علی الصحیحین نے اپنی مشہور کتاب معرفۃ علوم الحدیث کی "النوع الثانی والاربعین" میں ان مشاہیر صحابہ کے نام لکھے ہیں کہ جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد مدینہ شریف سے دوسرے اسلامی شہروں میں منتقل ہوگئے تھے چنانچہ اس سلسلہ میں انھوں نے سب سے پہلے کوفہ سے ابتدا کی ہے اور سب سے زیادہ تعداد یہیں آنے والوں کی ذکر کی ہے۔ منجملہ ان کے عشرہ مبشرہ میں سے حضرت علی، حضرت سعد بن ابی وقاص اور حضرت سعید بن زید رضی اللہ عنہم اجمعین) کے نام بھی لکھے ہیں۔ بقیہ شہروں کے نام یہ ہیں، مکہ مکرمہ، بصرہ، مصر، شام، جزیرہ، خراسان۔

صحابہ کی اس کثرت کے باوجود علماء کوفہ کے شوق طلب کا یہ عالم تھا کہ وہ برابر مدینہ طیبہ کا سفر کیا کرتے اور وہاں کے اکابر صحابہ کے فیض علمی سے متمتع ہوتے رہتے تھے۔ چنانچہ "رحلت" کے بیان میں ہم لکھ چکے ہیں کہ امام احمد بن حنبل نے طلب اسناد عالی کو جب سلف کی سنت بتایا تھا تو اس کی سند میں حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے تلامذہ ہی کے سفر کا تذکرہ کیا تھا۔ اور علامہ ابن تیمیہ، منہاج السنہ میں فرماتے ہیں۔

ھو (یعنی اباعبدالرحمن السلمی) وغیرہ من علماء الکوفۃ مثل علقمۃ والاسود والحارث اللیثی وزر بن جیش الذی قرأ علیہ عاصم بن ابی النجود اخذوا القرآن عن ابن مسعود وکانوا یذھبون الی المدینۃ فیاخذون عن عمر وعائشۃ ولم یاخذوا عن علی کما اخذوا عن عمر وعائشۃ و شریح قاضیہ انما تفقہ علی معاذ بن جبل بالیمن۔ [2]

ابوعبدالرحمن سلمی اور دیگر علماء کوفہ جیسے کہ علقمہ، اسود، حارث لیثی، زر بن جیش، کہ جن کے پاس عاصم بن ابی النجود نے قرآن پاک کی قرارت کی ہے ان سب لوگوں نے حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے قرآن پاک سیکھا ہے، نیز یہ لوگ مدینہ طیبہ جاکر حضرت عمرؓ اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے علم کی تحصیل کیا کرتے تھے بلکہ ان حضرات نے حضرت عمرؓ اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے جتنا علم اخذ کیا اتنا حضرت علی رضی اللہ عنہ سے نہیں کیا اور کوفہ کے قاضی شریح نے فقہ کی تعلیم حضرت معاذ بن جبل سے یمن میں حاصل کی تھی۔

---

[1] فتح القدیر از امام ابن ہمام ج ۱ ص ۲۴ طبع نولکشور لکھنؤ، [2] یہ کتاب مجلس دائرۃ المعارف النظامیہ کے زیر اہتمام قاہرہ کے مطبع دار الکتب المصریہ سے طبع ہوکر شائع ہوچکی ہے۔ [3] منہاج السنہ ج ۴ ص ۱۴۲

اور پھر چند اوراق کے بعد علامہ موصوف لکھتے ہیں۔

واصحاب ابن مسعود کانوا یاخذون عن عمر و علی و ابی الدرداء [۱]	اور حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے تلامذہ حضرت عمرؓ، حضرت علیؓ اور حضرت ابوالدرداءؓ رضی اللہ عنہم سے علم حاصل کیا کرتے تھے۔

اسی کا اثر تھا کہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی وفات کے بعد جب حضرت علی کرم اللہ وجہہ کوفہ تشریف لائے تو آپ نے یہاں کی فضا کو علم سے معمور پایا چنانچہ امام ابوبکر عتیق بن داؤد یمانی فرماتے ہیں کہ

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی وفات کے بعد حضرت علی کرم اللہ وجہہ کا کوفہ میں ورود ہوا، یہ وہ زمانہ ہے کہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کے تلامذہ وہاں پر لوگوں کو فقیہ بنانے میں مصروف تھے، جناب امیر نے مسجد کوفہ میں آکر دیکھا تو چار سو کے قریب دواتیں رکھی ہوئی تھیں اور طلبا، کتابت علم میں مصروف تھے یہ دیکھ کر آپ نے ارشاد فرمایا۔

لقد ترك ابن ام عبد يعني ابن مسعود رضی اللہ عنہ هولاء سرج الكوفة۔	بلاشبہ ابن ام عبد یعنی ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے ان لوگوں کو کوفہ کے چراغ بنا کر چھوڑا ہے۔ [۲]

تفقہ کا درجہ علوم شرعیہ کا آخری درجہ ہے اس لئے جب متعلمین فقہ کی تعداد یہ تھی تو ظاہر ہے کہ طلبہ حدیث کی تعداد اس سے کئی گنی زیادہ ہوگی چنانچہ حافظ سیوطی نے تدریب الراوی میں ابن سیرین سے جو اکابر تابعین میں شمار کئے جاتے ہیں اس سلسلہ میں یہ روایت نقل کی ہے کہ

قدمت الكوفة وبها اربعة الاف يطلبون الحديث [۳] میں کوفہ آیا تو وہاں چار ہزار حدیث کے طالب علم موجود تھے۔

محدث حاکم نیشاپوری نے معرفۃ علوم الحدیث کی "النوع التاسع والاربعین" میں زیر عنوان "معرفة الائمة الثقات المشهورين من التابعين واتباعهم ممن يجمع حديثهم للحفظ والمذاكرة والتبرك بهم وبذكرهم من الشرق الى الغرب" (یعنی تابعین اور تبع تابعین کے ان مشاہیر ائمہ ثقات کی معرفت کہ جن کی حدیثیں حفظ اور مذاکرہ کے لئے جمع کی جاتی ہیں اور جن سے تبرک حاصل کیا جاتا ہے اور جن کا ذکر مشرق سے لیکر مغرب تک ہے) بلاد اسلامیہ کے ان تمام نامور ائمہ کو نام بنام گنایا ہے کہ جو اس عنوان کے تحت آتے ہیں چنانچہ اس سلسلہ میں حسب ذیل مقامات کے محدثین کی فہرست دی ہے۔ مدینہ، مکہ، مصر، شام، یمن، یمامہ، کوفہ، جزیرہ، بصرہ، واسط، خراسان، (بغداد کے علماء محدثین کا ذکر نوع ثانی والاربعین ہی میں کرچکے ہیں جو چند سطروں سے زائد نہیں ہے) مگر آپ کو یہ معلوم کرکے شاید تعجب ہو کہ ان تمام مذکورہ مقامات میں یہ امتیاز صرف کوفہ ہی کو حاصل ہے کہ وہاں کے ائمہ ثقات کی فہرست پورے ساڑھے تین صفحات پر مشتمل ہے، جبکہ بجز بصرہ کے (کہ وہاں کے ائمہ محدثین کے نام تو بلاشبہ ایک صفحہ میں آگئے ہیں) باقی کسی شہر کے مشاہیر کی فہرست ایک صفحہ کو بھی پر نہ کرسکی۔ اسی طرح طبقات ابن سعد میں کسی مقام کے اتنے علماء مذکور

---

[۱] منہاج السنۃ ج ۴ ص ۱۵۶۔ [۲] مناقب الامام الاعظم از صدر الائمہ مکی ج ۲ ص ۱۴۰۔ [۳] تدریب الراوی ص ۲۷۵ طبع مصر۔ [۴] حاکم نے ان ائمہ ثقات مشہورین کی فہرست میں امام ابوحنیفہ اور امام زفر کا بھی نام لیا ہے۔

نہیں جتنے کہ کوفہ کے ہیں چنانچہ تمام بلاد اسلامیہ میں یہ خصوصیت صرف کوفیین کی ہے کہ طبقات کی پوری ایک ضخیم جلد صرف انہی کے تراجم پر مشتمل ہے، اس سے آپ کوفہ کی علمی منزلت کا اندازہ کر سکتے ہیں۔

قراء سبعہ[1] میں سے **عاصم**، **حمزہ** اور **کسائی** تینوں کوفی ہیں۔ **تفسیر** میں حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے شاگردوں کو علامہ ابن تیمیہ نے "اعلم الناس بالتفسیر" لکھا ہے۔ سعید بن جبیر جن کو قتادہ تمام تابعین میں تفسیر کا سب سے بڑا عالم مانتے ہیں[2]۔ اسی کوفہ کے رہنے والے تھے۔

حدیث کی نشر و اشاعت کا وہاں یہ عالم تھا کہ حافظ ابو محمد حسن بن خلاد رامہرمزی، المحدث الفاصل بین الراوی والواعی میں محدث بغداد حافظ عفان بن مسلم سے (کہ جن کو یحییٰ بن معین فن حدیث میں امام مالک، ابن جریج، سفیان ثوری اور شعبہ کے ہم پلہ تسلیم کرتے ہیں) بسند ناقل ہیں کہ

حدثنا عبد اللہ بن احمد بن معدان حدثنا منکور بن سلیمان الواسطی قال سمعت

انہوں نے کچھ لوگوں کو یہ کہتے سنا کہ ہم فلاں فلاں کی کتابیں نقل کر چکے ہیں، اس پر فرمانے لگے کہ ہماری رائے میں اس

---

[1] قرآن پاک کے وہ سات قاری کہ جن کی قراءت کے مطابق ساری دنیا میں قرآن مجید کی تلاوت کی جاتی ہے، حافظ عبدالقادر قرشی، الجواہر المضیہ میں فرماتے ہیں:

"سات ماہتاب جو ائمہ قراء ہیں یہ ہیں:

(۱) **عبداللہ بن کثیر** بن المطلب القرشی مولاہم ابو معبد، تابعین میں سے ہیں۔ حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ وغیرہ سے سماع کیا ہے۔ مکہ معظمہ میں ۱۲۰ھ میں انتقال فرمایا۔ بعض نے سنہ وفات ۱۲۲ بتایا ہے۔

(۲) **نافع** بن عبدالرحمن بن ابی نعیم مولی جعونہ بن شیب اللیثی، مدنی ہیں، ان کے بزرگ اصفہان کے رہنے والے تھے، ابو رویم کنیت ہے، ۱۶۹ھ میں مدینہ منورہ میں انتقال کیا۔

(۳) **ابن عامر** یہ عبداللہ بن عامر بن یزید بن تمیم بن ربیعہ الیحصبی الدمشقی ہیں دمشق کے قاضی تھے کبار تابعین میں سے ہیں ۲۱ھ کے اوائل میں پیدا ہوئے اور عاشورے کے دن ۱۱۸ھ میں وفات پائی۔ بعض نے کہا ہے کہ ۸ ہجری میں ان کی ولادت ہوئی تھی اس قول پر ان کی عمر ایک سو دس برس کی ہوتی ہے۔

(۴) **ابو عمرو** بن العلاء بن عمار بن عبداللہ المقری البصری، ان کا نام کسی نے ریان کسی نے عریان کسی نے یحییٰ کسی نے عثمان کسی نے محبوب اور کسی نے کچھ اور بتایا ہے۔ بعض کہتے ہیں ان کی کنیت ہی ان کا نام ہے، ۱۵۴ھ میں کوفہ میں انتقال کیا۔

(۵) **عاصم** بن ابی النجود (بفتح نون) ابو بکر الاسدی، ۱۲۷ھ میں کوفہ میں وفات پائی بعض نے سنہ وفات ۱۲۸ بیان کیا ہے، امام سفیان اور امام احمد نے کہا ہے کہ بہدلہ، ابو النجود کا نام ہے اور عمرو بن علی الفلاس کہتے ہیں کہ ان کی ماں کا نام ہے مگر ابو بکر بن ابی داؤد نے اس کو غلط بتایا ہے۔

(۶) **حمزہ** بن حبیب بن عمارہ بن اسمٰعیل الزیات التیمی مولاہم الکوفی ابو عمارہ۔ بمقام حلوان ۱۵۸ھ میں اور بقول بعض ۱۵۶ھ میں وفات پائی۔

(۷) **کسائی** ابو الحسن علی بن حمزہ الاسدی مولاہم الکوفی ۱۸۹ھ میں وفات پائی انہوں نے حمزہ اسدی کے پاس قراءت کی تھی۔

ان ساتوں میں بجز ابن عامر اور ابو عمرو کے کوئی عرب نہیں" (الجواہر المضیہ ج ۲ ص ۴۲۲ و ۴۲۳)

[2] ملاحظہ ہو الاتقان فی علوم القرآن از علامہ سیوطی، ج ۲ ص ۱۸۹ طبع مصر ۱۳۷۰ھ۔

عفان يقول، ويسمع قوما يقولون نسخنا كتب
فلان ونسخنا كتب فلان، فسمعته يقول نرى
هذا الضرب من الناس لا يفلحون، كنا نأتي هذا
فنسمع منه ما ليس عند هذا ونسمع من هذا
ما ليس عند هذا فقدمنا الكوفة فأقمنا أربعة أشهر
ولو أردنا أن نكتب مائة ألف حديث لكتبناها
فما كتبنا إلا قدر خمسين ألف حديث وما رضينا
من أحد إلا بالإملاء إلا شريكا، فإنه أبى علينا
وما رأينا بالكوفة لحانا مجوزا اھ [۱]

قسم کے لوگ کامیاب نہیں ہوا کرتے۔ ہمارا تو یہ دستور تھا کہ
جب اس استاد کے پاس آتے تو اس سے وہ روایتیں سنتے جو
اس استاد کے پاس نہ ہوتیں اور اس سے وہ سنتے جو اس کے پاس
نہ ہوتیں۔ چنانچہ جب ہم کوفہ آئے تو چار ماہ قیام رہا اور اگر ہم
یہ چاہتے کہ ایک لاکھ حدیثیں لکھ لیں تو لکھ سکتے تھے مگر ہم نے
صرف پچاس ہزار حدیثیں ہی لکھیں اور ہم کسی سے املاء کے
علاوہ راضی نہ ہوئے، سوائے شریک کے کہ انھوں نے ہم سے
انکار کردیا اور ہم نے کوفہ میں کسی ایسے شخص کو نہیں دیکھا کہ جو
عربیت میں غلطی کرے اور اس کو روا رکھے۔

اور علامہ تاج الدین سبکی، طبقات الشافعیۃ الکبری میں قدوۃ المحدثین حافظ ابوبکر بن ابی داؤد سجستانی
کی زبانی ان کا یہ بیان نقل کرتے ہیں:

دخلت الكوفة ومعي درهم واحد
فاشتريت به ثلاثين مد باقلاء فكنت
آكل مدا وأكتب عن الأشج فكتبت
عنه في الشهر ثلاثين ألف حديث ما بين
مقطوع ومرسل۔ [۲]

میں جب کوفہ میں آیا تو میرے پاس ایک ہی درہم رہ گیا تھا سو میں
نے اس درہم کا تیس مد باقلا خرید لیا، پھر ایک مد کھاتا اور اشج
سے ایک ہزار حدیثیں لکھ لیتا۔ اس طرح ایک مہینہ میں میں
نے تیس ہزار حدیثیں جن میں مقطوع اور مرسل بھی شامل
ہیں لکھ لیں۔

ذرا تصور کیجئے اس شہر کی کثرت حدیث کا کہ جہاں عفان جیسا حافظ حدیث چار ماہ میں پچاس ہزار احادیث[۳]

ع تقدمہ نصب الرایہ میں یہ عبارت اس طرح منقول ہے کہ وما رضينا من احد الا ما لا مة لیکن اس کا مطلب واضح طور پر سمجھ میں نہیں آتا۔ حافظ عراقی نے بھی شرح الفیہ (ج ۳ ص ۹۰ طبع مصر) میں عفان کا یہ بیان نقل کیا ہے اور اس کے الفاظ وہی ہیں جو متن میں مذکور ہیں۔

[۱] اس کتاب کے قلمی نسخے کتب خانہ آصفیہ حیدر آباد دکن اور کتب خانہ پیر جھنڈو حیدر آباد سندھ میں ہماری نظر سے گزرے ہیں لیکن اس وقت یہ عبارت ہم نے محدث کوثری نے امام زیلعی کی نصب الرایہ پر جو مقدمہ لکھا ہے اس سے نقل کی ہے۔ (ملاحظہ ہو تقدمہ نصب الرایہ ص ۳۵ مطبوعہ) [۲] طبقات الشافعیہ ج ۲ ص ۲۳۰ طبع حسینیہ مصر۔

[۳] یہ بات یاد رکھنی چاہئے کہ جب محدثین احادیث کی تعداد کا ذکر کرتے ہیں تو اس سے مراد متون احادیث نہیں بلکہ طرق و اسانید ہوتے ہیں۔ نیز سلف کا دستور تھا کہ وہ آثار صحابہ و تابعین اور ان کے فتاوے کے لئے بھی حدیث کا لفظ استعمال کیا کرتے تھے۔ حافظ سخاوی، فتح المغیث میں لکھتے ہیں:

وكذا الآثار الصحابة والتابعين وغيرهم و
فتاويهم مما كان السلف يطلقون على
كل حديثا۔ (ص ۲ طبع انوار محمدی لکھنؤ)

اور اسی طرح اس تعداد میں (مکررات و موقوفات کے علاوہ صحابہ
و تابعین وغیرہ کے آثار و فتاوی بھی داخل ہوتے ہیں کیونکہ ان
میں کے ہر ایک کیلئے متقدمین حدیث کا لفظ استعمال کرتے تھے۔

(باقی حاشیہ بر صفحہ آئندہ)

لکھ لے (کہ جو مسند احمد جیسی ضخیم کتاب کی روایات سے بھی تعداد میں کہیں زیادہ ہیں) اور حافظ ابوبکر بن ابی داؤد ایک ہی ماہ میں تیس ہزار حدیثیں ایک ہی شیخ سے لکھ لیں وہاں حدیث وسنت کی اشاعت کا کیا عالم ہوگا یہی وجہ ہے کہ امام احمد بن حنبلؒ سے جب ان کے صاحبزادے عبداللہ نے دریافت کیا کہ آپ کی رائے میں طالب علم کو کیا کرنا چاہئے آیا ایک ہی صاحب علم کی خدمت میں برابر حاضر رہ کر اسی سے حدیثیں لکھتا رہے یا ان مقامات کا رخ کرے کہ جہاں علم کا چرچا ہے اور وہاں جا کر علماء سے حدیث کی تحصیل کرے تو آپ نے جواب میں فرمایا کہ سفر کرنا چاہئے اور دوسرے مقامات کے علماء سے حدیثیں لکھنی چاہئیں اور ان علماء میں سب سے پہلے امام موصوف نے "کوفیین" ہی کا ذکر کیا۔ چنانچہ آپ کے الفاظ یہ ہیں: یرحل ویکتب عن الکوفیین والبصریین واھل المدینۃ ومکۃ۔ امام بخاری نے طلب حدیث میں بخارا سے لیکر مصر تک تمام اسلامی شہروں کا سفر کیا تھا۔ دو دفعہ جزیرہ گئے۔ چار دفعہ بصرہ جانا ہوا چھ سال تک حجاز میں مقیم رہے مگر اس کے باوجود کوفہ اور بغداد کی وہ اہمیت تھی کہ فرماتے ہیں:

لا احصی کم دخلت الی الکوفۃ وبغداد مع المحدثین۔ [۱]

میں شمار بھی نہیں کرسکتا کہ کوفہ اور بغداد میں مجھے محدثین کے ساتھ کتنی بار جانا پڑا۔

فن حدیث کی **تبویب** سب سے پہلے اسی شہر میں ہوئی۔ **صحیح** احادیث کا مجموعہ بھی سب سے پہلے یہیں مرتب ہوا۔ [۲]

(بقیہ حاشیہ از صفحہ گذشتہ) اس کے بعد سخاوی لکھتے ہیں کہ بہت سی حدیثیں ہیں کہ جو سو سندوں کے ساتھ مروی ہیں اور حدیث انما الاعمال بالنیات کے متعلق تو حافظ ابو اسمٰعیل انصاری ہروی سے منقول ہے کہ انھوں نے حدیث مذکور کو اس کے صرف ایک راوی یحییٰ بن سعید انصاری سے ان کے سات سو شاگردوں کی سند سے لکھا ہے۔

آج کل کے منکرین حدیث نے ابلہ فریبی کے لئے یہ شور مچا رکھا ہے کہ موجودہ حدیث کی کتابوں میں چند ہزار سے زائد احادیث کی تعداد پائی نہیں جاتی اور محدثین یہ کہتے ہیں کہ ہم نے لاکھوں حدیثوں سے ان کا انتخاب کیا ہے اس سے صاف ظاہر ہے کہ احادیث کی بڑی تعداد خود محدثین کے بیانات کے مطابق خود ساختہ ہے لہذا ایسی صورت میں ان چند ہزار کا بھی کیا اعتبار رہ جاتا ہے کہ جن کو لاکھوں موضوعات سے چھانٹ کر صحیح قرار دیا گیا ہو۔ اس لئے آپ خوب سمجھ لیجئے کہ یہ ایک بہت ہی بڑا سنگین مغالطہ ہے جو بیچارے ناواقف عوام کو دیا جا رہا ہے، کیونکہ محدثین کے یہاں تو احادیث کی تعداد کا حساب ان کی اسانید کے اعتبار سے ہوتا تھا نہ کہ متون کے لحاظ سے پس اگر کسی حدیث کی مثلاً سو اسنادیں ہیں تو اس کی تعداد اپنی اسانید کے اعتبار سے سو ہوگی چنانچہ حدیث انما الاعمال بالنیات کا جب شمار لگائیں گے تو اس کی سات سو اسنادوں کے اعتبار سے سات سو شمار کریں گے۔

(حاشیہ صفحہ ھذا) [۱] تدریب الراوی از سیوطی ص ۱۷، و فتح المغیث از سخاوی ص ۳۲۱۔

[۲] مقدمہ فتح الباری از حافظ ابن حجر عسقلانی ج ۲ ص ۴۷۹ طبع خیریہ مصر۔ [۳] اس کی تفصیل آگے آرہی ہے۔

اور فقہ کے متعلق تو پوچھنا ہی کیا، امام ابوحنیفہ رحمہ نے اس کو "معدن العلم والفقہ" کا لقب دیا ہے[۵۱]
اور سفیان بن عیینہ جو ائمہ حدیث میں شمار کئے جاتے ہیں کہا کرتے تھے۔

من اراد المغازی فللمدینة ومن اراد المناسك فمکة ومن اراد الفقه فالکوفة۔[۵۲]	مغازی کے لئے مدینہ، مناسک کے لئے مکہ اور فقہ کے لئے کوفہ ہے۔

فقہ حنفی جس پر بارہ سو برس سے اسلامی دنیا کا تقریباً دو ثلث حصہ عمل پیرا چلا آتا ہے اس کی بنیاد بھی یہیں پڑی۔

عربیت اور نحو کی تدوین بھی کوفہ اور بصرہ ان ہی دو شہروں میں ہوئی ہے چنانچہ لغت اور نحو کی کتابوں میں بجز ان دو مقامات کے عام طور پر اور کسی جگہ کے علماء کا اختلاف ذکر نہیں کیا جاتا۔

حافظ ذہبی لکھتے ہیں[۵۳]

"کوفہ میں حضرت عبداللہ بن مسعود، حضرت عمار بن یاسر، حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہم، جیسے حضرات نیز صحابہ (رضوان اللہ علیہم اجمعین) کی ایک خلقت آکر اتری، پھر وہاں علقمہ، مسروق، عبیدہ اور اسود جیسے ائمہ تابعین پیدا ہوئے، پھر شعبی، نخعی، حکم بن عتیبہ، حماد، ابو اسحٰق منصور، اعمش اور ان کے اصحاب ہوئے"

اس کے بعد ذہبی کے الفاظ ہیں،

وما زال العلم بها متوفرا الی زمان ابن عقدة۔	اور ابن عقدہ کے زمانے تک برابر وہاں علم کی وسعت و کثرت ہی چلی آئی۔

حافظ عصر ابن عقدہ کی وفات ۳۳۲ھ میں ہوئی ہے اس حساب سے متواتر تین سو سال تک کوفہ حدیث کا دار العلم رہا ہے، محدث حاکم نیشاپوری نے کوفہ کا پہلا سفر ابن عقدہ کی وفات کے نو برس بعد ۳۴۱ھ میں کیا تھا۔ اس وقت تک صحابہ کی درسگاہوں کے نشانات موجود تھے چنانچہ اس سلسلہ میں ان کا بیان حسب ذیل ہے:

"میں کوفہ میں سب سے پہلے ۳۴۱ھ میں داخل ہوا، ابو الحسن بن عقبہ شیبانی مجھے صحابی کی مساجد بتلاتے جاتے تھے چنانچہ میں بہت سی مسجدوں میں گیا، یہ مساجد اس وقت تک آباد تھیں، ہم نے اپنا شکانا محلہ بجیلہ میں حضرت جریر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ کی مسجد کو بنایا تھا۔

اس کے بعد ۳۴۵ھ میں پھر کوفہ آنا ہوا تو ابن عقبہ کی مسجد ویران ہو چکی تھی، اب ابو القاسم سکونی

---

[۵۱] مناقب الامام الاعظم، از صدر الائمہ موفق بن احمد مکی المتوفی ۵۶۸ھ مطبوعہ مطبع دائرۃ المعارف النظامیہ حیدر آباد دکن ج ۱ ص ۵۶۔ [۵۲] ایضاح ۲ ص ۶۴ علامہ یاقوت حموی نے معجم البلدان میں کوفہ کے ذکر میں سفیان بن عیینہ کے یہ الفاظ نقل کئے ہیں خذوا المناسك عن اهل مکة وخذوا القراءة عن اهل المدینة وخذوا الحلال و الحرام عن اهل الکوفة (یعنی مناسک اہل مکہ سے حاصل کرو اور قرأت اہل مدینہ سے اور حلال و حرام کا علم اہل کوفہ سے۔)

[۵۳] عہد فاروقی اور عہد عثمانی میں حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا بیشتر قیام کوفہ ہی میں رہا۔ چنانچہ علامہ ذہبی، میزان الاعتدال میں اصبغ بن خلیل کے ترجمہ میں تصریح کرتے ہیں انه کان فی غالب دولتیهما بالکوفة (بلاشبہ یہ ان دونوں کے زمانۂ خلافت میں بیشتر کوفہ ہی میں رہے۔)

میرا ہاتھ پکڑ کر میرے ساتھ جامع مسجد کے ستونوں کے گرد گھومتے اور بتاتے جاتے تھے کہ ھذہ اسطوانۃ جریر، ھذہ اسطوانۃ عبد اللہ، ھذہ اسطوانۃ البراء، یہ حضرت جریر رضی اللہ عنہ کا ستون ہے، یہ حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا ہے، یہ حضرت براء رضی اللہ عنہ کا ہے (جہاں یہ حضرات درس دیا کرتے تھے۔)" [۱]

امام **ابن ماجہ** نے جس زمانہ میں **کوفہ** کا سفر کیا ہے اس کی علمی رونق بدستور قائم تھی اور یہ محدثین و حفاظِ حدیث سے بھرا ہوا تھا۔ چنانچہ ان میں سے جن حضرات کے سامنے آپ نے زانوئے شاگردی تہ کیا وہ حسب ذیل ہیں:

حافظ ابو بکر بن ابی شیبہ، عبد اللہ بن محمد بن ابی شیبہ ابراہیم بن عثمان العبسی مولاہم الکوفی

حافظ ذہبی نے تذکرۃ الحفاظ میں ان کا ترجمہ ان لفظوں سے شروع کیا ہے "ابو بکر بن ابی شیبۃ الحافظ عدیم النظیر الثبت النحریر" بہت بڑے نامور محدث تھے، مصنفین صحاح ستہ میں سے امام بخاری، مسلم، ابو داؤد اور ابن ماجہ ان کے خاص شاگرد تھے۔ چنانچہ صحیح بخاری میں تیس اور صحیح مسلم میں ایک ہزار پانچ سو چالیس حدیثیں ان کی سند سے مروی ہیں۔ [۲] اسی طرح سنن ابی داؤد میں بھی بکثرت ان سے حدیثیں منقول ہیں اور سنن ابن ماجہ میں تو غالباً سب سے زیادہ ان ہی کی روایتیں درج ہیں۔ عمرو بن علی فلاس کا بیان ہے کہ ان سے بڑا حافظِ حدیث ہماری نظر سے نہیں گزرا، ابو عبید قاسم بن سلام کہتے ہیں کہ حدیث کا علم چار شخصوں پر آکر منتہی ہوا، جن میں ابو بکر بن ابی شیبہ تو حسن ادا میں، اور احمد بن حنبل تفقہ میں اور یحییٰ بن معین جامعیت میں اور علی بن مدینی وسعتِ معلومات میں ایک دوسرے سے بڑھ چڑھ کر ہیں، ایک اور موقع پر ابو عبید نے ان چاروں کے مابین ان الفاظ میں موازنہ کیا ہے کہ حدیث کے ربانی عالم چار ہیں، جن میں حلال و حرام کے سب سے بڑے عالم احمد بن حنبل اور روانی و حسنِ سیاق میں سب سے اچھے علی بن مدینی اور تصنیف میں سب سے خوش سلیقہ ابو بکر بن ابی شیبہ اور صحیح اور غیر صحیح حدیثوں کا سب سے زیادہ علم رکھنے والے یحییٰ بن معین ہیں۔ ابو علی صالح بن محمد بغدادی کا بیان ہے کہ میں نے جن لوگوں کو پایا ان میں حدیث اور اس کی علل کے سب سے بڑے عالم علی بن مدینی اور فقہ حدیث میں سب سے بڑھ کر احمد بن حنبل اور تصحیف مشائخ سے سب سے زیادہ باخبر یحییٰ بن معین اور مذاکرہ کے وقت سب سے زیادہ یادداشت رکھنے والے ابو بکر بن ابی شیبہ ہیں۔ [۳] ابو زرعہ کا بیان ہے کہ میں نے ابن ابی شیبہ سے ایک لاکھ حدیثیں لکھی ہیں۔ [۴] ابن خراش کہتے ہیں کہ ایک بار میں نے ابو زرعہ کو یہ کہتے سنا کہ ما رأیت احفظ من ابن ابی شیبۃ (میں نے ابن ابی شیبہ سے بڑھ کر کسی کو حافظ حدیث نہیں دیکھا) اس پر میں بول اٹھا یا اصحابنا البغدادیین (ہمارے بغداد کے اصحاب بھی نہیں) کہنے لگے دع اصحابک اصحاب مخاریق (ارے ان تمہارے چھتروں والے اصحاب کو رہنے بھی دو)۔ محرم ۲۳۵ھ میں انتقال فرمایا آپ نے متعدد تصانیف

---

[۱] معرفۃ علوم الحدیث ص ۱۹۱ و ۱۹۲ طبع مصر۔ [۲] تہذیب التہذیب ترجمہ ابن ابی شیبہ۔ [۳] تدریب الراوی ص ۲۵۹
[۴] تذکرۃ الحفاظ ترجمہ ابراہیم بن موسیٰ ابو اسحٰق الرازی الفراء۔

یادگار چھوڑیں جن میں مسند اور مصنف زیادہ مشہور ہیں:۔
مصنف کا شمار حدیث کی ان چند بے مثال تالیفات میں ہے کہ جو اسلام کا کارنامہ فخر خیال کی جاتی ہیں چنانچہ حافظ ابن کثیر دمشقی، البدایہ والنہایہ میں ابن ابی شیبہ کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔
وصاحب المصنف الذی لم یصنع احد مثلہ قط لا قبلہ ولا بعدہ (ج ۱۰ ص ۳۱۵)
یہ اس مصنف کے مصنف ہیں کہ اس کی مثل کسی نے کبھی تصنیف نہیں کی، نہ ان سے پہلے اور نہ ان سے بعد۔
اور حافظ ابن حزم اندلسی نے اس کتاب کو عظمت کے اعتبار سے موطا امام مالک سے بھی مقدم رکھا ہے۔ اور فی الواقع صحیح مسلم، سنن ابی داؤد، اور سنن ابن ماجہ میں جس کثرت سے اس کتاب کی روایتیں منقول ہیں موطا کی منقول نہیں۔
مصنف میں صرف احادیث احکام کو جمع کیا گیا ہے یعنی جن سے کوئی فقہ کا مسئلہ معلوم ہو سکے اور یہ اس کتاب کا خاص امتیاز ہے کہ اس میں کسی مذہب فقہی کے ساتھ کوئی ترجیحی سلوک روا نہیں رکھا گیا بلکہ اہل حجاز اور اہل عراق دونوں کی جتنی روایات مصنف کو مل سکیں ان سب کو نہایت ہی غیر جانبداری کے ساتھ یکجا جمع کر دیا ہے۔ جس سے ہر فقیہ کو نہایت آسانی کے ساتھ بغیر کسی تاثر کے اس مسئلے کے بارے میں آزادی کے ساتھ رائے قائم کرنے کا موقع باقی رہتا ہے افسوس ہے کہ بعد کے مصنفین ابن ابی شیبہ کے اس غیر جانبدارانہ طرز کو قائم نہ رکھ سکے اور انھوں نے اپنی تصانیف میں یا تو صرف اپنے ہی مذہب فقہی کی روایات کے درج کرنے پر اکتفا کی یا دوسرے مذاہب کی روایات اگر ذکر کیں تو جہاں تک ممکن ہو سکا ان پر جرح بھی کر ڈالی جس کی وجہ سے جب تک قدما کی کتابیں پیش نظر نہ ہوں کسی مسئلہ پر غیر جانبداری کے ساتھ رائے قائم کرنا دشوار ہو گیا۔ حدیث کی بعض متداول کتابوں کے مطالعہ سے جو ظاہر بینوں کو مذہب حنفی سے عقیدت کم ہو جاتی ہے اس کی اصل وجہ یہی ہے۔ بہرحال قدما کی تصانیف میں احادیث احکام پر جامع ترین کتاب ہے۔ دوسری ایک اور اہم خصوصیت اس کتاب کی یہ ہے کہ اس میں حدیث نبوی کے پہلو بہ پہلو صحابہ اور تابعین کے اقوال و فتاوے بھی درج ہیں جس کا سب سے بڑا فائدہ یہ ہے کہ ہر حدیث کے متعلق ساتھ ہی یہ بھی معلوم ہو جاتا ہے کہ اس پر سلف امت کی تلقی رہی ہے یا نہیں اور دور صحابہ و تابعین میں اس روایت پر عمل درآمد تھا یا نہیں اور یہ اس کتاب کی وہ مخصوص افادیت ہے کہ جس میں وہ اپنا ثانی نہیں رکھتی، اور یہی وجہ ہے کہ یہ کتاب فقہاء محدثین میں برابر متداول چلی آتی ہے چنانچہ کتب حدیث و فقہ کی وہ شروح کہ جن میں احادیث احکام سے بحث کی جاتی ہے ان میں شاید ہی کوئی کتاب ایسی ملے کہ جس میں اس کے حوالے درج نہ ہوں اور اس کی احادیث پر بحث نہ ہو۔ صاحب کشف الظنون نے اس کتاب کا تعارف ان لفظوں میں کرایا ہے:
ھو کتاب کبیر جداً جمع فیہ فتاوی التابعین و اقوال الصحابۃ واحادیث الرسول صلی اللہ علیہ وسلم
یہ ایک بہت بڑی کتاب ہے جس میں فتاوی تابعین، اقوال صحابہ، اور احادیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو محدثین

۱؎ ملاحظہ ہو تذکرۃ الحفاظ، ترجمہ علامہ ابن حزم۔

علی طریقۃ المحدثین بالاسانید مرتبا علی الکتب والابواب علی ترتیب الفقہ۔

کے طریقہ پر اسانید کے ساتھ جمع کر دیا ہے اور ترتیب فقہی پر اس کی کتب و ابواب کو مرتب کیا ہے۔

اور محدث ناقد محمد زاہد کوثری رقمطراز ہیں۔

وللمصنف احوج مایکون الفقیہ الیہ من الکتب الجامعۃ للمسانید والمراسیل وفتاوی الصحابۃ والتابعین، رتبہ علی الابواب لیقف المطالع علی مواطن الاتفاق والاختلاف بسہولۃ وھو من اجمع الکتب لادلۃ الفقہاء خاصۃ اھل العراق۔ [1]

مسانید و مراسیل اور فتاوے صحابہ و تابعین کی جو جامع کتابیں ہیں ان میں ایک فقیہ کو سب سے زیادہ جس کتاب کی احتیاج ہے وہ مصنف ہے جس کو ابواب پر مرتب کیا ہے تاکہ اس کا مطالعہ کرنے والا سہولت کے ساتھ اتفاق و اختلاف کے مواقع سے واقف ہو جائے۔ یہ کتاب فقہاء بالخصوص اہل عراق کے دلائل کی جامع ترین کتابوں میں سے ہے۔

ابن ابی شیبہ نے اس کتاب میں ایک مستقل باب امام ابو حنیفہؒ کے رد میں بھی لکھا ہے جس کا عنوان ہے۔

---

[1] حواشی ذیول تذکرۃ الحفاظ از محدث موصوف ص ۱۵۸ طبع دمشق۔

[2] ظاہر بینوں کو اس پر تعجب نہ ہونا چاہیئے ماجتہادی مسائل میں اختلاف ناگزیر ہے اور ہر فریق کو دوسرے کے مسائل پر تنقید کا پورا پورا حق حاصل ہے اگر کسی فن میں تنقید کو ممنوع قرار دیدیا جائے تو ظاہر ہے کہ وہ فن کبھی ترقی نہیں کر سکتا مسلمانوں نے فن استنباط واجتہاد کو جو اس درجہ اوج کمال پر پہنچایا کہ زندگی کے ہر مسئلہ کا حل وہ شریعت کی روشنی میں تلاش کر لیتے ہیں اور ان کا قانون فقہ ہر حیثیت سے مکمل اور جامع ہے اس کی اصل وجہ ان کی یہی علمی بحث وتمحیص ہے جس سے نصوص پر غور کرنے اور ان سے استنباط مسائل کے سارے طریقے منقح ہو کر اور نکھر کر امت کے سامنے آگئے، زمانہ سلف میں اکثر ائمہ نے ایک دوسرے کے مسائل پر تنقید و اعتراض کیا ہے۔ امام لیث بن سعد کا بیان ہے کہ میں نے امام مالک کے ستر مسئلے ایسے شمار کئے کہ جو سب کے سب سنت نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے مخالف تھے چنانچہ میں نے اس بارے میں ان کو لکھکر بھیجدیا ہے۔[3] خود امام شافعی نے امام مالک کی تردید میں ایک مستقل کتاب لکھی ہے جس میں ثابت کیا ہے کہ ان کے بہت سے مسائل احادیث کے خلاف ہیں۔ امام رازی نے مناقب الشافعی میں اس کتاب کا دیباچہ نقل کیا ہے، حافظ ابن حزم اندلسی جو ارباب ظواہر کے امام ہیں اپنی کتاب مراتب الدیانۃ میں لکھتے ہیں کہ موطا میں ستر سے اوپر ایسی حدیثیں ہیں کہ جن پر خود امام مالک نے عمل نہیں کیا ہے۔[3] اور بعض مغاربہ نے ایک مستقل کتاب میں ان مسائل کو جمع بھی کر دیا ہے کہ جن میں مالکیہ کا اس موطا کی احادیث کے صریحا خلاف ہے۔[4] محمد بن عبداللہ بن عبدالحکم مالکی نے جو مصر کے مشہور فقیہ اور محدث تھے اور امام شافعیؒ کے بھی شاگرد رہ چکے تھے۔ امام شافعیؒ کے رد میں ایک مستقل کتاب لکھی ہے جس کا نام ہے الرد علی الشافعی فیما خالف فیہ الکتاب والسنۃ۔[4] یعنی ان مسائل میں شافعی کا رد کہ جن میں ان سے کتاب و سنت کے خلاف ہوا ہے۔ لیکن اس سے یہ نہ سمجھنا چاہیئے کہ العیاذ باللہ یہ سب ائمہ حدیث کی مخالفت کیا کرتے تھے، نہیں اگر ایسا کرتے تو ان کی امامت تو کیا خود ان کے اسلام پر کلام ہوتا۔ بات یہ ہے کہ یہ اجتہادی مسائل ہیں اور ان میں ضروری نہیں کہ جو روایت ایک کے نزدیک قابل قبول ہو وہ دوسرے کے نزدیک بھی ہو، ہو سکتا ہے کہ اس کے علم میں اس کی سند میں کوئی خرابی موجود ہو یا اس کی تحقیق میں وہ منسوخ ہو یا پھر اس کے ذہن میں اس کی کوئی اور توجیہ ہو. چنانچہ علامہ ابن عبدالبر مالکی، جامع بیان العلم میں فرماتے ہیں:

---

[1] جامع بیان العلم ج ۲ ص ۱۴۸ طبع منیریہ مصر۔ [2] تدریب الراوی ص ۳۳۔ [3] تعجیل المنفعہ بزوائد رجال الاربعہ از حافظ ابن حجر عسقلانی ص ۴ طبع دائرۃ المعارف حیدرآباد دکن۔ [4] طبقات الشافعیۃ الکبریٰ ج ۱ ص ۲۲۴۔

هذا مما خالف به ابوحنيفة الاثر الذى جاء عن رسول الله صلى الله عليه وسلم۔ یہ وہ ہے جس میں ابوحنیفہؒ نے اس حدیث کا خلاف کیا ہے کہ جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے آئی ہے۔

اس باب میں ابن ابی شیبہ نے ایک سو پچیس مسائل کی بابت دعوٰی کیا ہے کہ احادیث و آثار سے تو یہ ثابت ہوتا ہے اور امام ابوحنیفہ کا قول اس کے برخلاف ہے، لیکن آپ کو علمائے احناف کی اس وسعت علم پر شاید تعجب ہو کہ اس کے باوجود اس کتاب کی علمی وقعت ان کی نظر میں ذرا بھی کم نہیں ہوئی۔ لیکن یہی کتاب

(باقی حاشیہ از صفحہ گذشتہ) ليس لاحد من علماء الامة يثبت حديثا عن النبى صلى الله عليه وسلم ثم يرده دون ادعاء نسخ عليه باثر مثله او باجماع او بعمل يجب على اصله الانقياد اليه او طعن فى سنده ولو فعل ذلك احد سقطت عدالته فضلا ان يتخذ اماما ولزمه اثم الفسق۔

(جامع بیان العلم ج ۲ ص ۱۴۸ طبع منیریہ مصر)

علماء امت میں سے کسی کو یہ حق نہیں کہ ایک حدیث کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت مانتے ہوئے پھر اس کو بغیر ادعاء نسخ کے رد کر دے خواہ اس نسخ کے ثبوت میں اسی درجہ کی حدیث پیش کرے یا اجماع کو یا کسی ایسے عمل کو کہ جس کا تسلیم کرنا اس کے اصول پر ضروری ہے یا پھر اس حدیث کی سند میں طعن کو ثابت کرے ورنہ اگر یونہی رد کر دے تو اس کا امام بنانا تو درکنار اس کی عدالت ہی سرے سے ساقط ہو جائے اور فسق کا گناہ اس پر عائد ہو جائے۔

چنانچہ ابن ابی شیبہ کے اس باب ہی کو لے لیجئے اور جن ائمہ حدیث نے اس کا جواب لکھا ہے وہ بھی اٹھا لیجئے اور پھر خود فیصلہ کیجئے کہ ان مسائل میں امام ابوحنیفہ کا مذہب حدیث کے مخالف ہے یا ابن ابی شیبہ کے مذہب فقہی کے ہمیں اب تک جن علماء کے متعلق یہ معلوم ہوا کہ انھوں نے ابن ابی شیبہ کے اعتراضات کا مفصل جواب لکھا ہے وہ یہ ہیں (۱) حافظ عبدالقادر قرشی مصنف الجواہر المضیہ فی طبقات الحنفیہ، ان کی تصنیف کا نام ہے "الدرر المنیفة فی الرد علی ابن ابی شیبة فیما اورده علی ابی حنیفة"، (۲) حافظ قاسم بن قطلوبغا المتوفی ۸۷۹ھ ان کی کتاب کا نام ہے "الاجوبة المنیفة عن اعتراضات ابن ابی شیبة علی ابی حنیفة" علامہ قاسم کا فن حدیث میں جو پایہ ہے اس کا اندازہ آپ اس سے لگائیے کہ حافظ ابن حجر عسقلانی جو ان کے استاد بھی ہیں ان کا ذکر ان الفاظ میں کرتے ہیں "الامام العلامة المحدث الفقیه" اور "الشیخ الفاضل المحدث الکامل الاوحد"[۱]۔ (۳) علامہ محمد زاہد کوثری المتوفی ۱۳۷۱ھ ان کی تصنیف کا نام ہے "النکت الطریفة فی التحدث عن ردود ابن ابی شیبة علی ابی حنیفة" یہ کتاب مصنف کی حیات ہی میں ۱۳۶۵ھ میں مصر سے طبع ہو کر اہل علم کے ہاتھوں میں پہنچ چکی ہے۔

حافظ محمد بن یوسف صالحی شافعی مصنف سیرۃ شامیہ نے عقود الجمان میں لکھا ہے کہ خود انھوں نے بھی ابن ابی شیبہ کے رد میں ایک مستقل تالیف شروع کی تھی اور دس حدیثوں تک جواب بھی لکھ لیا تھا مگر بعد کو جب یہ اندازہ ہوا کہ جس پیمانہ پر انھوں نے جواب لکھنا شروع کیا ہے وہ دو جلدوں میں آئے گا تو قلم روک لیا کیونکہ اس زمانہ میں یہ سیرت شامیہ کی تکمیل میں مصروف تھے۔

ملا کاتب چلپی نے کشف الظنون میں حافظ قرشی اور حافظ قاسم کی تالیفات کے علاوہ اس سلسلہ میں ایک اور تصنیف کا بھی ذکر کیا ہے جس کا نام ہے "الرد علی من رد علی ابی حنیفة وافتخر به وجعله بابا فی کتابه" ملا صاحب نے اس کتاب کے مصنف کا نام ذکر نہیں کیا مگر یہ لکھا ہے کہ یہ ایک مختصر کتاب ہے جس کا ابتدائی جملہ الحمد لله الذی هدانا الی الصراط المستقیم ہے۔ اس کتاب میں اولاً ابن ابی شیبہ کے مسائل کو مع دلائل ذکر کیا ہے اور پھر اصل مسئلہ کی تقریر مع جوابات کے قلمبند کی ہے۔

[۱] الضوء اللامع فی اعیان القرن التاسع از حافظ سخاوی ترجمہ حافظ قاسم۔

جب ابن ابی شیبہ کے نامور شاگرد شیخ الاسلام بقی بن مخلدؒ جن کو حافظ ابن حزم اندلسی اپنے رسالہ فضائل اہل اندلس میں امام بخاری و مسلم کا ہمسر بتاتے ہیں، اندلس میں لیکر داخل ہوئے اور ان کے پاس لوگوں نے اس کتاب کو پڑھنا شروع کیا تو وہاں کے فقہار کی ایک جماعت اپنے مسائل سے اختلاف کی تاب نہ لاکر نہایت سختی سے مخالفت پر آمادہ ہوگئی اور نوبت یہاں تک پہنچی کہ عوام نے شیخ الاسلام پر یورش کر کے کتاب کی قراءت کو موقوف کرادیا۔ اس زمانہ میں محمد بن عبدالرحمن اموی، اندلس کا فرمانروا تھا جو علم و علمار کا نہایت قدردان اور بڑا ذی علم تھا، اسے جب اس ہنگامہ کا پتہ چلا تو فوراً ہی شیخ الاسلام کو مع فریق مخالف کے اپنے حضور میں طلب کیا اور مصنف کے ایک ایک جزء کا اول سے آخر تک خوب جائزہ لیا۔ بعد ازاں اپنے خازن کتب کو حکم دیا کہ

هذا الكتاب لا تستغني خزانتنا عنه فانظر في نسخه لنا۔

یہ وہ کتاب ہے جس سے ہمارا کتب خانہ بھی مستغنی نہیں رہ سکتا لہٰذا اس کی نقل کا بندوبست کرو۔

پھر امام بقی بن مخلد کی طرف مخاطب ہو کر کہنے لگا کہ آپ اپنے علم کی نشر و اشاعت میں مصروف رہیں اور جو روایات آپ کے پاس موجود ہیں ان کو بیان فرمائیں اور فریق مخالف کو ہدایت کر دی کہ آئندہ ان سے کسی قسم کا تعرض نہ کیا جائے۔[۱]

اس زمانہ میں اندلس میں فقہ مالکی کی حکمرانی تھی اور مصنف میں اگرچہ امام ابو حنیفہ کی طرح امام مالک کے رد میں کوئی باب بھی نہیں ہے تاہم حافظ ابوبکر بن ابی شیبہ چونکہ کوفی تھے اور اس بنا پر انھوں نے اہل عراق کی روایات اور ان کے دلائل کو بھی بہ تفصیل بیان کیا ہے، اور اندلس کے لوگ عام طور پر موطا اور احادیث اہل مدینہ کے علاوہ اور روایات سے ناآشنا تھے۔ ساتھ ہی ذہن میں یہ غلط مفروضہ قائم کر رکھا تھا کہ اہل عراق قلیل الحدیث ہیں اور ان کی معلومات حدیث میں برائے نام ہیں، اس لئے خلاف توقع جب یہ کتاب ان کے سامنے آئی تو اس کی روایات پر فقہار مالکیہ میں سخت شورش پیدا ہوئی جو فن حدیث سے ناواقفیت کا لازمی نتیجہ تھا۔ اس جماعت کے سرخیل فقیہ اصبغ بن خلیل قرطبی کو مصنف سے اس قدر برہمی تھی کہ کہا کرتے تھے،

لان يكون في تابوتي راس خنزير احب الي من ان يكون فيها مصنف ابن ابي شيبة۔[۲]

اگر میری کتابوں میں خنزیر کا سر رکھا ہو تو وہ مجھے زیادہ پسند ہے بہ نسبت اس کے کہ ان میں "مصنف ابن ابی شیبہ" ہو۔

قاسم بن اصبغ جو مشہور حفاظ حدیث میں ہیں اکثر اصبغ بن خلیل کو بددعا دیتے اور کہا کرتے کہ یہی وہ شخص ہے جس نے مجھے بقی بن مخلد سے حدیث نہ سننے دی کیونکہ یہ میرے باپ کو کہا کرتا تھا کہ اس کو بقی کے پاس نہ جانے دینا۔[۳] یہ اصبغ بن خلیل گو فقہا مالکیہ میں نہایت نامور ہیں مگر علم حدیث سے ناآشنا تھے۔ چنانچہ حافظ ابن الفرضی لکھتے ہیں:

---

[۱] نفح الطیب من غصن الاندلس الرطیب۔ ج ۲ ص ۲۷۳ طبع جدید۔ [۲] میزان الاعتدال امام ذہبی، ترجمہ اصبغ بن خلیل۔ [۳] لسان المیزان، ترجمہ اصبغ مذکور۔

كان اصبغ بن الخليل حافظا للرأي على مذهب مالك فقيها في الشروط بصيرا بالعقود ودارت عليه الفتيا ولم يكن له علم بالحديث۔ [1]	اصبغ بن خلیل، مذہب مالک پر مسائل کے حافظ تھے، شروط میں فقیہ تھے اور معاملات پر بڑی گہری بصیرت رکھتے تھے فتوی کا ان پر دار و مدار تھا لیکن حدیث کا علم ان کو نہ تھا۔

مصنف کے قلمی نسخے ہندوستان اور قسطنطنیہ کے کتب خانوں میں موجود ہیں۔ چنانچہ کتب خانہ سعیدیہ حیدرآباد دکن میں اس کا ایک قلمی نسخہ ہماری نظر سے بھی گزرا ہے، مولوی عبدالتواب ملتانی مرحوم کا ارادہ تھا کہ اس کو طبع کرکے شائع کر دیا جائے چنانچہ انہوں نے اس کے پندرہ اجزاء میں سے جزء اول وثانی ورابع کو ملتان سے طبع کرکے شائع بھی کیا مگر پھر ان کا انتقال ہوگیا اور کتاب کی طباعت مکمل نہ ہوسکی اور مولوی صاحب موصوف کے پاس چونکہ اس کی طباعت کا کوئی مناسب انتظام نہ تھا اس لئے ان اجزاء کی طباعت بھی نہایت ناقص اور بیحد خراب ہے، جس کی وجہ سے بہت سی جگہ کتاب مسخ ہوکر رہ گئی ہے۔

شیخ الاسلام الشج۔ ان کا نام عبداللہ اور کنیت ابوسعد ہے۔ یہ وہی ہیں جن سے ابوبکر بن ابی داؤد نے ایک ماہ میں تیس ہزار حدیثیں لکھی تھیں۔ امام ابن ماجہ نے بھی ان سے بکثرت روایتیں کی ہیں حافظ ذہبی نے تذکرۃ الحفاظ میں ان کا ترجمہ اس طرح شروع کیا ہے: الاشج الامام شیخ الاسلام ابوسعد عبداللہ بن سعید بن حصین الکندی الکوفی الحافظ محدث الکوفۃ وصاحب التفسیر والتصانیف، تمام ارباب صحاح ستہ فن حدیث میں ان کے شاگرد ہیں۔ محمد بن احمد بن بلال شطوی کا بیان ہے کہ میں نے ان سے بڑھ کر حافظ حدیث نہیں دیکھا۔ ابوحاتم کہتے ہیں الاشج امام زمانہ۔ ربیع الاول ۲۵۷ھ میں جب کہ آپ کی عمر نوے سال سے متجاوز ہوچکی تھی انتقال فرمایا رحمہ اللہ (تذکرۃ الحفاظ، تہذیب التہذیب)۔

حافظ کبیر عثمان بن ابی شیبہ، یہ ابوبکر بن ابی شیبہ صاحب مصنف کے بڑے بھائی ہیں، ان سے بھی امام ابن ماجہ نے بکثرت روایتیں نقل کی ہیں۔ ذہبی کے میزان الاعتدال میں ان کے متعلق یہ الفاظ ہیں، احد ائمۃ الحدیث الاعلام کاخیہ ابی بکر یعنی اپنے بھائی ابوبکر کی طرح یہ بھی مشاہیر ائمہ حدیث میں سے ہیں۔ امام بخاری، مسلم، ابوداؤد، اور ابن ماجہ سب آپ کے شاگرد ہیں۔ ذہبی نے تذکرۃ الحفاظ میں لکھا ہے کہ "ان کی مرویات میں افراد وغرائب موجود ہیں حالانکہ امام بخاری ان سے بکثرت روایت کرتے ہیں۔ مزاج میں بڑا مزاح تھا حتی کہ قرآن پاک کی آیات کی تصحیف سے بھی نہیں چوکتے تھے"۔ ۲۳۹ھ کے اوائل میں انتقال ہوا۔ ذہبی نے ان کی تصانیف میں سے مسند اور تفسیر کا ذکر کیا ہے۔ رحمہ اللہ۔

(تذکرۃ الحفاظ۔ میزان الاعتدال)

---

[1] لسان المیزان، ترجمہ اصبغ مذکور۔

دُرَّۃ العراق حافظ محمد بن عبداللہ بن نُمَیر، ابو عبدالرحمٰن الہمدانی الخارفی الکوفی - یہ اور ان کے والد عبداللہ[1] دونوں بڑے پایہ کے محدث گزرے ہیں۔ چنانچہ ذہبی نے تذکرۃ الحفاظ میں دونوں کا تذکرہ لکھا ہے، امام احمد بن حنبل ان کی بہت تعظیم کرتے اور ان کو "دُرَّۃ العراق" (عراق کا موتی) کہا کرتے تھے۔ علی بن الحسین بن الجنید کہتے ہیں ما رأیت بالکوفة مثله جمع العلم والفهم والسنة والزهد (کوفہ میں میں نے ان کی نظیر نہیں دیکھی۔ علم، فہم، سنت اور زہد سب کے جامع تھے)۔ احمد بن صالح مصری کا بیان ہے کہ عراق میں میں نے ان دو شخصوں کے مثل نہ دیکھا۔ بغداد میں تو امام احمد کی اور کوفہ میں محمد بن عبداللہ بن نمیر کی۔ یہ دونوں جامع شخص تھے جن کی نظیر سارے عراق میں میری نظر سے نہیں گزری۔ امام بخاری، مسلم، ابوداؤد اور ابن ماجہ سب ان کے شاگرد ہیں۔ صحیح مسلم میں ان کی سند سے پانچ سو تہتر حدیثیں منقول ہیں اور امام ابن ماجہ نے بھی ان سے بکثرت روایتیں کی ہیں۔ ۲۳۴ھ میں ماہِ شعبان یا رمضان میں انتقال فرمایا۔ رحمہ اللہ (تذکرۃ الحفاظ۔ تہذیب التہذیب)۔

محدث کوفہ ابوکریب محمد بن العلاء بن کریب الہمدانی الکوفی - کوفہ کے مشہور حفاظ حدیث میں سے ہیں، تمام ارباب صحاح ستہ ان کے شاگرد تھے۔ ابن عقدہ ان کو تمام مشائخ پر حفظ و کثرت حدیث میں مقدم رکھتے تھے اور کہا کرتے تھے کہ ان سے کوفہ میں تین لاکھ حدیثیں شائع ہوئی ہیں۔ موسیٰ بن اسحٰق کا بیان ہے کہ میں نے ابوکریب سے ایک لاکھ حدیثیں سنی ہیں۔ ابن نمیر کا قول ہے کہ عراق میں ان سے زیادہ کثیر الحدیث کوئی نہیں اور ہمارے شہر کی حدیثوں کا جاننے والا بھی ان سے زیادہ کوئی نہیں۔ ابراہیم بن ابی طالب کہتے ہیں کہ مجھ سے محمد بن یحییٰ نے پوچھا کہ تم نے عراق میں سب سے بڑا حافظ حدیث کس کو دیکھا تو میں نے کہا کہ احمد بن حنبل کے بعد ابوکریب کے برابر میں نے کسی کو نہیں دیکھا۔ علامہ یاقوت حموی لکھتے ہیں کان ثقةً مجمعاً علیه (یہ متفق علیہ ثقہ ہیں)۔ صحیح بخاری میں پچتر اور صحیح مسلم میں پانچ سو چھپن حدیثیں ان سے منقول ہیں، امام ابن ماجہ نے بھی ان سے بکثرت روایتیں کی ہیں۔ ۲۷ جمادی الاولیٰ ۲۴۳ھ کو ستاسی سال کی عمر میں انتقال کیا۔ رحمہ اللہ۔ (تذکرۃ الحفاظ، تہذیب التہذیب، معجم البلدان، ذکر کوفہ)۔

شیخ الکوفہ ہَنّاد، حافظ ذہبی نے تذکرۃ الحفاظ میں ان کا ذکر ان لفظوں سے شروع کیا ہے، هناد بن السری بن مصعب، الحافظ القدوة الزاهد، شیخ الکوفة ابوالسری التمیمی الدارمی المحدث، تمام ارباب صحاح ستہ ان کے شاگرد ہیں۔ مگر امام بخاری نے اپنی صحیح میں ان سے روایت نہیں کی بلکہ اپنی دوسری تصنیف خلق افعال العباد میں کی ہے۔ امام احمد[2] سے سوال ہوا تھا کہ کوفہ میں کس سے حدیثیں لکھی جائیں۔ کہنے لگے علیکم بهناد (ہناد کو

---

[1] حافظ عبداللہ بن نمیر، امام ابوحنیفہ کے مشہور تلامذہ میں سے ہیں، چنانچہ حافظ عبدالقادر قرشی نے الجواہر المضیہ فی طبقات الحنفیہ میں ان کا تذکرہ لکھا ہے۔ ابن ابی شیبہ نے بھی اپنی مصنف میں ان کے واسطے سے امام ابوحنیفہ کی متعدد روایات نقل کی ہیں۔ [2] مناقب احمد از ابن جوزی ص ۱۲۱ طبع مصر۔

پکڑے رہو) قتیبہ کا بیان ہے کہ میں نے وکیع کو ان کی جتنی تعظیم کرتے دیکھا کسی کی نہ دیکھا، کثرتِ عبادت کا یہ عالم تھا کہ "راہب کوفہ" کہلاتے تھے "زہد" پر ان کی ایک بہت بڑی تصنیف بھی ہے، اکانوے سال کی عمر میں ربیع الآخر ۲۴۳ھ میں انتقال کیا۔ رحمہ اللہ۔ (تذکرۃ الحفاظ)۔

حافظ ولید بن شجاع ابو ہمام بن ابی بدر السکونی الکوفی۔ امام مسلم، ابوداؤد، ترمذی اور ابن ماجہ کے فن حدیث میں استاذ ہیں۔ یحییٰ بن معین نے تصریح کی ہے کہ ان کے پاس ایک لاکھ حدیثیں ثقات کی موجود تھیں، حافظ ذہبی نے اگرچہ تذکرۃ الحفاظ میں ان کا ترجمہ نہیں لکھا مگر میزان الاعتدال میں ان کے حافظ الحدیث ہونے کی صراحت کی ہے۔ چنانچہ لکھتے ہیں ابو ہمام بن ابی بدر السکونی الکوفی الحافظ صدوق۔ ۲۴۳ھ میں انتقال کیا۔ رحمہ اللہ (میزان الاعتدال)

حافظ ہارون بن اسحٰق بن محمد بن الہمدانی ابو القاسم الکوفی۔ امام بخاری، ترمذی، نسائی، اور ابن ماجہ کے استاذ ہیں۔ امام بخاری نے جزء القراءۃ میں ان سے روایت کی ہے۔ حافظ ذہبی نے تذکرۃ الحفاظ میں ان کا ترجمہ نہیں لکھا ہے، مگر حافظ مزی نے تہذیب الکمال میں اور علامہ صفی الدین خزرجی نے خلاصہ تذہیب تہذیب الکمال میں ان کے حافظ الحدیث ہونے کی تصریح کی ہے۔ امام نسائی نے آپ کو ثقہ کہا ہے۔ ابن خزیمہ کہتے ہیں کان من خیار عباد اللہ۔ ۲۵۸ھ میں وفات پائی۔ رحمہ اللہ (تہذیب التہذیب، خلاصہ تذہیب)۔

ان حفاظ[1] کے علاوہ کوفہ کے جن محدثین سے امام ابن ماجہ نے فن حدیث کی تحصیل کی ان کے اسماء گرامی حسب ذیل ہیں۔

(۱) احمد بن بدیل بن قریش ابو جعفر الیامی قاضی الکوفہ المتوفی ۲۵۸ھ (۲) احمد بن عبداللہ بن محمد بن عبداللہ بن ابی السفر الہمدانی ابو عبیدۃ الکوفی المتوفی ۲۵۸ھ۔ (۳) احمد بن عبدالرحمن القرشی المخزومی الکوفی المقری۔ (۴) احمد بن عثمان بن حکیم الاودی ابو عبداللہ الکوفی المتوفی ۲۶۱ھ (۵) ابراہیم بن عبداللہ بن محمد بن ابراہیم ابو شیبہ۔ یہ حافظ ابوبکر بن ابی شیبہ صاحب مصنف کے صاحبزادے ہیں۔ (۶) اسمٰعیل بن بہرام بن یحییٰ الہمدانی ثم الجنذعی ابو الشار الکوفی المتوفی ۲۴۱ھ۔ (۷) اسمٰعیل بن محمد بن اسمٰعیل التیمی الطلحی الکوفی المتوفی ۲۳۲ھ۔ (۸) اسمٰعیل بن موسیٰ الفزاری ابو محمد الکوفی المتوفی ۲۴۵ھ۔ (۹) جبارۃ بن المغلس الحمانی ابو محمد الکوفی ۲۴۱ھ (۱۰) حسن بن علی بن عفان العامری ابو محمد الکوفی المتوفی ۲۷۰ھ۔ (۱۱) سفیان بن وکیع بن الجراح الرواسی ابو محمد الکوفی المتوفی ۲۴۷ھ۔ (۱۲) سلم بن جنادۃ بن سلم السوائی العامری ابو السائب الکوفی المتوفی ۲۵۴ھ۔ (۱۳) عباد بن یعقوب الرواجنی الاسدی ابو سعید الکوفی المتوفی ۲۵۰ھ (۱۴) عبداللہ بن الحکم بن ابی زیاد

---

[1] امام ابن ماجہ نے جیسا کہ سابق میں گزرا ۲۳۰ھ کے بعد رحلت علمی کی ہے اور اسمٰعیل طلحی نے ۲۳۲ھ میں قضا کی ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ غالباً امام ابن ماجہ، قزوین سے نکل کر تحصیل حدیث کے لئے پہلے کوفہ ہی آئے ہیں، کیونکہ یہ ان کے بیرونی شیوخ میں سب سے قدیم الوفات ہیں۔

القطوانی ابوعبدالرحمن الکوفی المتوفی سنہ ۲۵۵ھ (۱۵) عبداللہ بن سالم ابومحمد الکوفی القزاز المعروف بالمفلوج المتوفی سنہ ۲۳۵ھ (۱۶) عبداللہ بن عامر بن براد الاشعری ابوعامر الکوفی۔ (۱۷) عبداللہ بن عامر بن زرارۃ الحضرمی مولاہم ابومحمد الکوفی المتوفی سنہ ۲۳۷ھ (۱۸) عبید بن اسباط بن محمد القرشی مولاہم ابومحمد الکوفی المتوفی سنہ ۲۵۰ھ (۱۹) علقمہ بن عمرو بن الحصین التیمی الدارمی العطاردی ابوالفضل الکوفی المتوفی سنہ ۲۵۶ھ۔ (۲۰) علی بن محمد بن ابی الخصیب القرشی الوشاء الکوفی المتوفی سنہ ۲۵۸ھ۔ (۲۱) علی بن المنذر بن زید الاودی ابوالحسن الکوفی الطریقی المتوفی سنہ ۲۵۶ھ۔ (۲۲) عمرو بن عبداللہ بن حنش الاودی الکوفی۔ (۲۳) قاسم بن زکریا بن دینار القرشی ابومحمد الطحان الکوفی المتوفی سنہ ۲۳۵ھ۔ (۲۴) محمد بن اسحٰق بن عون البکائی ثم العامری ابوبکر الکوفی المتوفی سنہ ۲۶۳ھ۔ (۲۵) محمد بن اسمٰعیل بن سمرۃ الاحمسی ابوجعفر الکوفی السراج المتوفی سنہ ۲۶۰ھ۔ (۲۶) محمد بن ثواب بن سعید الہباری ابوعبداللہ الکوفی المتوفی سنہ ۲۶۱ھ۔ (۲۷) محمد بن جابر بن بجیر بن عقبہ المحاربی ابوبجیر الکوفی المتوفی سنہ ۲۵۶ھ۔ (۲۸) محمد بن طریف بن خلیفہ البجلی ابوجعفر الکوفی المتوفی سنہ ۲۴۲ھ (۲۹) محمد بن عبید بن عتبہ الکندی ابوجعفر الکوفی۔ (۳۰) محمد بن عبید بن محمد العامری الکوفی المعروف بالحوت۔ (۳۱) محمد بن عثمان بن کرامۃ العجلی مولاہم الکوفی المتوفی سنہ ۲۵۶ھ (۳۲) محمد بن عمر بن ہیاج الہمدانی الصائدی ابوعبیداللہ الکوفی المتوفی سنہ ۲۵۵ھ۔ (۳۳) محمد بن عمر بن الولید الکندی ابوجعفر الکوفی المتوفی سنہ ۲۵۶ھ۔ (۳۴) محمد بن یزید بن محمد العجلی ابوہشام الرفاعی الکوفی قاضی بغداد المتوفی سنہ ۲۴۸ھ۔ (۳۵) مسروق بن المرزبان بن مسروق الکندی ابوسعید بن ابی النعمان الکوفی المتوفی سنہ ۲۴۰ھ۔ (۳۶) موسیٰ بن عبدالرحمٰن بن سعید الکندی المسروقی ابوعیسیٰ الکوفی المتوفی سنہ ۲۵۸ھ۔ (۳۷) نصر بن عبدالرحمٰن بن بکار الناجی ابوسلیمان الکوفی الوشاء المتوفی سنہ ۲۴۸ھ (۳۸) واصل بن عبدالاعلیٰ بن ہلال الاسدی ابوالقاسم الکوفی المتوفی سنہ ۲۴۴ھ۔

حافظ ابن حبان نے کتاب الثقات میں (باستثناء جبارہ[1]، سفیان[2]، عباد[3] اور محمد بن جابر[4]) ان سب کا تذکرہ لکھا ہے۔ امام ابن ماجہ نے اپنی سنن میں ان تمام محدثین میں سب سے زیادہ اسمٰعیل بن موسیٰ فزاری، علی بن منذر اودی اور عبداللہ بن عامر بن زرارہ کوفی سے روایتیں نقل کی ہیں۔

بصرہ

وہ مشہور اسلامی شہر جو تیسری صدی ہجری تک علوم اسلامیہ کا گہوارہ خیال کیا جاتا تھا اور جس کو وسعت علم وکثرت حدیث اور دیگر فضائل وکمالات کے لحاظ سے نہایت ممتاز مقام حاصل تھا چنانچہ حافظ ابن حزم اندلسی، اپنے رسالہ فضائل اہل اندلس میں لکھتے ہیں۔

وھذہ بغداد حاضرۃ الدنیا ومعدن کل فضیلۃ والمحلۃ التی سبق اھلھا الی حمل الویۃ المعارف والتدقیق فی تصریف	اور یہ بغداد جو دنیا کی بستی اور ہر فضیلت کی کان ہے اور وہ مقام ہے کہ جہاں کے رہنے والے معارف کے پرچم بلند کرنے میں اور علوم میں دقتِ نظر، لطافتِ

العلوم ورقة الاخلاق والنباهة والذكاء وحدة الافكار ونفاذ الخواطر، وهذه البصرة وهي عين المعمور في كل ما ذكرنا۔ [1]

اخلاق، فطانت وذکاوت، وحدت فکر اور ذہن کی رسائی میں سبقت لے گئے ہیں۔ اور یہ بصرہ کہ جو ان تمام امور سے پوری طرح معمور تھا۔

اور حافظ ذہبی فرماتے ہیں:

"بصرہ" میں حضرت ابوموسیٰ اشعری، حضرت عمران بن حصین، حضرت ابن عباس اور متعدد صحابہ کرام آکر فروکش ہوئے، جن میں سب سے اخیر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خادم خاص اور کم سن صحابی حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ ہیں، ان کے بعد حسن، ابن سیرین، ابوالعالیہ پھر قتادہ، ایوب، ثابت بنانی، یونس، ابن عون، پھر حماد بن سلمہ، حماد بن زید اور ان دونوں کے تلامذہ ہوئے ہیں۔"

اس کے بعد ذہبی لکھتے ہیں:

وما زال هذا الشأن وافرا الى رأس المائة الثالثة وتناقص جدا الى ان تلاشى۔

یہ فن یعنی علم حدیث وہاں تیسری صدی کے شروع تک خوب رہا اور پھر بہت ہی گھٹ گیا یہاں تک کہ بالکل ختم ہو گیا

بصرہ میں محدثین کی کثرت کا یہ عالم تھا کہ حافظ مسند مسلم بن ابراہیم بصری کہتے ہیں:

كتبت عن ثمانمائة شيخ وما جزت الجسر [2]

میں نے آٹھ سو شیوخ سے حدیثیں لکھیں اور پل [3] پار نہیں گیا

اہل فضل و کمال کا یہاں اتنا بڑا مجمع تھا کہ جب امام ادب نضر بن شمیل، بصرہ سے خراسان کو جانے لگے تو ان کی مشایعت کو تین ہزار کے قریب ایسے اشخاص نکلے جو یا نحوی تھے یا عروضی یا محدث یا اخباری۔ [4]

خلیل بصری کی مشہور تصنیف کتاب العین جو عربی علم لغت کی سب سے پہلی کتاب ہے یہیں لکھی گئی اور نحو کا سب سے پہلا مصنف سیبویہ اسی بصرہ کا تعلیم یافتہ تھا۔ ائمہ مجتہدین میں سے حسن بصری، جن کے متعلق امام ابوحنیفہ، کتاب الآثار میں فرماتے ہیں

سمعت ابا جعفر ما بالعراق مثل الحسن البصري۔ [5]

میں نے ابوجعفر یعنی امام باقر سے سنا کہ عراق میں حسن بصری کی نظیر نہیں۔

یہیں کے رہنے والے تھے۔

بصرہ کے جن حفاظ حدیث سے امام ابن ماجہ نے علم حدیث کی تحصیل کی وہ یہ ہیں:

حافظ طحان حسن بن مدرک بن بشیر السدوسی ابوعلی البصری، امام بخاری، نسائی اور ابن ماجہ کے استاذ ہیں، ابن عدی کہتے ہیں کان من حفاظ البصرة۔ امام نسائی اپنے اسماء شیوخ

---

[1] نفح الطیب ج ۲ ص ۱۵۹۔ [2] تذکرۃ الحفاظ، ترجمہ مسلم بن ابراہیم۔ [3] دجلہ کا پل مراد ہے جو بصرہ سے دس میل پر تھا۔ [4] وفیات الاعیان از قاضی ابن خلکان، ترجمہ نضر بن شمیل۔ [5] کتاب الآثار، بروایت امام ابویوسف، ص ۲۰۹ طبع مصر ۱۳۵۵ھ

میں ان کے متعلق فرماتے ہیں لا باس بہ، لیکن امام ابوداؤد کا بیان ہے کہ کذاب ہے فہد بن عوف کی حدیثیں لیکر یحیی بن حماد کو بتلایا کرتا تھا، تاہم صحیح بخاری میں ان سے بروایت یحیی بن حماد حدیثیں منقول ہیں۔ حافظ ذہبی نے تذکرۃ الحفاظ میں ان کا ترجمہ نہیں لکھا مگر میزان الاعتدال میں ان کو الحافظ لکھا ہے۔ رحمہ اللہ۔ (میزان الاعتدال، تہذیب التہذیب)۔

حافظ زید بن اخزم ابوطالب الطائی البصری، سوائے امام مسلم کے تمام ارباب صحاح ستہ ان کے شاگرد ہیں۔ ذہبی نے تذکرۃ الحفاظ میں ان کو الامام الحافظ لکھا ہے اور نسائی نے ان کی توثیق کی ہے۔ ۲۵۷ھ میں جب زنگیوں نے بصرہ کو تاخت وتاراج کیا تھا تو انھیں شہید کر ڈالا۔ رحمہ اللہ۔ (تذکرۃ الحفاظ)۔

حافظ عباس عنبری، بصرہ کے عقلاو فضلا اور معزز ترین لوگوں میں ان کا شمار تھا حافظ ذہبی نے ان کا تذکرہ ان لفظوں میں شروع کیا ہے، العنبری الامام الثبت ابوالفضل العباس بن عبد العظیم البصری الحافظ، محمد بن المثنی السمسار کہتے ہیں کان من سادات المسلمین۔ نسائی ان کے متعلق فرماتے ہیں ثقۃ مامون۔ تمام ارباب صحاح ستہ کو ان سے تلمذ حاصل ہے ۲۴۶ھ میں وفات پائی، رحمہ اللہ (تذکرۃ الحفاظ)۔

حافظ عباس بحرانی بن یزید بن ابی حبیب البصری۔ ان کا لقب عباسویہ اور عرف عبدی ہے۔ حافظ ذہبی نے ان کا ترجمہ الامام الحافظ کہہ کر شروع کیا ہے اور لکھا ہے کہ احد من جمع بین علو الروایۃ ومعرفۃ الحدیث (یہ ان علما میں سے ہیں کہ جو علو روایت اور معرفت حدیث کے جامع تھے)۔ وکیع بن الجراح، یحیی بن سعید القطان، سفیان بن عیینہ، عبد الرزاق اور بہت سے مشائخ سے حدیث کا سماع کیا ہے اور ان سے امام ابن ماجہ، ابن ابی حاتم اور دیگر ائمہ محدثین نے حدیثیں سنی ہیں۔ اصفہان میں ایک مدت تک ان کا قیام رہا۔ اسی زمانہ کا واقعہ ہے کہ اصفہان کے مشہور حافظ حدیث محمد بن اسحاق مسوحی تحصیل علم کی غرض سے بصرہ آئے وہاں کے محدثین نے انھیں دیکھا تو کہنے لگے عندکم العباس بن یزید البحرانی فما تصنع عندنا (تمہارے پاس تو عباس بن یزید بحرانی موجود ہیں تم ہمارے یہاں رہ کر کیا کروگے) دارقطنی ان کے بارے میں تصریح کرتے ہیں ثقۃ مامون۔ ابونعیم اصفہانی کہتے ہیں بصری من الحفاظ۔ حافظ صالح بن احمد کا بیان ہے کہ بحرانی جب ہمدان آئے تو انھوں نے علم حدیث میں اپنی بہت سی تصنیفات کی روایت کی۔

ذہبی لکھتے ہیں کہ یہ ایک مدت تک ہمدان کے قاضی رہے ہیں اور انھوں نے ہمدان، بغداد اور اصفہان میں حدیث کا درس دیا ہے۔ ۲۵۸ھ میں وفات پائی۔ رحمہ اللہ۔ (تذکرۃ الحفاظ، تہذیب التہذیب)۔

حافظ بدعۃ عبد اللہ بن اسحق ابو محمد الجوہری، "بدعت" ان کا لقب ہے، یہ امام ابوحنیفہ کے

مشہور شاگرد امام ابو عاصم النبیل[1] کے مستملی تھے۔ امام ابو داؤد، ترمذی، نسائی اور ابن ماجہ سب ان کے شاگرد ہیں۔ ابن حبان نے کتاب الثقات میں ان کو مستقیم الحدیث لکھا ہے۔ ذہبی نے تذکرۃ الحفاظ میں ان کا ترجمہ نہیں لکھا مگر حافظ عبد الباقی بن قانع[2] نے تصریح کی ہے کہ کان حافظا۔ ۲۵۷ھ میں وفات پائی۔ رحمہ اللہ۔ (تہذیب التہذیب)۔

حافظ عقبہ[1] بن مکرم بن افلح العمی ابو عبد الملک البصری، امام مسلم، ابو داؤد، ترمذی، اور ابن ماجہ کے تلامذہ میں سے ہیں۔ حافظ ذہبی نے تذکرۃ الحفاظ میں ان کا ترجمہ نہیں لکھا مگر حافظ

---

[1] ابو عاصم نبیل مشہور ائمہ حدیث میں سے ہیں۔ حافظ ذہبی نے تذکرۃ الحفاظ میں ان کا ترجمہ لکھا ہے۔ محدث صیمری نے ان کو امام ابو حنیفہ کے اصحاب میں شمار کیا ہے اور حافظ عبد القادر قرشی نے الجواہر المضیہ فی طبقات الحنفیہ میں ان کا تذکرہ کیا ہے، ان کا نام ضحاک بن مخلد اور نبیل لقب ہے۔ "نبیل" کے معنی معزز کے ہیں۔ اس امر میں اختلاف ہے کہ یہ لقب کیوں ہوا۔ تذکرہ نویسوں نے اس سلسلہ میں مختلف باتیں نقل کی ہیں لیکن امام طحاوی اور حافظ دولابی نے خود ان کا بیان اس سلسلہ میں جو نقل کیا ہے وہ یہ ہے کہ امام زفر کے یہاں اکثر ان کی حاضری ہوا کرتی، اتفاق سے امام موصوف کے یہاں اسی نام کے ایک اور شخص بھی آیا کرتے تھے جن کی وضع قطع بالکل گری گزری تھی۔ ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ انھوں نے حسب معمول امام زفر کے دروازہ پر دستک دی، لونڈی نے آکر پوچھا کون، جواب ملا ابو عاصم۔ لونڈی نے اندر جا کر اطلاع دی کہ ابو عاصم دروازہ پر حاضر ہیں۔ امام زفر نے دریافت فرمایا ان دونوں میں سے کونسے ابو عاصم ہیں۔ لونڈی کی زبان سے نکلا النبیل منہما (جو ان دونوں میں معزز ہیں) ابو عاصم اجازت لیکر اندر آئے تو امام موصوف فرمانے لگے کہ اس لونڈی نے تمہیں وہ لقب دیا ہے کہ جو میرے خیال میں تم سے کبھی جدا نہ ہوگا اس نے تمہیں نبیل کے لقب سے ملقب کیا ہے ابو عاصم کا بیان ہے کہ اس روز سے میرا یہ لقب پڑ گیا۔ حافظ ابن ابی العوام نے بھی اس واقعہ کو بسند متصل نقل کیا ہے۔ ابو عاصم کی وفات ۲۱۲ھ میں ہوئی اس وقت آپ کی عمر نوے سال کی تھی۔ رحمہ اللہ۔ امام بخاری ان کے شاگرد ہیں۔ فقہاء میں بھی بڑے نامور تھے۔ ابن سعد ان کے متعلق لکھتے ہیں کان ثقۃ فقیہا۔ عجلی کہتے ہیں ثقۃ کثیر الحدیث وکان لہ فقہ۔ (الجواہر المضیہ، تذکرۃ الحفاظ، تہذیب التہذیب، لمحات النظر فی سیرۃ الامام زفر از محدث کوثری)۔

[2] حافظ عبد الباقی بن قانع بھی فقہاء حنفیہ میں سے ہیں اور مشاہیر حفاظ حدیث میں شمار کئے جاتے ہیں۔ حافظ ذہبی نے تذکرۃ الحفاظ میں ان کا ترجمہ ان لفظوں سے شروع کیا ہے، عبد الباقی بن قانع بن مرزوق بن واثق الحافظ العالم المصنف ابو الحسین الاموی مولاھم البغدادی صاحب معجم الصحابۃ، اس کے بعد ان کے شیوخ کو گنا کر لکھتے ہیں کان واسع الرحلۃ کثیر الحدیث۔ فن حدیث میں محدث دار قطنی وغیرہ ان کے شاگرد ہیں۔ حافظ عبد القادر قرشی الجواہر المضیہ میں لکھتے ہیں کہ ان کو امام ابو بکر جصاص رازی سے بڑی خصوصیت تھی چنانچہ انھوں نے احکام القرآن میں ان سے بکثرت روایتیں کی ہیں۔ مرنے سے دو سال پہلے ان کا حافظہ بگڑ گیا تھا۔ معجم الصحابہ کے علاوہ وفیات پر بھی ان کی ایک مشہور تصنیف ہے جس کے حوالے رجال کی کتابوں میں بکثرت آتے ہیں۔ چنانچہ بدرعہ کے متعلق جو تصریح ہم نے نقل کی وہ بھی اسی کتاب سے منقول ہے۔ ابن قانع کی ولادت ۲۶۵ھ میں ہوئی اور وفات ۳۵۱ھ میں۔

(تذکرۃ الحفاظ، الجواہر المضیہ، الاعلان بالتوبیخ ص ۱۶۰)

جمال الدین مزی نے تہذیب الکمال میں ان کو حافظِ حدیث شمار کیا ہے۔ امام ابوداؤد فرماتے ہیں عقبہ بن مکرم ثقۃ ثقۃ من ثقات الناس فوق بندار فی الثقۃ عندی (عقبہ بن مکرم ثقہ ہیں ثقہ ہیں ان کا شمار ثقات میں ہے اور میرے نزدیک یہ ثقاہت میں بندار سے بھی اونچے ہیں۔ ۲۴۳ھ میں انتقال کیا۔ (تہذیب التہذیب)

حافظ عمر بن شبہ

بن عبیدہ ابوزید النمیری البصری۔ حافظ ذہبی نے ان کا تذکرہ ان لفظوں سے شروع کیا ہے الحافظ العلامۃ الاخباری الثقۃ اور پھر ان کے شیوخ و تلامذہ کا ذکر کر کے لکھتے ہیں کان بصیرا بالسیر والمغازی وایام الناس، صاحب تصانیف تھے۔ ذہبی نے ان کی تصانیف میں سے تاریخ بصرہ اور اخبار مدینہ کا ذکر کیا ہے۔ مصنفین صحاح ستہ میں سے بجز امام ابن ماجہ کے اور کوئی ان کا شاگرد نہیں۔ حافظ ابن حبان، کتاب الثقات میں ان کے متعلق لکھتے ہیں مستقیم الحدیث وکان صاحب ادب وشعر واخبار ومعرفۃ بایام الناس۔ خطیب لکھتے ہیں کان ثقۃ عالما بالسیر وایام الناس۔ اخیر عمر میں سامرا میں منتقل ہو گئے تھے اور وہیں ۸۹ سال کی عمر میں جمادی الآخرہ ۲۶۲ھ میں وفات پائی۔ (تذکرۃ الحفاظ، تہذیب التہذیب)۔

حافظ عمرو بن علی فلاس

حافظ ذہبی لکھتے ہیں: عمرو بن علی بن بحر بن کثیر الحافظ الثبت ابوحفص الباہلی البصری الصیرفی احد الاعلام، مسند، علل اور تاریخ کے مصنف ہیں تمام ارباب صحاح ستہ فن حدیث میں ان کے شاگرد ہیں۔ ابوزرعہ کا بیان ہے کہ حدیث کے شہسواروں میں سے بصرہ میں ہم نے ان سے اور ابن مدینی اور شاذکونی سے بڑھ کر حافظ حدیث نہیں دیکھا۔ اور ابوحاتم ان کو علی بن مدینی سے بھی بصیرت فن میں زیادہ بتلاتے ہیں۔ ایک بار یحییٰ بن سعید القطان جو حدیث کے اکابر ائمہ میں سے شمار کئے جاتے ہیں ایک حدیث غلط بیان کر گئے۔ دوسرے روز جب ان کے شاگردوں کا مجمع ہوا تو اس میں علی بن مدینی جیسے لوگ بھی موجود تھے مگر انھوں نے سب کو چھوڑ کر صرف ان ہی کو خطاب فرمایا کہ میں ایک حدیث میں غلطی کرتا ہوں اور تم موجود ہوتے ہو پھر بھی نہیں ٹوکتے۔ آپ کا انتقال مقام سامرا میں ذیقعدہ ۲۴۹ھ میں ہوا۔ (تذکرۃ الحفاظ، تہذیب التہذیب)۔

حافظ کبیر بندار[1]

امام ابوبکر محمد بن بشار بن عثمان العبدی البصری۔ یہ نساج یعنی نورباف تھے۔ تمام ارباب صحاح ستہ ان کے شاگرد ہیں۔ امام ابوداؤد سجستانی کا بیان ہے کہ میں نے بندار سے پچاس ہزار حدیثیں لکھی ہیں۔ بندار کہا کرتے تھے کہ مجھ سے پانچ نسلوں (دادا سے لیکر پوتوں، پڑپوتوں تک) نے حدیث کی تحصیل کی ہے۔ میں نے اٹھارہ سال ہی کی عمر سے حدیث کا درس دینا شروع کر دیا تھا اور اس مجلس درس میں اس وقت آکر بیٹھا ہوں کہ جس وقت میں نے اپنی تمام روایات کو ازبر کر لیا تھا۔

---

[1] بندار، فارسی لفظ ہے۔ بندر جسٹر اور دفتر کے معنی میں مستعمل ہوتا ہے، اور جس شخص کے پاس مالگزاری وغیرہ کا رجسٹر رکھا رہتا ہے وہ "بندار" کہلاتا ہے، محمد بن بشار کا لقب "بندار" بایں معنی ہے کہ یہ بھی حدیث کے "بندار" تھے کیونکہ انھوں نے اپنے شہر کی حدیثوں کو جمع کر لیا تھا۔

امام ابن خزیمہ نے کتاب التوحید میں جہاں ان سے حدیث نقل کی ان کا نام ان الفاظ میں لیا ہے حدثنا امام اھل زمانہ فی العلم و الاخبار محمد بن بشار۔ حافظ ذہبی نے میزان الاعتدال میں تصریح کی ہے کہ چونکہ انھوں نے اپنی والدہ کی خدمت گذاری کی خاطر بصرہ سے طلب حدیث کے لئے رحلت نہیں کی اس لئے بہت سے اکابر سے اس فن کی تحصیل نہ کر سکے اور علماء بصرہ ہی پر قناعت کرنی پڑی۔ بعد کو سفر بھی کیا تو بہت اخیر میں کیا۔ ۱۶۷ھ میں پیدا ہوئے اور ۲۵۲ھ میں وفات پائی۔ رحمہ اللہ۔ صحیح بخاری میں دو سو پانچ اور صحیح مسلم میں چار سو ساٹھ حدیثیں ان سے منقول ہیں۔ امام ابن ماجہ نے بھی ان سے بکثرت روایتیں کی ہیں۔ (تذکرۃ الحفاظ، میزان الاعتدال، تہذیب التہذیب)۔

حافظ محمد بن المثنیٰ رحمہ اللہ۔ حافظ ذہبی نے ان کا ترجمہ اس طرح شروع کیا ہے، محمد بن المثنیٰ الحافظ الحجۃ ابو موسیٰ العنزی الزمن محدث البصرۃ۔ سارے مصنفین صحاح ستہ کو ان سے تلمذ حاصل ہے۔ صالح جزرہ کہتے ہیں کہ میں ان کو بندار سے بھی مقدم سمجھتا ہوں، ابو عروبہ حرانی کا بیان ہے کہ میں نے بصرہ میں ابو موسیٰ اور یحییٰ بن حکیم سے اثبت (زیادہ پکا) کسی کو نہ دیکھا۔ یہ عجب اتفاق ہے کہ ان کی ولادت، وفات اور طلب حدیث کے سنین وہی ہیں جو ان کے ہموطن حافظ بندار مذکور کے ہیں۔ صحیح بخاری میں ایک سو تین اور صحیح مسلم میں سات سو بہتر حدیثیں ان سے منقول ہیں۔ اور امام ابن ماجہ نے بھی ان سے بکثرت روایتیں نقل کی ہیں۔ (تذکرۃ الحفاظ، تہذیب التہذیب)

حافظ محمد بحرانی۔ ابو عبد اللہ محمد بن معمر بن ربعی القیسی البصری۔ حافظ ذہبی ان کے متعلق لکھتے ہیں البحرانی الحافظ الثقۃ، ابو عروبہ کہتے ہیں کبیر من اھل الصناعۃ (اکابر اہل فن میں سے ہیں) تمام ارباب صحاح ستہ کو ان سے تلمذ حاصل ہے، ۲۵۰ھ میں وفات پائی رحمہ اللہ (تذکرۃ الحفاظ)۔

حافظ نصر بن علی ابو عمرو الازدی الجہضمی البصری۔ ذہبی ان کو الحافظ العلامۃ لکھتے ہیں۔ تمام مصنفین صحاح ستہ کے استاد ہیں۔ ابو حاتم کہتے ہیں کہ مجھے یہ فلاس سے زیادہ پسند ہیں نیز یہ ان سے زیادہ حافظ اور زیادہ ثقہ ہیں۔ ابن ابی داؤد کا بیان ہے کہ خلیفہ المستعین باللہ نے ان کے متعلق فرمان بھیجا تھا کہ عہدۂ قضا کے لئے انھیں دار الخلافہ کو بھیج دیا جائے۔ بصرہ کے گورنر نے حسب الحکم ان کو بلا کر خلیفہ کے حکم سے اطلاع دی۔ کہنے لگے اچھا ذرا میں استخارہ کر لوں۔ یہ کہہ کر واپس ہوئے، دوگانہ پڑھ کر دعا کی اللھم ان کان لی عندك خیر فاقبضنی الیك (خدایا اگر تیرے یہاں میرے لئے خیر ہے تو مجھے اپنے یہاں ہی اٹھا لے) یہ دعا کی اور سو گئے۔ لوگوں نے جگایا تو روح عالم بالا کو پرواز کر چکی تھی۔ یہ واقعہ ماہ ربیع الآخر ۲۵۰ھ کا ہے۔ رحمہ اللہ۔ (تذکرۃ الحفاظ)۔

حافظ یحییٰ بن حکیم ابو سعید البصری المقوم، امام ابن ماجہ نے ان سے بکثرت روایتیں کی ہیں۔ امام ابو داؤد، نسائی، ابن ماجہ تینوں ان کے شاگرد ہیں۔ ابن حبان کا بیان ہے کہ صاحب تصنیف تھے۔ امام ابو داؤد ان کے متعلق فرماتے ہیں کان حافظا متقنا۔ امام نسائی کہتے ہیں ثقۃ حافظ ۲۵۶ھ میں جب کہ ان کی عمر اسی سال کی ہو چکی تھی انتقال کیا۔ رحمہ اللہ (تذکرۃ الحفاظ)۔

ان حفاظ کے علاوہ بصرہ کے جن محدثین سے امام ابن ماجہ نے فن حدیث کو اخذ کیا ان کے اسماءِ گرامی درج ذیل ہیں:-

(۱) احمد بن ثابت الجحدری ابوبکر البصری المتوفی بعد ۲۵۵ھ (۲) احمد بن عبدہ بن موسیٰ الضبی ابوعبداللہ البصری المتوفی ۲۴۵ھ۔ (۳) احمد بن محمد بن یحییٰ بن سعید القطان ابوسعید البصری المتوفی ۲۵۸ھ۔ یہ امام ناقد یحییٰ بن سعید القطان کے پوتے ہیں۔ (۴) احمد بن المقدام بن سلیمان العجلی ابوالاشعث البصری المتوفی ۲۵۳ھ۔ (۵) ابراہیم بن محمد الزہری الحلبی نزیل البصرہ۔ (۶) ابراہیم بن محمد بن المستمر الہذلی الناجی العروقی ابواسحاق البصری۔ (۷) ازہر بن مروان الرقاشی النوا۔ مولیٰ بنی ہاشم ملقب بہ فریخ البصری المتوفی ۲۴۳ھ (۸) اسحاق بن ابراہیم بن حبیب بن الشہید الشہیدی ابویعقوب البصری المتوفی ۲۵۷ھ۔ (۹) اسحاق بن ابراہیم بن داؤد السواق البصری۔ (۱۰) اسمعیل بن بشر بن منصور السلیمی ابوبشر البصری المتوفی ۲۵۵ھ (۱۱) اسمعیل بن حفص بن عمر الایلی ابوبکر الاودی البصری المتوفی ۲۵۶ھ (۱۲) ایوب بن محمد بن ایوب الہاشمی البصری المعروف بالقُلب (۱۳) بشر بن آدم بن یزید البصری الاصغر ابوعبدالرحمن المتوفی ۲۵۴ھ (۱۴) بشر بن معاذ العقدی ابوسہل البصری الضریر المتوفی ۲۴۵ھ (۱۵) بشر بن ہلال الصواف ابومحمد النمیری البصری المتوفی ۲۴۷ھ (۱۶) بکر بن خلف البصری ابوبشر المتوفی ۲۴۰ھ یہ حافظ ابوعبدالرحمن مقری کے داماد تھے۔ (۱۷) حاتم بن بکر بن غیلان الضبی ابوعمرو البصری الصیرفی۔ (۱۸) حسن بن قزعہ بن عبید الہاشمی ابوعلی المتوفی ۲۵۰ھ (۱۹) حسین بن سلمہ بن اسمعیل الازدی الطحان البصری۔ (۲۰) الحسین بن مہدی بن مالک الایلی ابوسعید البصری المتوفی ۲۴۷ھ۔ (۲۱) حفص بن عمرو بن ربال ابوعمر الرقاشی البصری المتوفی ۲۵۸ھ۔ (۲۲) حمید بن مسعدہ بن المبارک اسامی الباہلی ابوعلی البصری المتوفی ۲۴۴ھ۔ (۲۳) حوثرہ بن محمد بن قدید المقری ابوالازہر البصری الوراق المتوفی ۲۵۶ھ۔ (۲۴) زیاد بن یحییٰ بن حسان الحسانی ابوالخطاب النکری العدنی البصری المتوفی ۲۵۴ھ۔ (۲۵) سفیان بن زیاد بن آدم العقیلی ابوسعید البصری البلدی المؤذن۔ (۲۶) صالح بن محمد بن یحییٰ بن سعید القطان۔ یہ بھی امام ناقد یحییٰ القطان کے پوتے ہیں۔ (۲۷) عبدربہ بن خالد بن عبدالملک النمیری ابوالمغلس البصری المتوفی ۲۴۲ھ۔ (۲۸) عبدالرحمن بن عبداللہ بن سلم ابومحمد ابن الفرز الجزری الملقب بعبویہ نزیل البصرہ۔ ان سے امام ابن ماجہ نے صرف ایک حدیث روایت کی ہے۔ (۲۹) عبدالرحمن بن عبدالوہاب العمری البصری الصیرفی۔ (۳۰) عبدالقدوس بن محمد ابوبکر العجانی المعولی العطار البصری۔ (۳۱) عبداللہ بن محمد بن عبدالرحمن بن المسور الزہری البصری المتوفی ۲۵۶ھ (۳۲) عبداللہ بن معاویہ بن موسیٰ الجمحی ابوجعفر البصری المتوفی ۲۴۳ھ۔ (۳۳) عبدالوارث بن عبدالصمد العنبری البصری المتوفی ۲۵۲ھ۔ (۳۴) عبدہ بن عبداللہ بن عبدہ الخزاعی الصفار ابوسہل البصری کوفی الاصل المتوفی ۲۵۸ھ (۳۵) عبیداللہ بن الجہم الانماطی البصری المتوفی بعد ۲۴۹ھ۔ امام ابن ماجہ نے ان سے اپنی سنن میں کل دو روایتیں کی ہیں۔ (۳۶) عبیداللہ بن یوسف الجبیری ابوحفص البصری

المتوفی سنہ ۲۵۰ھ (۳۷) عمار بن طالوت بن عباد الجحدری البصری۔ (۳۸) عمران بن موسیٰ بن حبان اللیثی ابو عمرو البصری القزاز المتوفی بعد سنہ ۲۴۰ھ (۳۹) فضل بن یعقوب البصری ابو العباس المعروف بالجزری المتوفی سنہ ۲۵۶ھ (۴۰) محمد بن ثعلبہ السدوسی البصری۔ (۴۱) محمد بن خلاد بن کثیر الباہلی ابوبکر البصری المتوفی سنہ ۲۴۰ھ (۴۲) محمد بن زیاد بن عبید اللہ الزیادی ابو عبد اللہ البصری الملقب بہ یؤیؤ المتوفی سنہ ۲۵۰ھ (۴۳) محمد بن سعید بن یزید بن ابراہیم التستری ابوبکر البصری (۴۴) محمد بن عباد بن آدم الہنائی ابو عبد اللہ البصری المتوفی سنہ ۲۶۶ھ (۴۵) محمد بن عبد الاعلیٰ الصنعانی القیسی ابو عبد اللہ البصری المتوفی سنہ ۲۴۵ھ۔ (۴۶) محمد بن عبد اللہ بن حفص بن ہشام بن زید بن انس بن مالک الانصاری البصری (۴۷) محمد بن عبد اللہ بن عبید الہلالی ابو مسعود البصری۔ (۴۸) محمد بن عبد الملک بن ابی الشوارب محمد بن عبد اللہ القرشی الاموی ابو عبد اللہ الأبلی البصری المتوفی سنہ ۲۴۴ھ (۴۹) محمد بن عمر بن علی المقدمی ابو عبد اللہ البصری۔ (۵۰) محمد بن فراس الضبعی ابو ہریرۃ الصیرفی البصری المتوفی سنہ ۲۴۵ھ (۵۱) محمد بن محمد بن مرزوق الباہلی البصری المتوفی سنہ ۲۴۸ھ (۵۲) محمد بن المؤمل العبسی ابو القاسم البصری المتوفی سنہ ۲۵۰ھ (۵۳) محمد بن الولید بن عبد الحمید القرشی البسری الملقب بحمدان البصری المتوفی بعد سنہ ۲۵۰ھ (۵۴) محمد بن یزید بن عبد الملک الاسفاطی ابو عبد اللہ البصری الاعور (۵۵) مجزاۃ بن سفیان الثقفی البصری، امام ابن ماجہ کا بیان ہے کہ ان کے پاس کل تین حدیثیں تھیں۔ (۵۶) ولید بن عمرو الضبعی ابو العباس البصری (۵۷) یحییٰ بن حبیب بن عربی الحارثی البصری المتوفی سنہ ۲۴۸ھ (۵۸) یحییٰ بن خدام العنبری ابو زکریا السعلی البصری المتوفی ۲۴۳ھ (۵۹) یحییٰ بن خلف الباہلی ابو سلمۃ البصری المعروف بالجوباری المتوفی سنہ ۲۴۲ھ (۶۰) یحییٰ بن درست الہاشمی البصری (۶۱) یحییٰ بن الفضل العنبری ابو زکریا البصری المعروف بالخرقی المتوفی سنہ ۲۵۶ھ (۶۲) یوسف بن حماد المعنی ابو یعقوب البصری المتوفی سنہ ۲۴۵ھ۔

حافظ ابن حبان نے کتاب الثقات میں (باستثنائے ایوب، حاتم، صالح، عبید اللہ بن ابراہیم، عبد الرحمن، محمد بن ثعلبہ، محمد بن عباد، محمد بن عبد الملک، محمد بن المؤمل، محمد بن عبد اللہ بن عبید، محمد بن فراس، مجزاۃ، ولید، یحییٰ بن درست) ان سب محدثین کا تذکرہ لکھا ہے اور امام ابن ماجہ نے ان تمام محدثین میں سب سے زیادہ جن سے روایتیں کی ہیں وہ یہ ہیں۔ احمد بن عبدۃ الضبی، بشر بن ہلال الصواف، بکر بن خلف ابو بشر، محمد بن خلاد ابوبکر الباہلی۔

بغداد

وہ مشہور و معروف شہر جو خلفاء عباسیہ کے زمانۂ عروج میں مسلمانوں کی تہذیب و تمدن اور ان کے علوم و فنون کا دنیا میں سب سے بڑا مرکز رہ چکا ہے، جس کو محدث حاکم نیشاپوری مدینۃ العلم وموسم العلماء والافاضل[1] فرماتے ہیں اور علامہ تاج الدین سبکی محلۃ العلماء ودار الدنیا و

---

[1] معرفۃ علوم الحدیث ص ۱۹۴۔

حاضرۃ الربع العامر، مرکز الخلافۃ، اور دار علم وبیت ریاسۃ کے شاندار الفاظ سے یاد کرتے ہیں[1]۔ حافظ ابن حزم اندلسی نے بغداد کا ذکر جس عظمت کے ساتھ کیا ہے وہ آپ بصرہ کے حالات میں پڑھ چکے ہیں، اور حافظ ذہبی لکھتے ہیں:

"بغداد جو عراق کا سب سے بڑا شہر ہے، اس کی بنیاد تابعین کے اخیر دور میں پڑی۔ سب سے پہلے جس نے یہاں حدیث کی اشاعت کی وہ ہشام بن عروہ ہیں اور ان کے بعد شعبہ اور ہشیم[2]۔"

اس کے بعد ذہبی رقمطراز ہیں:۔

وکثر بھا ھذا الشان فلم تزل معمورۃ بالاثر والخبر والی زمان الامام احمد ثم اصحابہ وھی دار الاسناد العالی والحفظ ومنزل الخلافۃ والعلم الی ان استوصلت فی کائنۃ التتار الکفرۃ۔

اور وہاں اس فن کی خوب کثرت رہی چنانچہ یہ شہر امام احمد بن حنبل اور ان کے تلامذہ کے زمانہ تک برابر حدیث واثر سے معمور رہا۔ اور یہ اسناد عالی اور حفظ حدیث کا گھر، اور خلافت اور علم کا مستقر تھا تا آنکہ تاتاری کفار کے حادثہ میں اس کا استیصال ہوگیا۔

حاکم نے معرفۃ علوم الحدیث کی "النوع الثانی والاربعین" میں جو رواۃ حدیث کے بلدان و اوطان کے بیان پر مشتمل ہے تصریح کی ہے کہ "مدینۃ السلام" (بغداد) میں اگرچہ میرے علم میں کسی صحابی کی وفات نہیں ہوئی تاہم تابعین وتبع تابعین کی ایک جماعت یہاں آکر فروکش ہوئی اور انھوں نے یہیں وفات پائی۔ چنانچہ ان میں سے بیس مشاہیر علماء محدثین کو حاکم نے نام بنام گنایا ہے جن میں امام ابو حنیفہ، امام ابو یوسف قاضی اور امام اسد بن عمرو خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔

بغداد کے تمام محدثین میں امام ابو یوسف کی یہ شان ہے کہ امام احمد بن حنبل نے جب تحصیل حدیث شروع کی تو سب سے پہلے امام ابو یوسف کی خدمت میں حاضر ہو کر ان سے حدیثیں لکھیں[3]۔ فن حدیث

---

[1] طبقات الشافعیۃ الکبریٰ از سبکی ج ۱ ص ۱۷۲ و ۱۷۳۔ [2] ہشیم امام ابو حنیفہ کے مشاہیر تلامذہ میں سے ہیں، چنانچہ امام بخاری نے تاریخ کبیر میں امام ابو حنیفہ کے ترجمہ میں جن ائمہ حدیث کے متعلق تصریح کی ہے کہ انھوں نے امام ابو حنیفہ سے حدیث کی روایت کی ہے ان میں ان کا بھی نام ہے۔ یہ بہت بڑے حافظ حدیث تھے۔ ذہبی نے تذکرۃ الحفاظ میں ان کا ترجمہ ان الفاظ سے شروع کیا ہے الحافظ الکبیر محدث العصر، اور آگے چل کر لکھتے ہیں کہ لا نزاع فی انہ من الحفاظ الثقات یعنی اس میں کوئی نزاع ہی نہیں کہ یہ حفاظ ثقات میں سے ہیں۔ ۱۸۳ھ میں وفات پائی۔ [3] ظاہر بینوں کو شاید اس پر تعجب ہو لیکن آپ کو معلوم ہونا چاہئے کہ امام احمد نے اس سلسلہ میں جو قدم اٹھایا وہ آئین طلب کے عین مطابق تھا۔ سابق میں طلب حدیث کے آداب میں ہم ابن صلاح کے حوالہ سے لکھ چکے ہیں کہ حدیث کے طالب العلم کو سب سے پہلے اس شخص سے علم حدیث اخذ کرنا چاہئے کہ جو اپنے شہر کے تمام محدثین میں باسناد وروایت، علم وشہرت اور شرف میں بڑھا ہوا ہو۔ چونکہ امام ابو یوسف میں حق تعالیٰ نے یہ تمام اوصاف یکجا جمع کر دیئے تھے اس لئے امام احمد کو بجا طور پر سب سے پہلے امام ممدوح ہی کے آستانہ پر حاضر ہونا تھا اور انھوں نے ایسا ہی کیا۔ حافظ ابن الجوزی، مناقب الامام احمد میں بسند متصل ناقل ہیں کہ:۔

(باقی بر صفحۂ آئندہ)

ہیں امام موصوف کی جلالت شان کا اندازہ لگانا ہو تو ان کے ہر دو نامور شاگرد امام احمد بن حنبل اور امام یحییٰ بن معین کی شہادتیں اس باب میں کافی ہیں امام احمد بن حنبل کا قول ہے کہ کان ابو یوسف منصفا فی الحدیث [1]۔ اور امام یحییٰ بن معین فرماتے ہیں۔

ما رأیت فی اصحاب الرای اثبت فی الحدیث ولا احفظ ولا اصح روایۃ من ابی یوسف [2]

میں نے اصحاب الرائے (فقہاء) میں امام ابو یوسف سے اثبت (زیادہ پکا) اور ان سے بڑھ کر حافظ الحدیث اور صحیح الروایۃ نہیں دیکھا۔

اسی طرح امام اسد بن عمرو بھی بہت بڑے رتبے کے شخص ہیں اور علم حدیث میں ان کی وسعت نظر کا یہ عالم ہے کہ حافظ ابن عدی جیسا کثر شخص بھی ان کے بارے میں ان الفاظ میں اظہار خیال کرتا ہے:

ما باحادیثہ ورایاتہ باس، ولیس فی اصحاب الرای بعد ابی حنیفۃ اکثر حدیثا منہ [3]

ان کی احادیث روایات میں کوئی خرابی نہیں اور اصحاب الرائے (فقہاء) میں امام ابو حنیفہ کے بعد ان سے بڑھ کر کثیر الحدیث کوئی شخص نہیں

اور ابن سعد لکھتے ہیں:

کان عندہ حدیث کثیر و ھو ثقۃ ان شاء اللہ [4]

ان کے پاس حدیث بہت تھی اور یہ ان شاء اللہ ثقہ ہیں۔

(بقیہ حاشیہ از صفحہ گذشتہ) اخبرنا ابو منصور عبد الرحمن بن محمد القزار قال اخبرنا ابو بکر احمد بن علی بن ثابت قال انا الازھری قال ثنا عبد الرحمن بن عمر قال ثنا محمد بن یعقوب قال حدثنا جدی قال سمعت احمد بن حنبل یقول اول من کتبت عنہ الحدیث ابو یوسف (ص ۲۲ و ۲۳)

میں نے سب سے پہلے جس شخص سے حدیث لکھی وہ (امام) ابو یوسف ہیں

اور حافظ ذہبی، مناقب ابی حنیفہ وصاحبیہ میں حافظ عباس دوری سے نقل کرتے ہیں کہ

سمعت احمد بن حنبل یقول اول ما کتبت الحدیث اختلفت الی ابی یوسف القاضی فکتبت عنہ ثم اختلفت بعد الی الناس۔ (ص ۴۰)

میں نے امام احمد بن حنبل کو یہ کہتے سنا کہ میں نے جب حدیث لکھی تو سب سے پہلے قاضی ابو یوسف کی خدمت میں جا کر ان سے حدیثیں لکھیں اور بعد میں پھر اور لوگوں کے یہاں گیا۔

یہ سنہ ۱۸۰ھ کا واقعہ ہے جبکہ امام احمد اپنی عمر کے سولہویں سال میں تھے (مناقب احمد از ابن جوزی ص ۲۳) امام احمد نے امام ابو یوسف اور امام محمد سے تین قمطر (وہ صندوق یا بکس کہ جس میں کتاب کو بحفاظت تمام رکھا جاتا ہے) بھر کر علم دین کی کتابت کی تھی چنانچہ حافظ ابو الفتح بن سید الناس یعمری مصری شافعی اپنی مشہور کتاب عیون الاثر فی فنون المغازی والسیر میں لکھتے ہیں:

قال ابراھیم بن جعفر حدثنی عبد اللہ بن احمد بن حنبل قال کتب ابی عن ابی یوسف و محمد ثلاثۃ قماطر، قلت لہ کان ینظر فیھا قال کان ربما نظر فیھا۔ (ج ۱ ص ۲۰ طبع مصر [illegible])

ابراہیم بن جعفر کا بیان ہے کہ مجھ سے عبد اللہ بن احمد بن حنبل نے بیان کیا کہ میرے والد بزرگوار نے امام ابو یوسف اور امام محمد سے تین قمطر لکھے تھے۔ میں نے عبد اللہ سے پوچھا کہ امام موصوف ان کا مطالعہ بھی کیا کرتے تھے؟ کہنے لگے بسا اوقات ان کا مطالعہ بھی کرتے تھے

(حاشیہ صفحہ ھذا) [1] مناقب ابی حنیفہ وصاحبیہ از ذہبی ص ۴۱۔ [2] ایضاً ص ۴۰۔ [3][4] لسان المیزان۔ ترجمہ امام موصوف

امام احمد بن حنبل بھی فن حدیث میں ان کے شاگرد تھے اور ان کو "صدوق وصالح الحدیث" فرمایا کرتے تھے۔ محدث صیمری نے ابو نعیم فضل بن دکین سے بسند نقل کیا ہے کہ "امام ابو حنیفہ کی کتابیں سب سے پہلے جس نے لکھیں وہ اسد بن عمرو ہیں۔ اور حافظ ذہبی، میزان الاعتدال میں ان کے متعلق لکھتے ہیں: صحب ابا حنیفۃ وتفقہ علیہ من اھل الکوفۃ فقدم بغداد وتولی قضاء الشرقیہ (انھوں نے امام ابو حنیفہ کی صحبت اٹھائی اور ان ہی سے فقہ کی تحصیل کی، کوفہ کے رہنے والے تھے پھر بغداد آئے اور شہر کے شرقی حصہ کا عہدۂ قضا ان کو تفویض ہوا۔) سنہ ۱۹۰ھ میں وفات پائی۔

بغداد میں علم حدیث کی نشر و اشاعت کا یہ عالم تھا کہ ایک ایک محدث کے حلقہ درس میں عام طور پر ہزارہا طلبہ کا ہجوم ہوا کرتا تھا۔ چنانچہ اس سلسلہ کے متعدد واقعات تاریخ و رجال کی معتبر کتابوں سے ہم سابق میں ہدیۂ ناظرین کر چکے ہیں۔

فقہ کے وہ چار امام کہ جن کے اجتہادی مسائل پر تمام دنیائے اسلام ان کے زمانے سے لے کر آج تک کاربند چلی آتی ہے ان میں سے اخیر امام یعنی امام احمد بن حنبل اسی بغداد کے رہنے والے تھے۔ امام شافعی کا مذہب قدیم جس کے راوی، زعفرانی، ابو ثور، امام احمد اور کرابیسی ہیں۔ اس کی تدوین یہیں ہوئی اور اسی لئے امام شافعی کی اس کتاب کو جو آپ کے مذہب قدیم پر مشتمل ہے بغدادی اور عراقی کہا جاتا ہے[۱]۔

ائمہ اربعہ کے علاوہ دیگر ائمہ مجتہدین میں سے امام ابو ثور المتوفی ۲۴۰ھ، امام داؤد ظاہری المتوفی ۲۷۰ھ اور امام محمد بن جریر طبری المتوفی ۳۱۰ھ ان سب کا وطن یہی بغداد ہے۔

امام طبری کی وہ مشہور تفسیر یہیں لکھی گئی ہے کہ جس کے متعلق حافظ ذہبی اور علامہ تاج الدین سبکی دونوں کی متفقہ تصریح ہے کہ لم یصنف مثلہ (یعنی اس کی مثل تصنیف نہ ہوئی) اور جس کے بارے میں علامہ ابو حامد اسفرائنی کا قول ہے کہ "اگر کوئی اس تفسیر کے حاصل کرنے کے لئے چین تک کا سفر اختیار کرے تو کچھ زیادہ نہیں ہے[۲]"۔

امام ابن ماجہ نے جس وقت رحلت علمی کے لئے وطن سے باہر قدم نکالا ہے اس وقت الواثق باللہ عباسی سریر آرائے خلافت بغداد تھا۔ واثق باللہ اپنے علم و فضل کے اعتبار سے مامون اصغر کہلاتا تھا۔ واثق کے فضل و کمال کی وجہ سے خود خلیفہ مامون اس کی بڑی قدر کرتا اور اس کو اپنی اولاد سے زیادہ عزیز رکھتا تھا۔ علامہ یزیدی کا بیان ہے کہ مامون نے تو علم عرب کے ساتھ اپنی معلومات میں علوم اوائل یعنی نجوم، طب اور منطق کی بھی آمیزش کر لی تھی لیکن واثق کے علوم خالص عربی علوم تھے[۳]۔ واثق نے ۲۴ ذی الحجہ ۲۳۲ھ میں چہار شنبہ کے دن وفات پائی اور اس کی جگہ المتوکل علی اللہ تخت خلافت پر متمکن ہوا محدثین متوکل کی تعریف میں بڑے رطب اللسان ہیں کیونکہ اس نے مامون، معتصم اور واثق کے زمانے سے جو لوگوں پر خلق قرآن کے بارے میں مظالم ہو رہے تھے ان سب کو یک قلم موقوف کر دیا تھا اور ۲۳۴ھ ہجری میں تمام قلمرو خلافت میں فرمان بھیجا تھا کہ آئندہ سے اس مسئلہ کے متعلق کسی شخص سے باز پرس نہ کی جائے۔ ساتھ ہی محدثین کو سامرا بلا کر ان کے لئے عطایا اور وظائف جاری کئے اور بڑے اعزاز و اکرام سے پیش آیا اور ان کو حکم دیا کہ صفات باری اور دیدار الٰہی کی احادیث لوگوں کے سامنے بیان کریں[۴]۔ اس طرح معتزلہ کا جو زور شور اس کے پیشرو ہر سہ خلفاء کے زمانے میں تھا اس کے

[۱] الاعلان بالتوبیخ لمن ذم التاریخ از علامہ سخاوی ص ۹۹۔ [۲] الانتقاء فی فضائل الائمۃ الثلاثۃ الفقہاء از علامہ ابن عبد البر ص ۱۰۵ طبع مصر اور طبقات الشافعیۃ الکبریٰ ج ۱ ص ۲۵۰۔ [۳] تذکرۃ الحفاظ اور طبقات الشافعیہ میں امام ابن جریر کا ترجمہ ملاحظہ ہو۔ [۴] تاریخ الخلفاء ص ۲۲۸ طبع مجتبائی دہلی۔ [۵] اس کی کچھ تفصیل سابق میں گزر چکی ہے۔

عہد میں بالکل ختم ہوگیا یہی زمانہ ہے جب امام ابن ماجہ بغداد آئے ہیں اس وقت یہاں جا بجا حدیث و روایت کے دفتر کھلے ہوئے تھے اور محدثین و حفاظِ حدیث کا درس خوب زور و شور سے جاری تھا۔ امام موصوف نے یہاں آکر جن حفاظ حدیث سے استفادہ کیا وہ حسب ذیل ہیں۔

حافظ کبیر احمد دورقی۔ شجرہ نسب یہ ہے احمد بن ابراہیم بن کثیر ابو عبداللہ العبدی النکری[1] البغدادی الدورقی، یہ حافظ یعقوب دورقی کے چھوٹے بھائی ہیں، اللہ عزوجل کا ایسا کرم تھا کہ دونوں بھائی حافظ الحدیث ہوئے۔ صالح جزرہ کا بیان ہے کہ ان دونوں بھائیوں میں احمد کثرتِ حدیث اور اس کی معلومات میں زیادہ تھے اور یعقوب اسناد و روایت میں بڑھے ہوئے تھے اور دونوں ثقہ ہیں۔ ذہبی ان کے متعلق لکھتے ہیں کان حافظاً فہماً حسن التالیف (یعنی یہ حافظ حدیث، صاحب فہم اور عمدہ مصنف تھے) امام مسلم، ابوداؤد، ترمذی اور ابن ماجہ چاروں ائمہ ان کے شاگرد ہیں ۱۶۸ھ میں پیدا ہوئے اور ۲۴۶ھ میں وفات پائی، رحمہ اللہ (تذکرۃ الحفاظ، تہذیب التہذیب)۔

حافظ رمادی، ابوبکر احمد بن منصور بن سیار بن معارک البغدادی، حدیث میں مسند ان کی تصنیف ہے، ابراہیم اصبہانی حفظ حدیث میں ان کو ابوبکر بن ابی شیبہ کا ہمسر بتاتے ہیں مصنفین صحاح ستہ میں صرف امام ابن ماجہ کو ان سے تلمذ حاصل ہے۔ حدیث نبوی سے ان کو اس قدر شغف تھا کہ جب کبھی بیمار ہوتے محدثین کو بلوا کر ان سے حدیثیں پڑھواتے۔ ربیع الآخر ۲۶۵ھ ہجری میں ترا سی سال کی عمر میں وفات پائی۔ رحمہ اللہ۔ (تہذیب التہذیب)۔

حافظ احمد بن منیع ابوجعفر البغوی ثم البغدادی الاصم، اصل میں بغشور کے رہنے والے تھے جو ہرات اور مرو روذ کے درمیان ایک چھوٹا سا شہر ہے بعد کو بغداد میں سکونت اختیار کرلی تھی۔ فنِ حدیث میں امام ابو یوسف کے شاگرد ہیں اور ان سے تمام ارباب صحاح ستہ کو تلمذ حاصل ہے لیکن صحیح بخاری میں ان سے بالواسطہ روایت ہے اور خارج صحیح میں بغیر واسطہ۔ محدث خلیلی نے تصریح کی ہے کہ یہ علم میں امام احمد بن حنبل اور ان کے اقران کے ہم پلہ ہیں۔ چالیس سال تک ان کا یہ معمول رہا کہ ہر تیسرے روز قرآن پاک ختم کردیا کرتے تھے۔ فن حدیث میں ان کی مسند مشہور و معروف ہے جس کو ان کے نامور شاگرد اسحاق بن ابراہیم بن جمیل ان سے روایت کرتے ہیں، ۱۶۰ھ میں پیدا ہوئے اور ۲۴۴ھ میں وفات پائی، رحمہ اللہ۔ ان کی وفات پر جب ان کا متروکہ فروخت کیا گیا تو کتابوں کے علاوہ کل سامان ۲۴ درم کا ہوا۔ (تہذیب التہذیب، تاریخ بغداد، ترجمہ امام ابو یوسف)

---

[1] "نکری" بضم نون بنی نکر کی طرف نسبت ہے جو قبیلہ عبد القیس کی مشہور شاخ ہے اور "دورقی" یا تو شہر دورق کی طرف نسبت ہے جو اہواز کے اطراف میں واقع ہے جہاں کی لمبی ٹوپیاں "دورقی" کے نام سے مشہور ہیں اور یا ان ٹوپیوں کی صنعت کی طرف نسبت ہے۔ ذہبی نے لکھا ہے کہ ان کے والد بڑے عابد و زاہد تھے اور اس زمانہ میں جو شخص زہد و عبادت میں مصروف ہوتا اس کو دورقی کہا جاتا تھا۔ لالکائی کا بیان ہے کہ یہ لمبی ٹوپی اوڑھتے تھے اس لئے "دورقی" کہلاتے تھے۔ (تہذیب التہذیب)۔

امام ابو ثور، ابراہیم بن خالد کلبی بغدادی۔ بعض علماء کا خیال ہے کہ ابو ثور ان کا لقب ہے اور ان کی کنیت ابو عبداللہ ہے۔ مشہور ائمہ مجتہدین میں سے ہیں اور بہت سے مسائل میں جمہور سے متفرد ہیں۔ سید الطائفہ حضرت جنید بغدادی ان ہی کے مذہب پر فتوے دیا کرتے تھے۔ یہ پہلے اہل عراق کے مسلک پر تھے بعد کو جب امام شافعی بغداد آئے تو ان کی شاگردی اختیار کی اور بہت سے مسائل میں ان کی طرف مائل ہو گئے چنانچہ علامہ ابن عبدالبر الانتقاء فی فضائل الثلاثۃ الائمۃ الفقہاء میں لکھتے ہیں کہ انھوں نے ایک مستقل تصنیف میں امام مالک اور امام شافعی کے اختلاف کو بیان کیا ہے اور اس میں اپنا مذہب بھی ساتھ ساتھ ذکر کرتے جاتے ہیں۔ ان کا اس کتاب میں اور اپنی دوسری تصانیف میں امام شافعی کی طرف زیادہ میلان ہے۔ امام احمد بن حنبل کا بیان ہے کہ میں پچاس سال سے ان سے واقف ہوں کہ یہ سنت پر عامل ہیں اور میرے نزدیک یہ ثوری کے مقام پر ہیں۔ ایک دفعہ امام احمد سے کسی نے مسئلہ دریافت کیا فرمانے لگے فقہاء سے پوچھو، جاؤ ابو ثور سے پوچھو، امام مسلم، ابوداؤد اور ابن ماجہ تینوں آپ کے شاگرد ہیں مگر امام مسلم نے اپنی صحیح میں ان سے کوئی حدیث روایت نہیں کی ہے۔ حافظ ذہبی نے تذکرۃ الحفاظ میں ان کو الامام المجتہد الحافظ لکھا ہے اور محدث حاکم کے ان کے بارے میں یہ الفاظ ہیں کان فقیہ اھل بغداد و مفتیھم فی عصرہ واحد اعیان المحدثین المتقنین (یعنی یہ اپنے زمانہ میں اہل بغداد کے فقیہ اور مفتی اور متقن اور نامور محدثین میں سے تھے) تاہم جیسا کہ بعض متقشف ارباب روایت کی عادت ہے کہ وہ عام طور پر تفریع احکام اور استنباط جزئیات کو اچھی نظر سے نہیں دیکھتے اور اس بناء پر فقہاء پر طعن کیا کرتے ہیں بعض محدثین نے ان پر بھی کلام کیا ہے چنانچہ ابو حاتم رازی ان کے متعلق یہ رائے ظاہر کرتے ہیں کہ

یتکلم بالرای فیخطی ویصیب ولیس محلہ محل المسمعین فی الحدیث۔	یہ رائے (فقہ) سے کلام کرتے ہیں اس لئے غلط بھی کہدیتے ہیں اور صحیح بھی، اور ان کا وہ مقام نہیں جو حدیث پر متوجہ ہونے والوں کا ہوتا ہے۔

علامہ تاج الدین سبکی، ابو حاتم کے اس قول کو نقل کر کے لکھتے ہیں۔

ھذا غلو من ابی حاتم ولیس الکلام فی الرای موجبا للقدح۔	یہ ابو حاتم کا غلو ہے اور رائے (فقہ) میں کلام کرنا موجب قدح نہیں۔

بعض علماء نے ابو حاتم کے بیان میں المسمعین کی بجائے المتسعین نقل کیا ہے اس صورت میں اس فقرہ کے معنی یہ ہوں گے کہ "ان کا وہ مقام نہیں جو حدیث میں وسعت نظر رکھنے والوں کا ہوتا ہے"۔

علامہ تاج الدین سبکی، طبقات الشافعیہ میں بسند نقل کرتے ہیں کہ ایک مجلس میں یحیی بن معین، ابوخیثمہ زہیر بن حرب، خلف بن سالم اور دیگر محدثین کی ایک جماعت موجود تھی اور حدیث شریف کا مذاکرہ جاری تھا۔ اتفاق سے ایک عورت آ کھڑی ہوئی اور اس نے جوان لوگوں کو قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا) اور رواہ فلان (اس کو فلاں نے روایت کیا ہے) اور ما حدث

ب غیر فلان (اس کو فلاں کے سوا اور کوئی نہیں بیان کرتا) کہتے سنا تو ان سے یہ مسئلہ پوچھ بیٹھی کہ کیا حائضہ عورت مردے کو نہلا سکتی ہے۔ یہ عورت مردے نہلایا کرتی تھی۔ اس عورت کے مسئلہ کا جواب پوری جماعت میں سے کسی سے نہ بن سکا اور ایک دوسرے کی صورت تکنے لگے۔ حسن اتفاق کہ ابو ثور سامنے سے آنکلے، انھیں دیکھ کر سب اس عورت سے کہنے لگے کہ یہ صاحب جو سامنے سے آرہے ہیں ان سے دریافت کرو۔ عورت نے ادھر رخ کیا تو یہ اب اس کے قریب آچکے تھے اس نے مسئلہ پوچھا، ابو ثور نے بلا توقف جواب دیا کہ ہاں کیونکہ قاسم (حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے پوتے) کی حدیث میں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے منقول ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا تھا ان حیضتك لیست فی یدك (تمہارا حیض تمہارے ہاتھ میں نہیں ہے) نیز حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا بیان ہے کہ میں ایام ماہواری میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سر مبارک پر پانی ڈال کر مانگ نکالا کرتی تھی۔ اس لئے جب زندہ کے سر پر پانی ڈالا جا سکتا ہے تو مردہ پر تو بدرجہ اولی ڈالا جا سکتا ہے، اس پر سب لوگ کہنے لگے جی ہاں، رواہ فلاں (اس کو تو فلاں نے روایت کیا) اور اخبرنا فلاں (ہم سے فلاں نے بیان کیا ہے) اور یہ ہمیں فلاں سند سے معلوم ہے اور پھر اس کے متعلق ان لوگوں نے روایات و اسانید کا ایک سلسلہ شروع کر دیا۔ یہ دیکھ کر اس عورت کی زبان سے بے ساختہ نکلا کہ فاین انتم الی الآن (تم اب تک کیا کر رہے تھے)۔

امام ابو ثور نے ستر سال کی عمر میں ۲۷ صفر ۲۴۰ھ میں انتقال فرمایا (تذکرۃ الحفاظ، طبقات الشافعیہ الکبری، تہذیب التہذیب، طبقات کبری از شعرانی ترجمہ حضرت جنید بغدادی)۔

حافظ جوہری۔ ابراہیم بن سعید ابو اسحق الطبری ثم البغدادی، بجز امام بخاری کے تمام ارباب صحاح ستہ ان کے شاگرد ہیں۔ ان کا قول تھا کہ جو حدیث میرے پاس سو سندوں سے مروی نہ ہو میں اس میں یتیم ہوں۔ ذہبی نے ان کو الحافظ العلامۃ لکھا ہے۔ علم حدیث میں مسند تصنیف کی تھی۔ ۲۴۷ھ میں بمقام عین زربہ جو مصیصہ کی سرحد پر واقع ہے اور جہاں یہ جہاد کی غرض سے مقیم تھے انتقال فرمایا رحمہ اللہ۔ (تذکرۃ الحفاظ)۔

حافظ کبیر ابو اسحاق ہروی ابراہیم بن عبد اللہ بن حاتم، ہرات کے رہنے والے تھے بعد میں بغداد میں آکر متوطن ہوگئے تھے، امام ترمذی اور ابن ماجہ ان کے شاگرد ہیں۔ ہشیم کی حدیث کے یہ سب بڑے عالم تھے کہا کرتے تھے کہ ہشیم کی کوئی حدیث ایسی نہیں کہ جس کو میں نے ان سے بیس مرتبہ یا اس سے زیادہ دفعہ نہ سنا ہو۔ ذہبی کے ان کے متعلق یہ الفاظ ہیں کان صدوقا زاھدا صواما عابدا کبیر القدر۔ رمضان ۲۴۴ھ میں جبکہ ان کی عمر نوے سال سے متجاوز ہو چکی تھی انتقال فرمایا، رحمہ اللہ (تذکرۃ الحفاظ)۔

فقیہ کبیر حافظ زعفرانیؒ۔ ابو علی حسن بن محمد بن صباح البغدادی، زعفرانیہ بغداد کے قریب ایک قریہ تھا۔ بڑے فصیح و بلیغ تھے، فقہ کی تعلیم امام شافعی سے حاصل کی اور ان کے مذہب

قدیم کے راوی ہیں، بغداد میں امام شافعی کی مجلس درس میں ان کے سوا اور کوئی قرأت نہیں کرتا تھا۔ اس درس میں امام احمد اور امام ابوثور بھی حاضر ہوتے تھے یہ پڑھتے تھے اور سب لوگ سنتے تھے۔ امام شافعی کی کتاب الرسالہ کی جب انھوں نے قرأت شروع کی تو امام موصوف نے ان سے دریافت فرمایا تم عرب کے کس قبیلے سے ہو، کہنے لگے میں عربی نہیں ہوں تو قریہ زعفرانیہ کا رہنے والا ہوں۔ امام شافعی نے فرمایا انت سید ھذہ القریۃ (تم تو اس قریہ کے سردار ہو)۔ بجز امام مسلم کے تمام مصنفین صحاح ستہ ان کے شاگرد ہیں۔ حدیث میں ان کی ثقاہت کی بڑے بڑے محدثین نے شہادت دی ہے (تذکرۃ الحفاظ، تہذیب التہذیب)۔

حافظ رجاء بن مرجی بن رافع الغفاری ابو محمد السمرقندی الحافظ نزیل بغداد۔ حافظ ذہبی نے تذکرۃ الحفاظ میں ان کا ذکر الحافظ العلم اور مفید بغداد کے الفاظ کے ساتھ کیا ہے۔ حدیث میں امام ابوداؤد اور ابن ماجہ ان کے شاگرد ہیں۔ دارقطنی ان کو ثقہ حافظ کہتے ہیں۔ ابن حبان لکھتے ہیں کان متیقظاً ممن جمع وصنف (ہوشمند تھے اور اہل تصنیف وتالیف میں سے تھے) خطیب کے الفاظ ہیں، کان ثقۃ ثبتاً اماماً فی علم الحدیث وحفظہ والمعرفۃ بہ، یہ اصل میں مرو کے رہنے والے تھے۔ چونکہ سمرقند میں بود و باش اختیار کر لی تھی اس لئے سمرقندی کہلاتے ہیں، بعد کو بغداد میں آگئے اور وہیں اقامت گزیں ہو گئے اور آخر میں ماہ جمادی الاولی ۲۴۹ھ کو انتقال فرمایا۔ رحمہ اللہ۔ (تذکرۃ الحفاظ، تہذیب التہذیب)۔

حافظ ابو خیثمہ زہیر بن حرب، النسائی نزیل بغداد، فن حدیث میں عبداللہ بن ادریس سفیان بن عیینہ، عبدالرزاق بن ہمام، حفص بن غیاث اور ہشیم وغیرہ بہت سے محدثین کے شاگرد ہیں، اور ان سے امام بخاری، مسلم، ابوداؤد اور ابن ماجہ کو تلمذ حاصل ہے۔ ابن حبان نے کتاب الثقات میں لکھا ہے کہ یہ امام احمد اور یحییٰ بن معین کے ہم پلہ ہیں۔ یعقوب بن شیبہ اور ابن نمیر ان کو حافظ ابوبکر بن ابی شیبہ پر بھی ترجیح دیتے ہیں۔ امام نسائی ان کے بارے میں فرماتے ہیں ثقۃ مامون خطیب بغدادی لکھتے ہیں کان ثقۃ ثبتاً حجۃ حافظاً متقناً۔ صحیح مسلم میں ان کی سند سے بارہ سو کاسی حدیثیں مروی ہیں، سنہ ۱۶۰ھ میں ان کی ولادت ہوئی اور ۷ شعبان کو بروز جمعرات ۲۳۴ھ میں چوہتر سال کی عمر میں انتقال فرمایا، رحمہ اللہ۔ (تذکرۃ الحفاظ، تہذیب التہذیب)

حافظ زہیر بن محمد بن قمیر۔ حافظ ذہبی نے تذکرۃ الحفاظ میں ان کا ترجمہ ان لفظوں میں شروع کیا ہے الامام الحافظ القدوۃ ابو محمد المروزی نزیل بغداد۔ ابوالقاسم کا بیان ہے کہ امام احمد کے بعد میں نے ان سے افضل نہیں دیکھا۔ ان کے صاحبزادے محمد بن زہیر کہتے ہیں کہ میرے والد ماجد ماہ رمضان المبارک میں قرآن پاک کے نوے ختم کیا کرتے تھے۔ ارباب صحاح ستہ میں سے صرف امام ابن ماجہ ان کے شاگرد ہیں، اخیر عمر میں جہاد کی غرض سے طرطوس میں مرابط ہو گئے تھے اور وہیں ۲۵۷ھ میں وفات پائی۔ رحمہ اللہ (تذکرۃ الحفاظ)۔

حافظ عباسؒ دوری بن محمد بن حاتم ابوالفضل الہاشمی مولاہم البغدادی۔ ذہبی نے ان کو الحافظ الامام لکھا ہے۔ امام یحییٰ بن معین کے خاص شاگردوں میں سے ہیں اور اسی لئے صاحب یحییٰ بن معین کہلاتے ہیں۔ امام ابوداؤد، ترمذی، نسائی اور ابن ماجہ چاروں کو ان سے تلمذ حاصل ہے۔ فن رجال میں ایک نہایت ضخیم کتاب ان کی یادگار ہے جس میں انھوں نے اپنے شیخ امام الجرح والتعدیل یحییٰ بن معین کے اقوال کو رجال کے متعلق جمع کر دیا ہے۔ ذہبی اس کے متعلق لکھتے ہیں کہ یہ ایک مفید کتاب ہے اور اس فن میں ان کی بصیرت کا پتہ دیتی ہے، صفر ۲۷۱ھ میں وفات پائی، رحمہ اللہ۔ (تذکرۃ الحفاظ)۔

حافظ ابوبکر بن ابی الدنیا عبداللہ بن محمد بن عبید بن سفیان القرشی الاموی مولاہم البغدادی ۲۰۸ھ میں پیدا ہوئے، احمد دورقی، علی بن جعد جوہری، زہیر بن حرب، ابوعبید قاسم بن سلام، داؤد بن رشید خوارزمی، محمد بن سعد کاتب واقدی، امام بخاری اور امام ابوداؤد وغیرہ سے فن حدیث کی تعلیم پائی اور ان سے امام ابن ماجہ کو تلمذ حاصل ہے چنانچہ انھوں نے اپنی تفسیر میں ان سے روایتیں کی ہیں لیکن سنن میں کوئی حدیث ان کی روایت سے منقول نہیں ہے۔ یہ بڑے مشہور مصنف ہوئے ہیں۔ دنیوی عروج بھی خوب پایا۔ شہزادگان خلفائے عباسیہ کے اتالیق رہے۔ خلیفہ معتضد باللہ کی تربیت بھی ان ہی کی اتالیقی میں ہوئی۔ حافظ ذہبی نے تذکرۃ الحفاظ میں ان کا ترجمہ ان لفظوں میں شروع کیا ہے۔ ابن ابی الدنیا المحدث العالم الصدوق اور حافظ جمال الدین مزی کے تہذیب الکمال میں یہ الفاظ ہیں ابوبکر بن ابی الدنیا البغدادی الحافظ صاحب التصانیف المشہورۃ ومودب اولاد الخلفاء۔ ابن ابی حاتم کا بیان ہے کہ میں نے اپنے والد کی معیت میں ان سے حدیثیں لکھی ہیں اور والد نے ان کو صدوق کہا ہے۔ ۲۸۱ھ میں ان کی وفات ہوئی۔ رحمہ اللہ۔ (تذکرۃ الحفاظ، تہذیب التہذیب)۔

حافظ ابو قلابہؒ عبدالملک رقاشی۔ یہ اصل میں بصرہ کے محدث ہیں، بعد کو بغداد میں متوطن ہو گئے تھے۔ ذہبی نے تذکرۃ الحفاظ میں ان کا ذکر ان لفظوں سے شروع کیا ہے ابو قلابۃ الحافظ العالم المسند عبدالملک بن محمد بن عبداللہ الرقاشی الزاهد محدث البصرۃ۔ بچپن ہی میں باپ کی تحریص اور اپنی قوت ذکاوت کی بنا پر علم حدیث پر توجہ کی، قاضی احمد بن کامل کا بیان ہے کہ یہ دن رات میں چار سو رکعت نوافل پڑھا کرتے تھے اور اپنے حفظ سے انھوں نے ساٹھ ہزار حدیثیں بیان کی تھیں۔ امام محمد بن جریر طبری کہتے ہیں کہ میں نے ان سے بڑھ کر حافظ حدیث نہیں دیکھا مسلمہ کا بیان ہے کہ انہیں شعبہ کی حدیثیں اس طرح یاد تھیں جس طرح قرآن پاک کی کوئی سورت یاد ہوتی ہے۔ مصنفین صحاح ستہ میں سے صرف امام ابن ماجہ نے ان سے اپنی سنن میں حدیثیں روایت کی ہیں۔ ۱۹۰ھ میں ان کی ولادت ہوئی اور ماہ شوال ۲۷۶ھ میں وفات پائی۔ رحمہ اللہ۔ (تذکرۃ الحفاظ، تہذیب التہذیب)۔

حافظ رمادیؒ ابوالعباس فضل بن یعقوب البغدادی۔ امام بخاری اور ابن ماجہ کے

استاذ ہیں. محدث دارقطنی نے ان کو "ثقہ حافظ" کہا ہے. یکم جمادی الاولیٰ ۲۵۸ھ میں انتقال ہوا، رحمہ اللہ (تذکرۃ الحفاظ، تہذیب التہذیب)۔

حافظ ابوبکر صاغانی. محمد بن اسحاق بن جعفر نزیل بغداد. حافظ ذہبی نے تذکرۃ الحفاظ میں ان کا ترجمہ ان لفظوں میں شروع کیا ہے. الصاغانی الحافظ الحجۃ محدث بغداد ابوبکر محمد بن اسحاق. ابومزاحم خاقانی کا بیان ہے کہ یہ اپنے زمانہ میں امام یحییٰ بن معین کے مشابہ تھے. بجز امام بخاری کے جملہ مصنفین صحاح ستہ کو ان سے تلمذ حاصل ہے. صفر ۲۷۰ھ میں وفات پائی. رحمہ اللہ. (تذکرۃ الحفاظ)۔

حافظ محمد بن عبدالملک بن زنجویہ البغدادی ابوبکر غزال. یہ بغداد میں امام احمد بن حنبل کے پڑوسی تھے. حافظ ذہبی نے ان کو "واسع الرحلہ" لکھا ہے یعنی طلب حدیث میں انہوں نے بڑا سفر کیا تھا. امام ابوداؤد، ترمذی، نسائی اور ابن ماجہ چاروں ان کے شاگرد ہیں. امام نسائی وغیرہ نے ان کی توثیق کی ہے. جمادی الآخرہ ۲۵۸ھ میں انتقال کیا. رحمہ اللہ. (تذکرۃ الحفاظ، تہذیب التہذیب)۔

حافظ ابوالاحوص محمد بن الہیثم بن حماد البغدادی. عکبرا میں جو بغداد سے دس فرسخ پر واقع ہے قاضی تھے. دارقطنی نے ان کے متعلق تصریح کی ہے کان من الحفاظ الثقات، جملہ مصنفین صحاح ستہ میں سے صرف امام ابن ماجہ نے ایک حدیث ان سے استسقاء میں نقل کی ہے. جمادی الاولیٰ ۲۷۹ھ میں عکبرا ہی میں انتقال کیا. رحمہ اللہ. (تذکرۃ الحفاظ)۔

حافظ ہارون حمال. ذہبی نے تذکرۃ الحفاظ میں ان کا ذکر اس طرح شروع کیا ہے الحافظ الامام الثقۃ ابوموسیٰ ہارون بن عبداللہ بن مروان البغدادی البزاز المعروف بالحمال. ابراہیم حربی ان کے متعلق کہا کرتے تھے کہ اگر جھوٹ بولنا روا ہوتا تب بھی یہ پاکیزگی کے خیال سے اسے چھوڑ دیتے. یہ پہلے بزاز تھے پھر جب زہد اختیار کیا تو اجرت پر حمالی کرنے لگے اس لئے "حمال" کہلاتے ہیں. سوائے امام بخاری کے بقیہ تمام ارباب صحاح ستہ فن حدیث میں ان کے شاگرد ہیں. ۱۹؍ شوال ۲۴۳ھ میں انتقال کیا. تاریخ ولادت ۱۷۲ھ یا ۱۷۳ھ ہے. رحمہ اللہ (تذکرۃ الحفاظ تہذیب التہذیب)

حافظ یعقوب دورقی. یہ حافظ احمد بن ابراہیم دورقی مذکور کے بڑے بھائی ہیں. عمر میں ان سے دو سال بڑے تھے. حافظ ذہبی نے ان کا ذکر ان لفظوں میں کیا ہے الحافظ الکبیر المعمر الامام محدث العراق ابویوسف العبدی. تمام ارباب صحاح ستہ کے فن حدیث میں استاذ ہیں، مسند بھی تصنیف کی تھی. امام نسائی وغیرہ نے ان کی توثیق کی ہے. ۱۶۶ھ میں پیدا ہوئے اور ۲۵۲ھ میں وفات پائی. رحمہ اللہ. (تذکرۃ الحفاظ، اور تہذیب التہذیب)۔

ان حفاظ کے علاوہ بغداد کے جن محدثین سے امام ابن ماجہ نے حدیثیں روایت کیں وہ یہ ہیں۔

(۱) احمد بن اسمٰعیل ابوحذافۃ السہمی المدنی نزیل بغداد المتوفی ۲۵۹ھ. یہ امام مالک سے

موطا کے آخری روایت کرنے والوں میں سے ہیں۔ (۲) احمد بن عاصم بن عنبسہ العبادانی ابو صالح نزیل بغداد۔ (۳) احمد بن عبد الرحمن بن بکار ابو الولید البسری العامری الدمشقی نزیل بغداد المتوفی ۲۴۸ھ (۴) اسمٰعیل بن ابی الحارث اسد بن شاہین البغدادی ابو اسحٰق المتوفی ۲۵۸ھ۔ (۵) حبیش بن مبشر الثقفی ابو عبد اللہ الفقیہ الطوسی نزیل بغداد المتوفی ۲۵۵ھ۔ امام ابن ماجہ نے ان سے صرف ایک حدیث "کتاب النکاح" میں روایت کی ہے۔ (۶) الحسن بن حماد بن کسیب الحضرمی ابو علی البغدادی لمعروف بسجادہ المتوفی ۲۴۱ھ۔ یہ فقیہ حنفی ہیں اور امام محمد کے تلامذہ میں سے ہیں۔ حافظ عبد القادر قرشی نے جواہر المضیہ میں ان کا ترجمہ لکھا ہے۔ (۷) الحسن بن عرفہ ابو علی العبدی البغدادی المؤدب المتوفی ۲۵۷ھ۔ (۸) الحسن بن یحییٰ بن الجعد العبدی ابو علی بن ابی الربیع الجرجانی البغدادی المتوفی ۲۶۳ھ (۹) الحسین بن بیان البغدادی۔ (۱۰) حمدون بن عمارہ البغدادی ابو جعفر البزار۔ ان کا نام محمد اور لقب حمدون ہے، امام ابن ماجہ نے اپنی تفسیر میں ان سے روایت کی ہے۔ (۱۱) الخلیل بن عمرو الثقفی ابو عمرو البزاز البغوی نزیل بغداد المتوفی ۲۴۲ھ (۱۲) داؤد بن رُشید (بالتصغیر) الہاشمی مولاہم الخوارزمی البغدادی ابو الفضل المتوفی ۲۳۹ھ۔ یہ امام محمد کے اصحاب میں سے ہیں اور فقہ حنفی میں کتاب النوادر ان کی تصنیف ہے۔ (۱۳) رزق اللہ بن موسیٰ الناجی ابو بکر البغدادی الاسکافی الکلوذانی المتوفی ۲۵۶ھ (۱۴) روح بن الفرج البزار ابو الحسن البغدادی المتوفی ۲۵۵ھ (۱۵) سلیمان بن توبہ النہروانی ابو داؤد البغدادی المتوفی ۲۶۲ھ۔ (۱۶) شجاع بن مخلد الفلاس ابو الفضل البغوی نزیل بغداد المتوفی ۲۳۵ھ انھوں نے ایک تفسیر بھی لکھی ہے۔ (۱۷) عباد بن الولید الغبری ابو بدر البغدادی المتوفی ۲۵۸ھ۔ (۱۸) عباس بن جعفر ابو محمد بن ابی طالب البغدادی مولیٰ آل العباس المتوفی ۲۵۶ھ (۱۹) عبد اللہ بن اسحٰق بن محمد الناقد ابو جعفر الواسطی نزیل بغداد۔ (۲۰) العلاء بن سالم الطبری ابو الحسن الواسطی ثم البغدادی الحذاء المتوفی ۲۵۰ھ۔ امام ابن ماجہ نے ان سے صرف ایک حدیث روایت کی ہے۔ (۲۱) علی بن الحسین بن ابراہیم العامری ابو الحسن بن اشکاب البغدادی المتوفی ۲۶۱ھ یہ بھی فقیہ حنفی ہیں۔ ان کے والد امام ابو یوسف کے اصحاب میں سے تھے اور انھوں نے فقہ کی تعلیم اپنے والد بزرگوار ہی سے حاصل کی ہے۔ حافظ عبد القادر قرشی نے الجواہر المضیہ میں ان کا تذکرہ لکھا ہے۔ (۲۲) علی بن داؤد بن یزید التمیمی القنطری ابو الحسن بن ابی سلیمان البغدادی الادمی المتوفی ۲۶۲ھ۔ (۲۳) علی بن عمرو بن الحارث الانصاری ابو ہبیرۃ البغدادی المتوفی ۲۵۹ھ۔ (۲۴) فضل بن الصباح البغدادی ابو العباس السمسار المتوفی ۲۴۵ھ (۲۵) قاسم بن محمد بن عباد الازدی ابو محمد البصری نزیل بغداد۔ (۲۶) محمد بن اسمٰعیل بن البختری الحسانی ابو عبید اللہ الواسطی الضریر نزیل بغداد المتوفی ۲۵۶ھ (۲۷) محمد بن حسان بن فیروز الشیبانی الازرق ابو جعفر البغدادی المتوفی ۲۵۷ھ (۲۸) محمد بن خالد بن خداش المہلبی مولاہم ابو بکر الضریر البصری ثم البغدادی۔ (۲۹) محمد بن سعید بن غالب البغدادی ابو یحییٰ العطار الضریر المتوفی ۲۶۱ھ ان سے امام ابن ماجہ نے اپنی تفسیر میں روایت کی ہے۔ (۳۰) محمد بن سلیمان بن ہشام الیشکری ابو جعفر

الشطوی البغدادی النحراز المعروف باخی ہشام المتوفی ۲۶۵ھ (۳۱) محمد بن ہارون بن ابراہیم الربعی ابوجعفر البغدادی البزاز المعروف بابی نشیط المتوفی ۲۵۸ھ ان سے امام ابن ماجہ نے اپنی تفسیر میں روایت کی ہے۔ (۳۲) محمد بن یحیی بن عبد الکریم الازدی ابوعبداللہ بن ابی حاتم البصری نزیل بغداد المتوفی ۲۵۲ھ (۳۳) مجاہد بن موسی الخوارزمی ابوعلی الختلی نزیل بغداد المتوفی ۲۴۴ھ (۳۴) محمود بن خداش الطالقانی ابومحمد نزیل بغداد المتوفی ۲۵۰ھ۔ (۳۵) مصعب بن عبداللہ بن مصعب الزبیری ابوعبداللہ المدنی نزیل بغداد المتوفی ۲۳۶ھ ان سے امام ابن ماجہ نے صرف ایک حدیث روایت کی ہے (۳۶) یوسف بن موسی بن راشد القطان ابویعقوب الکوفی ثم الرازی ثم البغدادی المتوفی ۲۵۳ھ۔

حافظ ابن حبان نے کتاب الثقات میں (باستثناء احمد بن اسمعیل، حسین، حمدان، روح، سلیمان اور محمد بن سلیمان) ان سب محدثین کا تذکرہ لکھا ہے۔

واسط

عراق کا مشہور شہر جو کوفہ اور بصرہ کے عین وسط میں ہے اور دونوں اس سے یکساں فاصلہ پر پورے پچاس فرسخ پر واقع ہیں۔ حجاج بن یوسف نے ۸۳ھ ہجری میں اس شہر کی بنیاد رکھی تھی یہاں فن حدیث کے بہت سے ائمہ گزرے ہیں چنانچہ محدث حاکم نے معرفۃ علوم الحدیث کی "النوع التاسع والاربعین" میں ان میں سے بعض مشاہیر کے نام لکھے ہیں۔ امام ابن ماجہ نے یہاں کے جن محدثین سے حدیث کی تحصیل کی وہ یہ ہیں۔

حافظ احمد بن سنان بن اسد بن حبان القطان ابوجعفر الواسطی، صاحب مسند ہیں۔ حافظ ذہبی نے ان کو الحافظ الحجۃ لکھا ہے۔ ابوحاتم کے ان کے بارے میں یہ الفاظ ہیں ھو امام اھل زمانہ۔ بجز امام ترمذی کے سارے ارباب صحاح ستہ ان کے شاگرد تھے۔ ان کا قول ہے کہ دنیا میں ہر مبتدع کو محدثین سے بغض ہوتا ہے اور جب انسان کسی بدعت کا ارتکاب کرتا ہے تو اس کے دل سے حدیث کی حلاوت جاتی رہتی ہے۔ ۲۵۹ھ میں وفات پائی۔ رحمہ اللہ۔ (تذکرۃ الحفاظ، تہذیب التہذیب)۔

(۲) اسحق بن وہب بن زیاد العلاف ابویعقوب الواسطی المتوفی بعد ۲۵۵ھ (۳) اسمعیل بن حبان بن واقد الثقفی ابواسحاق القطان الواسطی۔ (۴) ایوب بن حسان الواسطی ابوسلیمان الدقاق۔ (۵) تمیم بن المنتصر الہاشمی مولاہم الواسطی المتوفی ۲۴۴ھ۔ (۶) الحسین بن محمد بن شنبہ الواسطی ابوعبداللہ البزار، ان سے امام ابن ماجہ نے صرف ایک حدیث "ابواب الکفارات" کے آخر میں روایت کی ہے۔ (۷) خلف بن محمد بن عیسی الخشاب القافلانی ابوالحسین بن ابی عبداللہ الواسطی المعروف بکردوس المتوفی ۲۶۲ھ۔ ان سے بھی امام ابن ماجہ نے صرف ایک حدیث ابواب الطہارات "باب الرجل یستعین علی وضوءہ فیصب علیہ" میں روایت کی ہے۔ (۸) سعید بن یحیی بن الازہر الواسطی ابوعثمان المتوفی ۲۴۳ھ (۹) سہل بن اسحق بن ابراہیم المازنی ابوہشام الواسطی، ان سے امام ابن ماجہ نے اپنی تفسیر میں روایت کی ہے

(۱۰) صالح بن الہیثم الواسطی ابو شعیب الصیرفی الطحان۔ (۱۱) عبدالحمید بن بیان ابوالحسن السکری العطار الواسطی المتوفی ۲۴۴ھ۔ (۱۲) عبداللہ بن عبدالمومن بن عثمان الارجی الواسطی الطویل۔ ان سے امام ابن ماجہ نے صرف ایک حدیث "ابواب الکفارات" میں نقل کی ہے۔ (۱۳) عمار بن خالد بن یزید الواسطی التمار ابوالفضل المتوفی ۲۶۰ھ (۱۴) محمد بن خالد بن عبداللہ الواسطی الطحان مولی النعمان بن مقرن المتوفی ۲۴۰ھ (۱۵) محمد بن شاذان الواسطی، لیکن حافظ مزی نے تصریح کی ہے کہ مجھے ان کی روایت نہ مل سکی (۱۶) محمد بن عبادہ بن البختری الواسطی۔ (۱۷) محمد بن عبدالملک بن مروان الواسطی ابو جعفر الدقیقی المتوفی ۲۶۶ھ (۱۸) محمد بن موسی بن عمران القطان ابو جعفر الواسطی۔ یہ حافظ احمد بن سنان مذکور کے پھوپھی زاد بھائی ہیں (۱۹) یحیی بن داؤد بن میمون الواسطی المتوفی ۲۴۲ھ۔

محدث ابن حبان نے کتاب الثقات میں بجز محمد بن شاذان کے ان سب محدثین کا تذکرہ لکھا ہے۔

سامرا

جس کو سر من رای اور عسکر بھی کہا جاتا ہے۔ یہ دجلہ کے مشرق میں بغداد اور تکریت کے درمیان بغداد سے تیس فرسخ پر بڑا شاندار شہر تھا جس کو خلیفہ معتصم باللہ نے اپنی فوجی ضروریات کے لئے تعمیر کیا تھا اور معتصم سے لیکر معتمد باللہ کے عہد تک خلفائے عباسیہ کا مستقر رہا ہے۔ بعد کو معتضد باللہ یہاں سے پھر بغداد میں منتقل ہو گیا۔ امام ابن ماجہ کی رحلت علمی کا زمانہ سامرا کے انتہائی عروج کا زمانہ تھا۔ امام موصوف نے یہاں کے حسب ذیل محدثین سے حدیث کی روایت کی ہے۔

حافظ احمد بن عیسی بن حسان المصری ابو عبداللہ العسکری المعروف بالتستری۔ حدیث میں عبداللہ بن وہب اور اسی طبقہ کے دیگر محدثین کے شاگرد ہیں اور ان سے امام بخاری، مسلم، نسائی اور ابن ماجہ نے حدیث کا سماع کیا ہے۔ امام نسائی ان کے بارے میں فرماتے ہیں: کان بالعسکر لیس بہ باس (یعنی یہ عسکر میں مقیم تھے اور ان میں کچھ خرابی نہیں) لیکن امام یحیی بن معین نے ان پر سخت جرح کی ہے۔ اسی طرح حافظ ابو زرعہ نے امام مسلم پر اپنی صحیح میں ان سے روایت کرنے پر بڑا اعتراض کیا ہے۔ حافظ ذہبی نے تذکرۃ الحفاظ میں ان کا ترجمہ نہیں لکھا لیکن میزان الاعتدال میں ان کا ذکر الحافظ کے وصف کے ساتھ کیا ہے اور ان الفاظ پر ان کا تذکرہ ختم کیا ہے کہ قد احتج بہ ارباب الصحاح ولم ارلہ حدیثا منکرا فاورد وہ واللہ اعلم (ان سے ارباب صحاح نے احتجاج کیا ہے اور میں نے ان کی کوئی حدیث منکر نہیں دیکھی کہ جس کو بیان کروں آگے اللہ زیادہ جانتا ہے) ان کی وفات ۲۴۳ھ میں ہوئی۔ رحمہ اللہ۔ (میزان الاعتدال، تہذیب التہذیب)۔

(۲) حفص بن عمر بن عبدالعزیز بن صہیب الازدی ابو عمر الدوری المقری الضریر الاصغر نزیل سامرا المتوفی ۲۴۶ھ۔ (۳) داؤد بن سلیمان بن حفص العسکری ابو سہل الدقاق السامری مولی بنی ہاشم المعروف بہ نبان (۴) یحیی بن یزداد العسکری ابوالصقر الوراق۔ یہ امام احمد کے اصحاب میں سے تھے۔

جرجرایا

یہ علاقہ نہروان میں واسط اور بغداد کے درمیان جانب مشرق میں ایک شہر تھا جو بعد کو ویران ہوگیا۔ یہاں کے صرف ان دو محدثوں سے امام ابن ماجہ نے روایتیں کی ہیں۔ (۱) الحسین بن عبدالرحمن ابوعلی الجرجرائی المتوفی ۲۵۳ھ۔ (۲) محمد بن الصباح بن سفیان الجرجرائی ابوجعفر التاجر مولی عمر بن عبدالعزیز المتوفی ۲۴۰ھ، موخرالذکر سے سنن ابن ماجہ میں بکثرت حدیثیں مروی ہیں۔

حدیثہ

یہ فرات کے کنارے پر انبار سے چند فرسخ پر واقع تھا۔ اور "حدیثۃ النورہ" کے نام سے مشہور تھا یہاں کے محدثین میں سوید بن سعید حدثانی بہت بڑے نامور محدث گزرے ہیں جو امام مسلم اور ابن ماجہ کے استاد تھے۔ ذہبی نے تذکرۃ الحفاظ میں ان کا ترجمہ لکھا ہے۔ یہ امام مالک سے موطا کے راوی ہیں۔ عمر طویل پائی تھی اور طلب حدیث میں بڑا سفر کیا تھا۔ اسی لئے ذہبی نے ان کو الحافظ الرحال لکھا ہے۔ اخیر عمر میں حافظہ بگڑ گیا تھا اس بنا پر بعض محدثین نے ان کی تضعیف بھی کی ہے چنانچہ ابوزرعہ کا قول ہے کہ ان کے نوشتے تو صحیح ہیں مگر جب یہ اپنے حافظہ سے کسی حدیث کو بیان کریں تو صحیح نہیں۔ ذہبی لکھتے ہیں "یہ علم کا مخزن تھے پیرانہ سالی میں بیمار رہنے کی وجہ سے حافظہ کمزور پڑ گیا اس لئے ان کی روایات میں منکر احادیث آنے لگیں یہی وجہ ہے کہ امام مسلم ان کی منکر روایات کو چھوڑ کر ان کے معتبر نوشتوں سے احادیث کی تخریج کرتے ہیں۔ سنن ابن ماجہ میں بھی ان سے بکثرت حدیثیں منقول ہیں، شوال ۲۴۰ھ میں انتقال کیا۔ رحمہ اللہ۔

باکسایا

بضم کاف، یہ نہروان کے علاقہ میں بغداد اور واسط کے درمیان ایک شہر تھا۔ یہاں کے مشہور ائمہ حدیث میں سے ابومحمد عباس بن عبداللہ بن ابی عیسی الترقفی الباکسائی ہیں۔ امام ابن ماجہ نے ان سے بھی ایک حدیث اپنی سنن میں روایت کی ہے۔ حافظ ذہبی نے اگرچہ ان کا ترجمہ تذکرۃ الحفاظ میں نہیں لکھا لیکن حافظ ابن حجر عسقلانی نے تہذیب التہذیب میں سمعانی کے حوالے سے ان کے حافظ الحدیث ہونے کی تصریح کی ہے اور علامہ یاقوت رومی نے معجم البلدان میں ان کا ترجمہ ان لفظوں میں شروع کیا ہے "احد الائمۃ الاعیان المکثرین ومن العباد المجتہدین کثیر الحدیث واسع الرحلۃ ثقۃ صدوق حافظ" انھوں نے طلب حدیث میں شام کا سفر کیا تھا۔ یہ اصل میں ترقف کے رہنے والے تھے جو واسط کے اطراف میں ایک شہر تھا۔ پھر باکسایا میں متوطن ہوگئے تھے ۲۶۷ھ میں وفات پائی۔ رحمہ اللہ۔

دمشق

جو مملکت شام کا صدر مقام اور خلفاء بنی امیہ کا پایہ تخت رہا ہے۔ شام کی سرزمین وہ مبارک سرزمین ہے جہاں ایک زمانہ میں دس ہزار ایسے نفوس قدسی موجود تھے کہ جن کی آنکھیں حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے دیدار فیض آثار سے منور ہو چکی تھیں چنانچہ حافظ ابن عساکر المتوفی ۵۷۱ھ تاریخ دمشق میں ولید بن مسلم سے جو امام اوزاعی کے نہایت نامور شاگرد تھے بسند ناقل ہیں کہ

دخلت الشام عشرة الآف عين رأت رسول الله صلى الله عليه وسلم۔ [۱]

ملک شام میں دس ہزار اصحاب ایسے داخل ہوئے کہ جنھوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے جمال مبارک کی زیارت کی تھی۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے عہد خلافت میں مسلمانان شام کی دینی تعلیم و تربیت کے لیے حضرت معاذ بن جبل اور عبادہ بن الصامت جیسے اکابر صحابہ کو بھیجا تھا چنانچہ علامہ ابن تیمیہ اپنی مشہور و معروف کتاب منہاج السنۃ النبویۃ فی نقض قول الشیعۃ والقدریۃ میں لکھتے ہیں:

فان عمر رضی الله عنه كان قد ارسل الى كل مصر من يعلمهم القرآن والسنة وارسل الى اهل الشام معاذ بن جبل و عبادة بن الصامت وغيرهما وارسل الى العراق ابن مسعود وحذيفة وغيرهما۔ [۲]

کیونکہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ہر شہر میں علماء کو روانہ کیا تھا تاکہ وہاں کے لوگوں کو قرآن و سنت کی تعلیم دیں چنانچہ اہل شام کی طرف حضرت معاذ بن جبل اور حضرت عبادۃ بن صامت (رضی اللہ عنہما) وغیرہ کو اور عراق کی طرف حضرت عبد اللہ بن مسعود اور حضرت حذیفہ (رضی اللہ عنہما) وغیرہ کو روانہ کیا تھا۔

اور اسی کتاب میں ایک دوسرے مقام پر رقمطراز ہیں:

قد علم بالاضطرار ان اكثر المسلمين بلغهم القرآن والسنة بدون نقل على فان عمر رضی الله عنه لما فتح الامصار بعث الى الشام والعراق من علماء الصحابة من علمهم وفقههم واتصل العلم من اولئك الى سائر المسلمين ولكن ما بلغه على للمسلمين اعظم ما بلغه ابن مسعود ومعاذ بن جبل وامثالهما وهذا امر معلوم۔ [۳]

یہ بات بداہتاً معلوم ہے کہ اکثر اہل اسلام کو قرآن و سنت کا علم بغیر حضرت علی رضی اللہ عنہ کے بیان کئے حاصل ہوا ہے کیونکہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے جب شہروں کو فتح کیا تو شام اور عراق کی طرف علماء صحابہ میں سے کچھ حضرات کو روانہ کیا جنھوں نے ان لوگوں کو علم سکھایا اور فقہ کی تعلیم دی اور پھر ان ہی لوگوں سے سارے مسلمانوں کو علم پہنچا اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے مسلمانوں کو جس قدر علم پہنچایا وہ اس سے زیادہ نہ تھا جتنا کہ حضرت ابن مسعود اور حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہما اور ان جیسے دیگر حضرات نے پہنچایا ہے اور یہ بات بالکل عیاں ہے۔

---

[۱] تاریخ دمشق ج ۱ ص ۳۱۳ طبع دمشق ۱۳۷۱ھ۔ [۲] کتاب مذکور ج ۴ ص ۱۳۲ طبع میریہ مصر۔ [۳] ایضاً ج ۳ ص ۲۷۲۔

فتن وملاحم کی احادیث میں اہل شام کی خصوصیت سے شہرت ہے. چنانچہ حافظ ابوالقاسم بن عساکر فرماتے ہیں:

الغالب علی اہل الشام احادیث الفتن و الملاحم۔ [۱] اہل شام کی حدیثوں میں فتن و ملاحم کی احادیث غالب ہیں۔

حافظ ابن عساکر امام شافعی سے بسند ناقل ہیں:

ان اردت الصلاۃ فعلیك باھل المدینۃ وان اردت المناسك فعلیك باھل مکۃ وان اردت الملاحم فعلیك باھل الشام والرای عن اھل الکوفۃ۔ [۲]

اگر نماز سیکھنا چاہتے ہو تو اہل مدینہ کے پاس جاؤ اور اگر مناسک حج معلوم کرنے کا ارادہ ہو تو اہل مکہ کا رخ کرو اور اگر ملاحم کی خواہش ہو تو اہل شام سے سیکھو اور رائے (یعنی فقہ) کو اہل کوفہ سے حاصل کرو۔

حافظ ذہبی لکھتے ہیں:

"دمشق بلاد شام میں سے ہے جو ایک وسیع مملکت ہے اور متعدد شہر قصبات اور دیہات پر مشتمل ہے۔ یہاں متعدد صحابہ آکر فروکش ہوئے۔ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ اور ان کے بعد خلیفہ عبدالملک اور اس کی اولاد کے زمانہ میں یہاں علم کی کثرت رہی اور تابعین اور تبع تابعین کے عہد میں فقہاء محدثین اور قراء برابر ہوتے رہے، پھر ابومسہر، مروان بن محمد الطاطری، ہشام، دحیم، سلیمان ابن بنت شرحبیل کے دور میں اور بعد کو ان کے شاگردوں کے زمانے تک یہ سلسلہ یوں ہی چلتا رہا۔"

اس کے بعد ذہبی کے الفاظ ہیں:

وھی دار قرآن وحدیث وفقہ وتناقص بھا العلم فی المائۃ الرابعۃ والخامسۃ۔

یہ قرآن، حدیث اور فقہ کا گھر ہے اور چوتھی اور پانچویں صدی میں جاکر یہاں علم کم ہوگیا۔

ائمہ مجتہدین میں سے امام اوزاعی یہیں کے رہنے والے تھے جن کی تقلید ایک عرصہ تک شام اور اندلس میں رائج رہی اور جن کے متعلق ملک المحدثین امام الجرح والتعدیل یحیی بن معین فرماتے ہیں کہ

العلماء اربعۃ الثوری وابو حنیفۃ ومالك والاوزاعی۔ [۳]

علماء چار ہیں، امام سفیان ثوری، امام ابو حنیفہ، امام مالک اور امام اوزاعی۔

امام ابن ماجہ جس زمانے میں دمشق آئے ہیں ہشام اور دحیم کا درس بڑے زور شور سے جاری تھا۔ یہ دونوں اس عہد کے نہایت نامور محدث گزرے ہیں۔ امام موصوف ان دونوں کے درس میں حاضر ہوئے اور دونوں سے بکثرت حدیثیں روایت کیں۔

حافظ دحیم عبدالرحمن بن ابراہیم بن عمرو بن میمون الاموی مولی آل عثمان ابو سعید الدمشقی القاضی المعروف بدحیم الحافظ ابن الیتیم۔ فقہ میں امام اوزاعی کے مذہب پر تھے۔ حافظ ذہبی نے تذکرۃ الحفاظ میں ان کا ذکر ان لفظوں میں شروع کیا ہے: الحافظ الفقیہ الکبیر ابو سعید

---

[۱] تاریخ دمشق ج ۱ ص ۳۴۸۔ [۲] ایضاً ج ۱ ص ۲۱۷۔ [۳] البدایہ والنہایہ از حافظ ابن کثیر ج ۱۰ ص ۱۱۶ طبع مصر

الاموی مولاھم الدمشقی الاوزاعی المذھب محدث الشام، بجز امام ترمذی کے تمام ارباب صحاح ستہ ان کے شاگرد ہیں۔ طلب حدیث میں مصر، شام، حجاز، کوفہ اور بصرہ کا سفر کیا تھا۔ محدث خلیلی، الارشاد میں ان کے بارے میں لکھتے ہیں کہ کان احد حفاظ الائمۃ متفق علیہ (یہ ان ائمہ حفاظ میں سے ایک ہیں کہ جن کے ثقہ ہونے پر اتفاق عام ہے)۔ حسن بن علی بن بکر کا بیان ہے کہ ۲۱۲ھ میں جب یہ بغداد آئے تو میں نے اپنے والد بزرگوار اور امام احمد و یحیی بن معین اور خلف بن سالم کو ان کے سامنے اس طرح باادب بیٹھے دیکھا کہ جیسے بچے بیٹھے ہوں۔ امام ابوداؤد کہتے ہیں کہ دمشق میں اپنے زمانے میں ان کی نظیر نہ تھی۔ پہلے اردن میں اور پھر فلسطین میں عرصہ تک عہدۂ قضا پر مامور رہے بعد کو مصر میں قاضی القضاۃ کے منصب پر ان کی طلبی ہوئی تھی کہ پیام اجل آگیا اور ۱۷ رمضان المبارک ۲۴۵ھ کو بمقام فلسطین انتقال فرمایا، سن ولادت ۱۷۰ھ ہے، رحمہ اللہ۔ (تذکرۃ الحفاظ، تہذیب التہذیب)۔

شیخ الاسلام ہشام بن عمار ابوالولید السلمی حافظ ذہبی نے ان کا ترجمہ ان لفظوں سے شروع کیا ہے العلامۃ شیخ الاسلام ابوالولید السلمی الدمشقی خطیب دمشق و مقریھا و محدثھا و مفتیھا۔ امام بخاری، ابوداؤد، نسائی اور ابن ماجہ سب ان کے شاگرد ہیں، ابوزرعہ رازی کہا کرتے تھے کہ جس نے ہشام بن عمار کی شاگردی نہ کی اسے دس ہزار حدیثیں نازل اسناد سے روایت کرنی پڑیں گی۔ ابن معین وغیرہ نے ان کی توثیق کی ہے۔ ہشام حدیث شریف کے درس پر اجرت لیا کرتے تھے اور ہر دو ورق پر ایک درم مقرر کر رکھا تھا۔ نیز ان کی بعض روایات میں منکر حدیثیں بھی آگئی ہیں ان وجوہ سے بعض محدثین نے جن میں امام احمد اور ابوداؤد بھی شامل ہیں ان پر جرح کی ہے لیکن حافظ ذہبی، میزان الاعتدال میں لکھتے ہیں کہ ولہ جلالۃ فی الاسلام وما زال العلماء الاقران یتکلم بعضھم فی بعض بحسب اجتہادھم وکل احد یوخذ من قولہ ویترک الا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم (ان کو اسلام میں جلالتِ شان حاصل ہے اور علماء معاصرین ہمیشہ سے ایک دوسرے پر اپنے اجتہاد کے موافق کلام کرتے چلے آئے ہیں۔ اور بجز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی کے ہر شخص ایسا ہے کہ اس کی کوئی بات لی جاتی ہے اور کوئی چھوڑ دی جاتی ہے) ہشام، دمشق کی جامع مسجد کے خطیب تھے۔ ان کا بیان ہے کہ میں نے بیس سال سے کسی خطبہ کو دوبارہ نہیں پڑھا۔ ایک بار خطبہ میں کہنے لگے قولوا الحق ینزلکم الحق منازل اھل الحق یوم لا یقضی الا بالحق (حق کہا کرو حق تعالی تمہیں اہل حق کے مقامات میں اس روز جگہ دے گا جس روز حق کے سوا اور کچھ فیصلہ نہ کیا جائے گا۔) ۱۵۳ھ میں پیدا ہوئے اور ۲۴۵ھ میں وفات پائی۔ رحمہ اللہ۔ صحیح بخاری میں ان سے چار حدیثیں مروی ہیں۔ (تذکرۃ الحفاظ، میزان الاعتدال تہذیب التہذیب)۔

دمشق میں ان دونوں حضرات کے علاوہ امام ابن ماجہ نے دیگر جن محدثین سے علم حدیث کو اخذ کیا

لے امام ابوحاتم رازی نے اس کی وجہ یہ بتائی ہے کہ اخیر عمر میں ان کا حافظہ بگڑ گیا تھا اور جس طرح لوگ انہیں تلقین کرتے یہ یاد کر لیتے تھے لیکن اس سے پہلے یہ بڑے صحیح الروایہ تھے۔

وہ یہ ہیں (۱) احمد بن عبداللہ بن میمون التغلبی ابوالحسن بن ابی الحواری الدمشقی الغطفانی الزاہد کوفی الاصل المتوفی سنہ ۲۴۶ھ۔ (۲) اسمعیل بن عبداللہ بن خالد القرشی العبدری ابوعبداللہ المعروف بالسکری قاضی دمشق المتوفی بعد سنہ ۲۴۰ھ۔ (۳) عباس بن عثمان بن محمد البجلی ابوالفضل الدمشقی الراہبی المعلم المتوفی سنہ ۲۳۹ھ (۴) عباس بن الولید بن صبح الخلال السلمی ابوالفضل الدمشقی المتوفی سنہ ۲۴۸ھ۔ (۵) عبداللہ بن احمد بن بشیر بن ذکوان البہرانی ابوعمرو الدمشقی المقری امام الجامع المتوفی سنہ ۲۴۲ ہجری۔ (۶) عثمان بن اسمعیل بن عمران الہذلی ابومحمد الدمشقی۔ (۷) عمرو بن الضحاک بن مخلد المتوفی سنہ ۲۴۲ھ یہ ابوعاصم النبیل کے صاحبزادے ہیں۔ (۸) غیاث بن جعفر الشامی الرحبی۔ (۹) محمد بن ابراہیم بن العلاء الشامی الدمشقی ابوعبداللہ الزاہد مولے خبیط نزیل عبادان۔ (۱۰) محمد بن عبدالرحمن بن الحسن الجعفی ابوبکر الکوفی نزیل دمشق المتوفی سنہ ۲۳۶ھ (۱۱) محمود بن خالد بن ابی خالد یزید السلمی ابوعلی الدمشقی المتوفی سنہ ۲۳۹ھ (۱۲) ہشام بن خالد بن یزید الازرق ابومروان الدمشقی السلامی المتوفی سنہ ۲۴۹ھ۔

حافظ ابن حبان نے کتاب الثقات میں (باستثناء عثمان ومحمد بن ابراہیم) ان سب محدثین کا تذکرہ لکھا ہے۔

حمص

ملک شام کا نہایت مشہور اور قدیم ترین شہر ہے۔ حافظ ذہبی لکھتے ہیں:

"حمص میں صحابہ کی ایک خلقت آکر اتری، تابعین کے عہد میں یہاں حدیث کی خوب نشر و اشاعت ہوئی جو حریز بن عثمان، شعیب بن ابی حمزہ اور ان کے بعد اسمعیل بن عیاش، بقیہ ابوالمغیرہ اور ابوالیمان اور پھر ان کے شاگردوں کے دور تک قائم رہی پھر چوتھی صدی میں گھٹ کر کچھ نہ رہی اور بعد میں بالکلیہ معدوم ہوگئی۔"

امام ابن ماجہ نے یہاں کے جن اساتذہ فن سے اس علم کو حاصل کیا وہ یہ ہیں:

حافظ عمرو بن عثمان بن سعید بن کثیر الحمصی۔ حافظ ذہبی نے ان کا تذکرہ ان لفظوں سے شروع کیا ہے "الحافظ الثقۃ محدث حمص" امام ابوداؤد، نسائی، اور ابن ماجہ ان کے شاگرد ہیں۔ ذہبی لکھتے ہیں کہ "یہ ان لوگوں میں سے ہیں جن کو علم و اتقان کے ساتھ علو اسناد بھی حاصل تھا اور اسی طرح ان کے بھائی یحییٰ بن عثمان بھی ثقہ اور عالی اسناد تھے، ۲۵۰ھ میں انتقال کیا رحمہ اللہ (تذکرۃ الحفاظ)۔

حافظ محمد بن مصفی بن بہلول القرشی ابوعبداللہ الحمصی، امام ابوداؤد، نسائی، اور ابن ماجہ ان کے شاگرد ہیں۔ حافظ ذہبی نے تذکرۃ الحفاظ میں ان کا ترجمہ نہیں لکھا مگر حافظ جمال الدین مزی نے تہذیب الکمال میں ان کے حافظ ہونے کی تصریح کی ہے۔ اور حافظ ذہبی میزان الاعتدال میں ان کے متعلق لکھتے ہیں، "کان ابن مصفی ثقۃ صاحب سنۃ من علماء الحدیث الامام ابن ماجہ

نے اپنی سنن میں ان سے بکثرت روایتیں کی ہیں۔ ۲۶۱ھ میں انتقال ہوا۔ رحمہ اللہ (میزان الاعتدال، تہذیب التہذیب)۔

(۳) حافظ ابو التقی ہشام بن عبدالملک الیزنی الحمصی۔ حافظ ذہبی نے تذکرۃ الحفاظ میں ان کو الحافظ المجود اور محدث حمص لکھا ہے۔ ابو حاتم نے ان کے متعلق تصریح کی ہے کان متقناً فی الحدیث۔ امام ابوداؤد، نسائی اور ابن ماجہ ان کے شاگرد ہیں، ۲۵۱ھ میں انتقال ہوا۔ رحمہ اللہ (تذکرۃ الحفاظ)

ان حفاظ کے علاوہ بقیہ شیوخ کے اسمار گرامی حسب ذیل ہیں:

(۱) عبدالوہاب بن الضحاک بن ابان السلمی العرضی ابو الحارث الحمصی المتوفی ۲۴۵ھ۔ (۲) کثیر بن عبید بن نمیر المذحجی ابو الحسن الحمصی الحذار المقری امام جامع حمص المتوفی ۲۵۰ھ ان کے متعلق بیان کیا جاتا ہے کہ ساٹھ برس تک انھوں نے حمص کی جامع مسجد میں امامت کی مگر کبھی سجدہ سہو کی ضرورت پیش نہ آئی اور جب ان سے اس کی بابت دریافت کیا گیا تو فرمانے لگے کہ میں نے کبھی مسجد کے دروازہ میں اس حال میں قدم نہیں رکھا کہ میرے دل میں غیر اللہ کا خیال موجود ہو۔ (۳) نصر بن محمد بن سلیمان بن ابی ضمرہ ابو القاسم السلمی الحمصی۔ (۴) یحییٰ بن عثمان بن سعید بن کثیر بن دینار القرشی ابو سلیمان الحمصی المتوفی ۲۵۵ھ یہ حافظ عمرو بن عثمان مذکور کے بھائی ہیں۔

حافظ ابن حبان نے بجز عبدالوہاب کے ان سب کا تذکرہ کتاب الثقات میں لکھا ہے:-

عسقلان

فلسطین کے اطراف میں شام کا مشہور ساحلی شہر جو "عروس الشام" کہلاتا تھا۔ علامہ یاقوت حموی، معجم البلدان میں لکھتے ہیں کہ

"یہاں صحابہ اور تابعین کی ایک جماعت آکر فروکش ہوئی اور ایک خلق کثیر نے یہاں درس حدیث دیا"

عسقلان ۵۸۳ھ تک بڑا با رونق شہر تھا پھر صلیبی جنگوں کی نذر ہو کر تباہ و برباد ہو گیا۔ امام ابن ماجہ نے یہاں کے صرف دو محدثوں سے اپنی سنن میں حدیثیں روایت کی ہیں جن کے نام یہ ہیں۔

(۱) حسین بن ابی السری متوکل بن عبدالرحمٰن بن حسان الہاشمی مولاہم العسقلانی المتوفی ۲۴۰ھ

(۲) محمد بن خلف بن عمار العسقلانی المتوفی ۲۶۰ھ۔

رملہ

بیت المقدس سے اٹھارہ میل پر شام کا ایک بڑا شہر تھا۔ یہاں کے جن محدثین سے امام ابن ماجہ نے حدیثیں روایت کیں وہ یہ ہیں (۱) راشد بن سعید بن راشد القرشی ابو بکر الرملی المتوفی بعد ۲۴۳ھ (۲) عیسیٰ بن محمد بن اسحاق ابو عمیر بن النحاس الرملی المتوفی ۲۵۶ھ۔ (۳) عیسیٰ بن یونس بن ابان الجزار ابو موسیٰ الرملی المتوفی ۲۶۱ھ۔

ایلہ

اس کا شمار بھی بلادِ شام میں ہے۔ یہ ساحلِ بحرِ قلزم پر جہاں حجاز کی سرحد ختم ہوکر شام کی سرحد شروع ہوتی ہے واقع تھا۔ یہاں کے محدثین میں امام ابن ماجہ نے صرف (۱) اسحٰق بن اسمٰعیل بن عبد الاعلیٰ المتوفی ۲۵۸ھ اور (۲) محمد بن عزیز بن عبد اللہ بن زیاد الدیلی ابو عبد اللہ العقیلی مولیٰ بنی امیہ المتوفی ۲۶۷ھ سے حدیثیں روایت کی ہیں۔

بیت المقدس

شام کا مشہور و معروف شہر جس کو بہت سے انبیاء کا موطن و مدفن ہونے کا فخر حاصل ہے۔ حافظ ذہبی لکھتے ہیں:

"بیت المقدس میں حضرت عبادۃ بن الصامت، شداد بن اوس رضی اللہ عنہما اور دیگر صحابہ کی ایک جماعت آکر فروکش ہوئی اور وہاں اگرچہ علم کی چنداں کثرت نہ ہوئی تاہم اس کا سلسلہ برابر جاری رہا جو بعد کو جاکر بالکل کم ہوگیا اور پھر نوے سال تک نصاریٰ کے زیرنگین رہنے کے بعد آخر ان سے اس شہر کو واپس لے لیا گیا"

علامہ یاقوت حموی، معجم البلدان میں لکھتے ہیں کہ ھی قلیلۃ العلماء (اس شہر میں علماء کم ہوئے ہیں) امام ابن ماجہ نے یہاں کے صرف ایک شیخ سے جن کا نام ابراہیم بن محمد بن یوسف ہے اپنی سنن میں روایت کی ہے۔ ابراہیم بھی یہاں کے باشندہ نہیں بلکہ نزیل تھے۔ یہ اصل میں فریاب کے رہنے والے تھے جو ترکستان میں واقع ہے۔

بالس

ملک شام میں حلب اور رقہ کے مابین واقع تھا، یہاں کے شیوخ میں امام ابن ماجہ نے صرف اسمٰعیل بن ابراہیم البالسی المتوفی ۲۳۲ھ سے اپنی سنن میں روایت کی ہے۔

مصر

جہاں تین سو صحابہ کرام (رضوان اللہ علیہم اجمعین) کے مبارک قدم آئے۔ چنانچہ حافظ جلال الدین سیوطی نے الدر السحابہ فی من دخل مصر من الصحابہ میں ان سب کا تذکرہ لکھا ہے[1]۔ حافظ ذہبی فرماتے ہیں۔

---

[1] حافظ سیوطی نے اس رسالہ کو اپنی مشہور تصنیف حسن المحاضرہ فی اخبار مصر والقاہرہ میں بہ تمام و کمال نقل کردیا ہے۔ حسن المحاضرہ، مصر میں بار ہا طبع ہوچکی ہے۔

مصر ایک عظیم شہر اور وسیع اقلیم ہے جو اضلاع شرقی و غربی اور صعید اعلیٰ و صعید ادنیٰ پر مشتمل ہے اس کو حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں فتح کیا تھا، صحابہ کرام کی ایک خلقت یہاں آکر سکونت گزیں ہوئی اور تابعین کے زمانہ میں یہاں علم کی کثرت رہی۔ پھر عمرو بن الحارث، یحییٰ بن ایوب، حیوۃ بن شریح، لیث بن سعد، ابن لہیعہ کے دور میں اور زیادتی ہوئی جو ابن وہب، شافعی، ابن القاسم اور ان کے تلامذہ کے زمانے تک باقی رہی۔"

اس کے بعد ہی لکھتے ہیں:

وما زال بها علم جم الى ان ضعف ذلك باستيلاء العبيديين الرافضة عليها سنة ٣٥٨ ثمان وخمسين وثلثمائة۔	اور یہاں برابر خوب علم رہا تا آنکہ ۳۵۸ھ میں عبیدی رافضیوں کے استیلاء کی بنا پر اس میں ضعف آگیا۔

امام شافعی کا مذہب جدید جس کے راوی مزنی، ربیع جیزی، ربیع مرادی، بویطی، حرملہ اور یونس بن عبد الاعلیٰ ہیں اس کی تدوین یہیں ہوئی[۲] ائمہ مجتہدین میں سے امام لیث بن سعد

---

[۱] یاقوت رومی، معجم البلدان میں لکھتے ہیں:

"مصر میں صعید ایک بڑے وسیع و عریض علاقہ کا نام ہے جس میں کئی بڑے بڑے شہر آباد ہیں جن میں اسوان (جو اس کی جنوبی سرحد کا سب سے پہلا شہر ہے) قوص، قفط، اخمیم اور بہنسا وغیرہ داخل ہیں۔ صعید تین ضلعوں پر منقسم ہے، پہلا صعید اعلیٰ جس کی حدود اسوان سے شروع ہو کر اخمیم کے قریب ختم ہوتی ہیں، دوسرا ضلع اخمیم سے لیکر بہنسا تک ہے اور تیسرا صعید ادنیٰ جو بہنسا سے فسطاط کے قریب تک ہے۔"

[۲] الاعلان بالتوبیخ لمن ذم التاریخ ص ۱۳۹۔ [۳] امام لیث بن سعد کو اکثر اہل علم نے علماء حنفیہ میں شمار کیا ہے چنانچہ قاضی ابن خلکان نے وفیات الاعیان میں اور شیخ الاسلام زکریا انصاری نے شرح بخاری میں ان کے حنفی ہونے کی تصریح کی ہے، امام لیث، امام اعظم کے شاگرد ہیں۔ ان کا معمول تھا کہ اکثر حج کے موقع پر امام ابو حنیفہ کی خدمت میں استفادہ کی غرض سے حاضر ہوتے اور فقہ کی تحصیل کرتے۔ چنانچہ اسی سلسلہ کا ایک واقعہ امام ابو محمد حارثی بسند ذیل فقیہ مصر عبد الرحمن بن القاسم کی زبانی نقل کرتے ہیں کہ

حدثنا العباس بن عزيز القطان حدثني زكريا الاشقر الاسكندري اني سمعت عبد الرحمن بن القاسم سمعت الليث بن سعد قال بلغني ان ابا حنيفة يريد الحج فخرجت اليه قاصدا فلقيته بمكة فسالته عن مسائل كثيرة في ابواب متفرقة وسالته عن مسائل الجنايات وعن قتل الخطاء وشبه العمد۔ (مناقب الامام الاعظم از صدر الائمہ مکی۔ ج ۲ ص ۱۵۳ و ۱۵۴)	میں نے لیث بن سعد سے سنا فرماتے تھے مجھے اطلاع ملی کہ امام ابو حنیفہ حج کا ارادہ رکھتے ہیں میں بھی امام صاحب سے استفادہ کے خیال سے حج کے لئے چل پڑا آخر مکہ مکرمہ میں میری ان سے ملاقات ہوئی اور میں نے ان سے مختلف ابواب کے بہت سے مسائل دریافت کئے نیز جنایات قتل خطا اور شبہ عمد کے مسائل بھی پوچھے۔

(باقی بر صفحہ آئندہ)

یہیں کے رہنے والے تھے جن کے متعلق امام شافعی فرماتے ہیں:

الليث افقه من مالك ضيعه اصحابه. لـه
لیث، امام مالک سے زیادہ فقیہ تھے پر ان کے تلامذہ نے انھیں ضائع کر دیا۔

حافظ ابن حجر عسقلانی لکھتے ہیں کہ ضائع کر دینے سے امام شافعی کا مطلب یہ ہے کہ "جس طرح امام مالک وغیرہ کی فقہ کی ان کے شاگردوں نے تدوین کی امام لیث کے شاگردوں نے نہ کی۔" صدر الائمہ موفق بن احمد مکی نے مناقب الامام الاعظم میں امام شافعی سے یہ بھی نقل کیا ہے کہ "مجھے کسی شخص کے متعلق ایسی حسرت نہیں جیسی کہ لیث بن سعد کے متعلق ہے کیونکہ میں نے ان کا زمانہ پایا اور پھر بھی ان کی زیارت نہ کر سکا جس کی حسرت دل میں باقی رہ گئی" ؎

امام ابن ماجہ نے مصر کے جن حفاظ سے علم حدیث حاصل کیا وہ حسب ذیل ہیں:-

حافظ ابن السرح احمد بن عمرو بن عبد اللہ بن عمرو بن السرح الاموی مولاہم ابو الطاہر المصری۔ یہ حافظ حدیث ہونے کے ساتھ فقیہ بھی تھے۔ موطا کی شرح بھی تصنیف کی تھی۔ امام مسلم، ابو داؤد

(بقیہ حاشیہ از صفحہ گزشتہ) امام حارثی نے ابن القاسم کی زبانی اگلے سال بھی امام لیث کا امام صاحب کی خدمت میں حج کے سلسلہ میں آنا اور ان سے استفادہ کرنا نقل کیا ہے۔

اور مفتی حجاز علامہ ابن حجر مکی شافعی شارح مشکوٰۃ، الخیرات الحسان فی مناقب الامام الاعظم النعمان میں امام ابو حنیفہ کے فضائل کے سلسلہ میں لکھتے ہیں۔

وتلمذ له كبار من المشائخ الائمة المجتهدين والعلماء الراسخين كالامام الجليل المجمع على جلالته وبراعته وتقدمه وزهده عبد الله بن المبارك وكالامام الليث بن سعد وكالامام مالك بن انس، وناهيك بهولاء الائمة۔
(ص ۹ طبع مصر ۱۳۲۶ھ)

مشائخ ائمہ مجتہدین اور علماء راسخین میں سے بڑے بڑے لوگوں نے امام اعظم کی شاگردی اختیار کی جیسے کہ امام عبد اللہ بن مبارک کہ جن کی جلالت و کمال اور برتری و زہد پر اتفاق عام ہے اور جیسے امام لیث بن سعد اور امام مالک بن انس کہ (امام صاحب کی عظمت شان کو سمجھنے کے لئے) یہی ائمہ کافی ہیں۔

امام لیث نے امام ابو حنیفہ کی بعض احادیث امام ابو یوسف کے واسطہ سے بھی روایت کی ہیں۔ چنانچہ امام طحاوی معانی الآثار میں راوی ہیں، حدثنا احمد بن عبد الرحمن قال حدثنا عمی عبد الله بن وهب قال اخبرني الليث عن يعقوب عن النعمان عن موسى بن ابي عائشة عن عبد الله بن شداد عن جابر بن عبد الله ان النبي صلى الله عليه وسلم قال من كان له امام فقراءة الامام له قراءة (ج ۱ ص ۱۲۸ - طبع مصطفائی) اس حدیث کو حاکم نے بھی معرفۃ علوم الحدیث (ص ۷۸) میں روایت کیا ہے۔ اس سند کی ایک خاص خصوصیت یہ ہے کہ اس میں چار ائمہ فقہاء مجتہدین جمع ہو گئے ہیں۔ (۱) امام عبد اللہ بن وہب۔ (۲) امام لیث بن سعد۔ (۳) امام ابو یوسف یعقوب۔ (۴) امام اعظم ابو حنیفہ نعمان۔ ائمہ مجتہدین کا ایسا اجتماع شاذ و نادر کسی اسناد میں ہوتا ہے۔

(حاشیہ صفحہ ہذا) لـه الرحمۃ الغیثیہ فی الترجمۃ اللیثیہ از حافظ ابن حجر عسقلانی ص ۶ طبع میریہ ۱۳۰۱ھ
لـه ایضاً ص ۹۔ سـه مناقب صدر الائمہ ج ۲ ص ۱۵۴۔

نسائی اور ابن ماجہ ان کے شاگرد ہیں۔ امام ابن ماجہ نے ان سے بکثرت حدیثیں روایت کی ہیں۔ ذہبی لکھتے ہیں کان من کبار العلماء ابن یونس کہتے ہیں کان فقیہا من الصالحین الاثبات۔ ذیقعدہ ۲۵۰ھ میں وفات پائی۔ رحمہ اللہ۔ (تذکرۃ الحفاظ، تہذیب التہذیب)۔

فقیہ حرملہ: ذہبی نے تذکرۃ الحفاظ میں ان کا ترجمہ ان لفظوں سے شروع کیا ہے حرملۃ بن یحیی الحافظ العلامۃ ابو حفص التجیبی مولاھم المصری الفقیہ صاحب الشافعی، انھوں نے عبداللہ بن وہب سے ایک لاکھ کے قریب احادیث روایت کی ہیں۔ امام مسلم اور ابن ماجہ ان کے شاگرد ہیں۔ ابن عدی کا بیان ہے کہ میں نے ان کی حدیثوں کی بڑی چھان بین کی مگر ان کی حدیث میں کوئی ایسی بات نہیں پائی کہ جس کی بنا پر تضعیف کی جا سکے۔ علامہ تاج الدین سبکی لکھتے ہیں: کان اماما جلیلا رفیع الشان ۱۶۶ھ میں پیدا ہوئے اور ۲۴۳ھ میں وفات پائی۔ رحمہ اللہ۔ سنن ابن ماجہ میں ان سے بکثرت روایتیں منقول ہیں۔ (تذکرۃ الحفاظ، طبقات الشافعیہ الکبری)

محدث مصر ربیع مرادی: حافظ ذہبی ان کا ذکر اس طرح کرتے ہیں الحافظ الامام محدث الدیار المصریۃ ابو محمد الربیع بن سلیمان بن عبدالجبار بن کامل مولی بنی مراد المؤذن صاحب الشافعی وناقل علمہ، ۱۷۴ھ میں پیدا ہوئے۔ فسطاط کی جامع مسجد کے جو جامع عمرو بن العاص کہلاتی ہے موذن تھے۔ امام شافعی کے مخصوص تلامذہ میں سے ہیں اور علماء شافعیہ کے یہاں اس درجہ معتمد علیہ ہیں کہ اگر امام شافعی سے کسی مسئلہ فقہی کے نقل کرنے میں ان کے اور مزنی کے درمیان اختلاف ہو جائے تو باوجود مزنی کی جلالت شان کے ان ہی کی روایت کو ترجیح ہوگی امام شافعی کو ان سے اس درجہ محبت تھی کہ ایک بار ان سے فرمانے لگے۔ ربیع اگر علم کھلایا جا سکتا تو میں تمہیں اسے کھلا دیتا۔ قفال نے اپنے فتاوی میں لکھا ہے کہ ربیع نہایت کند ذہن تھے ایک بار امام شافعی نے ایک مسئلہ کو ان کے سامنے چالیس بار دہرایا مگر یہ نہ سمجھ سکے۔ آخر شرم کے مارے مجلس سے اٹھ کر چلے گئے لیکن امام شافعی نے انھیں خلوت میں بلا کر اس مسئلہ کو ان کے سامنے یہانتک دہرایا کہ آخر ان کی سمجھ میں آگیا۔ یہ امام شافعی کی تصنیفات کے سب سے بڑے ناقل ہیں۔ حدیث میں امام ابوداؤد نسائی اور ابن ماجہ ان کے شاگرد ہیں۔ ربیع کا بیان ہے کہ ابن وہب کے بعد مصر میں جس محدث نے بھی حدیث کا درس دیا میں اس کا مستملی رہا۔ خلیلی نے الارشاد میں ان کے متعلق تصریح کی ہے کہ "یہ متفق علیہ ثقہ ہیں"۔ دوشنبہ کے دن بتاریخ ۲۰ شوال ۲۷۰ھ کو انتقال فرمایا۔ رحمہ اللہ۔ (تذکرۃ الحفاظ، تہذیب التہذیب)۔

حافظ محمد بن رمح بن المہاجر بن محرر بن سالم التجیبی مولاہم ابو عبداللہ المصری، حافظ جمال الدین مزی نے تہذیب الکمال میں ان کو حافظ الحدیث لکھا ہے لیکن ذہبی نے ان کا ترجمہ تذکرۃ الحفاظ میں نہیں لکھا۔ حدیث میں امام مسلم اور ابن ماجہ ان کے شاگرد ہیں۔ امام نسائی کا بیان ہے کہ ان سے ایک حدیث میں بھی غلطی نہیں ہوئی۔ ابن یونس کے ان کے بارے میں یہ الفاظ ہیں ثقہ ثبت

فی الحدیث۔ حافظ سمعانی نے کتاب الانساب میں لکھا ہے کہ امام بخاری نے بھی ان سے روایت کی ہے صحیح مسلم میں ان کی روایت سے ایک سو اکسٹھ حدیثیں منقول ہیں، اور سنن ابن ماجہ میں بھی ان سے بکثرت احادیث درج ہیں۔ ۲۴۰ھ یا ۲۴۱ھ میں وفات پائی۔ رحمہ اللہ۔ (تہذیب التہذیب)۔

حافظ یحیٰی بن عثمان بن صالح القرشی السہمی مولاہم ابوزکریا المصری، ابن یونس نے ان کے بارے میں تصریح کی ہے کہ کان حافظا للحدیث، مگر ذہبی نے تذکرۃ الحفاظ میں ان کا ترجمہ نہیں لکھا ہے ہاں میزان الاعتدال میں ان کے متعلق اپنی رائے کا اظہار ان لفظوں میں کیا ہے ھو صدوق ان شاء اللہ۔ ذیقعدہ ۲۸۲ھ میں انتقال کیا۔ رحمہ اللہ۔ (میزان الاعتدال، تہذیب التہذیب)۔

حافظ یونس بن عبدالاعلیٰ۔ ابوموسیٰ الصدفی المصری۔ ذہبی نے ان کا ذکر ان شاندار الفاظ میں کیا ہے عالم الدیار المصریۃ الامام .... الحافظ المقری الفقیہ۔ ماہ ذی الحجہ ۱۷۰ھ میں پیدا ہوئے۔ قرآن پاک کی قرارت ورش وغیرہ کے پاس کی اور فقہ کی تعلیم امام شافعی سے حاصل کی۔ حدیث میں امام مسلم، نسائی اور ابن ماجہ کو آپ سے تلمذ حاصل ہے۔ امام شافعی کا بیان ہے کہ مصر میں ان سے زیادہ عاقل میری نظروں سے نہیں گزرا۔ یحیٰی بن حسان کہتے ہیں کہ یہ اسلام کے ارکان میں سے ایک رکن تھے، ۲ ربیع الآخر ۲۶۴ھ کو وفات پائی۔ ذہبی نے تذکرۃ الحفاظ میں تصریح کی ہے کہ سنن ابن ماجہ میں ان سے جو حدیث بروایت امام شافعی منقول ہے اور جس کے آخر میں لا مھدی الا عیسیٰ بن مریم کے الفاظ مذکور ہیں منکر ہے۔ (تذکرۃ الحفاظ)۔

مصر کے بقیہ محدثین جن سے امام ابن ماجہ نے اپنی سنن میں حدیثیں نقل کی ہیں یہ ہیں۔

(۱) عبداللہ بن محمد بن رمح بن المہاجر التجیبی ابوسعید المصری المتوفی ۲۵۵ھ۔ سنن ابن ماجہ میں ان سے دو حدیثیں مروی ہیں ایک 'صلوۃ الضحیٰ' کے متعلق اور دوسری لاعقل کالتدبیر۔ (۲) عمرو بن سواد بن الاسود العامری السرحی ابو محمد المصری المتوفی ۲۴۵ھ (۳) عیسیٰ بن حماد التجیبی ابوموسیٰ المصری المتوفی ۲۴۸ھ (۴) محمد بن الحارث بن راشد بن طارق الاموی عمر بن عبدالعزیز ابو عبداللہ موذن جامع مصر معروف بہ صدرہ المتوفی ۲۴۱ھ (۵) محمد بن سلمہ بن عبداللہ بن ابی فاطمہ المرادی الجملی مولاھم بنو الحارث المصری الفقیہ المتوفی ۲۴۸ھ۔ (۶) ہارون بن سعید بن الہیثم التمیمی الایلی السعدی مولاہم ابوجعفر نزیل مصر المتوفی ۲۵۳ھ

تنیس

یہ فرما اور دمیاط کے درمیان ساحل کے قریب بحر مصر میں ایک چھوٹا سا جزیرہ ہے یہاں بھی اس زمانہ میں علم حدیث کا چرچا رہا ہے۔ چنانچہ یاقوت رومی نے معجم البلدان میں یوسف بن صبیح سے نقل کیا ہے کہ انھوں نے یہاں پانچ سو طالب علموں کو دیکھا تھا جو قلم دوات لئے حدیث کی کتابت میں مصروف تھے۔

یہاں کے محدثین میں امام ابن ماجہ نے صرف جعفر بن مسافر بن راشد ابوصالح التنیسی الہذلی مولاہم سے اپنی

سنن میں حدیثیں روایت کی ہیں، ابن حبان نے کتاب الثقات میں ان کا ترجمہ لکھا ہے۔ جعفر نے محرم ۲۵۲ھ میں وفات پائی۔

رقہ

یہ جزیرہ[1] کا مشہور شہر ہے جو فرات کی شرقی جانب حران سے صرف تین دن کی مسافت پر واقع ہے ۱۸۰ہجری میں خلیفہ ہارون الرشید نے اپنا پایہ تخت یہیں منتقل کر لیا تھا۔ امام محمد نے اپنی تصنیف **الرقیات** کی املا یہیں کرائی تھی۔ اس کتاب میں وہ مسائل مذکور ہیں جو امام موصوف نے رقہ میں اپنی مدت قضا[2] کے دوران میں استنباط کئے تھے۔ امام موصوف سے اس کتاب کے راوی آپ کے مشہور شاگرد حافظ محمد بن سماعہ ہیں۔ حافظ ذہبی لکھتے ہیں۔

"جزیرہ کا سب سے بڑا شہر موصل (بروزن مَجْلِس) ہے اور بالس اور رہا کہ جہاں سے محدثین کی ایک جماعت نکلی، اور حران، اور رقہ وغیرہ کہ جہاں حفاظ حدیث اور ائمہ پیدا ہوئے، بعد کو وہاں علم میں کمی آ گئی اور پھر اس کی بساط ہی الٹ گئی۔"

امام ابن ماجہ نے رقہ کے جن محدثین سے اس فن میں استفادہ کیا وہ یہ ہیں:۔

حافظ ابو یوسف صیدلانی محمد بن احمد بن محمد بن الحجاج بن میسرۃ القرشی الکریزی مولاہم

الجزری الرقی، ان کو صیدنانی بھی کہا جاتا ہے۔ امام نسائی اور ابن ماجہ کو فن حدیث میں ان سے تلمذ حاصل ہے حافظ ذہبی نے تذکرۃ الحفاظ میں ان کا ترجمہ نہیں لکھا، لیکن حافظ جمال الدین مزی نے ان کو حافظ المحدث

---

[1] دجلہ اور فرات کے درمیان دوآبہ کا علاقہ جزیرہ کہلاتا ہے۔ [2] یہ صاحبین (یعنی امام ابو یوسف اور امام محمد) کے مشہور تلامذہ میں سے اور ان سے امالی اور نوادر کے راوی ہیں۔ حدیث کا علم امام ابو یوسف، امام محمد، امام لیث بن سعد، معلی بن خالد رازی اور مسیب بن شریک سے حاصل کیا تھا۔ علامہ صفی الدین خزرجی نے خلاصہ تذہیب تہذیب الکمال میں ان کا ذکر ان لفظوں میں کیا ہے "محمد بن سماعۃ بن عبید اللہ بن هلال التمیمی ابو عبد اللہ الکوفی من اهل الرای والحفاظ الاثبات المصنفین تفقه بابی یوسف ومحمد" اور حافظ ابن حجر عسقلانی نے ... تہذیب التہذیب میں محدث صیمری سے ان کے متعلق یہ الفاظ نقل کئے ہیں "وهو من الحفاظ الثقات" ۱۹۲ھ میں بغداد کے قاضی بنائے گئے اور ایک مدت تک اس خدمت کو انجام دیتے رہے بعد کو ضعف بصر کی بنا پر مستعفی ہو گئے۔ محدث خطیب بغدادی نے اپنی تاریخ میں بہ سند ان سے نقل کیا ہے کہ فرماتے تھے چالیس سال تک کبھی میری تکبیر تحریمہ فوت نہیں ہوئی۔ البتہ جس روز والدہ کا انتقال ہوا تو ایک وقت کی نماز جماعت سے ادا نہ کر سکا اور پھر پچیس[عـه] دفعہ اس نماز کو پڑھا تاکہ اجر بڑھ جائے اسی اثنا میں غنودگی آ گئی اور کسی نے خواب میں آکر کہا کہ پچیس نمازیں تو پڑھ ڈالیں مگر فرشتوں[عـه] کی آمین کا کیا کرو گے۔ ۲۳۳ھ میں وفات پائی۔ رحمہ اللہ (تہذیب التہذیب، خلاصہ تذہیب)

عـه حدیث میں آتا ہے کہ جماعت کی نماز کا ثواب پچیس گنا ملتا ہے۔ عـه حدیث میں آتا ہے کہ امام جب ولا الضالین کہہ چکے تو تم آمین کہو کیونکہ اس وقت فرشتے بھی آمین کہتے ہیں اور جس کی آمین فرشتوں کی آمین کے ساتھ ہوتی ہے اس کے اگلے گناہ معاف ہو جاتے ہیں۔

لکھا ہے اور ابو علی نیشاپوری کہتے ہیں، ابو یوسف الرقی من حفاظ اہل الجزیرۃ ومتقنیھم محدث ابن حبان نے کتاب الثقات میں ان کی تاریخ وفات سنہ ۲۲۶ھ درج کی ہے، رحمہ اللہ (تہذیب التہذیب)۔
(۲) ایوب بن محمد بن زیاد الوزان ابو محمد الرقی المتوفی سنہ ۲۴۹ھ۔ (۳) علی بن میمون الرقی ابو الحسن العطار المتوفی سنہ ۲۴۵ھ (۴) محمد بن عبداللہ بن سابور النجار الرقی۔ (۵) موسیٰ بن مروان ابو عمران التمار البغدادی ثم الکوفی ثم الرقی المتوفی سنہ ۲۴۰ھ، حافظ ابن حبان نے کتاب الثقات میں ان سب کا ترجمہ لکھا ہے۔

حرّان

یہ جزیرہ کا نہایت مشہور اور بہت بڑا شہر ہے جو موصل اور شام کے راستہ پر پڑتا ہے۔ یہاں کے محدثین میں امام ابن ماجہ نے ان دو حضرات سے اپنی سنن میں روایت کی ہے (۱) اسمٰعیل بن عبید بن عمر بن ابی کریمہ الاموی مولاہم ابو احمد الحرانی المتوفی سنہ ۲۴۰ھ سے اپنی سنن میں حدیثیں روایت کی ہیں۔ اسمٰعیل کی دارقطنی اور ابن حبان نے توثیق کی ہے۔ (۲) ہاشم بن القاسم بن شیبہ بن اسمٰعیل بن شیبہ القرشی مولاہم ابو محمد الحرانی المتوفی سنہ ۲۶۰ھ۔ حافظ ابن حبان نے کتاب الثقات میں ان کا تذکرہ لکھا ہے۔

اہواز

جو خوزستان[1] کا سب سے بڑا شہر تھا۔ یہاں کے شیوخ میں صرف جمیل بن الحسن بن جمیل الازدی العتکی الجھضمی ابو الحسن البصری نزیل الاہواز سے امام ابن ماجہ نے روایت کی ہے۔ جمیل کے متعلق ابن عدی نے تصریح کی ہے کہ یہ کثیر الروایہ تھے اور ابن حبان نے کتاب الثقات میں ان کا ترجمہ لکھا ہے۔

رَےّ

عراق عجم کا صدر مقام تھا اور طہران سے جو ایران کا موجودہ دار السلطنت ہے چند میل کے فاصلہ پر آباد تھا۔ یہ اب بالکل ویران پڑا ہوا ہے لیکن اس زمانے میں آبادی کے لحاظ سے بغداد کے بعد اسی کا نمبر تھا۔ چنانچہ ابو اسحٰق اصطخری نے لکھا ہے

الرّی مدینۃ لیس بعد بغداد فی المشرق اعمر منھا۔[2]	رَےّ وہ شہر ہے کہ مشرق میں بغداد کے بعد اس سے زیادہ آباد کوئی شہر نہیں۔

اصمعی[3] جو لغت عربیت کے امام ہیں رَےّ کو اس کی دلفریبی کی بنا پر "عروس الدنیا" کہا کرتے تھے حافظ ذہبی لکھتے ہیں:

---

[1] خوزستان، اس علاقہ کا نام تھا جو عراق وفارس کے درمیان واقع ہے۔
[2] ۳۵۲ معجم البلدان ذکر رَےّ۔

•رَےّ۔ جریر بن عبدالحمید[۱] اور ان جیسے حضرات اور پھر ان کے بعد ابن حمید، ابن مہران جمال ابراہیم بن موسیٰ، سہل بن زنجلہ اور پھر ابن وارہ، ابوزرعہ، ابوحاتم اور ان کے صاحبزادے (عبدالرحمٰن بن ابی حاتم) کی بدولت دارالعلم بنا رہا اور چوتھی صدی کے وسط تک رہا۔ پھر اس کی یہ حیثیت جاتی رہی"

امام ابن ماجہ نے یہاں کے جن حفاظ حدیث سے علم حدیث حاصل کیا وہ حسب ذیل ہیں:

حافظ سہل بن زنجلہ ابوعمرو الرازی الخیاط الاشتر، ان کو سہل بن ابی سہل بھی کہا جاتا ہے فن حدیث میں انھوں نے کتاب السنن بھی تالیف کی تھی۔ مصنفین صحاح ستہ میں سے صرف امام ابن ماجہ کو ان سے تلمذ حاصل ہے اور انھوں نے اپنی سنن میں ان سے بکثرت روایتیں درج کی ہیں علامہ ذہبی نے ان کو الحافظ الامام لکھا ہے، عجلی کا بیان ہے کہ "یہ ثقہ اور حجت ہیں۔ دوبار انھوں نے طلب حدیث میں رحلت کی تھی۔ صاحب تصانیف تھے اور دیانت و اتقان میں اس عہد کے تمام معاصرین میں کوئی ان سے مقدم نہ تھا" علامہ خزرجی نے خلاصہ میں ان کی وفات ۲۴۰ھ کے حدود میں بیان کی ہے۔ (تذکرۃ الحفاظ، خلاصہ تذہیب التہذیب)۔

حافظ عصر امام ابوزرعہ، عبیداللہ بن عبدالکریم بن یزید بن فروخ الرازی، علم حدیث کے مشہور امام ہیں اور اس فن میں امام بخاری کے ہمسر سمجھے جاتے ہیں۔ امام مسلم، ترمذی، نسائی اور ابن ماجہ نے ان کے آگے زانوئے شاگردی تہ کیا ہے۔ علامہ ابن تیمیہ کتاب الاستغاثہ میں جو بکری کی تردید میں انھوں نے سپرد قلم فرمائی ہے رقمطراز ہیں۔

وکلام یحییٰ بن معین والبخاری ومسلم و　　امام یحییٰ بن معین، بخاری، مسلم، ابوحاتم، ابوزرعہ، نسائی

---

[۱] حافظ ذہبی نے مناقب ابی حنیفہ (ص ۱۱) میں ان کو امام ابوحنیفہ کے اصحاب میں شمار کیا ہے اور حافظ عبدالقادر قرشی نے الجواہر المضیئۃ فی طبقات الحنفیہ میں ان کا ترجمہ لکھا ہے۔ یہ فقہ و حدیث دونوں علوم میں امام اعظم کے شاگرد تھے چنانچہ حافظ قرشی لکھتے ہیں اخذ الفقہ عن ابی حنیفۃ رضی اللہ عنہ، اور حافظ ذہبی نے مناقب ابی حنیفہ میں ان محدثین و فقہاء کی فہرست میں کہ جنھوں نے امام صاحب سے حدیثیں روایت کی ہیں ان کا بھی نام لیا ہے، جریر بہت بڑے حافظ حدیث تھے۔ علامہ ذہبی نے تذکرۃ الحفاظ میں ان کا ترجمہ ان لفظوں میں شروع کیا ہے جریر بن عبدالحمید الحافظ الحجۃ ابوعبداللہ الضبی الکوفی محدث الری۔ امام احمد بن حنبل۔ اسحٰق بن راہویہ۔ یحییٰ بن معین، علی بن المدینی، ابوبکر بن ابی شیبہ، جیسے اکابر ائمہ فن حدیث میں ان کے شاگرد تھے۔ تمام ارباب صحاح ستہ نے ان کی احادیث سے احتجاج کیا ہے۔ علامہ ذہبی لکھتے ہیں رحل الیہ المحدثون لثقتہ وحفظہ وسعۃ علمہ (محدثین نے ان کی ثقاہت، حفظ اور وسعت علم کی بنا پر طلب علم کے لئے ان کی خدمت میں سفر کیا) ہبۃ اللہ طبری کہتے ہیں کہ مجمع علی ثقتہ (ان کی ثقاہت پر اتفاق ہے) ۱۱۰ھ ہجری میں اصفہان کے ایک گاؤں میں پیدا ہوئے تھے جس کا نام آبہ تھا۔ ان کی نشوونما تمام تر کوفہ میں ہوئی بعد کو رَے میں جا بسے تھے اور وہیں اکہتر سال کی عمر میں ۱۸۸ھ میں انتقال کیا۔ رحمہ اللہ۔

(تذکرۃ الحفاظ۔ الجواہر المضیئہ)

ابی حاتم وابی زرعۃ والنسائی وابی احمد
بن عدی والدارقطنی وامثاله فی الرجال
وصحیح الحدیث وضعیفه هو مثل کلام
مالك والثوری والاوزاعی والشافعی وامثالهم
فی الاحکام ومعرفۃ الحلال والحرام، وفی
الائمۃ من هو امام مع هؤلاء وهؤلاء
مشارك للطائفتین وان کان باحد
الصنفین اجدر۔
واکثر ائمۃ الحدیث والفقه کمالك
والشافعی واحمد واسحق بن راهویه و
ابی عبید وکذلك الاوزاعی والثوری و
اللیث هؤلاء وکذلك لابی یوسف صاحب
ابی حنیفۃ ولابی حنیفۃ ایضاً مالهم من ذلك
ولکن لبعضهم فی الامامۃ فی الصنفین
مالیس للآخر وفی بعضهم من ضعف
المعرفۃ باحد الصنفین مالیس فی الآخر
فرضی الله عن جمیع اهل العلم والایمان۔ ۱؎

ابواحمد بن عدی، دارقطنی اور ان جیسے حضرات کے کلام
کی حیثیت رجال اور صحیح وضعیف احادیث کے بارے
میں وہی ہے جو امام مالک، سفیان ثوری، اوزاعی اور شافعی
اور ان جیسے حضرات کے کلام کی احکام اور حلال وحرام
کی معرفت کے باب میں ہے۔
اور ائمہ میں ایسے حضرات بھی ہوئے ہیں کہ جو محدثین
میں بھی امام ہیں اور فقہاء میں بھی اور دونوں جماعتوں میں
شامل ہیں گو ان میں سے ایک جماعت کی طرف ان کا
انتساب زیادہ موزوں ہے۔
اور حدیث وفقہ کے اکثر امام جیسے کہ مالک، شافعی
احمد اور اسحق بن راہویہ اور اسی طرح اوزاعی، ثوری،
اور لیث ایسے ہی تھے اور اسی طرح ابویوسف صاحب
ابی حنیفہ اور خود امام ابوحنیفہ کا بھی وہی مرتبہ ہے کہ جو
ان کے شایان ہے، لیکن ان میں سے بعض کو دونوں صنف
کی امامت میں وہ مقام حاصل ہے کہ جو دوسرے کو نہیں ہے
اور بعض میں کسی ایک صنف کی معرفت میں وہ ضعف بھی ہے
کہ جو دوسرے میں نہیں ہے۔ پس اللہ تعالیٰ تمام اہل علم و
ایمان سے راضی ہو۔

۱؎ تلخیص کتاب الاستغاثۃ المعروف بالرد علی البکری طبع مصر ص ۱۳ و ۱۴۔ ۲؎ ظاہر بینوں کو شاید اس پر
تعجب ہو کہ حافظ ابن تیمیہ نے امام ابوحنیفہ کو محدثین کا امام کس طرح مان لیا۔ لیکن انھیں معلوم ہونا چاہئے کہ
صرف ابن تیمیہ نہیں بلکہ تمام ارباب فن کے نزدیک امام صاحب کی یہ حیثیت مسلم ہے۔ چنانچہ حافظ عبدالقادر
قرشی الجواہر المضیہ میں رقمطراز ہیں:۔

اعلم ان الامام ابی حنیفۃ قد قبل قوله
فی الجرح والتعدیل وتلقوه عنه علماء هذا
الفن وعملوا به کتلقیهم عن الامام احمد و
البخاری وابن معین وابن المدینی وغیرهم
من شیوخ الصنعۃ وهذا یدلك علی عظمۃ
شانه وسعۃ علمه وسیادته (ج ۱ ص ۳۰)

معلوم رہے کہ جرح وتعدیل کے باب میں امام ابوحنیفہ کا قول
تسلیم کیا گیا ہے اور اس فن کے علماء آپ کے قول کو اسی
طرح مانتے اور اس پر عمل کرتے چلے آئے ہیں کہ جس طرح وہ
امام احمد، بخاری، ابن معین، علی بن المدینی اور دیگر اساتذہ
فن کے قول کو مانتے ہیں، اور اس سے تمہیں امام صاحب
کی عظمتِ شان، وسعت علم اور برتری کا پتہ چلے گا۔

اس کے بعد حافظ قرشی نے رجال کے متعلق امام صاحب کے جو اقوال امام ترمذی اور بیہقی وغیرہ نے باسناد
نقل کئے ہیں ان کو تفصیل سے لکھا ہے۔ (باقی بر صفحہ آئندہ)

امام طحاوی فرماتے ہیں کہ ابوحاتم، ابوزرعہ اور ابن وارہ یہ تین شخص رَے میں ایسے تھے کہ جن کی نظیر اس وقت روئے زمین پر موجود نہ تھی[۱] حافظ ذہبی تذکرۃ الحفاظ میں لکھتے ہیں۔

کان من افراد الدھر حفظاً وذکاءً و دیناً وعلماً وعملاً۔ — ابوزرعہ، حفظ حدیث، ذکاوت، دینداری اور علم وعمل کے لحاظ سے ان لوگوں میں سے تھے جو کبھی کبھی زمانہ پیدا ہوتے ہیں۔

ابوزرعہ نے طلب حدیث میں حرمین، عراق، شام، جزیرہ، خراسان اور مصر کی طرف رحلت کی تھی۔ ان کا بیان ہے کہ میں نے ابوبکر بن ابی شیبہ سے ایک لاکھ حدیثیں لکھی ہیں اور اتنی ہی ابراہیم بن موسیٰ رازی سے لکھی ہیں۔ ایک بار ایک شخص قسم کھا بیٹھا کہ اگر ابوزرعہ کو ایک لاکھ حدیثیں حفظ نہ ہوں تو میری بیوی کو طلاق ہے۔ بعد میں ان سے آکر صورت حال بیان کی تو فرمانے لگے کہ تم اپنی بیوی کو اپنے ہی پاس رکھو۔ ابوبکر بن ابی شیبہ ان کے شیخ کہا کرتے تھے کہ میں نے ابوزرعہ سے بڑھکر حافظ حدیث نہیں دیکھا۔ امام احمد فرماتے ہیں کہ اسحٰق بن راہویہ سے زیادہ فقیہ اور ابوزرعہ سے بڑھ کر حافظ حدیث اس پل پرسے نہیں گزرا[۲]۔ امام احمد کا معمول تھا کہ ہر نماز کے بعد ان کے حق میں دعا کیا کرتے تھے[۳] ایک بار ابوزرعہ امام موصوف کے یہاں آکر مہمان ہوئے دوران قیام میں دونوں بزرگوں کے مابین حدیث پاک کا خوب مذاکرہ رہتا ان ہی دنوں امام احمد نے ایک روز اپنے صاحبزادے عبداللہ سے فرمایا کہ میں نے آج فرضوں کے علاوہ کوئی نماز نہیں پڑھی اور اپنے نوافل پر ابوزرعہ کے مذاکرہ کو ترجیح دی[۴]۔ ایک بار امام احمد نے فرمایا کہ صحیح احادیث کی تعداد سات لاکھ سے اوپر ہے اور اس نوجوان (یعنی ابوزرعہ) نے چھ لاکھ حدیثیں حفظ کرلی ہیں[۵]۔ اسحٰق بن راہویہ کا قول ہے کہ ابوزرعہ جس حدیث کو نہیں جانتے اس کی کچھ اصل نہیں۔ ابوزرعہ کہا کرتے تھے کہ مجھے ایک لاکھ حدیثیں اس طرح یاد ہیں جس طرح کسی شخص کو "قل ہو اللہ" یاد ہوتی ہے۔ ایک بار فرمانے لگے کہ جو کچھ میں نے لکھا ہے وہ پچاس سال سے میرے گھر میں رکھا ہوا ہے اور جب سے لکھا کبھی اس کو مطالعہ کرنے کی نوبت نہیں آئی۔ تاہم مجھے یہ علم ہے کہ کونسی حدیث کس کتاب کے کس ورق کس صفحہ اور کس سطر

(بقیہ حاشیہ از صفحہ گذشتہ) یہ سب اقوال ان رجال کے تذکرہ میں حافظ مزی کی تہذیب الکمال اور حافظ ذہبی کی میزان الاعتدال اور دیگر کتب رجال میں مذکور ہیں۔

حافظ ابن تیمیہ نے منہاج السنہ (ج ۴ ص ۱۹۲) میں لکھا ہے کہ ابوحنیفۃ اعلم وافقہ من الطحاوی و امثالہ۔ یعنی امام ابوحنیفہ، امام طحاوی اور ان کے امثال سے زیادہ عالم اور زیادہ فقیہ تھے) اور امام طحاوی کے بارے میں خود ابن تیمیہ کو تسلیم ہے کہ کان کثیر الحدیث فقیھاً عالماً۔

(حاشیہ صفحہ ھذا) [۱] تذکرۃ الحفاظ ترجمہ ابن وارہ۔ [۲] بغداد کا پل مراد ہے جو دریائے دجلہ پر تھا۔ [۳] مناقب احمد از ابن جوزی ص ۲۸۶۔ [۴] ایضاً ص ۲۸۹۔ [۵] امام بیہقی نے تصریح کی ہے کہ امام احمد نے جو صحیح روایات کی یہ تعداد بتائی ہے اس سے ان کی مراد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے اقوال اور تابعین کے فتاوے ان سب کا مجموعہ ہے، کیونکہ متقدمین کی اصطلاح میں حدیث کا لفظ ان سب کے لئے استعمال ہوتا تھا۔ (تہذیب التہذیب ترجمہ ابوزرعہ)۔

میں ہے۔ عبدالرحمن بن ابی حاتم کا بیان ہے کہ ایک بار ابوزرعہ کے پاس محمد بن مسلم یعنی ابن وارہ اور فضل بن العباس معروف بہ فضلک موجود تھے اور حدیث شریف کا مذاکرہ جاری تھا۔ اسی اثنا میں محمد بن مسلم نے ایک حدیث ذکر کی اور فضلک صائغ نے اس پر انکار کیا کہ یہ اس طرح سے نہیں۔ محمد بن مسلم نے پوچھا پھر کس طرح ہے، فضلک نے دوسری طرح سے اس کو روایت کیا۔ اب محمد بن مسلم، ابوزرعہ کی طرف مخاطب ہوئے کہ آپ کیا فرماتے ہیں۔ ابوزرعہ خاموش رہے انھوں نے اصرار کیا تو کہنے لگے کہ میرے بھتیجے ابوالقاسم کو بلاؤ وہ آئے تو ابوزرعہ نے ان سے کہا کہ کتب خانہ میں جاؤ اور پہلے دوسرے تیسرے قمطر کو چھوڑ کر سو کہ جزو تک شمار کرکے سترہواں جزو نکال کر میرے پاس لے آؤ۔ چنانچہ وہ کتب الحکم اس جلد کو لے آئے ابوزرعہ نے حدیث تلاش کرکے محمد بن مسلم کے حوالہ کی اور یہ اس کو پڑھ کر کہنے لگے نعم غلطنا (ہاں ہم نے ہی غلطی کی) حافظ عبداللہ بن وہب دینوری کہتے ہیں کہ ایک بار میں ابوزرعہ کی خدمت میں حاضر ہوا تو دیکھا کہ ایک خراسانی شخص ان کے سامنے موضوعات بیان کر رہا ہے اور یہ ان روایات کو باطل کہہ رہے ہیں اور وہ شخص ان کی باتوں پر ہنستا جاتا ہے اور کہتا جاتا ہے کہ واہ کیا خوب جو روایت یاد نہیں اسے باطل کہدیا۔ اس پر میں نے اس شخص سے دریافت کیا کہ تیرا کیا مذہب ہے کہنے لگا حنفی۔ میں نے اس سے پوچھا ما اسند ابو حنیفۃ عن حماد (امام ابوحنیفہ نے حماد کی سند سے کونسی حدیثیں روایت کی ہیں) اب وہ نہ چل سکا۔ تب میں نے ابوزرعہ سے کہا کہ ماتحفظ لابی حنیفۃ عن حماد (آپ کو حماد کی سند سے امام ابوحنیفہ کی کتنی حدیثیں یاد ہیں) اس پر ابوزرعہ نے حدیثوں کا ایک سلسلہ شروع کر دیا[1]۔ اب میں نے اس بیہودہ سے کہا کہ تجھے شرم نہیں آتی تو موضوعات کو لیکر امام المسلمین کے منہ آتا ہے اور تیری حالت یہ ہے کہ تجھے اپنے امام تک کی حدیثیں یاد نہیں[2]۔

ابوزرعہ اور ابوحاتم دونوں خالہ زاد بھائی تھے۔ امام ابوحاتم نے ابوزرعہ کے متعلق ان الفاظ میں اظہار رائے کیا ہے لا اعلم فی المشرق والمغرب من کان یفہم ھذا الشان مثلہ (میرے علم میں مشرق و مغرب میں کوئی نہیں کہ جو فہم حدیث میں ابوزرعہ کو پہنچا ہو۔)

ابوزرعہ کی ولادت ۲۰۰ھ میں ہوئی اور ذی الحجہ کی آخری تاریخ ۲۶۴ھ کو انتقال کیا۔ ان کے انتقال کا بھی عجیب واقعہ ہے۔ ابوجعفر تستری کہتے ہیں کہ ہم جان کنی کے وقت ان کے پاس حاضر ہوئے اس وقت ابوحاتم، محمد بن مسلم، منذر بن شاذان اور علماء کی ایک جماعت وہاں موجود تھی، ان لوگوں کو تلقین میت کی حدیث کا خیال آیا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد مبارک ہے لقنوا موتاکم لا الہ الا اللہ (اپنے مردوں کو "لا الہ الا اللہ" کی تلقین کیا کرو) مگر ابوزرعہ سے شرما رہے تھے

---

[1] امام حسن بن زیاد کا بیان ہے کہ امام ابوحنیفہ چار ہزار حدیثیں روایت کیا کرتے تھے جن میں دو ہزار حماد کی حدیثیں تھیں اور دو ہزار بقیہ مشائخ کی۔ مناقب الامام الاعظم از صدر الائمہ موفق بن احمد مکی۔ ج ۱ ص ۹۶۔

[2] تذکرۃ الحفاظ، ترجمہ حافظ ابن وہب دینوری۔

اور ان کو تلقین کی ہمت نہ ہو رہی تھی آخر سب نے سوچ کر یہ راہ نکالی کہ تلقین کی حدیث کا مذاکرہ کرنا چاہئے۔ چنانچہ محمد بن مسلم نے ابتدا کی حدثنا الضحاک بن مخلد عن عبد الحمید بن جعفر اور اتنا کہہ کر رک گئے باقی حضرات نے بھی خاموشی اختیار کی اس پر ابوزرعہ نے اسی جانکنی کے عالم میں روایت کرنا شروع کیا حدثنا بندار حدثنا ابو عاصم حدثنا عبد الحمید بن جعفر عن صالح بن ابی عریب عن کثیر بن مرۃ الحضرمی عن معاذ بن جبل قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من کان آخر کلامہ لا الٰہ الا اللہ۔ اتنا ہی کہنے پائے تھے کہ طائر روح قفس عنصری سے عالم قدسی کی طرف پرواز کر گیا۔ پوری حدیث یوں ہے۔ من کان آخر کلامہ لا الٰہ الا اللہ دخل الجنۃ (یعنی جس کی زبان سے آخری الفاظ لا الٰہ الا اللہ نکلے وہ جنت میں داخل ہوگا) سبحان اللہ کیا خوش نصیب تھے اور حدیث شریف سے ان سعید روحوں کو کیسا گہرا تعلق تھا کہ دم واپسیں تک علم و عمل کا ساتھ رہا۔ رضی اللہ عنہ (تذکرۃ الحفاظ، تہذیب التہذیب طبقات الحنابلہ لابن ابی یعلی)۔

حافظ کبیر امام ابو حاتم رازی محمد بن ادریس بن المنذر الحنظلی۔ فن جرح و تعدیل کے بہت بڑے امام ہیں اور علم حدیث میں امام بخاری کے ہم پلہ تسلیم کئے جاتے ہیں۔ ۱۹۵ھ میں پیدا ہوئے اور ۲۰۹ھ سے مشائخ وقت سے حدیثیں لکھنی شروع کیں، ابھی سبزہ آغاز نہیں ہوا تھا کہ طلب حدیث میں سفر اختیار کیا اور ایک زمانۂ دراز اسی رحلت میں بسر کیا۔ ان کا بیان ہے کہ پہلے پہل جب میں نے رحلت کی تو سات سال تک اپنی پیادہ روی کا حساب لگاتا رہا اس دوران میں ایک ہزار فرسخ[1] سے زیادہ مسافت طے کر چکا تھا لیکن یہ ان کے سفر کی انتہا نہیں بلکہ شمار کی حد ہے کیونکہ امام موصوف فرماتے ہیں کہ پھر میں نے فرسخ کا شمار کرنا چھوڑ دیا تھا۔ امام ممدوح کا بیان ہے کہ میں نے بحرین سے مصر، مصر سے رملہ، رملہ سے دمشق اور وہاں سے طرسوس تک پیدل سفر کیا۔ پھر حمص کو لوٹتا ہوا رقہ آیا اور وہاں سے سوار ہو کر عراق پہنچا اور یہ سارا سفر جس وقت میں نے طے کیا ہے اس وقت میں بیس سال کا تھا۔ عراق پہنچنے کے بعد آٹھ ماہ تک بصرہ میں قیام کیا۔ یہ ۲۱۴ھ کا واقعہ ہے۔ یہاں تنگدستی سے یہ نوبت پہنچی کہ کپڑے تک بیچ کھائے جب کپڑے بھی نہیں رہے تو دو روز تک فاقے کئے تاہم شوق طلب کا یہ عالم تھا کہ فرماتے ہیں اسی فاقہ کی حالت میں اٹھ کر اپنے رفیق کے ساتھ شیوخ کے حلقۂ درس میں حاضری دیتا رہا۔ رات ہوئی تو رفیق اپنا شام کا کھانا لیکر اپنی فرودگاہ کو واپس ہو گیا اور میں نے مارے بھوک کے پانی سے پیٹ بھرنا شروع کیا صبح ہوئی تو کل کی طرح آج بھی اپنے رفیق کی معیت میں باوجود بھوک کی سخت شدت کے سارے اسباق میں شرکت کی اور اسی طرح بھوکا واپس چلا آیا۔ آخر اسی حالت میں تیسرا دن ہوا اور رفیق حسب دستور علی الصباح آپہنچا۔ اب طاقت طاق ہو چکی تھی مجبوراً اس سے کہنا پڑا کہ آج تو میں بہت ہی ناتوان ہوں تمہارے ساتھ نہ چل سکوں گا۔ اس نے پوچھا خیر ہے، میں نے کہا تم سے کیا چھپاؤں دو دن سے کچھ کھانے کو نہ مل سکا ہے۔ ہمدرد رفیق نے کہا میرے پاس

---

[1] ایک "فرسخ" تین میل کا ہوتا ہے۔

ایک دینار باقی ہے، نصف تم لے لو اور باقی نصف کو ہم کرایہ میں خرچ کریں گے۔ اس کے بعد امام ابو حاتم بصرہ سے چل کھڑے ہوئے۔

اسی طرح کا ایک اور واقعہ امام موصوف کو ایک دفعہ ایک بحری سفر کے سلسلہ میں بھی پیش آیا تھا جہاز سے اترے تو زاد راہ ختم ہو چکا دو رفیق اور بھی تھے مگر سب کا مضمون واحد تھا تین دن تک پیادہ پا مسافت طے کرتے رہے اور کھانے کو کچھ نہ مل سکا۔ آخر تھک کر گر پڑے۔ ساتھیوں میں ایک بیچارہ بوڑھا شخص بھی تھا وہ تو گرتے ہی بیہوش ہو گیا مجبوراً اس کو اسی حال میں چھوڑ کر آگے کی راہ لی کوئی ایک فرسنگ طے کیا ہوگا کہ ابو حاتم بھی غش کھا کر گرے۔ رفیق نے بوڑھے کی طرح ان کو بھی یہیں چھوڑا اور خود ہمت کرکے آگے بڑھا خوش قسمتی سے ذرا دور میاں کو ایک کشتی نظر آئی جس سے ساحل پر کچھ لوگ اتر رہے تھے یہ دیکھ کر اس نے اظہار مصیبت کے لئے اپنی چادر ہوا میں اڑائی مسافروں کی نظر پڑی تو اس کی طرف متوجہ ہوئے اور اس کے پاس آکر اسے پانی پلایا تب اس نے انھیں بتایا کہ میرے دو رفیق جو بیہوش ہو کر پیچھے کر چکے ہیں پہلے ان کی خبر لو۔ مہربان مسافر یہ سنتے ہی ان کی تلاش میں دوڑے ابو حاتم فرماتے ہیں میں نے آنکھ کھولی تو کیا دیکھتا ہوں کہ ایک شخص میرے منہ پر پانی کے چھینٹے دے رہا ہے جب مجھ کو ہوش آیا تو اس نے مجھے پانی پلایا اس کے بعد اس بڈھے کے پاس پہنچے اور اس کی خبر گیری کی پھر ایک مقام پر ٹھیر کر ہم نے چند روز آرام کیا تب کہیں جاکر ہماری جان میں جان آئی۔

ابو حاتم کا بیان ہے کہ طلب حدیث میں مجھے کرفہ سے اتنی بار بغداد کو جانا پڑا کہ میں شمار بھی نہیں کر سکتا

حافظ ابن الجوزی نے المنتظم میں ابو حاتم کا تذکرہ ان لفظوں میں شروع کیا ہے:

كان احد الائمة الحفاظ والاثبات العارفين بعلل الحديث والجرح والتعديل۔ — یہ ان ائمہ حفاظ اور ثقات اثبات میں سے ایک ہیں کہ جو علل حدیث اور جرح و تعدیل کے عارف گزرے ہیں

حافظ ذہبی ان کے متعلق لکھتے ہیں الامام الحافظ الکبیر احد الاعلام، قاضی موسیٰ بن اسحٰق انصاری کہتے ہیں کہ میں نے ابو حاتم سے بڑھ کر حافظ حدیث نہیں دیکھا حافظ احمد بن سلمہ کا بیان ہے کہ اسحٰق بن راہویہ، اور محمد بن یحییٰ کے بعد ابو حاتم سے بڑھ کر حافظ حدیث اور اس کے معانی کا عالم میری نظر سے نہیں گزرا۔ ابو نعیم کی تصریح ہے کہ ابو حاتم امام فی الحفظ۔ عثمان بن خرزاد کہتے ہیں کہ جتنے لوگ میری نظر سے گزرے ان میں چار شخص سب سے بڑے حافظ الحدیث تھے (۱) ابراہیم بن عرعرہ (۲) محمد بن المنہال الضریر (۳) ابوزرعہ (۴) ابو حاتم۔ ایک بار حجاج بن الشاعر کے سامنے ابوزرعہ، ابو حاتم، ابن دارہ اور ابو جعفر دارمی کا ذکر آیا تو کہنے لگے کہ مشرق میں ان سے بڑھ کر لوگ نہیں ہیں۔ ایک مرتبہ ابو حاتم نے ابو الولید طیالسی کے دروازہ پر جو اس زمانہ میں فن حدیث کے مشہور اساتذہ میں سے شمار کئے جاتے تھے اعلان کیا کہ جو شخص بھی مجھے کوئی ایسی غریب مسند صحیح حدیث بتائے گا کہ جس کو میں نے مشائخ سے ابھی تک نہیں سنا ہے تو اس کو ہر حدیث کے عوض میری طرف سے ایک درہم بطور انعام ملے گا۔ ابو حاتم کا بیان ہے کہ اس وقت ابو الولید کے آستانے پر مخلوق جوق در جوق جمع تھی اور ابوزرعہ

اور ان کے علاوہ بھی لوگ موجود تھے تاہم کوئی شخص بھی ایک حدیث ایسی نہ پیش کرسکا۔ میرا مقصد یہ تھا کہ اس طرح کوئی اس کا بندہ شاید کوئی ایسی روایت میرے سامنے پیش کردے کہ جو میں نے اب تک سنی ہو اور یہ بتادے کہ وہ فلاں محدث کے پاس ہے تو میں اسے جا کر سن لوں۔ یونس بن عبد الاعلیٰ نے ایک بار ابوزرعہ اور ابوحاتم کے حق میں دعا کی اور کہنے لگے کہ یہ دونوں خراسان کے امام ہیں اور ان کی بقا ہی میں مسلمانوں کی فلاح ہے۔ ابوحاتم کا بیان ہے کہ میں نے نفیلی سے چودہ ہزار کے قریب احادیث لکھی ہیں۔ ابن ابی حاتم کہتے ہیں کہ میں نے اپنے والد بزرگوار سے سنا ہے کہ جب محمد بن یحییٰ نیشاپوری رے تشریف لائے تو میں نے ان کے سامنے زہری کی تیرہ حدیثیں پیش کیں جن میں سے صرف تین کے متعلق ان کو معلومات حاصل تھیں۔ حافظ ابن حجر عسقلانی اس واقعہ کو نقل کر کے لکھتے ہیں:

وھذا یدل علی حفظ عظیم فان الذھلی شھد لہ مشائخہ واھل عصرہ بالتبحر فی معرفۃ حدیث الزھری ومع ذلک فاغرب علیہ ابوحاتم۔

اس چیز سے ان کے عظیم حافظہ کا پتہ چلتا ہے کیونکہ ذہلی (محمد بن یحییٰ نیشاپوری) کے متعلق ان کے مشائخ اور معاصرین نے زہری کی احادیث میں معرفت کے سلسلہ میں تبحر کی شہادت دی ہے اور باوجود اس کے ابوحاتم نے ان کے سامنے وہ روایات رکھدیں کہ جو ان کے لئے نادر تھیں۔

حافظ مسلمہ بن قاسم نے الصلہ میں ابوحاتم کے متعلق لکھا ہے کہ

کان ثقۃ وکان شیعیا مفرطا وحدیثہ مستقیم۔ یہ ثقہ تھے اور پکے شیعی مگر ان کی حدیثیں سب ٹھیک ہیں۔

حافظ ابن حجر نے اس کو نقل کر کے لکھا ہے،

"سوائے اس شخص کے اور کسی کو میں نے نہیں دیکھا کہ جس نے ان کو تشیع کی طرف منسوب کیا ہو ہاں سلیمانی نے ان کے صاحبزادے عبد الرحمٰن کا ذکر اس قسم کے شیعوں میں کیا ہے کہ جو حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ پر مقدم رکھتے ہیں جیسے کہ اعمش اور عبد الرزاق تھے سو شاید یہ بات صاحبزادے نے اپنے والد سے لی ہوگی اور ابن خزیمہ بھی باایں ہمہ جلالت قدر اسی کے قائل تھے۔"

امام ابوحاتم سے امام بخاری، ابوداؤد، نسائی اور ابن ماجہ کو تلمذ حاصل ہے۔ اور علامہ تاج الدین سبکی نے اگرچہ طبقات الشافعیہ میں امام بخاری اور ابن ماجہ کے تلمذ سے انکار کیا ہے اور لکھا ہے کہ ابوحاتم کی

لہ علامہ یاقوت حموی، معجم البلدان میں لکھتے ہیں،

"اہل رے، اہل السنت والجماعت ہی تھے تا آنکہ وہاں احمد بن الحسن ماردانی نے تغلب کر کے قبضہ جمالیا اور پھر اس نے مذہب تشیع کی وہاں اشاعت کی۔ یہ اہل شیعہ کے ساتھ بڑے اکرام اور تقرب کا معاملہ کرتا تھا اس لئے لوگوں نے اس سلسلہ میں کتابیں تصنیف کر کے اس کا تقرب حاصل کیا چنانچہ عبد الرحمٰن بن ابی حاتم نے بھی "فضائل اہل بیت وغیرہ" پر کتابیں تصنیف کیں۔ یہ معتمد کے عہد کا واقعہ ہے اور رے پر اس کا تغلب ۲۷۵ھ میں ہوا ہے اس سے پہلے یہ احمد بن الحسن، کوتکین بن ساتکین کی خدمت میں تھا پھر رے پر تغلب کر کے اس نے وہاں مذہب شیعہ کو رواج دیا جو آج تک قائم ہے"

ان دونوں کا روایت کرنا ثابت نہیں" لیکن یہ علامہ موصوف کی غلطی ہے، حافظ ابوالحجاج مزی نے تہذیب الکمال میں تصریح کی ہے کہ امام ابن ماجہ نے اپنی تفسیر میں ان سے روایت کی ہے اور سنن ابن ماجہ میں باب فی الایمان اور باب فی فرائض الجد میں ان کی حدیثیں موجود ہیں، اسی طرح خود صحیح بخاری میں ان کی روایت موجود ہے۔ چنانچہ حافظ ابن حجر عسقلانی، مقدمہ فتح الباری میں امام بخاری کے مشائخ کے طبقات کو ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:۔

الطبقة الرابعة رفقاؤه فی الطلب ومن سمع قبله قليلا كمحمد بن يحيى الذهلی وابو حاتم الرازی۔

چوتھا طبقہ امام بخاری کے شیوخ کا ان لوگوں کا ہے جو طلب حدیث میں امام موصوف کے رفیق رہ چکے ہیں اور ان ہی میں وہ لوگ بھی ہیں کہ جنھوں نے حدیث کا سماع امام بخاری سے کچھ پہلے کیا ہے جیسے کہ محمد بن یحیی ذہلی اور ابو حاتم رازی۔ [۵۰]

ان شیوخ سے امام بخاری نے کس قسم کی حدیثیں نقل کی ہیں اس کے متعلق حافظ ابن حجر کی تصریح ہے کہ

وانما يخرج من هولاء ما فاته عن مشائخه اوما لم يجده عند غيرهم۔

اور ان سے امام بخاری صرف وہی روایت درج کرتے ہیں کہ جن روایات کا سماع ان کو اپنے اساتذہ سے فوت ہو گیا تھا یا جو روایتیں ان کے علاوہ دیگر علما سے انھیں نہ مل سکیں۔ [۵۱]

واضح رہے کہ ایک زمانے تک امام بخاری اور امام ابو زرعہ و امام ابو حاتم کے درمیان تعلقات نہایت ہی شگفتہ اور خوشگوار رہے چنانچہ ابوبکر محمد بن حرب بیان کرتے ہیں کہ ایک بار میں نے ابو زرعہ سے محمد بن حمید کے متعلق دریافت کیا تو کہنے لگے کہ ترکه ابو عبد الله (اس کی حدیث تو ابو عبد اللہ یعنی امام بخاری ترک کر چکے ہیں) محمد بن حرب کہتے ہیں کہ پھر میں نے اس قصہ کا ذکر امام بخاری سے کیا تو فرمانے لگے کہ برّه لنا قديم (ابو زرعہ کا حسن سلوک تو ہمارے ساتھ پرانا ہے) اور اسحاق بن احمد زرک کہتے ہیں کہ میں نے ابو حاتم کو فرماتے سنا کہ عراق میں جتنے بھی لوگ گئے محمد بن اسمعیل ان سب میں زیادہ عالم ہیں۔ اسحق مذکور کا بیان ہے ۲۵۰ھ میں ہم سے امام ابو حاتم فرمانے لگے کہ خراسان سے تمہارے پاس ایک ایسا شخص آرہا ہے کہ جس سے بڑا حافظ حدیث اس نواح سے پیدا نہیں ہوا چنانچہ ان کے فرمانے کے مطابق چند ماہ بعد ہی امام بخاری کا وہاں ورود ہو گیا۔ حسین بن محمد بن حاتم معروف بہ عبید العجل کہتے ہیں کہ میں نے ابو زرعہ اور ابو حاتم کو خود دیکھا ہے کہ وہ امام بخاری کی بات کو نہایت توجہ سے سنا کرتے تھے۔ [۵۲] محبت و صداقت کا یہ روح پرور سلسلہ ان ائمہ کے مابین تقریباً ۲۵۰ھ تک برابر قائم رہا۔ بعد کو جب امام ذہلی نے امام ابو زرعہ اور امام ابو حاتم کو لکھ بھیجا کہ امام بخاری تلفظ بالقرآن کے مخلوق ہونے کے قائل ہیں تو سابقہ تعلقات کی خوشگواری سخت ناگواری میں تبدیل ہو گئی تھی کہ ان دونوں اماموں نے امام بخاری سے حدیث کی روایت تک بند کر دی چنانچہ امام ابن ابی حاتم۔ کتاب الجرح والتعدیل میں

۵۰۔ ہدی الساری لفتح الباری مقدمہ شرح صحیح البخاری ج ۲ ص ۲۸۰ طبع میریہ مصر ۱۳۰۱ھ

۵۱۔ یہ تمام اقوال تہذیب التہذیب میں امام بخاری کے ترجمہ میں مذکور ہیں۔

رقمطراز ہیں کہ

"ابوعبداللہ محمد بن اسمٰعیل بخاری ۲۵۰ھ میں رے میں آئے تھے، یہ عبدان مروزی، ابوہمام صلت بن محمد فریابی اور ابن ابی اویس سے روایت کرتے ہیں۔ ان سے میرے والد (امام ابوحاتم) اور ابوزرعہ نے بھی حدیثیں سنی تھیں لیکن جب ان کو محمد بن یحییٰ نیشاپوری (امام ذہلی) نے یہ لکھ کر بھیجا کہ بخاری نے ان کے یہاں اس عقیدہ کا اظہار کیا ہے کہ قرآن پاک کے جو الفاظ ان کے منہ سے نکلتے ہیں وہ مخلوق ہیں تو ان دونوں حضرات نے بخاری کی حدیث کو ترک کردیا" [۱]

یہ بھی واضح رہے کہ امام ابوزرعہ اور امام ابوحاتم نے تاریخ و رجال کے سلسلہ میں امام بخاری کی بہت سی غلطیاں نکالی ہیں چنانچہ حافظ ابن ابی حاتم نے امام بخاری کے تاریخی اوہام پر ایک مستقل کتاب تصنیف کی ہے جس کا نام ہے "کتاب خطأ البخاری" اس کتاب میں ابن ابی حاتم نے ان ہی دونوں حضرات سے بیشتر استفادہ کیا ہے۔ حافظ زین الدین عراقی اس کتاب کے بارے میں لکھتے ہیں۔

جمع فیہا اوہامہ فی التاریخ۔ [۲]	ابن ابی حاتم نے اس کتاب میں امام بخاری کی تاریخی غلطیاں جمع کردی ہیں۔

اور علامہ سخاوی، الاعلان بالتوبیخ میں ارقام فرماتے ہیں:

لابن ابی حاتم جزء کبیر عندی انتقد فیہ علی البخاری۔ (ص ۱۱۰)	میرے پاس ابن ابی حاتم کا تصنیف کردہ ایک بڑا جزء موجود ہے جس میں انھوں نے بخاری (کی تاریخ) پر تنقید کی ہے۔

تہذیب التہذیب اور لسان المیزان میں بھی اس کتاب کے حوالے ملتے ہیں۔ وجہ یہ ہے کہ امام بخاری نے اپنی تاریخ کی تصنیف بالکل نوعمری میں کی تھی جب کہ امام موصوف کا سن اٹھارہ سال کا تھا۔ اس لئے اس میں بہت سے اغلاط رہ گئے علاوہ ازیں بہت سے نام امام موصوف کو ایسے نوشتوں سے نقل کرنے پڑے کہ جن پر نہ نقطے لگے ہوئے تھے اور نہ ان کو ضبط کیا گیا تھا چنانچہ حافظ صالح جزرہ نے ایک موقع پر امام ابوزرعہ کے رد پر امام بخاری کی طرف سے یہی عذر پیش کیا تھا ان کا بیان ہے کہ ایک بار ابوزرعہ رازی مجھ سے کہنے لگے کہ اے ابوعلی (یہ صالح جزرہ کی کنیت ہے) اسماء الرجال پر محمد بن اسمٰعیل کی کتاب التاریخ میری نظر سے گزری اس میں تو بڑی غلطیاں ہیں۔ میں نے ان سے عرض کیا مصیبت یہ ہے کہ ان کے پاس بخارا کا جب کوئی شخص عراق سے ہو کر آتا تھا یہ اس کی کتابیں لیکر دیکھتے تھے۔ اہل بخارا کی عادت ہے کہ نہ تو وہ اسما کو ضبط کرتے ہیں اور نہ ان پر نقطے دیتے ہیں لہذا جب ان کی نظر سے کوئی ایسا نام گذرتا کہ

---

[۱] کتاب الجرح والتعدیل۔ ج ۳ قسم ۲ ص ۱۹۱ طبع دائرۃ المعارف حیدرآباد دکن۔ [۲] التقیید والایضاح لما اطلق واغلق من مقدمۃ ابن الصلاح از حافظ عراقی ص ۴۲۴ ۔ طبع حلب ۱۳۵۰ھ۔ [۳] چونکہ یہ چھوٹی سی عمر میں امام بخاری کا ایک بہت بڑا کارنامہ تھا اس لئے ان کے استاد امام اسحٰق بن راہویہ نے اس کو بڑی قدر کی نگاہ سے دیکھا اور حوصلہ افزائی کے خیال سے اس کتاب کو عبداللہ بن طاہر والی خراسان کے دربار میں لے جاکر ان الفاظ میں پیش کیا ایہا الامیر! الا اریک سحراً۔ (اے امیر تمہیں ایک جادو نہ دکھاؤں)۔ (مقدمہ فتح الباری ج ۲ ص ۴۸۴)۔

جس سے یہ پہلے سے واقف نہ ہوتے اور نہ وہ ان کی اپنی کتابوں میں موجود ہوتا تو یہ اسے غلط طور پر اپنی کتاب میں نقل کر لیتے تھے ورنہ خراسانیوں میں ان سے زیادہ سمجھ دار میں نے کسی کو نہیں پایا۔[1]

افسوس ہے کہ امام بخاری کے بعض حامیوں نے بجائے اس کے کہ ان تنقیدات کا علمی جواب دیتے اس سلسلہ میں امام ابوزرعہ، امام ابوحاتم اور امام مسلم پر نہایت ہی رکیک الزامات لگائے۔ چنانچہ علامہ تاج الدین سبکی، طبقات الشافعیہ الکبری میں امام بخاری کے تذکرہ میں حافظ ابواحمد نیشاپوری معروف بہ حاکم کبیر المتوفی ۳۷۸ھ کی کتاب الکنیٰ کے حوالہ سے نقل کرتے ہیں۔

وکتاب محمد بن اسماعیل فی التاریخ کتاب لم یسبق الیه ومن الف بعده شیئاً فی التاریخ او الاسماء او الکنی لم یستغن عنه فمنهم من نسبه الی نفسه مثل ابی زرعة وابی حاتم ومسلم ومنهم من حکاه عنه فالله یرحمه فانه الذی اصل الاصول۔

تاریخ میں محمد بن اسمٰعیل کی کتاب ایسی ہے کہ اس پر کوئی کتاب سبقت نہ لیجا سکی اور ان کے بعد جس نے بھی تاریخ یا اسماء کنی پر کوئی تالیف کی وہ اس سے بے نیاز نہ رہ سکا پھر بعض نے تو جیسے کہ ابوزرعہ، ابوحاتم اور مسلم ہیں اس کو اپنی جانب ہی منسوب کر لیا اور بعض نے ان ہی کے حوالہ سے نقل کیا۔ سو اللہ بخاری پر رحم کرے کہ انھوں نے ہی اس کے اصول کی داغ بیل ڈالی۔

ابواحمد مذکور کو اس سلسلہ میں سب سے زیادہ برہمی امام مسلم پر ہے چنانچہ اسی عبارت سے پہلے عبداللہ دیلمی کے ترجمہ میں یوں لکھتے ہیں۔

عبد الله الدیلمی ابو بشر، وقال البخاری ومسلم فیما ابو بشر بشین معجمة قال الحاکم وکلاهما اخطأ فی علمی انما هو ابو بسر فخلیق ان یکون محمد بن اسماعیل مع جلالته ومعرفته بالحدیث اشتبه علیه فلما نقله مسلم من کتابه تابعه علی زلته ومن تامل کتاب مسلم فی الاسماء والکنی علم انه منقول من کتاب محمد بن اسماعیل حذو القدم بالقدم حتی لا یزید علیه فیه الا ما یسهل

عبداللہ دیلمی ابو بشر، بخاری اور مسلم نے اس کو ابو بشر بشین معجمہ ہی کہا ہے اور میرے علم میں ان دونوں نے غلطی کی کیونکہ یہ (ابو بشر نہیں بلکہ) ابو بسر ہے، اور بالکل ممکن ہے کہ محمد بن اسمٰعیل کو باایں ہمہ جلالت و معرفت حدیث اشتباہ ہو گیا ہو اور مسلم نے جب اس کو ان کی کتاب سے نقل کیا ہو تو اس غلطی میں ان کی پیروی کی ہو۔ اور جو شخص بھی مسلم کی کتاب الاسماء والکنی پر غور کرے گا اسے معلوم ہو جائے گا کہ مسلم کی کتاب قدم بہ قدم محمد بن اسماعیل کی کتاب سے منقول ہے حتی کہ انھوں نے

---

[1] تہذیب التہذیب، ترجمہ امام بخاری، اصل عبارت یہ ہے قال صالح جزرة قال لی ابوزرعة یا ابا علی نظرت فی کتاب محمد بن اسمعیل هذا اسماء الرجال فاذا فیه خطأ کثیر، فقلت له بلیة انه رجل کل من یقدم علیه من العراق من اهل بخاری نظر فی کتبهم فاذا رای اسما لا یعرفه ولیس عنده فی کتبه وهم لا یضبطون ولا یفطنون فیضعه فی کتابه خطأ والا فما رأیت خراسانیا افهم منه۔

[2] مسلم کی کتاب الاسماء والکنی کا قلمی نسخہ دمشق کے کتب خانہ ظاہریہ میں موجود ہے۔

عدہ و تجلد فی نقلہ حتی الجلادۃ اذ لم ینسبہ الی قائلہ ۔

اپنی تصنیف میں جو کچھ اس کتاب پر اضافہ کیا ہے وہ نہ مانی شمار کیا جا سکتا ہے اور پھر اس کی نقل میں پوری طرح ڈھٹائی سے کام لیا کہ کہیں ان کا حوالہ تک نہیں دیا۔ لہ

لیکن یہ حاکم کبیر کی محض بدگمانی ہے جو سراسر خلاف واقعہ ہے۔ تعجب ہے بعض لوگوں نے خود امام بخاری کے متعلق بھی اس قسم کا خیال ظاہر کیا ہے، چنانچہ ان ہی حاکم کبیر کے معاصر حافظ مسلمہ بن قاسم اندلسی المتوفی ۳۵۳ھ کتاب الصلۃ میں لکھتے ہیں کہ امام بخاری نے اپنے استاد علی بن المدینی کی کتاب العلل کو ان کے غیاب میں ان کے کسی صاحبزادے کو مال کی طمع دلا کر حاصل کیا اور پھر اسی کتاب کی عبارتوں کو اپنی طرف سے ابن المدینی کے سامنے پیش کرتے رہے اور آخر اسی کی بدولت درس سے بے نیاز ہو کر خراسان کی راہ لی۔ ۲ہ

لہ حافظ ابن حجر عسقلانی نے مقدمہ فتح الباری میں امام بخاری کی جامع صحیح کے فضائل کو بیان کرتے ہوئے ابو احمد حاکم کی مذکورہ عبارت خود صحیح مسلم کے متعلق نقل کر دیا ہے۔ چنانچہ فرماتے ہیں۔

قال الحاکم ابو احمد رحم اللہ محمد بن اسماعیل فانہ الذی الف الاصول وبین للناس و کل من عمل بعدہ فانما اخذہ من کتابہ کمسلم فرق اکثر کتابہ فی کتابہ و تجلد فیہ حتی الجلادۃ حیث لم ینسبہ الیہ ۔

حاکم ابو احمد کہتے ہیں کہ اللہ محمد بن اسمٰعیل پر رحم فرمائے کہ انھوں نے ہی اصول جمع کئے اور ان کو لوگوں کے سامنے رکھا اور جس نے بھی ان کے بعد کام کیا ان ہی کی کتاب سے لیا جیسے کہ مسلم کہ انھوں نے بخاری کی اکثر کتاب کو اپنی کتاب میں جا بجا پھیلا دیا اور پھر اس طرح پوری پوری ڈھٹائی کو کام میں لائے کہ بخاری کا حوالہ تک نہیں دیا۔

حافظ صاحب موصوف کو اس عبارت کے نقل کرنے پر بھی صبر نہیں آیا سلسلہ آگے فرماتے ہیں:۔

وقال ابو الحسن الدارقطنی الحافظ لولا البخاری لما راح مسلم ولاجاء وقال ایضا انما اخذ مسلم کتاب البخاری فعمل مستخرجا وزاد فیہ احادیث۔

(مقدمہ فتح الباری ج ۲ ص ۱۹۱)

اور حافظ ابو الحسن دارقطنی کہتے ہیں کہ اگر بخاری نہ ہوتے تو مسلم کی آمد و شد نہ ہوتی۔ (ساری ترکتازی ختم ہو کر رہ جاتی) دارقطنی نے یہ بھی کہا ہے کہ مسلم نے اس کے سوا کچھ نہیں کیا کہ بخاری کی کتاب کو لیکر اس پر ایک مستخرج لکھ دیا اور کچھ حدیثیں اس میں بڑھا دیں۔

ہم اس بارے میں کچھ لکھنا نہیں چاہتے جن اہل علم نے صحیح بخاری اور صحیح مسلم ان دونوں کتابوں کا مطالعہ کیا ہے اور اس فن کا ذوق رکھتے ہیں وہ خود فیصلہ کر سکتے ہیں کہ اس بارے میں ان کے نزدیک ابو احمد اور دارقطنی کی رائے کا کیا وزن ہے۔

۲ہ حافظ ابن حجر عسقلانی، تہذیب التہذیب میں امام بخاری کے ترجمہ میں لکھتے ہیں:

قال مسلمۃ والف علی بن المدینی کتاب العلل وکان ضنینا بہ فغاب یوما فی بعض ضیاعہ فجاء البخاری الی بعض بنیہ و راغبہ بالمال علی ان یری الکتاب یوما واحدا فاعطاہ لہ فدفعہ الی النساخ فکتبوہ لہ وردہ الیہ فلما حضر علی

مسلمہ نے کہا ہے کہ علی بن المدینی نے کتاب العلل تالیف کی تھی اور وہ اس کو دوسروں کو دکھانے میں بڑے بخیل تھے، اتفاق سے ایک روز وہ اپنی کسی زمین پر جانے کے باعث درس سے غیر حاضر رہے۔ امام بخاری فوراً ان کے کسی صاحبزادے کے پاس پہنچے اور اسے مال کا لالچ دیا کہ وہ انھیں صرف ایک روز کیلئے اس کتاب کو دکھا دے۔ (باقی حاشیہ بر صفحہ آئندہ)

فن جرح و تعدیل اور اسماء الرجال میں امام ابوزرعہ، امام ابوحاتم اور امام مسلم کا جو پایہ ہے اس کو دیکھتے ہوئے ان بزرگوں کی نسبت اس قسم کی خیانت علمی اور سرقہ کا کون گمان کرسکتا ہے۔ غور کیجئے تاریخ رجال میں راویوں کے نام ان کے شیوخ وتلامذہ، اوطان، سنین ولادت ووفات اور جرح و تعدیل کا بیان ہوتا ہے۔ اب راویوں کے نام وہی، شیوخ وتلامذہ وہی، وطن وہی، سنین ولادت ووفات وہی، اور جرح و تعدیل میں اکثر وبیشتر اتفاق رائے پھر ایسی صورت میں جب کہ یہ سب امور یکساں اور متحد ہیں معاصرین ائمہ فن کی تصنیفات میں اکثر وبیشتر معلومات کا مشترک ہوجانا کونسی تعجب کی بات ہے۔

دو راہ رو کہ بہ یک رہ روند ریک سمت　　　عجب نہ باشد اگر او فتند پے بر پے

ظاہر ہے کہ امام بخاری کو اس فن کی معلومات جن اساتذہ سے حاصل ہوئی تھیں وہی اساتذہ قریب قریب ان کے بھی تھے اور حدیث وروایت کا جو مجموعہ امام بخاری کے پیش نظر تھا وہی کم وبیش ان کے بھی سامنے تھا۔ امام یحیی بن معین، امام احمد بن حنبل اور علی بن المدینی وغیرہ کی جس قدر تصانیف اس فن میں امام بخاری کی نظر سے گزری تھیں ان کی نظر سے بھی گزری تھیں پھر جس طرح امام بخاری نے فن رجال میں کتابیں لکھیں انھوں نے بھی لکھیں بلکہ ان حضرات کی تصنیفات میں ان سے بھی زیادہ معلومات ہیں چنانچہ ابھی خود حاکم کبیر کے بیان میں آپ کی نظر سے گزرا کہ امام مسلم کی کتاب الکنی میں

(بقیہ حاشیہ از صفحہ گذشتہ) بکلم بشی فاجابه البخاری بنص کلامه مرارا ثم فهموا القضیة واغتم لذلك فلم یزل مغموما حتی مات بعد یسیر واستغنی البخاری عنه بذلك الكتاب وخرج الی خراسان ووضع كتابه الصحيح۔

صاحبزادے نے کتاب ان کے حوالہ کی۔ امام بخاری نے اس کو لیکر کاتبوں کے سپرد کیا اور انھوں نے اسے نقل کردیا اور پھر وہ کتاب اس کو واپس کردی بعد کو جب علی آئے اور انھوں نے اس موضوع پر کچھ کلام کیا تو بخاری نے بار ہا بالکل ان ہی کی عبارت میں جوابات دیئے ابن المدینی بھی سمجھ گئے کہ قضیہ کیا ہے اور اس پر سخت رنجیدہ ہوئے اور آخر اسی رنج وغم میں کچھ دنوں کے بعد انتقال کرگئے۔ اور بخاری نے اس کتاب کی بدولت ان سے مستغنی ہوکر خراسان کی راہ لی۔ اور کتاب الصحیح کی تالیف کی۔

حافظ صاحب اس قصہ کے متعلق فرماتے ہیں کہ

واما القصة التی حكاها فيما يتعلق بالعلل لابن المدینی فانما اغنية عن الرد ظهور فسادها۔

اور مسلمہ نے جو قصہ کہ ابن المدینی کی علل کے متعلق نقل کیا ہے اس کی خرابی اتنی ظاہر ہے کہ اس کی تردید کی بھی حاجت نہیں۔

اس کے بعد حافظ صاحب نے تفصیل سے اس قصہ کے غلط ہونے کے وجوہ بیان کئے ہیں۔ افسوس ہے کہ امام بخاری کے متعلق تو حافظ صاحب کو اس قصہ کی خرابی فوراً ظاہر ہوگئی لیکن امام مسلم کے متعلق اسی قسم کی باتیں خود مزے لے کر بیان کرتے ہیں۔

اضافہ یہی ہے یہ بھی ظاہر ہے کہ ناقد کے لئے جس مصنف پر کہ وہ تنقید کر رہا ہے اس سے زیادہ اس فن میں بصیرت ہونا ضروری ہے۔ پھر یہ کہنا کس قدر بیجا ہے کہ امام ابوزرعہ امام ابوحاتم اور امام مسلم جیسے اکابر ائمہ نے جو کچھ اس فن میں لکھا وہ امام بخاری سے لے کر نقل کر ڈالا اور اس پر بھی ان بزرگوں کی علمی بددیانتی کا یہ عالم تھا کہ بجائے امام بخاری کا حوالہ دینے کے سب کچھ اپنی طرف منسوب کر ڈالا۔ لاحول ولا قوۃ الا باللہ۔

ہاں یہ صحیح ہے کہ ان ائمہ نے اپنی تصنیفات میں امام بخاری کی تاریخ کو اپنے سامنے رکھا ہے ورنہ ظاہر ہے کہ اگر کتاب سامنے نہ ہوتی تو تنقید کس پر کرتے بلکہ ترتیب بھی وہی اختیار کی ہے اور اسی لئے حاکم کبیر کو شبہ ہو گیا کہ یہ امام بخاری کی کتاب کو اپنے نام سے منسوب کر رہے ہیں، چنانچہ محدث حاکم نیشاپوری صاحب مستدرک علی الصحیحین ان ہی حاکم کبیر سے ناقل ہیں کہ

سمعته يقول كنت بالري فرأيتهم يوماً يقرؤن على ابى محمد بن ابى حاتم كتاب الجرح والتعديل فلما فرغوا قلت لابن عبدويه الوراق ماهذه الضحكة اراكم تقرؤن كتاب التاريخ لمحمد بن اسماعيل البخارى على شيخكم على هذا الوجه، وقد نسبتموه الى ابى زرعة وابى حاتم فقال يا ابا احمد اعلم ان ابا زرعة و ابا حاتم لما حمل اليهما هذا الكتاب قالا هذا علم حسن لا يستغنى عنه و لا يحسن بنا ان نذكره عن غيرنا فاقعدا ابا محمد عبد الرحمن الرازى حتى سألهما عن رجل معه رجل و زادا فيه ونقصا منه۔[1]

میں نے ان سے سنا کہتے تھے میں رے میں تھا کہ ایک روز کیا دیکھتا ہوں کہ لوگ ابو محمد بن ابی حاتم کے پاس کتاب الجرح والتعدیل پڑھ رہے ہیں پھر جب وہ پڑھنے سے فارغ ہوئے تو میں نے ابن عبدویہ وراق سے کہا کہ یہ کیا ہنسی کر رکھی ہے میں دیکھ رہا ہوں کہ تم لوگ محمد بن اسماعیل بخاری کی کتاب التاریخ کو اس کتاب کی شکل میں اپنے استاد کے سامنے پڑھ رہے ہو حالانکہ تم اسے ابوزرعہ اور ابوحاتم کی بتاتے ہو۔ اس پر وراق نے کہا کہ اے ابو احمد تمہیں معلوم ہونا چاہئے کہ جس وقت ابوزرعہ اور ابوحاتم کے پاس یہ کتاب (تاریخ بخاری) لائی گئی ہے تو ان حضرات نے فرمایا کہ یہ علم خوب ہے اس سے بے نیاز نہیں رہا جا سکتا اور ہم لوگوں کے لئے یہ زیبا نہیں کہ ہم اسے دوسرے سے نقل کریں اس لئے ان دونوں حضرات نے ابو محمد عبدالرحمن رازی کو بٹھایا اور وہ یکے بعد دیگرے ایک ایک راوی کے متعلق ان سے پوچھتے گئے اور پھر یہ دونوں حضرات کہیں اس کتاب سے زیادہ اور کہیں اس سے کم بیان کرتے چلے گئے۔

ملاحظہ فرمایا آپ نے خود حاکم کبیر کے بیان کے موجب صورت واقعہ کیا ہے، امام بخاری کی تاریخ امام ابوزرعہ اور امام ابوحاتم کے سامنے آتی ہے اور ان کی غیرت علمی اس امر کو گوارا نہیں

[1] معجم البلدان، ذکر رے، حافظ ذہبی نے بھی تذکرۃ الحفاظ میں ابو احمد حاکم کے ترجمہ میں اس واقعہ کو نقل کیا ہے۔

کرتی کہ ان کے دیار کا علمی حلقہ اس فن میں دوسرے کا محتاج رہے لہذا یہ اسی نہج پر عبدالرحمٰن کو بٹھا کر (جو امام ابوحاتم کے صاحبزادے اور ابوزرعہ کے برادرزادے تھے) اس فن پر ایک مستقل کتاب لکھوا دیتے ہیں جو معلومات کے لحاظ سے کہیں امام بخاری کی تاریخ سے زیادہ ہے اور کہیں کم۔ یہ کتاب کس پایہ کی ہے اس کے متعلق حافظ ذہبی جو فن رجال میں تمام متاخرین کے پیشوا خیال کئے جاتے ہیں فرماتے ہیں۔

قلت کتابہ فی الجرح والتعدیل یقضی لہ بالرتبۃ المتقنۃ فی الحفظ۔ [۱]	میں کہتا ہوں کہ ان کی کتاب الجرح والتعدیل حفظ حدیث میں ان کو جو اتقان (پختگی) کا رتبہ حاصل ہے اس کو ثابت کرتی ہے

یہ بھی واضح رہے کہ فن رجال میں امام ابوحاتم کو امام بخاری سے زیادہ محتاط اور زیادہ سخت خیال کیا جاتا ہے۔ چنانچہ حافظ ابن حجر عسقلانی، النکت علی ابن الصلاح میں لکھتے ہیں۔

ومن الرابعۃ ابوحاتم والبخاری وابوحاتم اشد من البخاری۔ [۲]	ناقدین فن کے چوتھے طبقہ میں ابوحاتم اور بخاری ہیں اور ابوحاتم، بخاری سے تنقید میں زیادہ سخت ہیں۔

اور امام مسلم کا فن رجال میں جو درجہ ہے اس کا اندازہ آپ اس سے لگائیے کہ حافظ عصر ابوالعباس بن عقدہ جن کے متعلق حافظ ذہبی لکھتے ہیں کہ کان الیہ المنتہی فی قوۃ الحفظ وکثرۃ الحدیث (قوت حافظہ اور کثرت حدیث کا ان پر خاتمہ تھا) اور جو امام بخاری کی کتاب التاریخ کے اس قدر گرویدہ تھے کہ فرماتے ہیں:

وان رجلا کتب ثلاثین الف حدیث لما استغنی عن تاریخ محمد بن اسماعیل۔ [۳]	اگر ایک شخص تیس ہزار حدیثیں بھی لکھ لے جب بھی وہ محمد بن اسماعیل کی تاریخ سے بے نیاز نہیں رہ سکتا۔

ان سے ایک بار ابوعمرو بن حمدان نے سوال کیا تھا کہ ایما احفظ البخاری او مسلم (بخاری اور مسلم ان دونوں میں حدیث کا کون زیادہ حافظ ہے) جواب دیا محمد عالم و مسلم عالم (بخاری بھی عالم ہیں اور مسلم بھی عالم ہیں) ابوعمرو بن حمدان کہتے ہیں کہ میں نے بار بار ان سے یہی سوال کیا تو کہنے لگے۔

یقع لمحمد الغلط فی اھل الشام وذلک لانہ اخذ کتبھم ونظر فیھا فربما ذکر الرجل بکنیتہ ویذکر فی موضع آخر یظنھما اثنین واما مسلم فقلما یوجد لہ غلط فی العلل لانہ کتب المسانید ولم یکتب المقاطیع والمراسیل۔ [۴]	محمد (بخاری) سے اہل شام کے بارے میں غلطیاں ہوتی ہیں کیونکہ انھوں نے ان کی کتابوں کو لیکر ان کا مطالعہ کیا تھا اس لئے اکثر ایسا ہوتا ہے کہ ایک جگہ کنیت کے ساتھ ایک شخص مذکور ہوتا ہے اور دوسرے مقام پر اس کا نام آتا ہے تو یہ اس کو دو شخص سمجھ لیتے ہیں لیکن امام مسلم کی علل میں غلطی بہت ہی کم پائی جاتی ہے کیونکہ انھوں نے صرف مسند

---

[۱] تذکرۃ الحفاظ، ترجمہ ابن ابی حاتم۔ [۲] اس کتاب کا قلمی نسخہ پیر جھنڈو (ضلع حیدرآباد سندھ) میں ہماری نظر سے گزرا ہے اور مطبوعہ کتابوں میں حافظ سیوطی نے زہر الربی علی المجتبیٰ کے مقدمہ میں اور حافظ سخاوی نے الاعلان بالتوبیخ کے خاتمہ میں اس کو نقل کیا ہے۔ [۳] تذکرۃ الحفاظ ترجمہ ابن عقدہ۔ [۴] تہذیب التہذیب ترجمہ امام بخاری ومقدمہ فتح الباری۔ [۵] تذکرۃ الحفاظ، ترجمہ امام مسلم۔

حدیثیں لکھی تھیں اور مقطوع اور مرسل روایتیں نہیں لکھیں۔

امام ابوحاتم رازی کی وفات ماہ شعبان ۲۷۷ھ میں ہوئی، اس وقت آپ کی عمر بیاسی سال کی تھی، رحمہ اللہ (تذکرۃ الحفاظ، تہذیب التہذیب، طبقات الشافعیۃ الکبریٰ وغیرہ)

حافظ محمد بن حماد الطہرانی، ابوعبداللہ الرازی۔ یہ طہران کے رہنے والے تھے جو اس زمانہ میں رے کا ایک قریہ تھا اور آج ایران کا پایہ تخت ہے۔ حافظ ذہبی نے تذکرۃ الحفاظ میں ان کا ترجمہ ان لفظوں میں شروع کیا ہے: المحدث الحافظ الجوال فی الآفاق ابوعبداللہ الرازی العبد الصالح نزیل عسقلان، عراق، شام اور یمن میں حدیث کی تحصیل کی۔ ارباب صحاح ستہ میں ان سے صرف امام ابن ماجہ کو تلمذ حاصل ہے۔ امام ابن ماجہ نے ان سے غالباً رے ہی میں حدیث کا سماع کیا، کیونکہ ابن ابی حاتم نے کہا ہے کہ میں نے ان سے رے، بغداد اور اسکندریہ میں حدیثیں لکھی ہیں۔ اس سے معلوم ہوا کہ ابن ابی حاتم کے ابتدائی زمانے تک ان کا قیام رے میں رہا ہے۔ مسلمہ بن قاسم کہتے ہیں کہ یہ عبدالرزاق کے اصحاب میں سے تھے اور حافظ الحدیث اور ثقہ تھے اور اکثر حدیثیں انھوں نے اپنے حفظ ہی سے روایت کی ہیں۔ منصور فقیہ کا بیان ہے کہ میں نے جتنے بھی شیوخ دیکھے ان میں سے صرف تین کے متعلق مجھے یہ تمنا ہوئی کہ کاش میں بھی فضیلت میں ان جیسا ہوتا، پھر ان تین میں بھی سب سے پہلے ان ہی کا نام لیا۔ محمد بن یعقوب فرجی کہا کرتے تھے کہ جس کو احمد بن حنبل، اسحٰق بن راہویہ اور اس پایہ کے لوگوں کو دیکھنا ہو وہ ابن الطہرانی کو دیکھ لے۔ ان کی وفات عسقلان میں ربیع الآخر ۲۶۱ھ میں ہوئی، رحمہ اللہ۔ (تذکرۃ الحفاظ، تہذیب التہذیب، معجم البلدان، ذکر طہران)۔

حافظ محمد بن حمید بن حیان التمیمی ابوعبداللہ الرازی، امام ابوداؤد، ترمذی اور ابن ماجہ نے ان سے روایتیں کی ہیں۔ یہ اگرچہ حدیث کے بہت بڑے حافظ تھے مگر قابل اعتبار نہیں کیونکہ ان کی بہت سی روایات ثقات کے خلاف ہیں، حافظ ذہبی لکھتے ہیں وھو من بحور العلم لکنہ غیر معتمد یأتی بمناکیر کثیرۃ (یہ علم کے سمندروں میں سے تھے مگر غیر معتمد ہیں کیونکہ منکر روایات بہت لاتے ہیں) امام ابوزرعہ نے ان ہی ابن حمید کے متعلق کہا تھا کہ بخاری نے ان کی حدیث ترک کر دی ہے۔ ان کا انتقال ۲۴۸ھ میں ہوا ہے۔ رحمہ اللہ۔ (تذکرۃ الحفاظ، تہذیب التہذیب)۔

ان حفاظ کے علاوہ امام ابن ماجہ نے رے کے جن شیوخ حدیث سے حدیثیں روایت کیں وہ یہ ہیں:

(۱) عبدالسلام بن عاصم الجعفی الہسنجانی الرازی۔ ہسنجان رے کا ایک قریہ ہے۔ (۲) عبداللہ بن عمران بن ابی علی الاسدی ابومحمد الاصبہانی نزیل الرے۔ (۳) علی بن الحسن الہسنجانی الرازی، ان سے امام ابن ماجہ نے اپنی تفسیر میں روایت کی ہے۔ (۴) محمد بن اسمٰعیل بن ابی ضرار الضراری ابوصالح الرازی، ان سے سنن ابن ماجہ میں بکثرت روایتیں منقول ہیں۔ (۵) محمد بن عمرو بن بکر بن سالم التمیمی العدوی ابوغسان الرازی الطیالسی المعروف بزنیج المتوفی ۲۴۰ھ۔ (۶) یحییٰ بن معلی بن منصور

ابوزکریا رازی، یہ فقہاء حنفیہ میں سے ہیں، خطیب نے ان کو ثقہ کہا ہے اور حاکم اپنے شیخ ابوعلی حافظ سے ان کے متعلق ناقل ہیں کہ کان صاحب حدیث، حافظ عبدالقادر قرشی نے الجواہر المضیہ میں لکھا ہے کہ انھوں نے فقہ کی تعلیم اپنے والد بزرگوار سے حاصل کی تھی۔ ذہبی کے ان کے بارے میں یہ الفاظ ہیں محدث رحال ثقة، امام مسلم کا بیان ہے کہ انھوں نے بغداد میں سکونت اختیار کرلی تھی۔[52]

اصفہان

عراق عجم میں رے کے بعد سب سے بڑا شہر یہی تھا۔[53] حافظ ذہبی لکھتے ہیں:

واصبهان التي كانت تضاهي بغداد في العلو والكثرة۔	اور اصفہان جو کہ علو اسناد اور کثرت حدیث میں بغداد کے مشابہ تھا۔

امام ابن ماجہ نے یہاں کے صرف ایک محدث عبدالرحمن بن عمر بن یزید بن کثیر الزہری ابوالحسن الاصبہانی الازرق سے کہ جن کا لقب رستہ ہے اپنی سنن میں حدیثیں روایت کی ہیں۔ یہ اگرچہ ثقہ ہیں مگر

---

[51] ان کے والد معلی بن منصور رازی، فقہاء حنفیہ میں نہایت بلند پایہ اور اپنے وقت کے حفاظ حدیث میں سے گذرے ہیں، چنانچہ حافظ ابوالحجاج مزی، تہذیب الکمال میں امام احمد بن حنبل سے ان کے متعلق یہ الفاظ نقل کرتے ہیں معلی بن منصور من كبار اصحاب ابي يوسف ومحمد ومن ثقاتهم في النقل والرواية۔ اور حافظ ذہبی نے تذکرۃ الحفاظ میں ان کا ترجمہ ان لفظوں میں شروع کیا ہے معلی بن منصور الحافظ ابو يعلى الرازي ثم البغدادي الفقيه احد الاعلام، اس کے بعد لکھتے ہیں كان من اوعية العلم (یہ علم کے خزانوں میں سے تھے) ابن معین وغیرہ نے ان کی توثیق کی ہے، عجلی کہتے ہیں ثقة نبيل صاحب سنة طلبوه للقضاء غير مرة فأبى (ثقہ ہیں، معزز ہیں، بارہا ان کو عہدہ قضا کے لئے طلب کرتے رہے مگر انھوں نے اسے منظور نہیں فرمایا) یعقوب سدوسی کے ان کے بارے میں یہ الفاظ ہیں ثقة متقن فقيه۔ ابن عدی کا بیان ہے کہ میں نے ان کی کوئی حدیث منکر نہیں دیکھی۔ ابن سعد نے ان کی تاریخ وفات ۲۱۱ھ لکھی ہے۔ اس کے بعد ذہبی نے ان کا ترجمہ ان الفاظ پر ختم کیا ہے۔ رحمه الله تعالى يحدث في الكتب كلها جمع الامامة في الرأي والحديث (اللہ تعالیٰ ان پر اپنی رحمتیں نازل فرمائے، تمام کتابوں (صحاح ستہ وغیرہ) میں ان کی حدیث موجود ہے۔ انھوں نے فقہ اور حدیث دونوں میں امامت کو جمع کیا تھا) اور میزان الاعتدال میں لکھتے ہیں تفقه على القاضي ابي يوسف وبرع فاتقن الحديث والرأي (انھوں نے قاضی ابو یوسف سے فقہ کی تعلیم پائی اور نمایاں مرتبہ حاصل کیا اور حدیث وفقہ میں اتقان پیدا کیا) ذہبی نے میزان میں یہ بھی تصریح کی ہے کہ امام بخاری نے بھی ان کی خدمت میں حاضر ہو کر ان سے کچھ حدیثیں سنی تھیں۔ نماز میں ان پر خشوع وخضوع کی عجب کیفیت طاری رہتی تھی۔ امام یحییٰ بن معین فرماتے ہیں کہ ایک بار یہ نماز پڑھ رہے تھے دفعتاً بھڑوں کا ایک چھتہ ان کے سر پر آگرا مگر یہ پیکر وقار اسی طرح اپنی نماز میں مصروف رہا کیا مجال کہ ذرا توجہ ہٹ جائے یا پائے ثبات کو حرکت ہو جائے آخر اسی حالت میں نماز ختم کی جب فارغ ہوئے اور لوگوں نے دیکھا تو سر پھول کر اتنا ہو چکا تھا۔ رحمہ اللہ (تذکرۃ الحفاظ، میزان الاعتدال، تہذیب التہذیب)۔

[52] الجواہر المضیہ، تہذیب التہذیب۔ [53] معجم البلدان، ذکر رے۔

ان کی روایات میں افراد و غرائب بکثرت ہیں۔ حافظ ذہبی نے تذکرۃ الحفاظ میں ان کا ترجمہ نہیں لکھا مگر شیخ صفی الدین خزرجی نے خلاصہ تذہیب التہذیب میں ان کو الحافظ کا لقب دیا ہے اور ابو الشیخ سے نقل کیا ہے کہ ان کے متعلق یہ بیان کیا جاتا ہے کہ ابن مہدی کی سند سے ان کے پاس تیس ہزار حدیثیں موجود تھیں، ۲۳۶ھ میں انتقال ہوا۔ رحمہ اللہ۔

ہمدان

یہ بھی عراق عجم کا مشہور شہر ہے۔ حافظ ذہبی لکھتے ہیں:

"ہمدان "دار السنہ" تھا جہاں ۶۰۰ھ ہجری سے برابر علما ہوتے چلے آئے تا آنکہ ابو العلاء عطار اور ان کی اولاد جیسے حفاظ حدیث پر ان کا خاتمہ ہوا، اور اس کے بعد چنگیز خانی تاتاریوں نے اس کو تاراج کر ڈالا"

یہاں کے محدثین میں بھی امام ابن ماجہ نے صرف ایک محدث عمار بن حمویہ الثقفی ابو احمد الہمدانی سے حدیث کی روایت کی ہے۔ یہ محدث اور فقیہ دونوں تھے۔ حافظ ذہبی نے تذکرۃ الحفاظ میں ان کا ترجمہ نہیں لکھا لیکن حافظ مزی نے تہذیب الکمال میں ان کو الفقیہ الحافظ لکھا ہے اور حافظ ابن حجر عسقلانی کے تقریب التہذیب میں ان کے متعلق یہ الفاظ ہیں ثقۃٌ حافظٌ فقیہٌ، فضلان بن صالح نے ابو زرعہ سے سوال کیا تھا کہ حدیث کے آپ زیادہ حافظ ہیں یا عمار۔ کہنے لگے حفظ میں تو میں ان سے زیادہ ہوں اور فقہ میں وہ مجھ سے بڑھے ہوئے ہیں۔ ۲۵۲ھ میں درجۂ شہادت پر فائز ہوئے۔

دامغان

یہ ولایت قومس کا بڑا مشہور شہر ہے جو رے اور نیشاپور کے درمیان واقع تھا۔ یہاں کے شیوخ میں امام ابن ماجہ نے حسین بن جنید الدامغانی القومسی سے اپنی سنن میں روایت کی ہے، یہ بڑے ثقہ اور مرد صالح تھے۔ حافظ ابن حبان نے کتاب الثقات میں ان کا ترجمہ لکھا ہے۔

سمنان

یہ رے اور دامغان کے درمیان ایک چھوٹا سا شہر تھا۔ بعض جغرافیہ نویس اس کو ولایت قومس میں شمار کرتے ہیں اور بعض اقلیم رے میں۔ یہاں کے محدثین میں امام ابن ماجہ نے محمد بن جعفر السمنانی القومسی ابو جعفر بن ابی الحسین سے حدیث کی روایت کی ہے۔ حافظ مزی نے ان کو بھی حفاظ حدیث میں شمار کیا ہے لیکن حافظ ذہبی نے تذکرۃ الحفاظ میں ان کا ترجمہ نہیں لکھا ہے۔

نیشاپور

خراسان[1] کا وہ مشہور و معروف شہر جس کو علامہ یاقوت حموی معدن الفضلاء و منبع العلماء لکھتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ

قد خرج منها من ائمة العلم من لا یحصیٰ۔[2]

وہاں سے اتنے ائمہ علم نکلے کہ جن کا شمار نہیں ہو سکتا۔

اور علامہ تاج الدین سبکی رقمطراز ہیں کہ

قد کانت نیسابور من اجل البلاد و اعظمها لم یکن بعد بغداد مثلها۔[3]

نیشاپور اس قدر بڑے اور عظیم الشان شہروں میں سے تھا کہ بغداد کے بعد اس کی نظیر نہ تھی۔

اور حافظ ذہبی لکھتے ہیں:

"نیشاپور جو ابراہیم بن طہمان[4]، حفص بن عبداللہ، اور ان کے بعد یحییٰ بن یحییٰ، ابن راہویہ، محمد بن

---

[1] واضح رہے کہ خراسان جس کو حافظ ذہبی دار الآثار (حدیث و روایت کا گھر) سے تعبیر کرتے ہیں ایک وسیع اقلیم کا نام تھا جو چار علاقوں پر منقسم تھی، پہلے علاقہ کا صدر مقام نیشاپور، دوسرے کا مرو، تیسرے کا ہرات اور چوتھے کا بلخ تھا۔ علامہ تاج الدین سبکی لکھتے ہیں:

وخراسان عند تمامها اربعة کانها قوائمها المبنية عليها وهی مرو ونیسابور وبلخ وهرات، هذه مدنها العظام ولا ملام علیك لو قلت بل هی مدن الاسلام اذ هی کانت دیار العلم علی اختلاف فنونه والملك والوزارة علی عظمتها اذ ذاك۔ (طبقات الشافعیہ ج ۱ ص ۱۷۳)

اور خراسان کے اعلیٰ شہر چار تھے جو اس کے لئے بمنزلہ ستون کے تھے کہ جس پر اس کی بنیاد قائم تھی۔ مرو، نیشاپور، بلخ اور ہرات۔ یہ اس کے عظیم الشان شہر تھے اور اگر تم یہ کہو کہ نہیں یہ "مدن الاسلام" یعنی اسلام کے شہر تھے جب بھی کچھ حرج نہیں کیونکہ اس عہد میں مختلف علوم و فنون کے دار العلم اور سلطنت و وزارت جیسے اہم امور کے مراکز یہی تھے۔

[2] معجم البلدان، ذکر نیسابور۔ [3] طبقات الشافعیہ الکبریٰ ج ۱ ص ۱۷۲۔

[4] یہ بھی امام اعظم کے کبار تلامذہ میں سے ہیں اور اکابر ائمہ حدیث میں شمار کئے جاتے ہیں، ان کے فخر کے لئے یہ کافی ہے کہ خود امام اعظم نے بھی ان سے حدیث کی روایت کی ہے چنانچہ حافظ ذہبی، تذکرۃ الحفاظ میں لکھتے ہیں وحدث عنه من شیوخه صفوان بن سلیم وابو حنیفة الامام (اور ان کے اساتذہ میں سے خود صفوان بن سلیم اور امام ابوحنیفہ نے ان سے حدیث کی روایت کی ہے) محدثین اس قسم کی روایات کو "روایۃ الاکابر عن الاصاغر" میں شمار کرتے ہیں۔ حافظ عبدالقادر قرشی نے الجواہر المضیہ فی طبقات الحنفیہ میں ان کا تذکرہ لکھا ہے اور حافظ ذہبی نے تذکرۃ الحفاظ میں ان کا ترجمہ ان لفظوں میں شروع کیا ہے ابراهیم بن طهمان الامام الحافظ ابوسعید الهروی ثم النیسابوری عالم خراسان۔ امام ابن المبارک نے ان کو صحیح الحدیث کہا ہے قاضی یحییٰ بن اکثم کا بیان ہے کہ کان انبل من حدث بخراسان والعراق والحجاز واوثقهم واوسعهم علما۔ (خراسان، عراق اور حجاز میں جن لوگوں نے حدیث بیان کی ان سب میں زیادہ معزز زیادہ ثقہ اور زیادہ وسیع العلم تھے۔ (باقی برصفحہ آئندہ)

رافع، عبدالرحمن بن بشر، عبداللہ بن ہاشم، ذہلی، احمد بن یوسف، مسلم، ابراہیم بن ابی طالب، ابوعبداللہ بوشنجی، اور پھر ابن خزیمہ، ابوالعباس السراج، ابن الشرقی، اور علماء کی ایک خلائق کی بدولت دارالسنۃ والعوالی (سنت اور عالی اسانید کا گھر) بن گیا تھا اور جس کی طرف تاتاریوں کے ظہور تک طلب حدیث کیلئے رحلت کی جاتی رہی اور جس کے آخری شیخ المؤید الطوسی تھے اور جو پھر ایسا ہوگیا کہ گویا کبھی اس کا وجود ہی نہ تھا۔

یہاں کے جن حفاظ حدیث سے امام ابن ماجہ نے اس فن کی تحصیل کی وہ حسب ذیل ہیں:

حافظ ابوالازہر نیشاپوری احمد بن الازہر بن منیع بن سلیط العبدی۔ فن حدیث میں امام بخاری، مسلم، نسائی اور ابن ماجہ ان کے شاگرد ہیں، لیکن صحیحین میں ان کی سند سے کوئی حدیث منقول نہیں ہے۔ حافظ ذہبی نے تذکرۃ الحفاظ میں ان کا ترجمہ ان لفظوں میں شروع کیا ہے "الحافظ الثقۃ الرحال الجوال" پھر ان کے شیوخ وتلامذہ کے نام بیان کرکے لکھتے ہیں وکان ابوالازہر من علماء المحدثین۔ حافظ ابوحامد بن الشرقی کو کسی محدث نے مشورہ دیا تھا کہ تم عراق کی طرف رحلت

(بقیہ حاشیہ از صفحہ گذشتہ) اسحاق بن راہویہ فرماتے ہیں کان صحیح الحدیث حسن الروایۃ کثیر السماع ما کان بخراسان اکثر حدیثا منہ (صحیح الحدیث تھے۔ روایت میں اچھے تھے حدیث کا بہت سماع کیا تھا اور خراسان میں ان سے زیادہ کثیر الحدیث کوئی نہ تھا) عثمان بن سعید دارمی کہتے ہیں کان ثقۃ فی الحدیث لم یزل الائمۃ یشتھون حدیثہ ویرغبون فیہ ویوثقونہ (یہ حدیث میں ثقہ تھے، ائمہ حدیث برابر ان کی احادیث کی چاہت کرتے ان کی طرف رغبت کرتے اور ان کی توثیق کرتے چلے آئے ہیں) افسوس ہے کہ ایسا باکمال اور بلند پایہ محدث بھی ارباب ظواہر کے حملہ سے نہیں بچا، چونکہ یہ امام اعظم کے شاگرد تھے اور اس بات کے قائل تھے کہ "ایمان وعمل دو جداگانہ چیزیں ہیں اور دونوں کا حکم مختلف ہے" اس بنا پر بہت سے محدثین نے ان کو مرجیہ کہا اور ان پر کلام کیا چنانچہ دارقطنی کہتے ہیں "ثقۃ انما تکلموا فیہ للارجاء (یہ ثقہ ہیں اور ان پر جو کچھ کلام کیا گیا ہے وہ ان کے ارجاء کی وجہ سے ہے) تاہم مخالفین کی کچھ پیش نہ گئی اور حافظ ذہبی کو میزان الاعتدال میں تصریح کرنا پڑی کہ فلاعبرۃ بقول مضعفہ (ان کی تضعیف کرنے والے کی بات کا کوئی اعتبار نہیں) چنانچہ اس مزعومہ ارجاء کے باوجود تمام ارباب صحاح ستہ ان کی حدیث سے احتجاج پر متفق ہیں اور صالح بن محمد اقرار کرتے ہیں کہ ثقۃ حسن الحدیث یمیل شیئا الی الارجاء فی الایمان حبب اللہ حدیثہ الی الناس جید الروایۃ (یہ ثقہ ہیں، حسن الحدیث ہیں، ایمان کے مسئلہ میں کچھ کچھ ارجاء کی طرف مائل ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی حدیث لوگوں کو محبوب بنادی ہے، یہ جید الروایہ ہیں)۔ امام احمد بن حنبل کے دل میں ان کی اس قدر عظمت تھی کہ ایک بار ان کی مجلس میں ان کا تذکرہ چھڑ گیا امام ممدوح اس وقت بیماری کی وجہ سے ٹیک لگائے ہوئے تھے فوراً سیدھے ہو بیٹھے اور فرمانے لگے کہ لاینبغی ان یذکر الصالحون فیتکأ (کہ صالحین کا جب ذکر آئے تو ٹیک لگائے رہنا مناسب نہیں)۔

امام ابن طہمان کی ولادت ہرات میں ہوئی عرصہ تک نیشاپور میں سکونت گزیں رہے پھر اخیر عمر میں حرم محترم کے جوار میں آبسے اور وہیں ۱۶۳ھ ہجری میں انتقال فرمایا، رحمہ اللہ تعالیٰ۔ (تذکرۃ الحفاظ، میزان الاعتدال، الجواہر المضیہ، تہذیب التہذیب)۔

کیوں نہیں کرتے انھوں نے جواب دیا کہ میں وہاں جا کر کیا کرونگا۔ ہمارے یہاں (نیشاپور میں) تو خود علم حدیث کے بندار (صاحب دفتر) ذہلی، ابوالأزہر اور احمد بن یوسف موجود ہیں۔ ۲۶۳ھ میں انتقال کیا۔ رحمہ اللہ۔ (تذکرۃ الحفاظ)۔

امام ابوجعفر دارمی احمد بن سعید بن صخر السرخسی ثم النیساپوری، بجز امام نسائی کے تمام ارباب صحاح ستہ کو ان سے تلمذ حاصل ہے۔ محدث خطیب بغدادی ان کے بارے میں لکھتے ہیں کان احد المذکورین بالفقہ ومعرفۃ الحدیث والحفظ (یہ ان لوگوں میں سے ایک ہیں کہ جن کا فقہ، معرفت حدیث اور اس کے حفظ کے سلسلہ میں ذکر کیا جاتا ہے) امام احمد فرماتے ہیں کہ خراسان سے ان سے زیادہ فقیہ البدن کوئی نہیں آیا۔ ابن عقدہ کے ان کے بارے میں یہ الفاظ ہیں کان احد حفاظ الحدیث المتقن الثقۃ العالم بالحدیث وبالرواۃ۔ سرخس میں عہدہ قضا بھی ان کو تفویض کیا گیا تھا، بعد کو نیشاپور چلے آئے تھے اور وہیں ۲۵۳ھ میں وفات پائی۔ رحمہ اللہ۔ (تذکرۃ الحفاظ، تہذیب التہذیب)۔

حافظ حمدان نیشاپوری احمد بن یوسف بن خالد المہلبی الازدی ابوالحسن السلمی المعروف بحمدان۔ حافظ ذہبی نے ان کا ترجمہ ان لفظوں میں شروع کیا ہے الامام الحافظ محدث نیسابور اور ان الفاظ پر ختم کیا ہے متفق علی عدالتہ وجلالتہ یعنی ان کی توثیق وجلالت پر اتفاق ہے۔ حمدان نے کوفہ، بصرہ، یمن، شام اور جزیرہ میں علم حدیث کی تحصیل کی تھی اور بجز امام ترمذی کے تمام مصنفین صحاح ستہ ان کے شاگرد ہیں لیکن صحیح بخاری میں ان سے کوئی روایت منقول نہیں۔ بیاسی سال کی عمر میں ۲۶۴ھ میں وفات پائی۔ رحمہ اللہ۔ (تذکرۃ الحفاظ)۔

حافظ کوسج ابویعقوب اسحاق بن منصور بن بہرام المروزی نزیل نیشاپور۔ بجز امام ابوداؤد کے تمام ارباب صحاح ستہ کو ان سے تلمذ ہے۔ یہ امام احمد اور اسحاق بن راہویہ کے خاص شاگردوں میں سے تھے۔ امام ترمذی نے اپنی جامع میں مذاہب فقہیہ کے سلسلہ میں ان دونوں ائمہ کے جتنے اقوال نقل کئے وہ تمامتر ان ہی سے منقول ہیں[1]۔ سنن ابن ماجہ میں بھی ان کی سند سے بکثرت احادیث مروی ہیں حافظ ذہبی نے ان کو الامام الحافظ الفقیہ لکھا ہے اور امام مسلم کے ان کے متعلق یہ الفاظ ہیں ثقۃ مامون احد الائمۃ من اصحاب الحدیث۔ ۹ جمادی الاولیٰ ۲۵۱ھ کو بروز دوشنبہ انتقال فرمایا۔ رحمہ اللہ (تذکرۃ الحفاظ، تہذیب التہذیب)۔

حافظ عبداللہ بن الجراح بن سعد التیمی ابومحمد القہستانی نزیل نیشاپور۔ امام ابوداؤد، نسائی اور ابن ماجہ ان کے شاگرد ہیں لیکن امام نسائی نے ان سے اپنی سنن میں نہیں بلکہ مسند مالک میں روایت کی ہے۔ سنن ابن ماجہ میں ان سے بکثرت حدیثیں مروی ہیں۔ حافظ ذہبی نے تذکرۃ الحفاظ میں ان کا ترجمہ نہیں لکھا۔ لیکن علامہ صفی الدین خزرجی نے خلاصہ میں ان کو الحافظ لکھا ہے اور محدث حاکم کے ان کے بارے میں یہ الفاظ ہیں محدث کبیر سکن نیسابور وبھا انتشر علمہ (یہ بڑے

---

[1] جامع ترمذی، کتاب العلل۔

محدث ہیں انھوں نے نیشاپور میں سکونت اختیار کی اور وہیں ان کے علم کی اشاعت ہوئی۔ خلیلی نے لکھا ہے کہ یہ ۲۳۲ھ میں قزوین آئے تھے اور ۲۳۵ھ میں انھوں نے قہستان ہی میں انتقال کیا۔ رحمہ اللہ (تہذیب التہذیب، خلاصہ تذہیب التہذیب)۔

امام ذہلیؒ ابو عبد اللہ محمد بن یحییٰ بن عبد اللہ بن خالد بن فارس النیشاپوری مولی بنی ذہل، حافظ ذہبی نے تذکرۃ الحفاظ میں ان کا ترجمہ ان لفظوں میں شروع کیا ہے الذھلی الامام شیخ الاسلام حافظ نیساپور اور ان کے طبقہ میں جس میں امام بخاری و مسلم بھی داخل ہیں سب سے پہلے ان ہی کا نام لیا ہے ۱۷۰ھ کے بعد پیدا ہوئے، طلب حدیث میں حرمین، شام، مصر، خراسان، یمن اور جزیرہ کی طرف رحلت کی اور بڑے بڑے شیوخ وقت سے اس فن کی تحصیل کی چنانچہ حافظ ذہبی ان کے اساتذہ میں سے عبد الرحمن بن مہدی، اسباط بن محمد، ابو داؤد طیالسی اور عبد الرزاق بن ہمام کے نام گنا کر لکھتے ہیں وخلائق بالحرمین والشام ومصر وخراسان والیمن والجزیرۃ وبرع فی ھذا الشان۔ امام ذہلی کا بیان ہے کہ میں نے طلب حدیث میں تین بار رحلت کی اور اس علم کی تحصیل پر ڈیڑھ لاکھ صرف کئے، یہ ثقاہت ورع و دیانت اور اتباعِ سنت میں ممتاز تھے اور اپنے زمانہ میں خراسان کے سب سے بڑے شیخ الحدیث سمجھے جاتے تھے۔ ذہبی کے الفاظ ہیں انتھت الیہ مشیخۃ العلم بخراسان مع الثقۃ والصیانۃ والدین ومتابعۃ السنن۔ امام احمد فرماتے ہیں کہ زہری کی حدیث کا ان سے بڑھ کر عالم میں نے نہیں دیکھا۔ محمد بن سہل بن عسکر کا بیان ہے کہ ہم امام احمد بن حنبل کے یہاں تھے اسی اثنا میں محمد بن یحییٰ ذہلی داخل ہوئے تو امام ممدوح نے اٹھ کر ان کا استقبال کیا لوگ یہ دیکھ کر دنگ رہ گئے۔ پھر امام احمد نے اپنی اولاد اور اپنے اصحاب کو حکم دیا کہ ان کی خدمت میں جا کر ان سے حدیثیں لکھیں امام احمد یہ بھی فرماتے تھے کہ اگر محمد بن یحییٰ ہمارے پاس نہ ہوتے تو ہم انھیں حدیث میں امام بناتے۔ علی بن المدینی ان سے کہا کرتے تھے انت وارث الزھری (امام زہری کے علم کے وارث تم ہو) سعید بن منصور نے ایک بار امام یحییٰ بن معین سے کہا کہ آپ زہری کی حدیثیں کیوں جمع نہیں کرتے فرمانے لگے اس کام کو تو ہماری طرف سے محمد بن یحییٰ نے انجام دیدیا۔ زنجویہ بن محمد کہتے ہیں کہ ہم نے اپنے مشائخ کو یہی کہتے سنا ہے کہ الحدیث الذی لایعرفہ محمد بن یحیی لایعبأ بہ (جس حدیث کو محمد بن یحییٰ نہ جانیں اس کا اعتبار نہیں) صالح جزرہ کا بیان ہے کہ جب میں رے سے چلنے لگا تو میں نے حافظ فضلک رازی سے پوچھا کہ کس کس سے حدیث لکھوں کہنے لگے جب نیشاپور پہنچو تو محمد بن یحییٰ سے لکھنا فانہ من قرنہ الی قدمہ فائدۃ (کیونکہ وہ سرتاپا فائدہ ہی فائدہ ہیں) ابو حاتم کا قول ہے کہ ھو امام اھل زمانہ۔ نسائی فرماتے ہیں ثقۃ ثبت احد الائمۃ فی الحدیث۔ ابن خزیمہ ان سے حدیث بیان کرتے تو کہتے حدثنا محمد بن یحیی امام اھل عصرہ بلا مدافعۃ (ہم سے محمد بن یحییٰ نے حدیث بیان کی جو بلا کسی روک ٹوک کے اپنے اہل زمانہ کے امام تھے) اور ابو بکر بن ابی داؤد ان الفاظ میں روایت کیا کرتے حدثنا محمد بن یحیی النیسابوری وکان امیر المومنین فی الحدیث۔

(ہم سے محمد بن یحییٰ نیشاپوری نے حدیث بیان کی جو علم حدیث میں امیر المومنین تھے) حافظ فضلک رازی نے تصریح کی ہے کہ انھوں نے کبھی کسی حدیث میں غلطی نہیں کی)۔ ابن الاخرم کا بیان ہے کہ خراسان نے ان کی نظیر نہیں پیدا کی۔ دار قطنی کہتے ہیں کہ جس شخص کو سلف کی معلومات کے مقابلہ میں اپنے قصور علم کا اندازہ لگانا ہو اسے ان کی تصنیف "علل حدیث الزہری" کا مطالعہ کرنا چاہئے۔

تمام ارباب صحاح ستہ نے فن حدیث میں ان کے آگے زانوئے شاگردی تہ کیا ہے، لیکن امام مسلم نے ان سے اپنی صحیح میں روایت نہیں لی۔ یہی وہ امام ذہلی ہیں جن کو تلفظ بالقرآن کے مسئلہ پر امام بخاری سے سخت اختلاف ہو گیا تھا۔ واقعہ یہ ہے کہ جس طرح امام بخاری کو "الایمان قول و عمل" کے مسئلہ میں اس درجہ غلو تھا کہ جو شخص اس مسئلہ کا قائل نہ ہوتا اس سے حدیث نہیں لیتے تھے چنانچہ خود ان کی تصریح ہے کہ لم اکتب الا عمن قال الایمان قول وعمل (میں نے کسی ایسے شخص سے حدیث نہیں لکھی جس کا یہ قول نہ تھا کہ الایمان قول وعمل) اسی طرح امام ذہلی کو قرآن کے غیر مخلوق ہونے کے باب میں اس درجہ شدت تھی کہ جو شخص تلفظ بالقرآن کو بھی مخلوق کہتا وہ اسے بھی بدعتی سمجھتے تھے اتفاق کی بات کہ ۲۵۰ھ ہجری میں امام بخاری کی نیشاپور تشریف آوری ہوئی۔ اہل شہر نے آپ کی آمد کی خبر سنی تو پہلے سے دو دو تین تین منزل پر پہنچ کر آپ کا استقبال کرنا شروع کیا اور اس تزک و احتشام سے لائے کہ امام مسلم فرماتے ہیں میں نے اہل نیشاپور کو کسی والی یا عالم کا ایسا شاندار استقبال کرتے نہیں دیکھا، امام ذہلی نے بھی اپنی مجلس درس میں اعلان کر دیا تھا کہ کل ہم محمد بن اسمٰعیل کے استقبال کو جائیں گے اس لئے جس کا جی چاہے ہمارے ساتھ چلے۔ چنانچہ امام ذہلی اور نیشاپور کے عام علماء امام ممدوح کے استقبال کو نکلے اور بڑی شان و شوکت کے ساتھ امام بخاری کا نیشاپور میں داخلہ ہوا اور دار البخاریین میں قیام فرمایا۔ امام ذہلی نے احتیاط کے پیش نظر پہلے ہی سے لوگوں کو کہہ رکھا تھا کہ خبردار بخاری سے کوئی مسئلہ کلامیہ نہ پوچھنا کیونکہ اگر انھوں نے ہمارے خلاف جواب دیا تو ہمارے اور ان کے مابین نزاع ہو جائے گی اور پھر خراسان کے ہر ناصبی، رافضی، جہمی اور مرجی کو ہم پر ہنسی اڑانے کا موقع ملے گا لیکن لوگ اس منع کرنے پر بھی نہ ملنے اور دوسرے یا تیسرے روز ہی جبکہ امام بخاری کی قیام گاہ پر بڑا اژدحام ہو رہا تھا اور صحن خانہ اور چھتیں تمام آدمیوں سے پٹی پڑی تھیں۔ ایک شخص نے بھرے مجمع میں اٹھ کر امام ممدوح سے سوال کیا کہ تلفظ بالقرآن کے بارے میں آپ کیا کہتے ہیں۔ امام بخاری نے جواب دیا افعالنا مخلوقة والفاظنا من افعالنا (ہمارے افعال مخلوق ہیں اور ہمارے الفاظ بھی ہمارے افعال ہی میں داخل ہیں) یہ کہنے کے ساتھ ہی حاضرین میں اختلاف شروع ہو گیا بعض کہتے لگے کہ امام بخاری نے یوں کہا ہے کہ لفظی بالقرآن مخلوق یعنی قرآن کے جو لفظ ہمارے منہ سے نکلتے ہیں مخلوق ہیں۔ بعض کہنے لگے نہیں یوں نہیں کہا۔ اسی حیص بیص میں تھوڑی ہی دیر میں ہنگامہ کی شکل پیدا ہو گئی اور لوگ ایک دوسرے کے خلاف اٹھ کھڑے ہوئے۔ آخر گھر والوں نے سب کو نکال باہر کیا امام ذہلی کو اس واقعہ کی اطلاع ہوئی تو سخت برہم ہوئے۔ ان ہی دنوں بغداد کے محدثین نے بھی

امام ذہلی کو لکھ بھیجا کہ بخاری نے یہاں بھی تلفظ بالقرآن کے مسئلہ پر کلام کیا اور ہمارے منع کرنے پر بھی باز نہیں آئے۔ تب اب امام ذہلی سے نہ رہا گیا اور انھوں نے اعلان کر دیا کہ

القرآن کلام اللہ غیر مخلوق ومن زعم لفظی بالقرآن مخلوق فھو مبتدع ولا یجالس ولا یکلم ومن ذھب بعد ھذا الی محمد بن اسماعیل فاتھموہ فانہ لا یحضر مجلسہ الا من کان علی مذھبہ	قرآن اللہ کا کلام ہے اور غیر مخلوق ہے اور جو شخص یہ دعوی کرے کہ جو الفاظ قرآنی میرے منھ سے نکلتے ہیں وہ مخلوق ہیں وہ بدعتی ہے نہ اس کے پاس بیٹھنا چاہئے اور نہ اس سے گفتگو کرنی چاہئے اور اب اس اعلان کے بعد جو شخص محمد بن اسمٰعیل کے پاس جائے اس کو متہم سمجھو کیونکہ اسکی مجلس میں وہی شخص حاضر ہوگا جو اس کے مذہب پر ہوگا۔

٭

امام ذہلی کا یہ اعلان کرنا تھا کہ سوائے امام مسلم اور احمد بن سلمہ کے سب لوگوں نے امام بخاری سے قطع تعلق کر لیا۔ امام بیہقی نے کتاب الاسماء والصفات میں حافظ ابوحامد بن الشرقی سے نقل کیا ہے کہ میں اس وقت امام ذہلی کی مجلس ہی میں موجود تھا جب انھوں نے یہ اعلان کیا تھا کہ جو شخص لفظی بالقرآن مخلوق کا قائل ہو وہ ہماری مجلس درس میں حاضر نہ ہو چنانچہ امام مسلم اسی وقت ان کی مجلس سے اٹھ کر چلے گئے۔[2]

تاہم یہ امر واقعہ ہے کہ امام مسلم ان دونوں حضرات کے باہمی اختلاف سے بالکل الگ ہی رہے اور انھوں نے اس نزاع کی وجہ سے ان دونوں سے حدیث کی روایت ترک کر دی چنانچہ حافظ ابن حجر عسقلانی لکھتے ہیں:

قلت قد انصف مسلم فلم یحدث فی کتابہ عن ھذا ولا عن ھذا۔	میں کہتا ہوں کہ امام مسلم نے واقعی انصاف سے کام لیا کہ اپنی کتاب میں نہ ذہلی سے حدیث کی روایت کی اور نہ بخاری سے

محدث حاکم نے حافظ ابوعبداللہ بن الاخرم سے نقل کیا ہے کہ جب امام مسلم بن الحجاج اور احمد بن سلمہ امام ذہلی کی مجلس درس سے اٹھ کر چلے آئے تو امام ذہلی نے اعلان کیا کہ لا یساکننی ھذا الرجل فی البلد (یہ شخص میرے ساتھ اس شہر میں نہ رہنے پائے) آخر امام بخاری کو اندیشہ ہوا اور انھیں نیشاپور سے سفر کرنا پڑا۔ فخشی البخاری وسافر۔

لیکن معاملہ یہیں پر ختم نہیں ہوا بلکہ امام ذہلی نے جہاں جہاں ان کا اثر تھا اس واقعہ کی تحریری اطلاع بھیجدی چنانچہ امام ابوزرعہ اور امام ابوحاتم کے تذکرہ میں آپ پڑھ چکے ہیں کہ انھوں نے اسی بنا پر امام بخاری کی حدیث کو ترک کر دیا تھا۔ امام بخاری نیشاپور سے نکلے تو سیدھے اپنے وطن بخارا میں پہنچے لیکن ع بہر زمین کہ رسیدیم آسمان پیدا است۔ یہاں بھی امام ذہلی نے اطلاع دیدی اسلئے امام ابوحفص صغیر[3]

---

[1] طبقات الشافعیۃ الکبری از سبکی ترجمہ امام بخاری۔ [2] کتاب الاسماء والصفات ص ۱۹۹ طبع انوار احمدی الہ آباد
[3] امام ابوحفص صغیر، امام ابوحفص کبیر کے صاحبزادے ہیں ان کی کنیت ابوعبداللہ بھی ہے۔ یہ مشہور ائمہ حنفیہ میں سے ہیں حافظ ذہبی نے سیر اعلام النبلاء کے چودھویں طبقہ میں ان کا مفصل ترجمہ لکھا ہے۔ (باقی بر صفحۂ آئندہ)

کو یہاں سے بھی بخارا کے نواح میں کسی رباط کی طرف ان کا اخراج کرنا پڑا. چنانچہ حافظ ذہبیؒ سیر اعلام النبلاء کے "طبقہ رابعہ عشر" میں حافظ احمد بن سلمہ کی زبانی ناقل ہیں کہ

فخرج محمد بن اسمعیل الی بخارا وکتب محمد بن یحیی الی خالد امیر بخاری والی شیوخها یامرهم فهم خالد حتی اخرجه محمد بن احمد بن حفص الی بعض رباطات بخارا ۔ [۱]

پھر محمد بن اسمعیل بخارا کو چلے گئے اور محمد بن یحیی نے خالد امیر بخارا اور وہاں کے شیوخ کو ان کا واقعہ لکھ بھیجا جس کی بنا پر خالد نے ان سے بازپرس کا ارادہ کیا تاآنکہ محمد بن احمد بن حفص نے بخارا کے کسی رباط کی طرف ان کا اخراج کر دیا

اصل بات یہ تھی کہ امام بخاری اس مسئلہ میں متلو اور تلاوت میں فرق کرتے تھے کہ متلو جو اللہ کا کلام ہے قدیم ہے اور تلاوت جو بندہ کا فعل ہے مخلوق ہے لیکن امام ذہلی اس تفصیل میں پڑنا ہی نہیں چاہتے تھے[۲] وہ خلق قرآن کے مسئلہ سے اس قدر ڈرے ہوئے تھے کہ سرے سے ان مسائل کلامیہ میں گفتگو کرنا ہی پسند نہیں کرتے تھے کہ مبادا کسی نئے فتنے کا دروازہ نہ کھل جائے. ان کا خیال تھا کہ سلف نے جب ان مسائل کو نہ چھیڑا تو ہم کیوں اس کی تفصیل میں جائیں[۳]. بالکل اسی طرح جس طرح کہ امام بخاری اس بات کو سننے کے بھی روادار نہ تھے کہ ایمان وعمل جدا جدا ہیں اور ہر ایک کا حکم مختلف ہے

(بقیہ از صفحہ گذشتہ) جو ان الفاظ میں شروع ہوتا ہے محمد بن احمد بن حفص بن الزبرقان مولی بنی عجل، عالم ماوراء النهر شیخ الحنفیة ابو عبد الله البخاری، فقہ کی تحصیل اپنے پدر بزرگوار علامہ ابو حفص کبیر سے کی تھی اور علم حدیث کے متعلق خود ذہبی کی تصریح ہے کہ

رحل وسمع من ابی الولید الطیالسی والحمیدی ویحیی بن معین وغیرهم ورافق البخاری فی الطلب مدة ۔

انھوں نے طلب حدیث کے لئے رحلت کی اور ابو الولید طیالسی حمیدی اور یحیی بن معین وغیرہ سے حدیث کا سماع کیا اور ایک مدت تک طلب حدیث میں امام بخاری کے رفیق رہے۔

حافظ ابو عبد اللہ بن مندہ کے ان کے بارے میں یہ الفاظ ہیں کان عالم اهل بخارا وشیخهم اور حافظ ذہبی یہ لکھتے ہیں،

وکان ثقة اماما ورعا زاهدا ربانیا صاحب سنة واتباع وکان ابوه من کبار تلامذة محمد بن الحسن، انتهت الیه ریاسة الاصحاب ببخارا والی ابی عبد الله هذا وتفقه علیه ائمة ۔

یہ ثقہ، امام، متقی، زاہد، ربانی (اللہ والے) پیرو سنت اور متبع رسول تھے، ان کے والد امام محمد بن الحسن کے کبار تلامذہ میں سے تھے. بخارا میں ان پر اور ان کے صاحبزادے) ابو عبد اللہ صاحب ترجمہ پر علماء احناف کی سیادت ختم تھی اور ان سے اماموں نے فقہ کی تعلیم پائی تھی۔

حافظ ذہبی نے ان کی تصنیفات میں سے کتاب الرد علی اہل الاہواء، اور الرد علی اللفظیہ کا ذکر کیا ہے. حافظ ابن مندہ نے ان کی تاریخ وفات ماہ رمضان ۲۶۴ھ بیان کی ہے. رحمہ اللہ (الفوائد البہیہ فی تراجم الحنفیہ از مولانا محمد عبد الحی فرنگی محلی)۔

(حاشیہ صفحہ ہذا) [۱] الفوائد البہیہ ص ۱۳ طبع یوسفی ترجمہ امام ابو حفص کبیر. [۲] کتاب الاسماء والصفات از امام بیہقی ص ۱۹۸ و ۱۹۹۔ [۳] طبقات الشافعیہ از علامہ سبکی، ترجمہ امام بخاری۔

ایمان اعتقاد کا نام ہے جو دل سے متعلق ہے اور زبان سے اس کا ثبوت ہوتا ہے اور عمل کا تعلق اعضاء وجوارح سے ہے اگر عمل کو بھی اقرار و اعتقاد کی طرح ایمان کے ارکان میں داخل سمجھا جائے تو اس کا لازمی نتیجہ یہ ہے کہ جس طرح اعتقاد یا اقرار کے نہ ہونے سے ایمان نہیں رہتا اسی طرح عمل کے نہ ہونے سے بھی ایمان نہیں رہے (جیسا کہ خوارج و معتزلہ کا مذہب ہے) حالانکہ ترکِ عمل سے کوئی شخص دائرہ اسلام سے خارج نہیں ہوجاتا (چنانچہ خود امام بخاری بھی اس کے قائل ہیں) اور جب ایمان اصل میں اعتقاد کا نام ہوا تو پھر عمل کے اعتبار سے اس میں زیادتی و نقصان نہیں ہوسکتا ہاں اعتقاد کے درجات چونکہ متفاوت ہیں اسلئے یقین کے اعتبار سے اس میں کمی بیشی ہوسکتی ہے لیکن امام بخاریؒ اس مسئلہ کی تفصیل میں نہیں گئے اور صرف یہ دیکھکر کہ "ایمان و عمل کو جدا جدا سمجھنا مرجیہ کا مذہب ہے" اس کی سختی سے تردید کرنی شروع کردی چنانچہ وہ جامع صحیح میں اس کے خلاف باب پر باب باندھتے چلے جاتے ہیں۔ حالانکہ مرجیہ کے نزدیک عمل کی سرے سے کوئی حیثیت ہی نہیں، ان کا مذہب ہے کہ اگر ایک شخص صدق دل سے توحید و نبوت پر ایمان رکھتا ہے تو پھر اسے کوئی معصیت مضر نہیں اور وہ آخرت کے مواخذہ سے یکسر بری ہے لیکن اہل سنت میں سے جو علماء اعمال کو جزو ایمان نہیں سمجھتے ان کے نزدیک ایک عصیان شعار اور گنہگار مسلمان کا معاملہ اللہ کے اختیار میں ہے وہ چاہے تو اپنے قانون عدل کے مطابق اس پر عذاب کرے اور چاہے تو اپنے فضل سے اس کو معاف کردے (خود امام بخاری کا بھی یہی مذہب ہے) مگر اس مسئلہ کی تفصیل میں نہ جانے سے امام بخاری کو اس مسئلہ میں اسی قدر شدت ہوگئی جس قدر کہ امام ذہلی کو تلفظ بالقرآن کے مسئلہ میں تھی۔

بہرحال امام ذہلی اور امام بخاری کے اختلاف کی صدائے بازگشت ایک عرصہ تک محدثین میں سنی جاتی رہی چنانچہ حافظ ابوالولید حسان بن محمد نیشاپوری المتوفی ۳۴۹ھ نے جب صحیح بخاری پر مستخرج لکھنے کا ارادہ کیا تو ان کے والد بزرگوار نے ان کو ہدایت کی کہ

علیك بكتاب مسلم فانما اكثر بركة فان البخاری كان ينسب الى اللفظ۔

تمہیں مسلم کی کتاب پر مستخرج لکھنا چاہئے کہ اس میں برکت زیادہ ہے کیونکہ بخاری مسئلہ لفظ کی طرف منسوب ہیں۔

چنانچہ سعادتمند بیٹے نے باپ کی تعمیل ارشاد میں بجائے صحیح بخاری کے صحیح مسلم پر مستخرج تصنیف کیا حافظ ذہبی نے تذکرۃ الحفاظ میں ابوالولید مذکور کے ترجمہ میں اس واقعہ کو نقل کرکے بڑے افسوس کے ساتھ لکھا ہے کہ

ومسلم ایضاً منسوب الى اللفظ والمسئلة مشكلة

مسلم بھی مسئلہ لفظ کی طرف منسوب ہیں، اور معاملہ مشکل ہے۔

امام بخاری کو امام ذہلی سے روایت کے بغیر تو چارہ نہ تھا مگر اس پرخاش کی وجہ سے صحیح بخاری میں ان کا نام لیتے وقت تدلیس[۲] سے کام لیتے ہیں اور صاف طور پر نہیں بیان کرتے۔ کہیں حدثنا محمد لکھتے ہیں، کہیں حدثنا محمد بن عبداللہ، یہ نسبت جد کی طرف ہے، کہیں حدثنا محمد بن

---

[۱] یعنی تلفظ بالقرآن کو مخلوق کہنا۔ [۲] علامہ خزرجی کے خلاصہ میں امام ذہلی کے ترجمہ میں یہ الفاظ ہیں وعنہ (خ) ویدلسہ۔

خالد، بہ نسبت پردادا کی طرف ہے، پر کہیں صراحت کے ساتھ حدثنا محمد بن یحیی نہیں لکھتے
چنانچہ نواب صدیق حسن خاں، اتحاف النبلاء المتقین باحیاء مآثر الفقہاء والمحدثین میں تحریر
فرماتے ہیں:-

"بخاری ازوے سماع وارد، وترک روایت ازوے ممکن نہ بود زیرا کہ در صوم وطب وجنائز وعتق
وغیر ذلک مقداری مواضع ازوے روایت نمودہ است پس تصریح بنام وے نمی کند وحدثنا
محمد بن یحیی الذہلی نمی گوید بلکہ صرف "حدثنا محمد" می گوید برآں زیادہ نمی کند وگاہے "محمد بن عبد اللہ"
می گوید بہ نسبت بجد وے وگاہے او را منسوب بسوئے جد جد او می کند۔" [1]

نواب صاحب نے صحیح بخاری میں امام ذہلی کی احادیث مرویہ کی تعداد تیس ۳۰ بتائی ہے لیکن حافظ ابن حجر نے
تہذیب التہذیب میں الزہرہ کے حوالے سے چونتیس نقل کی ہے۔
حافظ ذہبی نے تذکرۃ الحفاظ میں حافظ ابوبکر جارودی حنفی [2] کے ترجمہ میں نقل کیا ہے کہ

---

[1] اتحاف النبلاء ص ۲۱۴ طبع نظامی کانپور ۱۲۸۸ھ۔ [2] یہ نیشاپور کے مشہور حنفی فقیہ اور بہت بڑے حافظ حدیث
تھے۔ چنانچہ علامہ ذہبی نے تذکرۃ الحفاظ میں ان کا تذکرہ ان لفظوں میں شروع کیا ہے محمد بن النضر بن سلمۃ
بن الجارود بن زید الحافظ ابوبکر الجارودی الفقیہ الحنفی. یہ سارا خاندان علماء فضلاء کا تھا اور سب کے
سب حنفی تھے چنانچہ محدث حاکم نے تصریح کی ہے وابوہ واھل بیتہ حنفیون (ان کے والدان کے تمام
خاندان والے حنفی ہیں) اور حافظ عبد القادر قرشی نے الجواہر المضیہ میں ان سب کا تذکرہ لکھا ہے۔ جارود بن زید
کے ترجمہ میں لکھتے ہیں وھم اھل بیت علماء وفضلاء، جارود، امام اعظم کے تلامذہ میں سے ہیں اور صاحب
ابی حنیفہ کہلاتے تھے۔ حافظ ابوبکر نے حدیث کا سماع اسحاق بن راہویہ، سوید بن سعید، محمد بن عبد الملک بن
ابی الشوارب، اسمٰعیل بن بنت السدی، ابوکریب، عمرو بن علی صیرفی، محمد بن الصباح الجرجرائی، حمید بن مسعدہ
اور اسی طبقہ کے دیگر علماء سے کیا ہے، طلب حدیث میں انھوں نے اور امام مسلم نے اپنے وطن نیشاپور سے ساتھ
رحلت کی تھی اور دونوں اس مبارک سفر میں ایک دوسرے کے رفیق تھے، چنانچہ محدث حاکم تاریخ نیشاپور میں
ان کے ترجمہ میں لکھتے ہیں:

کان شیخ وقتہ وعین علماء عصرہ حفظاً وکمالاً ومروۃ وریاسۃ وکانت رحلتہ مع مسلم وکان مسلم یحتج بذلک ویعتمدہ فی جمیع اسبابہ۔

یہ حفظ حدیث، فضل وکمال اور مروت وسیادت میں شیخ وقت وسرآمد علماء عصر تھے، اور رحلت علمی میں امام مسلم کے ساتھ تھے چنانچہ امام مسلم اس بات سے حجت پکڑتے اور اپنے تمام اسباب فدرائع میں ان کو معتمد سمجھتے تھے۔

فن حدیث میں امام نسائی اور امام الائمہ ابن خزیمہ نے ان کے آگے زانوئے شاگردی تہ کیا ہے۔ اور امام
ابن ابی حاتم فرماتے ہیں:

سمعت منہ بالری وھو صدوق من الحفاظ۔

میں نے ان سے رے میں حدیث کا سماع کیا تھا۔ یہ صدوق اور حفاظ حدیث میں سے تھے۔

حافظ ابو حامد بن الشرقی کا بیان ہے کہ ایک بار محمد بن یحیی ذہلی نے ایک حدیث بیان کی اور حافظ جارودی نے ان کی
تغلیط کی۔ اس وقت تو ذہلی نے ان کو ڈانٹ دیا مگر دوسرے روز مجلس درس میں آئے تو پوچھنے لگے کہ کیا جارودی یہاں موجود ہیں
انھوں نے بالکل صحیح بتایا تھا۔ جارودی نے ۲۹۱ھ میں وفات پائی۔ رحمہ اللہ (تذکرۃ الحفاظ، الجواہر المضیہ، تہذیب التہذیب

كان محمد بن يحيى الذهلي يستعين بعربية ابي بكر الجارودي في مصنفاته ويبيته عنده۔

محمد بن یحیی ذہلی، اپنی تصنیفات میں ابوبکر جارودی کے عربیت میں مدد لیتے اور انھیں رات کو اپنے پاس ہی سلاتے تھے۔

امام ذہلی نے ۲۵۸ھ میں انتقال فرمایا رحمہ اللہ۔ (تذکرۃ الحفاظ، تہذیب التہذیب، مقدمہ فتح الباری وغیرہ)

ان حفاظ کے علاوہ امام ابن ماجہ نے نیشاپور کے جن شیوخ حدیث سے اس فن میں استفادہ کیا ان کے اسمائے گرامی یہ ہیں:-

(۱) سعید بن مروان بن علی ابو عثمان البغدادی نزیل نیشاپور المتوفی ۲۵۲ھ۔ (۲) عبدالرحمن بن بشر بن الحکم العبدی ابو محمد النیساپوری المتوفی ۲۶۰ھ۔ (۳) عصمۃ بن الفضل النمیری ابو الفضل النیساپوری المتوفی ۲۵۰ھ (۴) علی بن سعید بن جریر بن ذکوان النسائی ابوالحسن نزیل نیشاپور المتوفی ۲۵۷ھ ان سے امام ابن ماجہ نے اپنی تفسیر میں روایت کی ہے۔ (۵) علی بن سلمہ بن عقبہ القرشی اللبقی النیساپوری المتوفی ۲۵۲ھ۔ (۶) محمد بن احمد بن الجراح ابو عبدالرحیم الجوزجانی نزیل نیساپور المتوفی ۲۴۵ھ یہ بھی علما احناف کے خاندان سے تھے۔ امام ابن ماجہ نے ان سے اپنی تفسیر میں روایت کی ہے۔ (۷) محمد بن عقیل بن خویلد ابو عبداللہ النیساپوری المتوفی ۲۵۷ھ۔

حافظ ابن حبان نے بجز سعید کے ان سب کا ترجمہ کتاب الثقات میں لکھا ہے۔ سعید سے صحیح بخاری میں بھی ایک روایت موجود ہے۔

مرو

جس کو علامہ تاج الدین سبکی واسطۃ العقد وخلاصۃ النقد لکھتے ہیں۔ اقلیم خراسان کا مشہور ترین و عظیم ترین شہر تھا، ایک زمانہ دراز تک، سلاطین سلجوقیہ جیسے باعظمت و جبروت فرمانرواؤں کا پایۂ تخت رہ چکا ہے۔ علامہ تاج الدین سبکی نے طبقات الشافعیہ میں ایک موقع پر اس کا ذکر ان شاندار الفاظ میں کیا ہے:-

مرو هي المدينة الكبرى والدار العظمى ومربع العلماء ومرتع الملوك والوزراء۔ ؎

مرو، جو بہت بڑا شہر عظیم ترین رہائش گاہ، علماء کا بہارستان اور بادشاہوں اور وزیروں کا عشرت کدہ تھا۔

اور حافظ ذہبی فرماتے ہیں:

"مرو، خراسان کے دور دراز اطراف میں ایک بہت بڑا شہر ہے، جہاں سے ائمہ پیدا ہوئے حضرت بریدہ بن الحصیب (رضی اللہ عنہ) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابی اور دیگر صحابہ کا ایک مختصر سا گروہ یہاں موجود تھا پھر تابعین میں عبداللہ بن بریدہ، یحیی بن یعمر اور چند اور حضرات ہوئے۔ ان کے بعد حسین بن واقد، ابو حمزہ سکری، ابن المبارک، فضل بن موسیٰ،

؎ طبقات الشافعیہ الکبریٰ، ج ۱ ص ۱۷۳ طبع حسینیہ مصر۔

ابو تمیلہ، علی بن الحسن بن شقیق، عبدان بن عثمان اور ان کے تلامذہ تھے، پھر چوتھی صدی میں جاکر یہاں علم حدیث میں کمی آگئی مگر خروج تاتار تک اس کا سلسلہ منقطع نہیں ہوا، اور بعد کو بالکل ہی جاتا رہا۔"

یہاں کے جن محدثین سے امام ابن ماجہ نے اس فن کی تحصیل کی وہ یہ ہیں:۔

حافظ محمود بن غیلان مروزی، بجز امام ابوداؤد کے تمام اصحاب صحاح ستہ ان کے شاگرد ہیں۔ امام اسحاق بن راہویہ نے بھی دو حدیثیں ان سے سنی ہیں۔ حافظ ذہبی نے ان کا ترجمہ ان لفظوں میں شروع کیا ہے محمود بن غیلان الحافظ المتقن ابواحمد العدوی مولاھم المروزی احد ائمۃ الاثر۔ امام نسائی نے ان کو ثقہ کہا ہے اور امام احمد فرماتے ہیں کہ میں ان کو محدث کی حیثیت سے جانتا ہوں۔ یہ صاحب سنت تھے اور قرآن کو مخلوق نہ کہنے کے باعث قید میں ڈال دیئے گئے تھے ماہ رمضان ۲۳۹ھ میں انتقال فرمایا۔ رحمہ اللہ۔ (تذکرۃ الحفاظ، تہذیب التہذیب)

(۲) عبدالعزیز بن منیب بن سلام بن الضریس ابوالدرداء المروزی مولیٰ عبدالرحمن بن سمرۃ المتوفی ۲۶۷ھ۔ لیکن حافظ مزی نے لکھا ہے کہ امام ابن ماجہ نے ان سے جو روایت کی ہے میں اس سے واقف نہ ہوسکا۔ (۳) محمد بن عبدالعزیز بن ابی رزمہ الیشکری مولاہم ابوعمرو المروزی المتوفی ۲۴۱ھ (۴) ہدیہ بن عبدالوہاب المروزی ابوصالح المتوفی ۲۴۱ھ۔

بلخ

خراسان کا مشہور شہر جس کے بارے میں علامہ یاقوت حموی معجم البلدان میں لکھتے ہیں۔

بلخ من اجل مدن خراسان و اذکرھا واکثرھا خیرا۔	بلخ، خراسان کے بہت بڑے شہروں میں سے ہے اور شہرہ اور کثرت خیر کے اعتبار سے سب سے بڑھا ہوا ہے۔

اور حافظ ذہبی رقمطراز ہیں:

"بلخ میں دوسری صدی کے اواخر میں علماء پیدا ہوئے جیسے کہ عمر بن ہارون مکی بن ابراہیم[1] خلف بن ایوب، قتیبہ بن سعید، محمد بن ابان، عیسے بن احمد عسقلانی۔ محمد بن علی بن طرخان، پھر وہاں علم حدیث گھٹ کر نابود ہوگیا۔"

---

[1] یہ امام اعظم کے مخصوص تلامذہ میں سے ہیں چنانچہ صدر الائمہ مکی، مناقب الامام الاعظم میں رقمطراز ہیں:۔

ھو مکی بن ابراہیم البلخی امام بلخ دخل الکوفۃ سنۃ اربعین ومائۃ ولزم اباحنیفۃ رحمہ اللہ وسمع منہ الحدیث والفقہ واکثر عنہ الروایۃ۔ (ج ۱ ص ۲۰۳)	یہ مکی بن ابراہیم بلخی، بلخ کے امام ہیں ۱۴۰ھ میں کوفہ آئے اور امام ابوحنیفہ کی خدمت میں ملازمت اختیار کی اور آپ سے حدیث وفقہ کا سماع کیا اور بہ کثرت روایتیں کیں۔

(باقی برصفحہ آئندہ)

یہاں کے محدثین میں امام ابن ماجہ نے صرف حافظ محمد بن ابان ابوبکر بلخی المعروف محمدویہ سے اپنی
سنن میں حدیثیں روایت کی ہیں۔ یہ بہت بڑے حافظ حدیث تھے۔ دس سال سے زیادہ عرصہ تک امام
وکیع کے مستملی رہے ہیں۔ تمام مصنفین صحاح ستہ ان کے شاگرد تھے، لیکن امام مسلم نے اپنی صحیح میں
نہیں بلکہ دوسری تصانیف میں ان سے روایت کی ہے، محدث خلیلی ان کے بارے میں لکھتے ہیں:
ثقة متفق علیه، اور حافظ ذہبی فرماتے ہیں کان من الائمة المصنفین فی هذا الشأن مشهوراً
بالعلم والحفظ (یہ اس فن کے صاحب تصانیف اماموں میں سے تھے اور علم وحفظ حدیث میں

(بقیہ حاشیہ از صفحہ گذشتہ) امام مکی فن حدیث کے بہت بڑے امام ہوئے ہیں۔ حافظ ذہبی نے تذکرۃ الحفاظ
میں ان کا ذکر ان لفظوں سے کیا ہے، مکی بن ابراہیم الحافظ الامام شیخ خراسان ابو السکن التمیمی
الحنظلی بڑے بڑے ائمہ حدیث ان کے شاگرد تھے۔ امام احمد بن حنبل، امام یحیی بن معین، امام ذہلی اور امام بخاری
نے ان کے سامنے زانوئے شاگردی تہ کیا ہے۔ امام بخاری نے بیشتر ثلاثی حدیثیں ان ہی سے نقل کی ہیں۔ ان
کا بیان ہے کہ میں نے ساٹھ حج کئے، دس برس تک حرم محترم کا مجاور رہا اور سترہ تابعین سے حدیثیں لکھیں
اور اگر میں پہلے سے یہ سمجھتا کہ لوگوں کو میری ضرورت پڑے گی تو سوائے تابعین کے اور کسی سے حدیثیں
نہ لکھتا۔ یہ بھی فرمایا کرتے تھے کہ میں ۱۲۶ھ میں پیدا ہوا اور سترہ سال کی عمر میں حدیث کی تحصیل شروع
کی۔ (تذکرۃ الحفاظ)۔

ان کو تحصیل علم کی طرف امام ابو حنیفہ (رحمہ اللہ) ہی نے متوجہ کیا تھا۔ چنانچہ امام حارثی، عبد الصمد
بن فضل کی زبانی خود ان سے ناقل ہیں کہ میں تجارت کیا کرتا تھا ایک بار امام صاحب کی خدمت میں آنا ہوا تو
فرمانے لگے کہ مکی تم تجارت تو کرتے ہو مگر تجارت میں بھی جب تک علم نہ ہو بڑی خرابی رہتی ہے پھر تم علم کیوں نہیں
سیکھتے اور حدیثیں کیوں نہیں لکھتے۔ امام ممدوح مجھے برابر اس طرف توجہ دلاتے رہتے یہاں تک کہ میں نے اس
کی تحصیل شروع کردی اور کتابت علم پر متوجہ ہوگیا۔ آخر اللہ تعالیٰ نے مجھے اس میں سے بہت کچھ عطا فرمایا
اسی لئے میں ہر نماز کے بعد اور جب بھی امام ممدوح کا ذکر کرتا ہوں ان کے حق میں دعائے خیر کیا کرتا ہوں لان
الله تعالیٰ ببرکته فتح لی باب العلم (کیونکہ حق تعالیٰ نے ان ہی کی برکت سے میرے لئے علم کا
دروازہ کھولا)۔ (مناقب الامام الاعظم از صدر الائمہ مکی۔ ج ۲ ص ۱۶۱)۔

امام مکی کو امام اعظم سے خاص خلوص تھا۔ ایک دفعہ امام صاحب کا ذکر کیا تو فرمانے لگے کان اعلم
اهل زمانه "وہ اپنے اہل زمانہ میں سب سے بڑے عالم تھے" (تاریخ بغداد، از خطیب بغدادی ترجمہ امام ابو حنیفہ)
اسمعیل بن بشر ناقل ہیں کہ ایک بار ہم امام مکی کی مجلس درس میں حاضر تھے انھوں نے روایت شروع کی
حدثنا ابو حنیفة۔ حاضرین میں سے ایک اجنبی شخص نے چلا کر کہا کہ حدثنا عن ابن جریج ولا
تحدثنا عن ابی حنیفة (ہم سے ابن جریج کی حدیث بیان کرو، ابو حنیفہ کی حدیث مت روایت کرو)
اس پر امام مکی کو اس قدر غصہ آیا کہ چہرہ کا رنگ بدل گیا فرمانے لگے انا لا نحدث السفهاء حرمت علیك
ان تکتب عنی قم من مجلسی (ہم بے وقوفوں کو حدیثیں نہیں بیان کیا کرتے، تیرے لئے مجھ سے حدیثیں
لکھنا حرام ہے تو میری مجلس سے اٹھ جا) چنانچہ جب تک اس شخص کو مجلس درس سے اٹھا نہیں دیا گیا آپ نے
حدیث نہیں بیان کی اور جب اس کا اخراج ہوچکا تو پھر وہی حدثنا ابو حنیفة کا سلسلہ شروع ہوگیا۔
(مناقب الامام الاعظم از صدر الائمہ ج ۱ ص ۲۰۴)۔

مشہور تھے) ۲۴۳ھ میں بلخ ہی میں وفات پائی۔ رحمہ اللہ۔ (تذکرۃ الحفاظ، تہذیب التہذیب)

امام ابن ماجہ کے جن شیوخ حدیث کے اوطان پر ہمیں اطلاع نہ ہو سکی وہ صرف یہ دو ہیں: احمد بن عبداللہ بن یوسف العرعری اور محمد بن عمر بن ابی عمر المقری۔

یہ کل تین سو دس اشخاص ہیں جن سے امام ابن ماجہ نے کتاب التفسیر اور کتاب السنن میں حدیثیں روایت کی ہیں۔ یہ بھی واضح رہے کہ یہ امام ممدوح کے جملہ شیوخ کی تعداد نہیں بلکہ صرف ان حضرات کی ہے کہ جن سے ان دونوں کتابوں میں حدیثیں منقول ہیں۔ تاریخ ابن ماجہ عرصہ سے ناپید ہے اس کے رجال کو جمع ہی نہیں کیا گیا۔ اس لئے یہ اندازہ لگانا مشکل ہے کہ بقیہ اسانید کی کتنی تعداد ہے جو شمار ہونے سے رہ گئی۔ تفسیر ابن ماجہ بھی اگرچہ آج کل نایاب ہے مگر تہذیب الکمال میں اس کے رجال مذکور ہیں اور ہم نے تہذیب التہذیب ہی سے جو اس کا مختصر ہے ان کے نام لکھے ہیں یہ حسب ذیل آٹھ اشخاص ہیں جن سے امام ابن ماجہ نے اپنی سنن میں نہیں بلکہ تفسیر میں حدیثیں نقل کی ہیں:

(۱) حمدون بن عمارہ البغدادی ابو جعفر البزار المتوفی ۲۶۲ھ ان کا نام محمد اور حمدون لقب ہے۔

(۲) سہل بن اسحاق بن ابراہیم المازنی ابو ہشام الواسطی۔

(۳) عبداللہ بن محمد بن عبید الاموی مولاہم الشہیر بالحافظ ابی بکر بن ابی الدنیا البغدادی المتوفی ۲۸۱ھ

(۴) علی بن الحسن الہرشی الرازی۔

(۵) علی بن سعید بن جریر بن ذکوان النسائی ابو الحسن نزیل نیسابور المتوفی ۲۵۷ھ۔

(۶) محمد بن احمد بن الجراح ابو عبدالرحیم الجوزجانی نزیل نیسابور المتوفی ۲۴۵ھ

(۷) محمد بن سعید بن غالب البغدادی ابو یحییٰ القطان الضریر المتوفی ۲۶۰ھ

(۸) محمد بن ہارون بن ابراہیم الربعی ابو جعفر البغدادی البزاز المعروف بابی نشیط المتوفی ۲۵۸ھ

بقیہ تین سو دو وہ شیوخ ہیں جن سے سنن ابن ماجہ میں حدیثیں موجود ہیں۔

اس ساری تفصیل کو پڑھ کر یہ بات پورے طور پر عیاں ہو جاتی ہے کہ ائمہ اسلام نے اپنے نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے اقوال و افعال کی شیفتگی اور آپ کی حدیثوں کے جمع کرنے میں جو محنتیں اور جانفشانیاں کی ہیں آج دنیا کی دیگر اقوام اس کا اندازہ بھی صحیح طور پر نہیں کر سکتیں۔

علو اسناد | محدثین میں علو اسناد ہمیشہ ایک قابل فخر چیز سمجھا گیا ہے، کیونکہ روایت میں جس قدر کم واسطے ہوں گے اسی قدر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے قرب زیادہ ہوگا۔ نیز قلتِ رواۃ کی بنا پر ان کی چھان بین بھی کم کرنا پڑتی ہے اور خطا و نسیان کا احتمال بھی کم ہو جاتا ہے۔ اسی لئے اہلِ فن کے نزدیک صحت اور علو اسناد کا جس قدر اہتمام ہوتا ہے اور کسی چیز کا نہیں ہوتا اور یہی وجہ ہے کہ ائمہ محدثین کے تذکرہ میں ان کے علو اسناد کا ذکر خصوصیت کے ساتھ کیا جاتا ہے بلکہ خاص خاص ائمہ کی عالی اسانید کو تو علما نے مستقل اجزاء میں علیحدہ مدون کر دیا ہے۔

ائمہ اربعہ میں امام ابوحنیفہ اپنے اس شرف خاص میں ممتاز ہیں کہ ان کو بارگاہ رسالت سے بیک واسطہ تلمذ حاصل ہے کیونکہ انھوں نے متعدد صحابہ کو دیکھا اور ان میں سے بعض سے حدیث کی روایت بھی کی ہے[1]

---

[1] واضح رہے کہ بعض علماء نے صحابہ سے امام ابوحنیفہ کی روایت کا انکار کیا ہے اور جہاں تک ہماری معلومات کا تعلق ہے سب سے پہلے دارقطنی المتوفی ۳۸۵ھ نے یہ کہا ہے کہ

لم یلق ابوحنیفۃ احداً من الصحابۃ الا انہ رأی انساً بعینہ ولم یسمع منہ (تبییض الصحیفہ فی مناقب الامام ابی حنیفہ از حافظ سیوطی ص ۵ طبع دکن)

امام ابوحنیفہ نے کسی صحابی سے ملاقات نہیں کی البتہ انھوں نے حضرت انس رضی اللہ عنہ کو اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے مگر ان سے کوئی حدیث نہیں سنی۔

دارقطنی کے بعد خطیب نے بھی تاریخ بغداد میں یہی بات بعینہ دہرادی ہے چنانچہ سعید بن ابی سعید نیشاپوری کے ترجمہ میں امام اعظم کی ایک حدیث کو بواسطہ امام ابویوسف بالاسناد نقل کرنے کے بعد کہ جس میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے امام اعظم کے سماع کی تصریح موجود ہے لکھتے ہیں:

لا یصح لابی حنیفۃ سماع من انس بن مالک (تاریخ بغداد، ج ۹ ص ۱۱۱)

امام ابوحنیفہ کا حضرت انس رضی اللہ عنہ سے سماع صحیح نہیں ہے۔

اور امام ابوحنیفہ کے ترجمہ میں تحریر کرتے ہیں کہ

رأی ابوحنیفۃ انس بن مالک (ج ۱۳ ص ۳۲۴)

امام ابوحنیفہ نے حضرت انس رضی اللہ عنہ کو دیکھا ہے۔

بعد کو شوافع میں بہت سے علماء نے ان دونوں کے بیانات پر عام طور پر یہی فیصلہ کر دیا ہے حتی کہ زین الدین عراقی اور ابن حجر عسقلانی تک اس بارے میں ان ہی کے ہمزبان ہیں لیکن دارقطنی اور خطیب کو امام ابوحنیفہ کی جناب میں جو سوء عقیدت ہے اس کو دیکھتے ہوئے ان کے اس انکار کی جو وقعت ہے ظاہر ہے خصوصاً جبکہ بڑے بڑے ائمہ حدیث کا فیصلہ اس بارے میں امام ابوحنیفہ کے حق میں ہے۔ چنانچہ ملک الحفاظ یحیی بن معین جو فن جرح و تعدیل کے مسلم الثبوت امام اور علم حدیث کے ایک عنصر خیال کئے جاتے ہیں اپنی تاریخ میں رقمطراز ہیں۔

ان اباحنیفۃ صاحب الرای سمع عائشۃ بنت عجرد تقول سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اکثر جند اللہ فی الارض الجراد لا اٰکلہ ولا احرمہ۔[ع] (لسان المیزان ترجمہ عائشہ بنت عجرد)

بلا شبہ ابوحنیفہ صاحب الرائے نے حضرت عائشہ بنت عجرد رضی اللہ عنہا کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے کہ روئے زمین پر اللہ تعالی کا سب سے کثیر التعداد لشکر ٹڈیاں ہیں جن کو نہ میں کھاتا ہوں اور نہ حرام کہتا ہوں۔

دیکھئے اس میں صاف تصریح موجود ہے کہ امام ابوحنیفہ نے اس حدیث کو حضرت عائشہ بنت عجرد رضی اللہ عنہا سے سنا ہے جو حضور علیہ الصلوۃ والسلام کی صحابیہ ہیں اور جنھوں نے یہ الفاظ خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے سنے ہیں اور حافظ ابونعیم اصفہانی صاحب حلیۃ الاولیاء المتوفی ۴۳۰ھ نے جن کے آگے فن حدیث میں خطیب بغدادی نے زانوئے شاگردی تہ کیا ہے بالتصریح لکھا ہے کہ امام ابوحنیفہ نے صحابہ میں سے حسب ذیل حضرات کو دیکھا اور ان سے حدیثیں سنی ہیں (۱) انس بن مالک (۲) عبداللہ بن الحارث الزبیدی۔ (۳) عبداللہ بن ابی اوفی اسلمی رضی اللہ عنہم (الانتصار والترجیح للمذہب الصحیح از سبط ابن الجوزی ص ۱۰ طبع مصر)۔ (باقی حاشیہ بر صفحۂ آئندہ)

[ع] لسان المیزان میں یہ عبارت سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر ختم ہو جاتی ہے۔ حدیث کا متن ہم نے دوسری کتابوں سے نقل کیا ہے۔

قدما میں بہت سے علما نے امام عالی مقام کی ان مرویات پر مستقل جزء بھی تالیف کئے ہیں جن میں سے محدث ابو حامد محمد بن ہارون حضرمی، ابو الحسن علی بن احمد بن عیسی النہفقی، امام ابو معشر عبد الکریم بن

(بقیہ حاشیہ از صفحہ گذشتہ) اور حافظ ابن عبد البر اندلسی جو خطیب کے معاصر ہیں جامع بیان العلم (ج ۱ ص ۴۵ طبع منیریہ مصر) میں حضرت عبد اللہ بن الحارث رضی اللہ عنہ سے امام اعظم کی ایک حدیث بواسطہ امام ابو یوسف بالاسناد روایت کرکے جس میں امام صاحب نے صراحت کے ساتھ صحابی مذکور سے اپنے سماع کی تفصیل بیان کی ہے اس سماع کے ثبوت میں ارقام فرماتے ہیں کہ

ذکر ابن سعد کاتب الواقدی ان ابا حنیفۃ رای انس بن مالک وعبد اللہ بن الحارث بن جزء

ابن سعد کاتب واقدی نے ذکر کیا ہے کہ امام ابو حنیفہ نے حضرت انس بن مالک اور عبد اللہ بن الحارث بن جزء کو دیکھا ہے

حضرت عبد اللہ بن الحارث بن جزء رضی اللہ عنہ کی حدیث مذکور کو حافظ ابو بکر جعابی المتوفی ۳۵۵ھ نے بھی اپنی بیش بہا تصنیف الانتصار لمذہب ابی حنیفہ میں اسی اسناد سے نقل کرکے تصریح کی ہے کہ

ومات عبد اللہ بن الحارث بن جزء الزبیدی سنۃ سبع وتسعین (ملاحظہ ہو مناقب الامام الاعظم الخصیب للائمہ ج ۱ ص ۳۵ و ۳۶)

حضرت عبد اللہ بن الحارث بن جزء الزبیدی رضی اللہ عنہ نے ۹۷ھ ہجری میں انتقال فرمایا ہے۔

واضح رہے کہ حافظ جعابی، علل حدیث اور تاریخ رجال کے بہت بڑے امام گزرے ہیں۔ چار لاکھ حدیثیں ان کو زبانی یاد تھیں۔ دار قطنی نے بھی فن حدیث میں ان کے سامنے زانوئے شاگردی تہ کیا ہے حافظ ذہبی نے تذکرۃ الحفاظ میں ان کا بڑا مبسوط ترجمہ لکھا ہے۔

بعد کے علما میں عراقی اور ابن حجر عسقلانی کے معاصرین میں حافظ عبد القادر قرشی شارح طحاوی اور حافظ بدر الدین عینی شارح بخاری نے بھی بہت سی روایتوں کی بنا پر ثابت کیا ہے کہ امام ابو حنیفہ نے متعدد صحابہ سے حدیثیں سنی ہیں۔

بہر حال جبکہ یہ ایک حقیقت ہے کہ امام اعظم نے متعدد صحابہ کا زمانہ پایا جن میں سے بعض آپ کے آغاز شباب تک زندہ رہے اور ان میں سے کئی بزرگوں کو آپ نے دیکھا بھی ہے چنانچہ حضرت انس رضی اللہ عنہ کی رویت تو اسقدر قطعی اور یقینی ہے کہ دار قطنی اور خطیب جیسے سخت متعصبین تک اس سے انکار کی جرأت نہ کر سکے پھر آپ کے خاندان میں اس کا مزید اہتمام بھی تھا کہ بچوں کو صحابہ کی خدمت میں حاضر کیا کرتے تھے چنانچہ آپ کے والد ماجد ثابت بھی بچپن میں حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی خدمت میں حاضر ہوئے تھے اور انھوں نے ان کے اور ان کے خاندان کے حق میں دعائے خیر فرمائی تھی (تاریخ بغداد، ترجمہ امام ابو حنیفہ) ایسی صورت میں اگر امام صاحب نے صحابہ سے کچھ حدیثیں بھی سنی ہوں تو اس میں انکار کی کیا بات ہے حالانکہ امام مسلم کے نزدیک اگر ایک معاصر دوسرے معاصر سے بلفظ عن روایت کریگا تو وہ روایت سماع پر محمول ہوگی اور متصل سمجھی جائے گی اور امام بخاری کے نزدیک ان دونوں میں صرف ایک دفعہ کا ملاقات ہو جانا اور پھر بلفظ عن اس سے روایت کرنا اتصال کے لئے کافی ہے خصوصاً جبکہ بہت سے محدثین نے باسانید صحیحہ ان کو روایت بھی کیا ہے چنانچہ حافظ ابن عبد البر اور حافظ جعابی نے جو اسناد نقل کی ہے اسکے متعلق کسی قسم کی جرح منقول نہیں ہے اور ظاہر ہے کہ اگر یہ روایات پایہ ثبوت کو نہ پہنچتیں تو امام ابن معین، حافظ ابو بکر جعابی حنفی، حافظ ابو نعیم اصفہانی شافعی، حافظ ابن عبد البر مالکی جو حدیث و روایت کے ارکان خیال کئے جاتے ہیں ہرگز امام ابو حنیفہ کے متعلق اس بات کی تصریح نہ کرتے کہ انھوں نے صحابہ سے حدیثیں سنی ہیں۔

(حاشیہ صفحہ ھذا) ۵ء یہ دار قطنی کے فن حدیث میں استاذ ہیں چنانچہ سنن دار قطنی میں ان سے بکثرت حدیثیں منقول ہیں

عبدالصمد الطبری الشافعی المقری المتوفی ۴۷۸ھ اور امام ابوبکر عبدالرحمن بن محمد بن احمد السرخسی الحنفی المتوفی ۴۳۹ھ کے اجزاء خاص طور پر مشہور ہیں اور حفاظ حدیث کی مرویات میں داخل ہیں، چنانچہ اول الذکر تین حضرات کے اجزاء حافظ ابن حجر عسقلانی کی المعجم المفہرس اور حافظ ابن طولون کی الفہرست الاوسط کی مرویات میں شامل ہیں[۱]۔ امام ابو معشر طبری کے جزء کو حافظ سیوطی نے تبییض الصحیفہ میں بھی نقل کیا ہے[۲]۔ اسی طرح ابوالحسین نہفقی کے جزء کو محدث خوارزمی نے جامع مسانید الامام الاعظم میں[۳] اور امام ابوبکر سرخسی کے جزء کو صدر الائمہ نے مناقب الامام الاعظم میں[۴] اور محدث سبط ابن الجوزی نے الانتصار والترجیح للمذہب الصحیح[۵] میں روایت کیا ہے اور علامہ نوح قونوی نے الدر المنظم میں ان سب کے متون کی تخریج کی ہے[۶]۔

وحدانیات[۷] کے بعد امام اعظم کی مرویات میں ثنائیات کا درجہ ہے یعنی وہ حدیثیں جو آپ نے تابعین سے سنیں اور تابعین نے ان کو صحابہ سے سنا[۸]۔ امام مالک چونکہ تابعی نہیں

---

[۱] ملاحظہ ہو تانیب الخطیب علی ما ساقہ فی ترجمۃ ابی حنیفۃ من الاکاذیب از محدث ناقد محمد زاہد کوثری ص ۱۹ طبع مصر ۱۳۶۱ھ۔ [۲] تبییض الصحیفہ ص ۶ لغایت ۹ طبع دائرۃ المعارف حیدر آباد دکن ۱۳۳۴ھ۔
[۳] جامع مسانید الامام الاعظم ج ۱ ص ۳۲ لغایت ۳۵ طبع دائرۃ المعارف ۱۳۳۲ھ۔ [۴] مناقب الامام الاعظم ج ۱ ص ۲۷ لغایت ۳۴۔ [۵] الانتصار والترجیح ص ۱۳ لغایت ۱۵ طبع مصر ۱۳۶۰ھ۔ [۶] تعلیقات علامہ کوثری بر الانتصار والترجیح ص ۱۰۔ [۷] وہ روایات جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے صرف بیک واسطہ منقول ہیں یعنی جس کو راوی نے صحابی سے سنا اور صحابی نے خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کو نقل کیا۔
[۸] چنانچہ کتاب الآثار میں یہ روایات حسب ذیل اسانید سے مروی ہیں۔

۱۔ ابوحنیفۃ حدثنا ابوالزبیر عن جابر بن عبداللہ عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم
۲۔ ابوحنیفۃ حدثنا نافع عن ابن عمر قال نہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
۳۔ ابوحنیفۃ حدثنا عبداللہ بن ابی حبیبۃ قال سمعت ابا الدرداء قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
۴۔ ابوحنیفۃ حدثنا عبدالرحمن بن زاذان عن ابی سعید الخدری قال دخل علی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔
۵۔ ابوحنیفۃ عن عطیۃ العوفی عن ابی سعید الخدری قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔
۶۔ ابوحنیفۃ عن شداد بن عبدالرحمن عن ابی سعید الخدری قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔
۷۔ ابوحنیفۃ حدثنا عطاء بن ابی رباح عن ابی ہریرۃ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
۸۔ ابوحنیفۃ عن عاصم بن کلیب عن رجل من اصحاب النبی صلی اللہ علیہ وسلم عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم
۹۔ ابوحنیفۃ عن عون بن عبداللہ عن رجل من اصحاب النبی صلی اللہ علیہ وسلم عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم۔
۱۰۔ ابوحنیفۃ عن محمد بن عبدالرحمن بن سعد بن زرارۃ عن ابی امامۃ عن ابی امامۃ عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم
۱۱۔ ابوحنیفۃ عن عطاء بن ابی رباح عن الفضل بن عباس عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم
۱۲۔ ابوحنیفۃ عن مسلم الاعور عن انس بن مالک عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم
۱۳۔ ابوحنیفۃ عن محمد بن قیس عن ابی عامر الثقفی انہ کان یہدی للنبی صلی اللہ علیہ وسلم کل عام۔

بلکہ تبع تابعین میں سے ہیں اس لئے ان کی مرویات میں سب سے عالی یہی روایات ہیں۔ امام شافعی اور امام احمد بن حنبل کی کسی تابعی سے بھی ملاقات نہ ہوسکی اس لئے ان کی جملہ مرویات میں سب سے عالی روایات ثلاثیات شمار کی جاتی ہیں یعنی جن کو انھوں نے خود تبع تابعین سے سنا اور تبع تابعین نے تابعین سے اور تابعین نے صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین سے مصنفین صحاح ستہ میں سے امام بخاری، امام ابن ماجہ، امام ابوداؤد اور امام ترمذی نے بھی بعض تبع تابعین کو دیکھا اور ان سے حدیثیں روایت کی ہیں اس بناپر اس علو اسناد میں وہ بھی امام شافعی اور امام احمد کے ساتھ شریک ہیں حالانکہ امام شافعی کی وفات کے وقت امام بخاری دس برس کے تھے اور امام ابوداؤد کل دو سال کے اور امام ابن ماجہ تو ابھی پیدا بھی نہیں ہوئے تھے، چنانچہ ان حضرات کی تصانیف میں ثلاثیات کی تعداد حسب ذیل ہے۔

۱۔ صحیح بخاری ۲۲
۲۔ سنن ابن ماجہ ۵
۳۔ سنن ابی داؤد ۱
۴۔ جامع ترمذی ۱

امام مسلم اور امام نسائی کو کسی تبع تابعی سے بھی کوئی روایت نہ مل سکی اس لئے ان دونوں حضرات کی سب سے عالی روایات رباعیات ہیں جن کو ان کے اساتذہ نے تبع تابعین سے اور انھوں نے تابعین سے اور انھوں نے صحابہ سے سنا ہے، سنن ابن ماجہ میں بھی رباعیات بکثرت موجود ہیں اور اس اعتبار سے امام ابن ماجہ کو دیگر ارباب صحاح ستہ پر ایک گونہ فضیلت حاصل ہے کہ امام بخاری کے بعد ان کی ثلاثیات کی تعداد سب سے زیادہ ہے حالانکہ وہ عمر میں امام مسلم سے پانچ سال اور امام ابوداؤد سے سات سال چھوٹے ہیں۔

ثلاثیات ابن ماجہ | سنن ابن ماجہ میں جو پانچ ثلاثی حدیثیں موجود ہیں وہ ناظرین کی معلومات کے لئے درج ذیل ہیں:۔

۱۔ حدثنا جبارة بن المغلس ثنا کثیر بن سلیم سمعت انس بن مالك يقول قال رسول الله صلى الله عليه وسلم من احب ان يكثر الله خير بيته فليتوضأ اذا حضر غداؤه واذا رفع۔

(باب الوضوء عند الطعام)

ہم سے جبارہ بن المغلس نے بیان کیا کہ ہم سے کثیر بن سلیم نے روایت کیا کہ میں نے انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے سنا فرماتے تھے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ جو شخص اس بات کو پسند کرے کہ اللہ تعالیٰ اس کے گھر کی برکت زیادہ کردے تو اسے چاہئے کہ جس وقت اس کے سامنے صبح کا کھانا لایا جائے اور جب وہ کھانا اٹھایا جائے وضو کرلیا کرے۔

ف وضوء سے مراد یہاں ہاتھ دھونا اور کلی کرنا ہے اور باعث برکت ہونے کی وجہ

ظاہر ہے کہ نعمت کے استعمال کے وقت اس کے آداب کو ملحوظ رکھنا شکرانہ نعمت میں داخل ہے اور شکرانہ نعمت کی جزاء ہے زیادت نعمت، ارشاد ہے لَئِنْ شَکَرْتُمْ لَاَزِیْدَنَّکُمْ (اگر تم نے شکر کیا تو میں تمہیں زیادہ دوں گا) اور صبح کے کھانے کی تخصیص محض اتفاقی کیونکہ شام کے کھانے کا بھی یہی حکم ہے۔

۲- حدثنا جبارة بن المغلس ثنا کثیر بن سلیم عن انس بن مالك قال ما رفع من بین یدی رسول الله صلی الله علیه وسلم فضل شواء قط ولا حملت معه طنفسة۔

(باب الشواء)

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے سے کبھی بھنا ہوا گوشت جو کھانے سے بچ رہا ہو اٹھایا نہیں گیا (کیونکہ ایسا گوشت تھوڑا ہوتا اور کھانے والے زیادہ ہوتے اسلئے کبھی نہ بچتا) اور نہ کبھی آپ کے ساتھ بچھونا بار کیا گیا (جیسا کہ عام طور پر دنیادار جہاں جاتے ہیں پر تکلف فرش فروش اپنے ساتھ رکھتے ہیں)

۳- حدثنا جبارة بن المغلس ثنا کثیر بن سلیم عن انس بن مالك قال قال رسول الله صلی الله علیه وسلم، الخیر اسرع الی البیت الذی یغشی من الشفرة الی سنام البعیر (باب الضیافة)

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس گھر میں مہمان آتے رہتے ہیں اس گھر کی طرف خیر چھری کے اونٹ کے کوہان کی طرف پہنچنے سے بھی زیادہ جلدی پہنچ جاتی ہے۔

ف اونٹ میں کوہان کا گوشت بہت زیادہ لذیذ ہوتا ہے اور اہل عرب کی عادت ہے کہ وہ اونٹ کو نحر کرنے کے بعد سب سے پہلے اس کے کوہان ہی کا گوشت کاٹتے ہیں، اس حدیث میں بتایا گیا ہے کہ جب مہمانوں کے لئے اونٹ نحر کیا جاتا ہے تو چھری ابھی اونٹ کے کوہان تک بھی پہنچنے نہیں پاتی کہ گھر میں خیر و برکت کا دور دورہ ہو جاتا ہے۔

۴- حدثنا جبارة بن المغلس ثنا کثیر بن سلیم سمعت انس بن مالك یقول قال رسول الله علیه وسلم ما مررت بلیلة اسری بی بملاء الا قالوا یا محمد مر امتك بالحجامة (باب الحجامة)

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں معراج کی رات فرشتوں کی جس جماعت کے بھی پاس سے گزرا انہوں نے یہی کہا کہ اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اپنی امت کو پچھنے لگوانے کا حکم دیجئے۔

ف پچھنے لگوانا جب کہ بدن میں خون کی کثرت ہو نہایت ہی مفید ہے اور بعض امراض میں تو اس سے فوراً تسکین ہوتی ہے۔

۵- حدثنا جبارة بن المغلس ثنا کثیر بن سلیم عن انس بن مالك قال قال رسول الله صلی الله علیه وسلم ان هذه

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یہ امت مرحومہ ہے (یعنی اس پر خدا کا رحم ہے) اور اس کا عذاب اسی کے

الا متہ مرحومۃ عذابھا بایدیھا فاذا کان یوم القیامۃ دفع الی کل رجل من المسلمین رجل من المشرکین فیقال ھذا فداؤک من النار (یا یعنی امۃ محمد صلی اللہ علیہ وسلم)۔

ہاتھوں ہوگا (کہ ایک دوسرے کو قتل کریں گے) پھر جب قیامت کا دن ہوگا تو ہر مسلمان شخص کو ایک مشرک حوالہ کیا جائے گا اور کہا جائے گا کہ یہ تیرا فدیہ ہے دوزخ سے۔

ف حدیث میں آتا ہے کہ ہر شخص کے دو مکان اللہ تعالیٰ نے بنائے ہیں ایک جنت میں اور ایک دوزخ میں۔ قیامت کے روز جب کافر دوزخ میں جائے گا تو اس کا مکان جنت میں مسلمان کے حوالہ ہوگا۔ یہی معنی ہیں کافر کے مسلمان کا فدیہ ہونے کے کہ اس نے اپنے کفر کی شامت سے دوزخ میں مسلمان کی جگہ لی اور مسلمان نے اپنے ایمان کی بدولت جنت میں اس کا مکان حاصل کیا۔

یہ پانچوں حدیثیں جیسا کہ آپ نے ملاحظہ فرمایا ایک ہی سند سے مروی ہیں اور اگرچہ امام ابن ماجہ کے طبقہ کے اعتبار سے بہت ہی عالی ہیں مگر افسوس ہے کہ صحت سند کے اعتبار سے ان کا کچھ زیادہ وزن نہیں ہے کیونکہ کثیر بن سلیم پر محدثین عام طور پر جرح کرتے چلے آئے ہیں۔ البتہ امام ابن ماجہ کے شیخ جُبَارَہ بن المُغَلِّس حِمَّانی ابو محمد کوفی، جو تبع تابعین میں سے ہیں اور جن سے امام موصوف نے "ثلاثیات" کے علاوہ بھی اپنی سنن میں بہت سی حدیثیں نقل کی ہیں ان کی بہت سے محدثین نے توثیق کی ہے چنانچہ مُطَیَّن ابن نمیر سے راوی ہیں کہ یہ صدوق تھے۔ عثمان بن ابی شیبہ کہا کرتے تھے کہ

جبارۃ اطلبنا للحدیث واحفظنا۔

جبارہ طلب حدیث میں ہم سب سے آگے ہیں اور ہم سب سے زیادہ حافظ ہیں۔

اور حافظ مسلمہ بن قاسم ان کے متعلق لکھتے ہیں:

روی عنہ من اھل بلدنا بقی بن مخلد و ھو ثقۃ ان شاء اللہ۔

ہمارے ملک (اندلس) کے لوگوں میں سے ان سے بَقِی بن مَخْلَد نے روایت کی ہے اور یہ انشاء اللہ ثقہ ہیں۔

حقیقت یہ ہے کہ شیخ الاسلام بقی بن مخلد کا ان سے حدیث روایت کرنا خود ان کی توثیق کی ضمانت ہے کیونکہ شیخ الاسلام کسی غیر ثقہ شخص سے حدیث کی روایت نہیں کرتے تھے چنانچہ حافظ ابن حجر عسقلانی ان کے بارے میں رقمطراز ہیں کہ

من شانہ انہ لا یروی الا عن ثقۃ (تہذیب التہذیب)

شیخ الاسلام بقی بن مخلد کی شان یہ ہے کہ وہ بجز ثقہ کے

لہ جبارہ بھی فقہاء حنفیہ میں سے ہیں چنانچہ حافظ عبد القادر قرشی نے الجواہر المضیہ فی طبقات الحنفیہ میں ان کا ترجمہ لکھا ہے۔ یہ فقہ میں مِنْدَل بن علی کے شاگرد تھے جو امام اعظم کے مشاہیر تلامذہ میں سے ہیں۔ جبارہ کے برادر زادہ محدث ابو العباس احمد بن الصلت بن المغلس الحمانی نے امام ابو حنیفہ کے مناسب پر ایک ضخیم کتاب لکھی ہے جس کی بنا پر بعض ارباب ظواہر میں ان کے خلاف سخت برہمی پیدا ہو گئی حتی کہ بعض نے تو مخالفت کے جوش میں ابو العباس کی وجہ سے خود جبارہ پر بھی کلام کیا ہے۔

ترجمہ ایوب بن محمد بن ایوب البصری المعروف بالقلب) اور کسی سے حدیث کی روایت نہیں کرتے۔
جبارہ سے امام ابن ماجہ اور امام بقی بن مخلد کے علاوہ اور بھی بہت سے اکابر محدثین کو تلمذ حاصل ہے جن میں ابو سعید الاشج، ابو یعلی موصلی صاحب مسند، عبداللہ بن امام احمد، عبدان اہوازی اور مطین خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ جبارہ کی وفات ۲۴۱ھ میں ہوئی اس وقت ان کی عمر نوے سال سے متجاوز تھی۔[1]

عام حالاتِ زندگی | امام ابن ماجہ کی زندگی کے عام حالات بالکل پردۂ خفا میں ہیں اور ہمارے تذکرہ نویس ان کے ذکر سے یکسر خاموش ہیں۔ تاہم اس قدر ظاہر ہے کہ اس "رحلت علمیہ" میں جو طلب حدیث کی غرض سے امام ممدوح نے کی تھی برسوں ہی صرف ہوئے ہوں گے کیونکہ اس زمانہ کا سفر آج کل کی طرح آسان نہ تھا۔ مہینوں اور ہفتوں میں تو ایک ملک سے دوسرے ملک کی مسافت قطع ہوتی پھر جگہ جگہ اتنی مدت تک قیام کرنا بھی ضروری تھا کہ جس میں خاطر خواہ استفادہ کا موقع مل سکے اس لئے یقیناً عمر عزیز کی ایک اچھی خاصی مدت اس مبارک سفر کے نذر ہوگئی تھی، اور پھر جب حافظ حدیث ہو کر وطن مالوف کی طرف مراجعت کی ہوگی تو جس فن کو اس قدر محنت و جانفشانی سے حاصل کیا تھا اسی کی خدمت زندگی کا محبوب ترین مشغلہ ہوگا اور امام ممدوح کے اوقات عزیز کبھی حدیث پاک کے درس و تدریس میں صرف ہوتے ہوں گے اور کبھی اس کی تالیف و تدوین میں۔

امام ابن ماجہ نے ۲۳۰ھ ہجری کے بعد طلب حدیث میں رحلت کی ہے، اس وقت واثق باللہ عباسی تخت خلافت پر متمکن تھا۔ واثق، خلیفہ المعتصم باللہ کا بڑا لڑکا تھا اور علم و فضل کے اعتبار سے مامون الرشید کا ہمسر سمجھا جاتا تھا۔ واثق نے ۲۴ر ذی الحجہ ۲۳۲ھ ہجری کو چہار شنبہ کے دن انتقال کیا اور اس کی جگہ اس کا چھوٹا بھائی المتوکل علی اللہ تخت نشین ہوا، جس سے محدثین اس بنا پر بہت خوش ہیں کہ اس نے اپنے عہد خلافت میں "خلق قرآن" کا فتنہ یک قلم موقوف کر دیا اور اعتزال کے اثر کو زائل کرنے کے لئے محدثین کو بلا کر حکم دیا کہ صفاتِ الٰہی اور رویت باری کی احادیث کو برملا بیان کریں۔ متوکل کا عہد خلافت ۲۴۷ھ تک رہا اس لئے قیاس یہی ہے کہ امام ابن ماجہ کی "رحلت علمیہ" کا زمانہ غالباً متوکل کی تخت نشینی کے چند سال بعد ختم ہوتا ہے، اس کے بعد امام ممدوح اپنے وطن مالوف قزوین کو لوٹ گئے ہوں گے اور پھر بقیہ زندگی وہیں علم حدیث کی نشر و اشاعت میں گزاری ہوگی۔

وفات | امام ابن ماجہ کی وفات خلیفہ المعتمد علی اللہ عباسی کے عہد میں ہوئی ہے۔ بقیہ مصنفین صحاح ستہ نے بھی بجز امام نسائی کے اسی کے دورِ خلافت میں وفات پائی ہے۔ حافظ ابو الفضل محمد بن طاہر مقدسی، شروط الائمۃ الستہ میں لکھتے ہیں کہ

> میں نے قزوین میں امام ابن ماجہ کی تاریخ کا نسخہ دیکھا تھا یہ عہد صحابہ سے لیکر ان کے زمانے تک کے رجال اور امصار کے حالات پر مشتمل ہے، اس تاریخ کے آخر میں امام ممدوح کے شاگرد جعفر بن ادریس کے قلم سے حسب ذیل تحریر ثبت تھی۔

---

[1] تہذیب التہذیب، ترجمہ جبارہ بن المغلس۔

ابو عبداللہ محمد بن یزید ابن ماجہ نے دوشنبہ کے دن انتقال فرمایا اور سہ شنبہ ۲۲ ماہ رمضان المبارک ۲۷۳ھ ہجری کو دفن کئے گئے۔ اور میں نے خود ان سے سنا فرماتے تھے میں ۲۰۹ ہجری میں پیدا ہوا۔ وفات کے وقت آپ کی عمر ۶۴ سال تھی آپ کے بھائی ابوبکر نے آپ کی نماز جنازہ پڑھائی اور آپ کے ہر دو برادران ابوبکر اور ابو عبداللہ اور آپ کے صاحبزادے عبداللہ نے آپ کو قبر میں اتارا اور دفن کیا۔[۱]

امام ابو القاسم رافعی نے تاریخ قزوین میں یہ بھی لکھا ہے کہ غسل میت محمد بن علی قہرمان اور ابراہیم بن دینار وراق نے دیا تھا۔

متعدد شعراء نے آپ کی وفات پر نہایت دردناک مرثیے لکھے۔ چنانچہ یحیی بن زکریا طرائفی کہتا ہے۔

أیا قبر ابن ماجة غثت قطرا ملثا بالغداة و بالعشی

فقد حزت التقی والبر لما تضمنت البری من البری

من الایمان قولا ثم فعلا جهارا لیس ذلك بالخفی

ألا یا عین جودی ثم جودی بدمع فی البكاء علی التقی

أبی عبد الاله ابی الیتامی اب بر بهم حدب حفی

اقول لمقلتی الا ابكیاه لفقدان لآثار النبی

ونشر مناقب كثرت وطابت لآل الله كالمسك الذكی

بعقل وافر لاعیب فیه كالسیف الصقیل المشرفی

علیه الله صلی ثم صلی علیه من ملائكة العلی

وأم الارض وبل ما أجنت به من لوذعی احوذی

یحق لكل ذی دین ودنیا یبكیه بدمع لا بحكی

اور محمد بن الاسود قزوینی نے اس سے بھی زیادہ پُر اثر مرثیہ لکھا ہے جو درج ذیل ہے۔

لقد أوهی دعا ئم عرش علم وضعضع ركنه فقد ابن ماجه

ابن ماجہ کے اٹھ جانے نے سریر علم کے ستونوں کو توڑ کر اور اس کے پایوں کو منہدم کر کے رکھ دیا ہے

وخاب رجاء ملهوف كئیب یداویه من الداء ابن ماجه

اور وہ دردمند دکھیارا کہ جس کی ابن ماجہ چارہ سازی کیا کرتے تھے اس کی آس ٹوٹ چکی ہے

الا لله ماجنت المنایا علینا من تخطفها ابن ماجه

موت نے ابن ماجہ کو اچانک جھپٹ لیکر جو ہم پہ زیادتی کی ہے اس کی فریاد بس اللہ ہی سے ہے

محمد ن الذی ان عد یوما مصابیح الدنا عد ابن ماجه

وہ محمد ابن ماجہ کہ اگر کسی دن دنیا کے چراغوں کا شمار کیا جائے تو ان کا ضرور شمار ہو

---

[۱] مطابق ۸۸۶ عیسوی۔ [۲] شروط الائمۃ الستہ طبع قدسی مصر ۱۳۵۷ھ۔

فمن یرجی لعلم او لحفظ　　بشرح بین مثل ابن ماجہ

پھر اب علم وحفظ کے سلسلہ میں کس سے آس لگائی جائے کہ وہ ابن ماجہ کی سی بین شرح کرسکے گا

ومن لمصنفات مسندات　　ومنتخبا تھا بعد ابن ماجہ

اور مصنفات، مسندات اور ان کے منتخبات کے لئے اب ابن ماجہ کے بعد کون رہا ہے

ومن یعطی الذی اعطاہ ربی　　من التبیین والفقہ ابن ماجہ

اور بھلا کس کو ملتی ہے وہ قوت بیان اور فقاہت کہ جو میرے رب نے ابن ماجہ کو دی تھی۔

أباعبدالالٰہ مضیت فردا　　وماخلفت مثلک یاابن ماجہ

اے ابوعبداللہ (ابن ماجہ کی کنیت) تم یکتا زمانہ بن کر دنیا سے رخصت ہوئے، اور اے ابن ماجہ تم نے اپنی نظیر نہیں چھوڑی۔ [۱]

رحمہ اللہ الامام ابن ماجہ رحمۃ واسعۃ، وغفر لہ مغفرۃ جامعہ
آمین یارب العلمین

انسوس ہے کہ ہم کو امام ممدوح کے ہر دو برادران اور صاحبزادے کے حالات بالکل معلوم نہ ہوسکے۔

علماء کا آپ کی خدمت میں خراج تحسین

امام ابن ماجہ کی امامتِ فن، جلالتِ شان، وسعتِ نظر، حفظ حدیث اور ثقاہت کے تمام علماء معترف ہیں اور ہر دور کے تذکرہ نویسوں نے آپ کے ترجمہ میں ان چیزوں کو نمایاں طور پر بیان کیا ہے چنانچہ ہم اس سلسلہ میں چند مشہور علماء رجال وتذکرہ کی تصریحات ہدیۂ ناظرین کرتے ہیں:

(۱) محدث ابویعلیٰ خلیلی لکھتے ہیں: ابن ماجۃ ثقۃ کبیر متفق علیہ محتج بہ لمعرفۃ بالحدیث وحفظ ام [۲]

(۲) حافظ ابن الجوزی تصریح کرتے ہیں: سمع الکثیر وصنف السنن والتاریخ والتفسیر، وکان عارفا بھذا الشأن (المنتظم فی تاریخ الملوک والامم)۔

(۳) امام ابوالقاسم رافعی، تاریخ قزوین میں لکھتے ہیں: وھو امام من ائمۃ المسلمین کبیر متقن مقبول بالاتفاق۔ [۳]

(۴) حافظ شمس الدین ذہبی رقمطراز ہیں: ابن ماجۃ الحافظ الکبیر المفسر........... صاحب السنن والتفسیر والتاریخ ومحدث تلک الدیار (تذکرۃ الحفاظ)۔

اور عبر فی اخبار من غبر میں ان کا ذکر ان الفاظ میں کرتے ہیں: الامام الحافظ ابوعبداللہ محمد بن یزید ابن ماجۃ الکبیر الشأن القزوینی۔

---

[۱] یہ دونوں مرثیے رافعی نے تاریخ قزوین میں نقل کئے ہیں۔ (ملاحظہ ہو، نور مصباح الزجاجہ علی سنن ابن ماجہ از شیخ علی بن سلیمان الدمنتی البجمعوی ص ۳۔ طبع مصر ۱۲۹۹ھ)۔ [۲] تہذیب التہذیب از حافظ ابن حجر۔ [۳] نور مصباح الزجاجہ ص ۲۔

اور سیر اعلام النبلاء میں اس طرح لکھتے ہیں، قد کان ابن ماجۃ حافظا صدوقا واسع العلم۔

(۵) مورخ ابن ناصر الدین آپ کے بارے میں یوں فرماتے ہیں: ھو احد الائمۃ الاعلام وصاحب السنن احد کتب الاسلام، حافظ ثقۃ کبیر۔ [1]

(۶) علامہ ابن الاثیر تحریر کرتے ہیں، کان عاقلا اماما عالما (کامل التواریخ)

(۷) قاضی شمس الدین ابن خلکان ارقام فرماتے ہیں: ابن ماجۃ الربعی بالولاء القزوینی الحافظ المشہور مصنف کتاب السنن فی الحدیث، کان اماما فی الحدیث عارفا بعلومہ وجمیع ما یتعلق بہ (وفیات الاعیان)۔

(۸) علامہ یاقوت حموی لکھتے ہیں: ومن اعیان الائمۃ من اھل قزوین محمد بن یزید بن ماجۃ ابوعبداللہ القزوینی الحافظ (معجم البلدان)

(۹) مورخ جمال الدین ابوالمحاسن ابن تغری بردی کے یہ الفاظ ہیں، محمد بن یزید ابن ماجۃ الامام الحافظ الحجۃ الناقد، ابوعبداللہ القزوینی...... سمع الکثیر وکان صاحب فنون (النجوم الزاہرہ)

(۱۰) حافظ ابن حجر عسقلانی لکھتے ہیں: محمد بن یزید الربعی بفتح الراء والموحدۃ القزوینی ابوعبداللہ بن ماجۃ بتخفیف الجیم صاحب السنن، احد الائمۃ حافظ، (تقریب التہذیب)

تصانیف امام ابن ماجہ نے حسب ذیل تصانیف یادگار چھوڑیں۔

۱۔ **التفسیر** یہی وہ تفسیر ہے جس کے متعلق مشہور مفسر حافظ عماد الدین ابن کثیر البدایۃ والنہایہ میں لکھتے ہیں ولابن ماجۃ تفسیر حافل. حافظ ممدوح کی اس تصریح سے معلوم ہوا کہ یہ ایک ضخیم تالیف ہے، اس میں امام ابن ماجہ نے قرآن پاک کی تفسیر کے سلسلہ میں جس قدر احادیث اور صحابہ وتابعین کے اقوال مل سکے ہیں ان سب کو بالاسناد روایت کیا ہے۔ حافظ جمال الدین مزی نے تہذیب الکمال میں امام ابن ماجہ کی سنن اور تفسیر دونوں کی اسانید میں جن راویوں کے نام آئے ان سب کے حالات لکھے ہیں۔ علامہ سیوطی الاتقان فی علوم القرآن کی آخری نوع میں دور صحابہ وتابعین کے مشہور مفسرین کا ذکر کرنے کے بعد لکھتے ہیں کہ

• یہ تو قدماء مفسرین تھے جن کے بیشتر اقوال خود صحابہ سے ماخوذ تھے پھر اس طبقہ کے بعد تفسیریں مدون ہوئیں جو صحابہ وتابعین کے اقوال کی جامع تھیں جیسے تفسیر سفیان بن عیینہ، تفسیر وکیع بن الجراح، تفسیر شعبہ بن الحجاج، تفسیر یزید بن ہارون، تفسیر عبدالرزاق، تفسیر آدم بن ابی ایاس، تفسیر اسحق بن راہویہ، تفسیر روح بن عبادہ۔ تفسیر عبد بن حمید، تفسیر سنید، تفسیر ابوبکر بن ابی شیبہ، اور دیگر علماء کی تفاسیر۔

اور ان کے بعد تفسیر ابن جریر طبری، جو سب تفسیروں سے بڑھ چڑھ کر ہے پھر تفسیر ابن ابی حاتم، تفسیر ابن ماجہ، تفسیر حاکم، تفسیر ابن مردویہ، تفسیر ابوالشیخ بن حبان

---

[1] شذرات الذہب ابن العماد۔

تفسیر ابن المنذر[۵] اور دوسرے علماء کی تفسیریں ہیں۔

یہ تمام تفسیریں وہ ہیں جن میں صحابہ، تابعین، تبع تابعین سے بالاسناد روایتیں درج کی گئی ہیں اور بجز نقل روایات کے اور کچھ ان میں نہیں ہے، ہاں تفسیر ابن جریر کو اس حیثیت سے ان سب پر فوقیت حاصل ہے کہ وہ مختلف بیانات کی توجیہ کرتے اور بعض اقوال کو بعض پر ترجیح دیتے ہیں، نیز اعراب اور استنباط مسائل سے بھی اعتنا کرتے ہیں۔

پھر ان علماء کے بعد تو بے شمار لوگوں نے تفسیر پر قلم اٹھایا اور اسانید کو حذف کرکے مختلف اقوال کو پہلو بہ پہلو درج کرتے چلے گئے جس کی وجہ سے رخنہ پڑ گیا اور صحیح و غلط خلط ملط ہو کر رہ گیا۔"

۲۔ التاریخ۔ یہ وہی تاریخ ہے جس کا تعارف مورخ ابن خلکان نے تاریخ ملیح اور محدث ابن کثیر نے تاریخ کامل کے الفاظ سے کرایا ہے۔ یہ صحابہ سے لیکر مصنف کے عہد تک کی تاریخ ہے جس میں بلاد اسلامیہ اور راویان حدیث کے حالات ہیں۔ حافظ ابن طاہر مقدسی المتوفی ۵۰۷ھ نے قزوین میں اس کا نسخہ دیکھا تھا جس کے خاتمہ پر امام ابن ماجہ کے شاگرد جعفر بن ادریس کے قلم کی تحریر بھی موجود تھی۔

محدثین کے لئے تاریخ رجال سے واقفیت ایک نہایت ہی ضروری امر تھا کیونکہ بیشتر احادیث اخبار احاد ہیں اور اخبار احاد کا تمام تر مدار رجال اسناد پر ہے لہذا جب تک راویان حدیث کے حالات پر بخوبی اطلاع نہ ہو اس کے اسناد کی صحت و ضعف کا پتہ نہیں چل سکتا پہلی صدی میں تو اس کی چنداں ضرورت اس لئے نہ تھی کہ اس زمانہ میں حدیثوں کے راوی تمام تر صحابہ کرام اور اکابر تابعین (رضوان اللہ علیہم اجمعین) ہی تھے، صحابہ سب کے سب عدول اور ثقہ تھے اور ان میں سے کسی ایک فرد نے بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق کبھی کوئی غلط بیانی نہیں کی، کبار تابعین میں بھی برائے نام کوئی ضعیف ہو تو ہو قرن اول کے گزر جانے پر اوساط تابعین میں بلاشبہ ضعیف راویوں کی ایک جماعت ملتی ہے لیکن ان کا ضعف بھی بیشتر بددیانتی کی بنا پر نہیں بلکہ حافظہ کی کمزوری، قلت ضبط یا روایت میں تساہل کی بنا پر ہے بہرحال اس دور تک حدیث کے راویوں میں کسی دروغ گو کا وجود نادر اور ضعیف الروایہ بہت ہی کم تھے امام اعظم اور امام مالک کی اکثر و بیشتر حدیثیں اسی طبقہ کے راویوں سے منقول ہیں اور اسی لئے وہ صحت و وثوق کے لحاظ سے سب سے اعلیٰ سمجھی جاتی ہیں۔ دوسری صدی کے وسط میں جب بعض لوگوں نے روایت حدیث میں کذب بیانی سے کام لیا تو ائمہ نے جرح و تعدیل کا دروازہ کھولا اور تاریخ کی روشنی میں ان کے بیانات کو جانچنا شروع کیا۔ یہ ہے اس فن کی تدوین کی اصل وجہ۔ چنانچہ امام سفیان ثوری فرماتے ہیں:

لما استعمل الرواۃ الکذب استعملنا لہم التاریخ۔ جب راویوں نے جھوٹ سے کام لیا تو ہم نے ان کے لئے تاریخ استعمال کی۔

(الاعلان بالتوبیخ از سخاوی۔ ص ۹)

اور قاضی حفص بن غیاث[۵] فرماتے ہیں:

اذا اتہمتم الشیخ فحاسبوہ بالسنین۔[۱] جب تم کسی شیخ کو متہم خیال کرو تو دونوں کی عمروں کو حساب لگالو یعنی اس شیخ کے سن کو اور جس سے یہ روایت نقل کر رہا ہے اس کے سن کو معلوم کر کے حساب لگالو کہ یہ اس سے ملا بھی ہے یا ویسے ہی اس سے روایت کرنے کا دعویدار ہے۔

حسان بن زیاد کہتے ہیں کہ کذابین کے مقابلہ میں تاریخ سے بہتر کوئی چیز مددگار نہیں ہو سکتی، یہ اس طرح کہ پہلے ابن ادی کو پوچھا جائے کہ تم کب پیدا ہوئے جب وہ اپنا سال ولادت بیان کر دے اور جس شخص کی طرف وہ روایت منسوب کر رہا ہے اس کا سنہ وفات ہمیں معلوم ہو تو پھر ہمیں اس کے جھوٹ سچ کا پتہ چل سکتا ہے۔[۲]

چنانچہ اسمعیل بن عیاش نے ایک بار ایک شخص سے امتحاناً سوال کیا کہ میاں تم نے خالد بن معدان سے کس سنہ میں حدیث لکھی تھی کہنے لگا ۱۱۳ھ میں۔ اس پر اسمعیل نے اس شخص سے کہا کہ تم تو اس بات کے مدعی ہو کہ خالد کی وفات کے سات سال بعد تم نے ان سے حدیث سنی ہے۔[۳]

اور علامہ ابن عبد البر، جامع بیان العلم میں لکھتے ہیں:-

ویلزم صاحب الحدیث ان یعرف الصحابۃ المودین للدین عن نبیہم صلی اللہ علیہ وسلم ویُعنی بسیرہم وفضائلہم ویعرف احوال الناقلین عنہم وایامہم واخبارہم حتی یقف علی العدول منہم من غیر عدول۔[۴]

اور صاحب حدیث کے لئے لازمی ہے کہ وہ ان صحابہ سے واقفیت بہم پہنچائے جو اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے دین کے ناقل ہیں اور ان کی سیرت اور فضائل سے اعتنا کرے اور جو لوگ صحابہ سے نقل کرتے چلے آتے ہیں ان کے بھی حالات روزمرہ کے واقعات اور اخبار سے باخبر ہو تا کہ ان میں جو عادل اور غیر عادل ہیں ان سے واقف ہو جائے۔

امام ابن ماجہ نے بھی اسی ضرورت کے پیش نظر یہ تاریخ مرتب کی تھی۔ افسوس ہے کہ آج امام موصوف کی تفسیر اور تاریخ دونوں ناپید ہیں اور نہ متداول کتابوں میں ان کے حوالے ملتے ہیں۔ صاحب کشف الظنون نے امام ابن ماجہ کی تالیفات میں تاریخ قزوین کا بھی ذکر کیا ہے لیکن ہمارے خیال میں وہ کوئی مستقل کتاب نہیں بلکہ اسی تاریخ کا ایک جزء ہے۔

۳۔ السنن۔ یہی امام ابن ماجہ کی وہ مایۂ ناز اور شہرہ آفاق تصنیف ہے جس نے آپ کی امامت فن کا سکہ بٹھایا۔ حدیث کی مشہور چھ کتابیں جن کو صحاح ستہ کہا جاتا ہے ان میں آخری درجہ اسی کتاب کا ہے۔ آج بھی شرقاً غرباً یہ حدیث کے نصاب تعلیم میں داخل ہے۔ حافظ شمس الدین ذہبی نے تذکرۃ الحفاظ میں خود امام ابن ماجہ کی زبانی نقل کیا ہے کہ میں نے اس سنن کو جب امام ابوزرعہ کے سامنے

---

[۱]، [۲]، [۳] الاعلان بالتوبیخ از سخاوی ص ۹۔ [۴] جامع بیان العلم ج ۲ ص ۱۶۹ طبع منیریہ مصر۔ [۵] یہ بھی مشہور ائمہ حنفیہ اور امام اعظم کے ارشد تلامذہ میں سے ہیں ائمہ حدیث میں شمار کئے جاتے ہیں تذکرۃ الحفاظ، تہذیب التہذیب اور الجواہر المضیہ میں ان کا مفصل تذکرہ موجود ہے۔ ذہبی نے آپ کو الامام الحافظ اور قرشی نے الامام صاحب الامام لکھا

پیش کیا تو وہ اس کو دیکھ کر فرمانے لگے۔

اظن ان وقع ھذا فی ایدی الناس تعطلت ھذہ الجوامع او اکثرھا۔ [1]

میں سمجھتا ہوں اگر یہ کتاب لوگوں کے ہاتھوں میں آگئی تو یہ (حدیث کی موجودہ) تصنیفات یا ان میں سے اکثر معطل ہو کر رہ جائیں گی۔

اور محدث ابو القاسم امام الدین عبد الکریم بن محمد القزوینی الرافعی الشافعی المتوفی ۶۲۳ھ ہجری تاریخ قزوین میں رقمطراز ہیں،

والحفاظ یقرنون کتابہ بالصحیحین و سنن ابی داؤد والنسائی ویحتجون بما فیہ۔ [2]

اور حفاظ حدیث امام ابن ماجہ کی کتاب کو صحیحین، سنن ابی داؤد، اور سنن نسائی کے برابر رکھتے ہیں اور اس کی روایات سے احتجاج کرتے ہیں۔

اور حافظ ابن کثیر البدایہ والنہایہ میں فرماتے ہیں۔

وھی دالۃ علی علمہ وعملہ وتبحرہ واطلاعہ واتباعہ السنۃ فی الاصول والفروع۔

یہ کتاب امام ابن ماجہ کے علم و عمل، تبحر، اطلاع، اور اصول و فروع میں ان کی اتباع سنت کو بتاتی ہے۔

اس بلند پایہ کتاب کا بلحاظ فن کیا درجہ اور اس کی کیا اہمیت ہے اس کو سمجھنے کے لئے ضروری ہے کہ مصنف کے عہد تک کی فن حدیث کی جو تاریخ ہے اس پر ذرا تفصیل سے روشنی ڈال دی جائے تاکہ اس کتاب کا صحیح مقام اور اس کی خصوصیات پورے طور پر واضح ہو جائیں۔

حدیث کیا ہے قرآن کریم، دین الٰہی کی آخری اور مکمل کتاب ہے جو حضرت خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل کی گئی اور آپ کو اس کا مبلغ اور معلم بنا کر دنیا میں مبعوث کیا گیا چنانچہ آپ نے اس کتاب مقدس کو اول سے آخر تک لوگوں کو سنایا، لکھوایا، یاد کرایا اور بخوبی سمجھایا اور خود اس کے جملہ احکام و تعلیمات پر عمل پیرا ہو کر امت کو دکھایا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات طیبہ حقیقت میں قرآن مجید کی قولی اور عملی تفسیر ہے اور آپ کے ان ہی اقوال، اعمال اور احوال کا نام حدیث ہے۔

لفظ "حدیث" عربی زبان میں وہی مفہوم رکھتا ہے جو ہم اردو میں گفتگو، کلام یا بات سے مراد لیتے ہیں چونکہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام گفتگو اور بات کے ذریعہ پیام الٰہی کو لوگوں تک پہنچاتے اپنی تقریر اور بیان سے کتاب اللہ کی شرح کرتے اور خود اس پر عمل کر کے اس کو دکھلاتے تھے اسی طرح جو چیزیں آپ کے سامنے ہوتیں اور آپ ان کو دیکھ کر یا سن کر خاموش رہتے تو اسے بھی جزء دین سمجھا جاتا تھا کیونکہ اگر وہ امور منشاء دین کے منافی ہوتے تو آپ یقیناً ان کی اصلاح کرتے یا منع فرما دیتے، لہٰذا ان سب کے مجموعہ کا نام "احادیث" قرار پایا۔

نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کے اقوال، اعمال اور احوال کو حدیث سے تعبیر کرنا خود ساختہ اصطلاح نہیں بلکہ خود قرآن کریم ہی سے مستنبط ہے۔ قرآن کریم میں دین کو نعمت فرمایا ہے اور اس نعمت کی

[1] تذکرۃ الحفاظ، ترجمہ امام ابن ماجہ۔ [2] شرح السندی علی ابن ماجہ، باب ذکر الدیلم و فضل قزوین۔

نشر و اشاعت کو "تحدیث" سے تعبیر کیا ہے چنانچہ ارشاد ہے۔

وَاذْكُرُوا نِعْمَتَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَمَا أَنْزَلَ عَلَيْكُمْ مِنَ الْكِتٰبِ وَالْحِكْمَةِ يَعِظُكُمْ بِهٖ (البقرہ ع ۲۹)

اور یاد کرو اپنے اوپر اللہ کی نعمت کو اور جو تم پر کتاب اور حکمت کو نازل فرمایا کہ تم کو اس کے ذریعے نصیحت فرمائے

اور تکمیل دین کے سلسلہ میں فرمایا ہے؛

اَلْيَوْمَ أَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَأَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ۔ (المائدہ ع ۱)

آج کے دن تمہارے لئے تمہارے دین کو میں نے کامل کر دیا اور میں نے تم پر اپنی نعمت تمام کر دی۔

دیکھئے ان دونوں آیتوں میں قرآن حکیم نے دین کو "نعمت" کہا ہے اور سورہ "الضحیٰ" میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اسی نعمت کے بیان کرنے کا ان الفاظ میں حکم دیا ہے۔

وَأَمَّا بِنِعْمَةِ رَبِّكَ فَحَدِّثْ۔

اور اپنے رب کی نعمت کو بیان کیجئے۔

بس آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اسی تحدیث نعمت کو حدیث کہتے ہیں،

یہی نہیں انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کے اقوال، اعمال اور احوال کے لئے خود قرآن مجید میں بھی متعدد مقامات پر "حدیث" ہی کا لفظ استعمال کیا گیا ہے، چنانچہ سورہ "الذاریات" میں حضرت ابراہیم علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام کا تذکرہ اس طرح شروع ہوتا ہے هَلْ أَتٰكَ حَدِيْثُ ضَيْفِ إِبْرٰهِيْمَ الْمُكْرَمِيْنَ (الذاریات ع ۲) اور حضرت موسیٰ علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والتسلیم کے حالات میں ایک جگہ نہیں دو جگہ فرمایا ہے هَلْ أَتٰكَ حَدِيْثُ مُوْسٰى (طٰہٰ ع ۱، النازعات ع ۱) خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے قول مبارک کے لئے بھی قرآن مجید میں "حدیث" کا لفظ موجود ہے۔

وَإِذْ أَسَرَّ النَّبِيُّ إِلٰى بَعْضِ أَزْوَاجِهٖ حَدِيْثًا (التحریم ع ۱) اور جب چھپا کر کہی نبی نے اپنی کسی بی بی سے ایک بات۔

حدیث کی دینی حیثیت | حدیث شریف کا دین میں کیا درجہ ہے اس کو ذہن نشین کرنے کے لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حسب ذیل حیثیات کو پیش نظر رکھنا ضروری ہے جن کو قرآن پاک نے نہایت صراحت کے ساتھ بیان فرمایا ہے۔

(۱) آپ مبلغ تھے۔

يٰٓأَيُّهَا الرَّسُوْلُ بَلِّغْ مَآ أُنْزِلَ إِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ۔ (المائدہ ع ۱۰، و ۱۰)

اے رسول پہنچا دیجئے جو کچھ اتارا گیا ہے آپ کی طرف آپ کے پروردگار کی جانب سے۔

(۲) آپ مراد الٰہی کے مبین یعنی بیان کرنے والے ہیں۔

وَأَنْزَلْنَآ إِلَيْكَ الذِّكْرَ لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ إِلَيْهِمْ (النحل ع ۶)

اور آپ پر بھی ہم نے یہ یادداشت نازل کی تاکہ جو کچھ ان کی طرف اتارا گیا ہے آپ اس کو کھول کر لوگوں سے بیان کر دیں۔

(۳) آپ معلم کتاب و حکمت ہیں۔

لَقَدْ مَنَّ اللّٰهُ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ إِذْ بَعَثَ فِيْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْ أَنْفُسِهِمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ

بے شک اللہ نے احسان کیا ایمان والوں پر کہ بھیجا ان میں رسول انہیں میں سے جو پڑھتا ہے ان پر اس کی

اٰیٰتِهٖ وَیُزَکِّیْهِمْ وَیُعَلِّمُهُمُ الْکِتٰبَ وَ الْحِکْمَةَ۔ (آل عمران ع ۱۷)

آیتیں اور ان کو سنوارتا ہے اور ان کو کتاب اللہ اور حکمت کی تعلیم دیتا ہے۔

(۴) تحلیل و تحریم یعنی اشیاء کو حلال و حرام کرنا آپ کے منصب میں داخل تھا۔

وَیُحِلُّ لَهُمُ الطَّیِّبٰتِ وَیُحَرِّمُ عَلَیْهِمُ الْخَبٰٓئِثَ۔ (الاعراف ع ۱۹)

اور وہ ان کے لئے پاک چیزوں کو حلال کرتے ہیں اور گندی چیزوں کو ان پر حرام فرماتے ہیں۔

قَاتِلُوا الَّذِیْنَ لَا یُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَلَا بِالْیَوْمِ الْاٰخِرِ وَلَا یُحَرِّمُوْنَ مَا حَرَّمَ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ۔ (التوبہ ع ۴)

لڑو ان لوگوں سے جو یقین نہیں رکھتے اللہ پر، پچھلے دن پر اور نہیں حرام سمجھتے ان چیزوں کو جن کو حرام کیا اللہ اور اس کے رسول نے۔

(۵) آپ امت کے تمام معاملات اور فیصلوں میں قاضی ہیں۔

وَمَا کَانَ لِمُؤْمِنٍ وَّلَا مُؤْمِنَةٍ اِذَا قَضَی اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗۤ اَمْرًا اَنْ یَّکُوْنَ لَهُمُ الْخِیَرَةُ مِنْ اَمْرِهِمْ وَمَنْ یَّعْصِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ فَقَدْ ضَلَّ ضَلٰلًا مُّبِیْنًا۔ (الاحزاب ع ۲۴)

اور گنجائش نہیں کسی ایماندار مرد کے لئے اور نہ کسی ایماندار عورت کے لئے جبکہ فیصلہ کردے اللہ اور اس کا رسول کسی معاملہ کا کہ ان کو اپنے اس معاملہ میں کوئی اختیار رہے اور جو کوئی اللہ اور اس کے رسول کی نافرمانی کرے تو بیشک وہ صریح طور پر گمراہ ہوگیا۔

(۶) آپ امت کے تمام جھگڑوں اور قضیوں میں حَکَم ہیں۔

فَلَا وَرَبِّکَ لَا یُؤْمِنُوْنَ حَتّٰی یُحَکِّمُوْکَ فِیْمَا شَجَرَ بَیْنَهُمْ ثُمَّ لَا یَجِدُوْا فِیْۤ اَنْفُسِهِمْ حَرَجًا مِّمَّا قَضَیْتَ وَیُسَلِّمُوْا تَسْلِیْمًا۔ (النساء ع ۹)

سو قسم ہے تیرے رب کی یہ مومن نہیں ہوں گے جب تک کہ تمہیں ہی حَکَم نہ بنائیں اس جھگڑے میں کہ جو ان کے باہم ہو پھر جو تم فیصلہ کرو اس سے یہ اپنے جی میں خفگی بھی نہ محسوس کریں اور تسلیم کرکے مان لیں۔

اِنَّاۤ اَنْزَلْنَاۤ اِلَیْکَ الْکِتٰبَ بِالْحَقِّ لِتَحْکُمَ بَیْنَ النَّاسِ بِمَاۤ اَرٰىکَ اللّٰهُ۔ (النساء ع ۱۶)

بیشک ہم نے یہ کتاب تمہاری طرف حق کے ساتھ نازل کی ہے تاکہ تم لوگوں کے باہم جو کچھ اللہ تمہیں سجھلائے اس سے فیصلہ کیا کرو۔

(۷) آپ کی ذات قدسی صفات میں ہر مومن کے لئے اسوۂ حسنہ ہے۔

لَقَدْ کَانَ لَکُمْ فِیْ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ لِّمَنْ کَانَ یَرْجُوا اللّٰهَ وَالْیَوْمَ الْاٰخِرَ وَذَکَرَ اللّٰهَ کَثِیْرًا۔ (الاحزاب ع ۳)

بیشک تمہارے لئے رسول اللہ کی ذات میں عمدہ نمونۂ عمل ہے اس شخص کے لئے کہ جو اللہ اور روز آخرت سے آس لگائے ہوئے ہو اور اللہ کو بہت یاد کرتا ہو۔

(۸) آپ کی اتباع سب پر فرض ہے۔

فَاٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهِ النَّبِیِّ الْاُمِّیِّ الَّذِیْ یُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَکَلِمٰتِهٖ وَاتَّبِعُوْهُ (الاعراف ع ۲۰)

سو ایمان لاؤ اللہ پر اور اس کے نبی امی پر کہ جو اللہ اور اس کی باتوں پر ایمان رکھتا ہے اور اس کے تابع ہو۔

قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِيْ يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوْبَكُمْ (آل عمران ع ۴) — آپ کہدیجئے اگر تم محبت رکھتے ہو اللہ کی تو میری اتباع کرو کہ اللہ تم سے محبت رکھے اور تمہارے گناہ بخشدے۔

(۹) جو کچھ آپ دیں اس کو لینا اور جس چیز سے منع فرمائیں اس سے باز رہنا ضروری ہے۔

وَمَآ اٰتٰكُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ وَمَا نَهٰىكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوْا۔ (حشر ع ۱) — اور جو دے تم کو رسول سو لے لو اور جس سے منع کرے سو چھوڑ دو۔

(۱۰) آپ کی اطاعت تمام مسلمانوں پر فرض ہے۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ۔ (محمد ع ۴) — اے ایمان والو اطاعت کرو اللہ کی اور اطاعت کرو رسول کی۔

(۱۱) ہدایت آپ کی اطاعت سے وابستہ ہے۔

وَاِنْ تُطِيْعُوْهُ تَهْتَدُوْا۔ (النور ع ۷) — اور اگر تم نے ان کی اطاعت کی تو ہدایت پر آجاؤ گے۔

ان آیات سے معلوم ہوا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جسقدر امت کو ہدایتیں دیں، جو جو چیزیں ان سے بیان فرمائیں اور کتاب وحکمت کی تعلیم کے ذیل میں جو کچھ ارشاد فرمایا جن چیزوں کو حلال اور جن کو حرام ٹھیرایا باہمی معاملات وقضایا میں جو کچھ فیصلہ فرمایا، منازعات وخصومات کو جس طرح چکایا ان سب کی حیثیت دینی اور تشریعی ہے یہی نہیں بلکہ آپ کی پوری زندگی امت کے لئے بہترین نمونہ عمل ہے جس کی اتباع اور پیروی کا ہم کو حکم دیا گیا ہے، آپ کی اطاعت ہر امتی پر فرض ہے جو آپ حکم دیں اس کو بجالانا اور جس سے منع کریں اس سے رک جانا ہر مومن کے لئے لازم اور ضروری ہے۔ مختصر یہ کہ آپ کی اطاعت ہی حقیقت میں حق تعالیٰ کی اطاعت ہے چنانچہ قرآن کریم میں صاف تصریح ہے۔

وَمَنْ يُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰهَ (النساء ع ۱۱) — جس نے رسول کی اطاعت کی اس نے بلاشبہ اللہ ہی کی اطاعت کی۔

ظاہر ہے کہ وضو، غسل، نماز، روزہ، زکوٰۃ، حج، درود، دعا، جہاد، ذکر الٰہی، اسی طرح نکاح، طلاق، بیع وشراء، فصل قضایا وخصومات، اخلاق ومعاشرت، سیاسیات ملت غرض جملہ احکام دین کے متعلق کلی احکام قرآن مجید میں موجود ہیں لیکن ان احکام کی تشریح، ان کے جزئیات کی تفصیل اور ان کی عملی تشکیل آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اقوال واعمال اور آپ کے احوال کے جانے بغیر بالکل نہیں ہو سکتی۔ اس لئے اللہ کی اطاعت بغیر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع اور اطاعت کے ناممکن اور محال ہے۔

کتابت حدیث عرب کی قوم عام طور پر اُمّی یعنی بے پڑھی لکھی تھی اور ان میں کسی قسم کی مکتوبی یا زبانی تعلیم کا رواج نہ تھا، چنانچہ قرآن کریم نے ان کو اُمّیین ہی فرمایا ہے خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق بھی قرآن پاک میں النَّبِيُّ الْاُمِّيُّ وارد ہے۔ ساتھ ہی یہ بھی تاریخ شہادت دیتی ہے کہ اہل عرب کا

حافظہ نہایت ہی قوی تھا وہ اپنے تمام شجرہائے نسب، اہم تاریخی واقعات، جنگی کارنامے، بڑے بڑے خطبے، لمبے لمبے قصیدے اور نظمیں سب زبانی یاد رکھتے تھے، قرآن پاک نازل ہوا تو عرب کی عام عادت کے مطابق خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ نے اس کو برزبان یاد رکھا اور اس سلسلہ کو ہمیشہ کیلئے جاری فرمادیا اسی لئے ارشاد ہے:

بَلْ هُوَ اٰيٰتٌۢ بَيِّنٰتٌ فِيْ صُدُوْرِ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ۔ بلکہ یہ قرآن کھلی کھلی آیتیں ہیں ان لوگوں کے سینے میں جن کو علم دیا گیا ہے۔

تاہم چونکہ قرآن مجید تمام تر معجزہ ہے اور اس کا لفظ لفظ وحی الٰہی ہے جس میں کسی ایک لفظ کی بجائے دوسرے اس کے ہم معنی اور مترادف لفظ کے لانے کی بھی گنجائش نہیں ہے اس بناء پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے شروع ہی سے اس کی کتابت کا بھی اہتمام فرمایا چنانچہ معمول مبارک تھا کہ جس وقت کوئی آیت اترتی آپ اسی وقت لوگوں کو یاد کرادیتے اور کسی کاتب کو بلا کر اس کو لکھوا دیتے مگر اصل توجہ اس کے حفظ وتلاوت پر مرکوز تھی اور کتابت مزید برآں تھی۔

برخلاف اس کے حدیث معجزہ نہ تھی اس کے الفاظ نہیں بلکہ معانی ومطالب آپ کے قلب مبارک پر وارد ہوتے تھے اور آپ اس کو اپنے لفظوں میں ادا فرماتے تھے اور یہ الفاظ بھی حسب ضرورت مختلف ہوتے تھے کیونکہ آپ کو مختلف طبائع اور مختلف مذاق کے لوگوں کو سمجھانا پڑتا تھا۔ اسی بنا پر اس کے لفظوں کی بعینہٖ تلاوت کا حکم نہ تھا۔ [1]

---

[1] خوب سمجھ لیجئے یہی فرق ہے حدیث قولی اور قرآن میں، کہ قرآن اپنے الفاظ ومعانی دونوں کے اعتبار سے معجزہ ہے، حدیث معجزہ نہیں، قرآن میں ایک لفظ بلکہ ایک حرف بلکہ ایک نقطہ کا بھی تغیر وتبدل وتبدیل جائز نہیں لیکن حدیث میں روایت بالمعنی یعنی اصل مقصود کو جدا گانہ الفاظ میں بیان کرنے کی گنجائش ہے۔

بالفاظ دیگر قرآن وحدیث میں وہی فرق ہے جو نامہ و پیام میں ہوتا ہے پیام میں اگر آپ کا پیامی آپ کا منشا اور مافی الضمیر صحیح طور سے مرسل الیہ تک پہنچا دیتا ہے تو پیام رسانی کا مقصد حاصل ہو گیا خواہ پیام رساں اسے آپ کے الفاظ میں نہ پہنچائے بلکہ اکثر اوقات اس کے لئے الفاظ میں تبدیلی کرنا ضروری ہو جاتا ہے خصوصاً جبکہ آپ کی اور آپ کے مخاطب کی زبان مختلف ہو اور آپ کا پیغام رساں دونوں زبانوں سے واقفیت رکھتا ہو، اس صورت میں آپ اپنا مقصد اس سے اپنی زبان میں کہیں گے اور وہ اسے مرسل الیہ کی زبان میں ادا کرے گا۔ اگر اس موقع پر وہ آپ ہی کے الفاظ نقل کردے تو پیغام کا مقصد فوت ہو کر رہ جائے گا، اسی طرح اگر آپ کا پیغام رساں ذہین ہے اور مختصر الفاظ میں مطلب سمجھ جاتا ہے لیکن جسے پیام دیا جا رہا ہے وہ نہایت ہی غبی اور کم فہم ہے تو اس صورت میں آپ کے لئے اپنے پیغام رساں سے مختصر لفظوں میں اپنا مطلب کہہ دینا کافی ہے لیکن اس کے لئے ضروری ہے کہ وہ مرسل الیہ کو اس قدر واضح الفاظ میں اپنا مطلب سمجھائے کہ وہ اس کے اچھی طرح سمجھ میں آجائے۔

لیکن "نامہ" کی صورت اس سے بالکل مختلف ہے یہاں ان ہی الفاظ کو مکتوب الیہ تک پہنچانا ضروری ہے اگر قاصد نے بیچ میں خط کو چاک کر ڈالا اور اسی مضمون کا دوسرا خط تحریر کر دیا۔ (باقی برصفحہ آئندہ)

علاوہ ازیں آپ کو اپنی قوم کی قوت حافظہ اور یادداشت پر پورا پورا اعتماد اور وثوق تھا کیونکہ وہ جو کچھ سنتے تھے ان کے صفحۂ حافظہ پر ثبت ہو جاتا تھا، اس لئے ابتداء اسلام میں کتابت حدیث کی ضرورت نہیں سمجھی گئی بلکہ صرف زبانی روایت کا حکم دیا گیا اور ساتھ ہی یہ وعید بھی سنا دی گئی کہ آپ کے بارے میں عمداً کسی قسم کی غلط بیانی یا دروغ زنی کا مطلب دوزخ میں اپنا ٹھکانا بنانا ہے۔ اتنا ہی نہیں بلکہ صحیح مسلم میں حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ کی زبانی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ ہدایت بھی منقول ہے کہ

لا تکتبوا عنی، ومن کتب عنی غیر القرآن فلیمحہ، وحدثوا عنی ولا حرج، ومن کذب علی متعمداً فلیتبوأ مقعدہ من النار۔
(باب التثبت فی الحدیث وحکم کتابۃ العلم)

مجھ سے کچھ نہ لکھو اور جس نے مجھ سے قرآن کے علاوہ کچھ لکھ لیا ہے تو وہ اسے مٹا دے اور مجھ سے حدیثیں بیان کرو اس میں کچھ حرج نہیں اور جس شخص نے میرے متعلق قصداً جھوٹ بولا، اسے چاہئے کہ وہ اپنا ٹھکانا دوزخ میں بنا لے۔

اگرچہ امام بخاری اور دیگر محدثین کے نزدیک یہ روایت صحیح نہیں بلکہ معلول ہے اور ان کی تحقیق میں یہ الفاظ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے نہیں بلکہ خود ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ کے ہیں جن کو غلطی سے راوی نے مرفوعاً نقل کر دیا ہے لیکن بالفرض اگر اس روایت کو موقوف نہیں بلکہ مرفوع ہی صحیح تسلیم کر لیا جائے تب بھی یہ ممانعت وقتی اور عارضی تھی جو اس زمانے میں کچھ عرصے کے لئے خاص طور پر حفاظت قرآن کے سلسلہ میں کر دی گئی تھی، جس کی وجہ بظاہر یہ معلوم ہوتی ہے کہ چونکہ حق تعالیٰ نے آپ کو قرآن کریم کے علاوہ "جوامع الکلم" بھی عطا فرمائے تھے جو اپنے ایجاز لفظی و معنوی کے اعتبار سے اپنی نظیر آپ تھے اس لئے اندیشہ تھا کہ یہ امی لوگ جو نئے نئے قرآن سے آشنا ہوئے ہیں کہیں دونوں کو خلط ملط نہ کر دیں۔ اس بنا پر غایت احتیاط کے مدنظر آپ نے قرآن مجید کے سوا

(بقیہ حاشیہ از صفحۂ گذشتہ) یا اس کا مطلب ہی بلا کم و کاست زبانی جا کر بیان کر دیا تو وہ کسی طرح اپنے فرض سے سبکدوش نہیں ہوا بلکہ الٹا خیانت مجرمانہ کا مرتکب اور بددیانتی کا ملزم ٹھیرا۔

* حدیث قولی بھی حق تعالیٰ کی وحی یا الہام یا ارادت ہے مگر اس کی نوعیت پہلی قسم کی ہے جس میں الفاظ کا بعینہٖ ادائگی ضروری نہیں، اور قرآن پاک کی نوعیت دوسری قسم کی ہے یہاں اصل الفاظ ہیں جو روح القدس کے ذریعے حق تعالیٰ کی طرف سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے قلب اقدس پر نازل ہوئے اور آپ کے ذریعے امت تک پہنچے، ان میں نہ روایت بالمعنی کی اجازت ہے نہ کسی قسم کے تغیر و تبدل کا اختیار، ہاں ترجمہ اور تفسیر کی اجازت ہے لیکن اس کو کلام الٰہی نہیں کہا جائے گا۔

(حاشیہ صفحۂ ھذا) ؎ چنانچہ حافظ ابن حجر عسقلانی، فتح الباری بشرح صحیح البخاری میں لکھتے ہیں:-

ومنہم من اعل حدیث ابی سعید وقال الصواب وقفہ علی ابی سعید قالہ البخاری وغیرہ۔
(باب کتابۃ العلم)

اور بعض محدثین نے حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ کی مذکورہ روایت کو معلول بتایا ہے اور کہا ہے کہ صحیح یہ ہے کہ یہ روایت حضرت ابو سعید رضی اللہ عنہ پر موقوف ہے، چنانچہ امام بخاری وغیرہ نے یہی بیان کیا ہے۔

ہر چیز کے لکھنے کی ممانعت کر دی اور عام حکم دیدیا کہ اگر آپ سے قرآن مجید کے علاوہ اور کچھ لکھ لیا گیا ہے تو اس کو مٹا دیا جائے۔

احادیث فعلیہ میں تمام احکام و عبادات کا عملی نقشہ اور ان کی تشکیل تھی، عملی چیزیں لکھوانے کی بہ نسبت عملی طور پر کر کے دکھلانے اور پھر لوگوں سے اس کے مطابق عمل کروانے سے زیادہ ذہن نشین ہوتی ہیں اس لئے آپ نے ان کے بارے میں یہی طریقہ اختیار فرمایا اور ہدایت کر دی کہ

صلوا کما رایتمونی اصلی۔ (صحیحین) جس طرح تم نے مجھے نماز پڑھتے دیکھا اسی طرح تم بھی نماز پڑھا کرو۔

اور حجۃ الوداع میں رمی جمار کرتے ہوئے فرمایا:

خذوا عنی مناسککم فانی لا ادری لعلی لا احج بعد حجتی ھذہ (صحیح مسلم) مجھ سے تم اپنے حج کے طریقے سیکھ لو کیونکہ پتہ نہیں شاید میں اس حج کے بعد دوسرا حج نہ کر سکوں۔

بہت سی چیزیں جن میں آپ نے کسی قسم کی اصلاح و ترمیم کی ضرورت نہ سمجھی اور ان کو ہوتے دیکھ کر آپ نے خاموشی اختیار فرمائی اور اس طرح اپنے اس طرز عمل سے آپ نے ان کی تقریر یعنی اثبات فرمایا کہ باوجود ان چیزوں کے آپ کے علم میں آجانے کے آپ نے ان پر کسی قسم کا انکار نہیں کیا، ایسی حدیثیں تقریری کہلاتی ہیں۔ اب ظاہر ہے کہ اس قسم کی روزمرہ کی باتیں اگر آپ قلمبند کرنے کا حکم دیتے تو ایک طول طویل اور اونٹوں پر لادنے والی ضخیم کتاب بنتی جس کی تکلیف اس وقت کے امیوں کے لئے تکلیف مالا یطاق سے کم نہ تھی خصوصاً جبکہ اس وقت پوری قوم میں لکھنا جاننے والوں کی تعداد اتنی تھوڑی تھی کہ انگلیوں پر گنے جا سکتے تھے اور کاغذ کی قلت کا یہ عالم تھا کہ لوگ قرآن پاک کو بھی کھجور کی شاخوں، درختوں کے پتوں، اونٹ اور بکری کے شانوں کی ہڈیوں، جانوروں کے چمڑوں اور کھالوں، پالان کی لکڑیوں اور چوڑے چکلے اور پتلے پتلے پتھروں پر لکھا کرتے تھے۔

غرض اس وقت حفاظتِ دین کے سلسلہ میں وہی آسان اور سادہ طریقہ اختیار کیا گیا جو اس عہد میں اہل عرب کا فطری اور مروج طریقہ تھا۔ قرآن مجید جو دین کی تمام بنیادی اور اساسی تعلیمات پر مشتمل اور جملہ عقائد و احکام کے متعلق کلی ہدایات کا حامل ہے اس کا لفظ لفظ لوگوں نے زبانی یاد کیا مزید احتیاط کے لئے معتبر کاتبوں سے خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو لکھوا لیا۔ "حدیث شریف" جو شرع اسلامی کی تمام اعتقادی اور عملی تفصیلات پر حاوی ہے اس کا قولی حصہ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے اپنی قومی عادت اور رواج کے مطابق اس سے بھی زیادہ اہتمام کے ساتھ اپنے حافظہ میں محفوظ رکھا کہ جس اہتمام کے ساتھ وہ اس سے پہلے اپنے خطیبوں کے خطبے، شاعروں کے قصیدے اور حکماء کے مقولے یاد رکھا کرتے تھے اور اس کے عملی حصے پر فوراً تعامل اور عملدرآمد شروع کر دیا گیا۔ ظاہر ہے کہ اس وقت میں اس سے زیادہ اور کیا جا سکتا تھا۔

لیکن بعد کو جب کہ قرآن مجید کا کافی حصہ نازل ہو چکا اور عام طور پر لوگ قرآن کے

ذوق آشنا ہوگئے اور اس بات کا اندیشہ بالکل جاتا رہا کہ "کلام الٰہی" کے ساتھ حدیث کے الفاظ مل جائینگے اور غزوۂ بدر کے بعد مدینہ میں بہت سے لوگوں نے لکھنا بھی سیکھ لیا۔ تو پھر کتابتِ حدیث کی اجازت دیدی گئی چنانچہ جامع ترمذی میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ

کان رجل من الانصار یجلس الی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فیسمع من النبی صلی اللہ علیہ وسلم الحدیث فیعجبہ ولا یحفظہ فشکا ذلک الی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فقال یا رسول اللہ انی لاسمع منک الحدیث فیعجبنی ولا احفظہ فقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم استعن بیمینک واوما بیدہ للخط۔ [۱]

ایک انصاری صحابی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت مبارک میں بیٹھتے آپ کی باتیں سنتے اور بہت پسند کرتے مگر یاد نہ رکھ پاتے آخر انھوں نے اپنی یادداشت کی خرابی کی شکایت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے کی کہ یارسول اللہ میں آپ سے حدیث سنتا ہوں وہ مجھے اچھی لگتی ہے مگر میں اسے یاد نہیں رکھ سکتا۔ اس پر آپ نے یہ ارشاد فرماتے ہوئے کہ "اپنے داہنے ہاتھ سے مدد لو" اپنے دست مبارک سے ان کو لکھنے کی طرف اشارہ کیا۔

اور حضرت رافع بن خدیج رضی اللہ عنہ بیان فرماتے ہیں کہ میں نے خدمت نبوی میں گذارش کی کہ

یا رسول اللہ انا نسمع منک اشیاء فنکتبھا

یا رسول اللہ ہم آپ کی فرمودہ باتیں سن کر لکھ لیتے ہیں

تو آپ نے ارشاد فرمایا کہ

اکتبوا ولا حرج۔ [۲]

لکھ لیا کرو کچھ حرج نہیں۔

اور سنن ابی داؤد اور مسند دارمی میں حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما سے روایت ہے۔

کنت اکتب کل شئ اسمعہ من رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ارید حفظہ فنھتنی قریش وقالوا تکتب کل شئ تسمعہ ورسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بشر یتکلم فی الغضب والرضا فامسکت عن الکتابۃ فذکرت ذلک الی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فاوما باصبعہ الی فیہ فقال اکتب فوالذی نفسی بیدہ ما یخرج منہ الا حق۔ [۳]

میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے جو کچھ سنتا تھا حفظ کرنے کے لئے اس کو لکھ لیتا تھا۔ پھر قریش نے مجھ کو منع کیا اور کہنے لگے کہ تم جو بات سنتے ہو لکھ لیتے ہو حالانکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بشر ہیں غصہ میں بھی کلام فرماتے ہیں اور خوشی میں بھی۔ یہ سن کر میں نے لکھنا چھوڑ دیا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کا ذکر کیا تو آپ نے اپنی انگشت سے اپنے دہن مبارک کی طرف اشارہ کیا اور فرمانے لگے کہ تم لکھو، قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضۂ قدرت میں میری جان ہے اس سے بجز حق کے کچھ نہیں نکلتا۔

بلکہ حکیم ترمذی اور سمویہ نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے اور طبرانی نے معجم کبیر میں اور حاکم نے مستدرک

---

[۱] جامع ترمذی، باب ماجاء فی الرخصۃ فی کتابۃ العلم۔ [۲] منتخب کنز العمال ج ۴ ص ۸۵ بحوالہ حکیم ترمذی، طبرانی، سمویہ، تقیید العلم للخطیب، یہ کتاب مصر میں امام احمد بن حنبل کی مسند کے حاشیہ پر طبع ہوئی ہے۔
[۳] سنن ابی داؤد، باب کتابۃ العلم، مسند دارمی، باب من رخص فی کتابۃ العلم۔

میں حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد بھی نقل کیا ہے کہ

قیدوا العلم بالکتاب۔ ؎۵۱ — علم کو قید کتابت میں لے آؤ۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے املا

خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی متعدد مواقع پر ضروری احکام و ہدایات کو قلمبند کروایا ہے۔

(۱) چنانچہ صحیح بخاری اور سنن ترمذی میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ فتح مکہ کے سال قبیلہ خزاعہ کے لوگوں نے بنی لیث کے ایک شخص کو قتل کر دیا تھا۔ جب اس واقعہ کی اطلاع آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو دی گئی تو آپ نے اپنی سواری پر سوار ہو کر خطبہ دیا جس میں حرم محترم کی عظمت و حرمت اور اس کے آداب کی تفصیل اور قتل کے سلسلہ میں دیت و قصاص کا بیان تھا۔ خطبہ سے فراغت ہوئی تو یمن کے ایک صحابی حضرت ابوشاہ رضی اللہ عنہ نے اٹھ کر درخواست کی کہ اکتبوا لی یا رسول اللہ (یا رسول اللہ یہ خطبہ میرے لئے لکھوا دیجئے) آپ نے ان کی درخواست منظور فرما کر حکم دیا کہ اکتبوا لابی شاہ (ابوشاہ کے لئے خطبہ لکھ دیا جائے) ؎۵۲

(۲) اور حافظ ابن عبدالبر، جامع بیان العلم واہلہ میں لکھتے ہیں کہ

وکتب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کتاب الصدقات والدیات والفرائض والسنن لعمرو بن حزم وغیرہ۔ ؎۵۳

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عمرو بن حزم وغیرہ کے لئے صدقات، دیات، فرائض اور سنن کے متعلق ایک کتاب تحریر کروائی تھی۔

حضرت عمرو بن حزم رضی اللہ عنہ کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے سنہ ۱۰ ہجری میں اہل نجران پر عامل بنا کر بھیجا تھا اس وقت ان کی عمر سترہ سال کی تھی، ؎۵۴ یہ نوشتہ آپ نے ان کو جب یہ یمن جانے لگے تو حوالہ کیا تھا۔ سنن نسائی میں ہے:

ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کتب الی اہل الیمن کتابا فیہ الفرائض والسنن والدیات وبعث بہ مع عمرو بن حزم فقرأت علی اہل الیمن۔ (ذکر حدیث عمرو بن حزم فی العقول)۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اہل یمن کی طرف ایک نوشتہ تحریر کیا تھا جس میں فرائض، سنن اور خونبہا کے احکام تھے اور آپ نے یہ نوشتہ حضرت عمرو بن حزم رضی اللہ عنہ کے ساتھ روانہ کیا تھا، چنانچہ وہ اہل یمن کے سامنے پڑھا گیا۔

اس کتاب کا آغاز اس طرح ہوتا ہے: من محمد النبی (صلی اللہ علیہ وسلم) الی شرحبیل بن عبد کلال ونعیم بن عبد کلال والحارث بن عبد کلال قیل ذی رعین ومعافر وھمدان اما بعد (سنن نسائی)

اور "کتاب الجراح" کی ابتداء میں یہ تحریر تھا: ھذا بیان من اللہ ورسولہ یایھا الذین آمنوا

؎۵۱ منتخب کنز العمال ج ۴ ص ۶۹۔ ؎۵۲ صحیح بخاری، باب کتابۃ العلم، اور باب کیف تعرف لقطۃ اہل مکہ، جامع ترمذی، باب ما جاء فی الرخصۃ فی کتاب العلم۔ ؎۵۳ جامع بیان العلم، باب ذکر الرخصۃ فی کتاب العلم۔
؎۵۴ الاستیعاب اور تہذیب التہذیب میں ان کا ترجمہ ملاحظہ ہو۔

اَوْفُوْا بِالْعُقُوْدِ سے یہاں سے لیکر اِنَّ اللّٰہَ سَرِیْعُ الْحِسَابِ تک مسلسل آیات درج ہیں، اس کے بعد لکھا تھا ھذا کتاب الجراح، فی النفس مائۃ من الابل الخ (سنن نسائی)۔

امام ابن شہاب زہری کا بیان ہے کہ یہ کتاب چمڑے پر تحریر تھی اور عمرو بن حزم رضی اللہ عنہ کے پوتے ابوبکر بن حزم کے پاس موجود تھی وہ یہ کتاب میرے پاس بھی لے کر آئے تھے اور میں نے اس کو پڑھا تھا۔ (سنن نسائی)۔

حافظ ابن کثیر اس کتاب کے بارے میں ارقام فرماتے ہیں:

فھذا الکتاب متداول بین ائمۃ الاسلام قدیما وحدیثا یعتمدون علیہ ویفزعون فی مھمات ھذا الباب الیہ، کما قال یعقوب بن سفیان لا اعلم فی جمیع الکتب کتابا اصح من کتاب عمرو بن حزم، کان اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یرجعون الیہ ویدعون آراءھم۔	یہ کتاب عہد قدیم و عہد جدید دونوں میں ائمہ اسلام کے مابین متداول رہی ہے جس پر وہ اعتماد کرتے اور اس باب کے مہم مسائل میں رجوع کرتے رہے ہیں چنانچہ یعقوب بن سفیان کا بیان ہے کہ میرے علم میں تمام کتابوں میں کوئی کتاب عمرو بن حزم کی کتاب سے زیادہ صحیح نہیں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب اس کی طرف رجوع کرتے اور اپنی رایوں کو چھوڑ دیتے تھے۔

چنانچہ حسب تصریح حافظ ابن کثیر، سعید بن المسیب سے بصحت منقول ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے انگلیوں کی دیت کے بارے میں اسی کتاب کی طرف رجوع کیا تھا۔ اور دارقطنی نے اپنی سنن میں روایت کیا ہے کہ حضرت عمر بن عبدالعزیز جب خلیفہ ہوئے تو انھوں نے زکوۃ کے متعلق آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تحریر کو معلوم کرنے کی غرض سے مدینہ منورہ میں اپنا آدمی روانہ کیا تھا جس کو ایک تحریر تو آل عمرو بن حزم کے پاس ملی جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمرو بن حزم کو صدقات کے بارے میں لکھوائی تھی اور دوسری آل عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کے پاس دستیاب ہوئی، جو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس سلسلہ میں اپنے عمال کے نام لکھی تھی۔ ان دونوں نوشتوں کا مضمون واحد تھا۔ پھر حضرت عمر بن عبدالعزیز نے اپنے تمام عمال اور ولاۃ کے نام فرمان جاری کر دیا کہ جو کچھ ان دونوں کتابوں میں تحریر ہے اسی کے مطابق عملدرآمد کیا جائے۔ [۲]

اور حافظ جمال الدین زیلعی، نصب الرایہ میں بعض حفاظ حدیث سے ناقل ہیں کہ

نسخۃ کتاب عمرو بن حزم تلقاھا الائمۃ الاربعۃ بالقبول وھی متوارثۃ کنسخۃ عمرو بن شعیب عن ابیہ عن جدہ۔ [۳]	عمرو بن حزم (رضی اللہ عنہ) کی کتاب کے نسخہ کو چاروں ائمہ نے قبول کیا ہے اور یہ نسخہ بھی نسخہ عمرو بن شعیب عن ابیہ عن جدہ کی طرح سے متوارث ہے۔

---

[۱] تنقیح الانظار فی علوم الآثار، از محمد بن ابراہیم المعروف بابن الوزیر الیمانی، ج ۲ ص ۲۵۱ طبع السعادہ مصر ۱۳۶۶ھ۔ یہ کتاب توضیح الافکار کے ساتھ طبع ہوئی ہے جو اس کی حامل المتن شرح ہے۔ [۲] سنن دارقطنی باب زکوۃ الابل والغنم۔ [۳] نصب الرایہ لتخریج احادیث الہدایہ ج ۳ ص ۳۴۲ طبع مصر ۱۳۵۷ھ۔

حدیث کی بیشتر کتابوں میں اس نسخہ کی جستہ جستہ حدیثیں منقول ہیں، حافظ ابن کثیر نے لکھا ہے کہ

"اس کو مسنداً بھی روایت کیا گیا ہے اور مرسلاً بھی چنانچہ جن حفاظ وائمہ حدیث نے اس کو مسنداً روایت کیا ہے وہ حسب ذیل ہیں۔ امام نسائی نے اپنی سنن میں، امام احمد نے اپنی مسند میں، امام ابوداؤد نے کتاب المراسیل میں۔ ابو محمد عبداللہ بن عبدالرحمن دارمی، ابو یعلی موصلی، ابو یعقوب بن سفیان نے اپنی اپنی مسندوں میں، نیز حسن بن سفیان فسوی، عثمان بن سعید دارمی، عبداللہ بن عبدالعزیز بغوی، ابو زرعہ دمشقی، احمد بن الحسن بن عبدالجبار الصوفی الکبیر، حامد بن محمد بن شعیب بلخی اور حافظ طبرانی نے اور ابوحاتم بن حبان بستی نے اپنی صحیح میں روایت کیا ہے اور بیہقی لکھتے ہیں کہ هو حدیث موصول الاسناد حسن۔

رہی مرسل روایت سو وہ تو بہت سے طریقوں سے منقول ہے"۔ [۱]

موطا امام مالک میں بھی اس نسخہ سے حدیثیں مروی ہیں اور حاکم نے المستدرک علی الصحیحین کی صرف کتاب الزکوٰۃ میں اس نسخہ سے ترسیٹھ حدیثیں نقل کی ہیں، اسی طرح سنن دارقطنی اور سنن بیہقی وغیرہ میں بھی مختلف ابواب میں اس کی حدیثیں منقول ہیں۔

(۳) سنن دارقطنی میں حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اہل یمن کی طرف حارث بن عبدکلال اور ان کے ساتھ معافر وہمدان کے دیگر یمنیوں کے نام ایک تحریر لکھی تھی جس میں زرعی پیداوار کی بابت زکوٰۃ کے احکام درج تھے۔ [۲]

(۴) اہل یمن کے نام احکام زکوٰۃ کے متعلق آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک تحریر کا ذکر امام شعبی نے بھی کیا ہے چنانچہ مصنف ابی بکر بن ابی شیبہ کی کتاب الزکوٰۃ میں اس نوشتہ کی متعدد حدیثیں امام شعبی کی روایت سے منقول ہیں۔ [۳]

(۵) ابوداؤد اور ترمذی نے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کتاب الصدقہ تحریر فرمائی اور اس کو آپ نے ابھی اپنے عاملوں کی طرف روانہ نہ کیا تھا کہ رحلت فرما گئے۔ یہ کتاب آپ کی تلوار کے ساتھ رکھی تھی، پھر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے اس پر عمل کیا۔ جب وہ بھی وفات پا گئے تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس کے مطابق عمل درآمد کیا یہاں تک کہ ان کی بھی وفات ہو گئی۔ [۴] ابوداؤد اور ترمذی نے اس نوشتہ کی حدیثیں بھی نقل کی ہیں، اور امام ترمذی نے تو اس کو روایت کر کے یہ بھی تصریح کر دی ہے کہ

والعمل علی هذا الحدیث عند علمنا اهل العلم   عام علماء کا عمل اسی حدیث پر ہے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ نوشتہ ان دونوں کتابوں کے علاوہ مصنف ابن ابی شیبہ، سنن دارمی

---

[۱] تنقیح الانظار ج ۲ ص ۱۵۰، ۱۵۱۔ [۲] سنن دارقطنی، باب فی قدر الصدقۃ فیما اخرجت الارض۔
[۳] مصنف ابن ابی شیبہ ج ۳ ص ۱۱۰، ۱۲۱ طبع ملتان۔ [۴] سنن ابی داؤد، باب فی زکوٰۃ السائمۃ، جامع ترمذی، باب ماجاء فی زکوٰۃ الابل والغنم۔

اور سنن دارقطنی وغیرہ دیگر کتب حدیث میں بھی مروی ہے۔[1] حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی وفات پر یہ تحریر آپ کے خاندان میں محفوظ رہی چنانچہ امام زہری کا بیان ہے کہ حضرت عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ عنہ نے اس کو حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کے ہر دو صاحبزادگان عبداللہ اور سالم سے لیکر نقل کر لیا تھا۔ امام زہری کہتے ہیں میں نے اس نسخہ کو زبانی یاد کر لیا تھا۔[2]

(۶) سنن ابی داؤد، جامع ترمذی، سنن نسائی اور سنن ابن ماجہ میں حضرت عبداللہ بن عکیم رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی وفات سے ایک ماہ قبل قبیلہ جہینہ کی طرف یہ لکھ کر بھیجا تھا کہ مردار کی کھال اور پٹھوں کو کام میں نہ لایا جائے۔ امام ترمذی کی روایت میں زمانہ تحریر وفات نبوی سے دو ماہ قبل مذکور ہے۔[3]

(۷) حافظ ابن عبدالبر نے جامع بیان العلم میں امام ابوجعفر محمد بن علی (باقر) سے بسند نقل کیا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تلوار کے دستہ میں ایک صحیفہ رکھا ہوا ملا جس میں حدیثیں لکھی ہوئی تھیں، چنانچہ جامع بیان العلم میں ان میں سے بعض احادیث منقول بھی ہیں۔[4]

یہ تو معدودے چند تحریروں اور بعض نوشتوں کا ذکر تھا لیکن ان کے علاوہ مختلف قبائل کو تحریری ہدایات، خطوط کے جوابات، مدینہ منورہ کی مردم شماری کے کاغذات، سلاطین وقت اور مشہور فرمانرواؤں کے نام اسلام کے دعوت نامے، عمال اور ولاۃ کے نام احکام، معاہدات، صلحنامے، امان نامے اور اسی قسم کی بہت سی مختلف تحریرات تھیں جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے وقتاً فوقتاً قلمبند کروائیں۔ محدثین نے آپ کے نامے اور معاہدات و وثائق کو مستقل تصانیف میں علیحدہ جمع کیا ہے۔ چنانچہ اسی موضوع پر حافظ شمس الدین محمد بن علی بن احمد بن طولون دمشقی حنفی متوفی ۹۵۳ھ کی مشہور تصنیف اعلام السائلین عن کتب سید المرسلین چند سال ہوئے طبع ہو کر شائع ہو چکی ہے۔

عہدِ رسالت میں صحابہ کے بعض نوشتے

سابق میں سنن ابی داؤد اور سنن دارمی کے حوالہ سے حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما کی یہ تصریح گزر چکی ہے کہ

"کہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان مبارک سے جو کچھ سنتا تھا حفظ کرنے کے ارادے سے قلمبند کر لیا کرتا تھا۔"

اسی حدیث میں یہ بھی آپ پڑھ چکے ہیں کہ یہ سب کچھ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اجازت اور آپ کے

---

[1] ملاحظہ ہو مصنف ابن ابی شیبہ ص ۹۔ سنن دارمی، باب زکوۃ الابل، سنن دارقطنی، باب زکوۃ الابل والغنم

[2] سنن ابی داؤد۔ [3] امام نسائی نے اس حدیث کو کتاب الفرع والعتیرہ میں (زیر عنوان ما یدبغ بہ جلود المیتۃ) نقل کیا ہے اور بقیہ حضرات نے کتاب اللباس میں۔ ملاحظہ ہو سنن ابی داؤد، باب من روی ان لا یستنفع باہاب المیتۃ، جامع ترمذی، باب ما جاء فی جلود المیتۃ اذا دبغت۔ سنن ابن ماجہ باب من کان لا ینتفع من المیتۃ باہاب ولا عصب۔ [4] جامع بیان العلم، باب الرخصۃ فی کتاب العلم۔

حکم سے تھا۔ صحیح بخاری اور جامع ترمذی میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ صحابہ میں مجھ سے زیادہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے حدیثیں روایت کرنے والا کوئی نہیں مگر ہاں عبداللہ بن عمرو ہو سکتے ہیں کیونکہ وہ حدیثیں لکھا کرتے تھے اور میں نہیں لکھتا تھا۔[۱] امام احمد نے اپنی مسند میں اور بیہقی نے مدخل میں مجاہد اور مغیرہ بن الحکیم سے نقل کیا ہے کہ ہم دونوں نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کو یہ فرماتے سنا تھا کہ مجھ سے زیادہ حدیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا کوئی عالم نہیں مگر عبداللہ بن عمرو (رضی اللہ عنہما) کا معاملہ مستثنیٰ ہے کیونکہ وہ اپنے ہاتھ سے لکھتے اور دل سے یاد رکھتے تھے اور میں صرف یاد رکھتا تھا، لکھتا نہ تھا۔ انھوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے لکھنے کی اجازت مانگی تھی اور آپ نے ان کو اجازت دیدی تھی۔[۲]

حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما نے حدیث نبوی کی کتابت کا جو سلسلہ شروع کیا تھا اس سے ایک اچھی خاصی ضخیم کتاب تیار ہو گئی تھی جس کا نام انھوں نے **صادقہ** رکھا تھا یہ کتاب انھیں اس قدر عزیز تھی کہ اکثر فرمایا کرتے تھے۔

ما یرغبنی فی الحیوۃ الا الصادقۃ والوھط۔ — مجھے زندگی کی یہی دو چیزیں خواہش دلاتی ہیں، صادقہ اور وہط۔

پھر خود ہی ان دونوں چیزوں کا تعارف ان الفاظ میں کراتے ہیں:

فاما الصادقۃ فصحیفۃ کتبتھا من رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم واما الوھط فارض تصدق بھا عمرو بن العاص کان یقوم علیھا۔[۳] — صادقہ تو وہ صحیفہ ہے جس کو میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سن کر لکھا ہے اور وہط وہ زمین ہے جس کو والد بزرگوار حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ نے راہ خدا میں وقف کیا تھا اور وہ اس کی دیکھ بھال رکھا کرتے تھے۔

یہ صحیفہ حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما کی وفات پر ان کے پوتے شعیب بن محمد بن عبداللہ کو ملا تھا اور شعیب سے اس نسخہ کو ان کے صاحبزادے عمرو روایت کرتے ہیں[۴] چنانچہ حدیث کی کتابوں میں عمرو بن شعیب عن ابیہ عن جدہ[۵] کے سلسلہ سے جتنی بھی روایتیں منقول ہیں وہ سب صحیفہ صادقہ ہی کی حدیثیں ہیں۔ سابق میں بعض حفاظ حدیث کی تصریح آپ پڑھ چکے ہیں کہ یہ نسخہ متوارث ہے۔ شعیب کے والد محمد کا انتقال اپنے باپ کی زندگی ہی میں ہو گیا تھا اس لئے پوتے کی تمامتر تربیت دادا ہی کے ظل عاطفت میں ہوئی تھی، البتہ محدثین کا اس میں اختلاف ہے کہ شعیب نے صادقہ کا یہ نسخہ دادا سے پڑھا تھا یا نہیں بعض سخت گیر محدثین نے اسی بنا پر ان روایات کے اتصال پر بھی کلام کیا ہے چنانچہ حافظ ابن حجر عسقلانی

---

[۱] صحیح بخاری، باب کتابۃ العلم، جامع ترمذی، باب ما جاء فی الرخصۃ فیہ۔ [۲] فتح الباری، باب کتابۃ العلم۔
[۳] سنن دارمی، باب من رخص فی کتابۃ العلم۔ جامع بیان العلم، باب ذکر الرخصۃ فی کتاب العلم۔
[۴] تہذیب التہذیب، ترجمہ عمرو بن شعیب۔ [۵] جامع ترمذی، باب ما جاء فی کراہیۃ البیع والشراء وانشاد الضالۃ والشعر فی المسجد، اور باب ما جاء فی زکوۃ مال الیتیم۔

تہذیب التہذیب میں عمرو بن شعیب کے ترجمہ میں یحییٰ بن معین سے ناقل ہیں کہ

ھو ثقۃ فی نفسہ وما روی عن ابیہ عن جدہ لا حجۃ فیہ ولیس بمتصل وھو ضعیف من قبیل انہ مرسل، وجد شعیب کتب عبد اللہ بن عمرو فکان یرویھا عن جدہ ارسالاً وھی صحاح عن عبد اللہ بن عمرو غیر انہ لم یسمعھا۔	یہ خود تو ثقہ ہیں اور جو روایت یہ اپنے باپ شعیب سے اور وہ اپنے دادا عبد اللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ سے کرتے ہیں وہ حجت نہیں غیر متصل ہے اور بسبب مرسل ہونے کے ضعیف ہے شعیب کو عبد اللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما کی کتابیں ملی تھیں چنانچہ وہ ان کو اپنے دادا سے مرسلاً روایت کرتے ہیں۔ یہ روایتیں اگرچہ عبد اللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ سے صحیح ہیں لیکن ان کو شعیب نے سنا نہیں تھا۔

حافظ ابن حجر اس عبارت کو نقل کرکے فرماتے ہیں،

قلت فاذا شھد لہ ابن معین ان احادیثہ صحاح غیر انہ لم یسمعھا وصح سماعہ لبعضھا فغایۃ الباقی ان یکون وجادۃ صحیحۃ وھو احد وجوہ التحمل۔	میں کہتا ہوں جبکہ ابن معین اس امر کی شہادت دے رہے ہیں کہ اس کی حدیثیں تو صحیح ہیں مگر ان کو شعیب نے سنا نہیں ہے اور بعض حدیثوں کا سماع صحت کو پہنچ چکا ہے[ؔ] تو بقیہ احادیث کی روایت زیادہ سے زیادہ "وجادہ صحیحہ" سے ہوگی اور یہ بھی اخذ علم کا ایک طریقہ ہے۔

اور امام ترمذی اپنی جامع میں فرماتے ہیں،

ومن تکلم فی حدیث عمرو بن شعیب انما ضعفہ لانہ یحدث عن صحیفۃ جدہ کانھم راوا انہ لم یسمع ھذہ الاحادیث من جدہ۔ [ؔ]	اور جس نے بھی عمرو بن شعیب کی حدیث میں کلام کیا ہے سو محض اس بنا پر اس کی تضعیف کی ہے کہ وہ اپنے دادا کے صحیفہ سے حدیثیں بیان کیا کرتے تھے گویا ان لوگوں کی رائے ہے کہ انھوں نے ان حدیثوں کو اپنے دادا سے نہیں سنا تھا۔

لیکن اکثر محدثین عمرو بن شعیب کی ان حدیثوں کو حجت مانتے اور صحیح سمجھتے ہیں۔ چنانچہ امام ترمذی اسی عبارت سے ذرا پہلے امام بخاری سے ناقل ہیں کہ

رأیت احمد واسحق وذکر غیرھما یحتجون بحدیث عمرو بن شعیب۔	میں نے احمد بن حنبل، اسحق بن راہویہ اور ان دونوں کے علاوہ اور محدثین کا بھی ذکر کیا کہ ان سب کو دیکھا کہ وہ عمرو بن شعیب کی حدیث کو حجت مانتے تھے۔

ؔ چنانچہ یہ روایتیں سنن ابی داؤد، سنن نسائی، جامع ترمذی اور سنن ابن ماجہ میں موجود ہیں اور حافظ ابن حجر نے تہذیب التہذیب میں ان کو ذکر کیا ہے اور بہت سے ائمہ حدیث سے شعیب کے متعلق دادا سے سماع کی تصریح بھی نقل کی ہے۔ ؔ "وجادہ" وَجَدَ یَجِدُ کا مصدر ہے جس کے معنی پانے کے ہیں یہ مصدر پہلے مستعمل نہ تھا محدثین نے اس کو استعمال کرنا شروع کیا۔ ان کی اصطلاح میں کسی کتاب یا نوشتہ میں مصنف یا اصل راوی کی تحریر پاکر خود اس سے سنے بغیر اس کی حدیثوں کو روایت کرنا "وجادہ" کہلاتا ہے۔ ؔ باب ماجاء فی کراہیۃ البیع والشراء وانشاد الضالۃ والشعر فی المسجد۔

اور باب ماجاء فی زکوٰۃ مال الیتیم میں لکھتے ہیں :

واما اکثر اهل الحدیث فیحتجون بحدیث عمرو بن شعیب ویثبتونه۔	اور اکثر محدثین عمرو بن شعیب کی حدیث کو حجت سمجھتے اور ثابت مانتے ہیں۔

امام بخاری اور امام ترمذی نے اس کی بھی تصریح کی ہے کہ شعیب نے حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما سے حدیثیں سنی ہیں۔ شعیب کو تو یہ پورا نسخہ وراثت میں ملا ہی تھا لیکن حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما سے ان کے دوسرے تلامذہ نے جتنی حدیثیں روایت کی ہیں وہ بھی اسی صحیفہ صادقہ کی ہیں۔

(۲) عہد رسالت کے تحریری نوشتوں میں سے ایک حضرت علی کرم اللہ وجہہ کا صحیفہ بھی تھا جس کے متعلق خود ان کا بیان ہے کہ

ماکتبنا عن النبی صلے الله علیه وسلم الا القرآن ومافی هذه الصحیفة [۲]	ہم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بجز قرآن کے اور جو کچھ اس صحیفہ میں درج ہے اس کے علاوہ اور کچھ نہیں لکھا۔

یہ صحیفہ چمڑے کے ایک تھیلہ میں تھا جس میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کی تلوار مع نیام کے رکھی رہتی تھی۔[۳] یہ وہی صحیفہ ہے جس کے متعلق صحیح بخاری میں آپ کے صاحبزادے محمد بن الحنفیہ سے مذکور ہے کہ

ارسلنی ابی خذ هذا الکتاب فاذهب بہ الی عثمان فان فیه امر النبی صلے الله علیه وسلم فی الصدقة۔ [۴]	مجھ کو میرے والد نے بھیجا کہ اس کتاب کو لیکر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے پاس جاؤ کیونکہ اس میں زکوٰۃ کے متعلق آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے احکام درج ہیں۔

اس صحیفہ میں زکوٰۃ کے علاوہ خون بہا، اسیروں کی رہائی، کافر کے بدلہ مسلمان کو قتل نہ کرنا، حرم مدینہ کے حدود اور اس کی حرمت، غیر کی طرف انتساب کی ممانعت، نقض عہد کی برائی، غیر کے لئے ذبح کرنے پر وعید اور زمین کے نشانات مٹانے کی مذمت وغیرہ بہت سے احکام و مسائل درج تھے۔ حدیث کی اکثر کتابوں میں اس صحیفہ کی روایتیں موجود ہیں۔ خود امام بخاری نے بھی حسب ذیل ابواب میں اس صحیفہ کی مذکورہ بالا روایات کو نقل کیا ہے (۱) باب کتابۃ العلم (۲) باب حرم المدینہ (۳) باب فکاک الاسیر (۴) باب ذمۃ المسلمین وجوارہم واحدۃ یسعی بہا ادناہم۔ (۵) باب اثم من عاہد ثم غدر (۶) باب اثم من تبرأ من موالیہ (۷) باب العاقلۃ (۸) باب لایقتل المسلم بالکافر (۹) باب مایکرہ من التعمق والتنازع فی العلم والغلو فی الدین۔ صحیح بخاری میں یہ بھی مذکور ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ایک مرتبہ منبر پر خطبہ دیا تو آپ کی تلوار کے ساتھ یہ صحیفہ آویزاں تھا پھر آپ نے فرمایا کہ بخدا ہمارے پاس بجز کتاب اللہ کے اور جو کچھ اس صحیفے میں مرقوم ہے اس کے علاوہ کوئی نوشتہ نہیں کہ جو پڑھا جا سکے۔ اس کے بعد آپ نے اس صحیفہ کو کھولا اور لوگوں کو اس کے مسائل پر اطلاع ہوئی۔[۵]

---

[۱] جامع ترمذی کے دونوں ابواب ملاحظہ ہوں۔ [۲] صحیح بخاری "باب اثم من عاہد ثم غدر" [۳] صحیح مسلم "باب تحریم الذبح لغیر اللہ" [۴] صحیح بخاری "باب ما ذکر من درع النبی صلی اللہ علیہ وسلم و من شعرہ ونعلہ وآنیتہ مما شرک فیہ اصحابہ وغیرہم بعد وفاتہ صلی اللہ علیہ وسلم۔ [۵] صحیح بخاری کتاب الاعتصام باب ما یکرہ من التعمق والتنازع فی العلم والغلو فی الدین

(۳) حضرت رافع بن خدیج رضی اللہ عنہ کے متعلق سابق میں گزر چکا ہے کہ وہ عہد رسالت میں حدیثیں لکھا کرتے تھے جس کی اجازت ان کو خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دی تھی چنانچہ ان کے پاس بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بہت سی حدیثیں تحریری شکل میں موجود تھیں مسند امام احمد بن حنبل میں مذکور ہے کہ ایک دفعہ مروان نے خطبہ دیا جس میں مکہ معظمہ اور اس کی حرمت کا ذکر تھا تو حضرت رافع بن خدیج رضی اللہ عنہ نے پکار کر کہا کہ اگر مکہ حرم ہے تو مدینہ بھی حرم ہے جس کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حرم قرار دیا ہے اور یہ حکم ہمارے پاس چرمِ طب پر لکھا ہوا ہے اگر تم چاہو تو تمہیں پڑھ کر سنا دیں، مروان نے جواب دیا ہاں ہمیں بھی آپ کا یہ حکم پہنچا ہے۔ [۱]

صحابہ کرام کے بعض اور نوشتے

(۱) صحیح بخاری، سنن ابی داؤد (باب فی زکوٰۃ السائمۃ) سنن نسائی (باب زکوٰۃ الابل) میں مذکور ہے کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے جب حضرت انس رضی اللہ عنہ کو بحرین پر عامل بنا کر روانہ کیا تو زکوٰۃ کے مسائل و احکام کے متعلق ایک مفصل تحریر لکھ کر ان کے حوالہ کی جو ان لفظوں سے شروع ہوتی ہے:

بسم اللہ الرحمن الرحیم، هذه فریضة الصدقة التی فرض رسول الله صلی الله علیه وسلم علی المسلمین والتی امر الله بها رسوله۔ (صحیح بخاری باب زکوٰۃ الغنم)

امام بخاری نے اس نوشتہ کی روایات کو "کتاب الزکوٰۃ" کے تین مختلف ابواب میں متفرق طور پر درج کیا ہے اور اپنی صحیح میں گیارہ جگہ اس کو روایت کیا ہے، چھ جگہ "کتاب الزکوٰۃ" میں، دو جگہ "کتاب اللباس" میں اور ایک ایک جگہ "کتاب الشرکۃ"، "ابواب الخمس" اور "کتاب الحیل" میں۔ یہ نوشتہ حضرت انس رضی اللہ عنہ کے خاندان میں برابر محفوظ چلا آتا تھا چنانچہ امام بخاری نے اس کو محمد بن عبداللہ بن المثنیٰ بن عبداللہ بن انس سے جو حضرت انس رضی اللہ عنہ کے پوتے کے پوتے ہیں روایت کیا ہے۔ محمد اس کو اپنے عبداللہ سے اور عبداللہ اپنے چچا ثمامہ بن عبداللہ بن انس اور وہ خود حضرت انس رضی اللہ عنہ سے اس کے راوی ہیں، اور امام ابوداؤد اس کو حدیث کے مشہور حماد بن سلمہ سے روایت کرتے ہیں جن میں حماد کی تصریح بھی موجود ہے کہ میں نے خود ثمامہ سے اس نوشتہ کو اخذ کیا ہے، اس پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی مہر مبارک بھی ثبت تھی۔

(۲) جامع ترمذی میں سلیمان تیمی سے منقول ہے کہ حسن بصری اور قتادہ، حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ کے صحیفہ سے حدیثیں روایت کیا کرتے تھے [۲]۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ کے اس صحیفہ کا ذکر بہت سے محدثین کے تذکرہ میں آیا ہے۔ حافظ ذہبی نے تذکرۃ الحفاظ میں قتادہ کے ترجمہ میں امام احمد سے نقل کیا ہے کہ

كان قتادة احفظ اهل البصرة لا يسمع شيئا الا حفظه قرأت عليه صحيفة جابر مرة فحفظها۔

قتادہ اہل بصرہ میں سب سے بڑے حافظ تھے جو سنتے یاد ہو جاتا۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ کا صحیفہ صرف ایک بار ان کے سامنے پڑھا گیا تھا بس انھیں یاد ہو گیا۔

---

[۱] مسند احمد ج ۴ ص ۱۴۱ طبع میمنیہ مصر ۱۳۱۳ھ۔ [۲] جامع ترمذی باب "الجار فی ارض المشترک یرید بعضہم بیع نصیبہ"۔

حافظ ابن حجر عسقلانی نے تہذیب التہذیب میں اسمٰعیل بن عبد الکریم صنعانی المتوفی ۲۱۰ھ کے ترجمہ میں بھی اس صحیفہ کا ذکر کیا ہے کہ یہ اس کو وہب بن منبہ سے اور وہ اس کو حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے تھے اور سلیمان بن قیس یشکری کے ترجمہ میں لکھتے ہیں کہ

قال ابو حاتم جالس جابراً وکتب عنہ صحیفۃ وتوفی، وروی ابو الزبیر وابو سفیان والشعبی عن جابر وھم قد سمعوا من جابر واکثرہ من الصحیفۃ وکذلک قتادۃ۔

ابو حاتم کا بیان ہے کہ سلیمان نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی ہم نشینی اختیار کی اور ان سے صحیفہ لکھا اور وفات پاگئے اور ابو الزبیر ابو سفیان اور شعبی نے بھی حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایتیں کی ہیں اور ان لوگوں نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے حدیثیں بھی سنی ہیں جو اکثر اسی صحیفہ کی ہیں اور اسی طرح قتادہ نے بھی۔

اور طلحہ بن نافع ابو سفیان واسطی کے ترجمہ میں سفیان بن عیینہ اور شعبہ دونوں کا متفقہ بیان نقل کیا ہے کہ

حدیث ابی سفیان عن جابر انما ھی صحیفۃ۔

ابو سفیان جابر سے جو حدیث روایت کرتے ہیں وہ صحیفہ سے ہوتی ہے۔

(۳) حافظ ابن حجر نے تہذیب التہذیب میں امام حسن بصری کے ترجمہ میں لکھا ہے کہ انھوں نے حضرت سمرۃ بن جندب رضی اللہ عنہ سے حدیث کا ایک بہت بڑا نسخہ روایت کیا ہے جس کی بیشتر حدیثیں سنن اربعہ میں منقول ہیں علی بن المدینی اور امام بخاری دونوں نے تصریح کی ہے کہ اس نسخہ کی سب حدیثیں ان کی مسموعہ تھیں لیکن یحییٰ بن سعید القطان اور دیگر علماء یہ کہتے ہیں کہ یہ سب نوشتہ سے روایت ہیں اس نسخہ کو امام حسن بصری کے علاوہ خود حضرت سمرۃ بن جندب رضی اللہ عنہ کے صاحبزادے سلیمان بن سمرہ بھی ان سے روایت کرتے ہیں چنانچہ تہذیب التہذیب میں سلیمان کے ترجمہ میں مذکور ہے "روی عن ابیہ نسخۃ کبیرۃ"۔

(۴) حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ اگرچہ عہد رسالت میں حدیثیں لکھتے نہ تھے لیکن بعد کو انھوں نے بھی اپنی تمام مرویات کو تحریری شکل میں محفوظ کر لیا تھا چنانچہ ابن وہب نے حسن بن عمرو بن امیہ ضمری کا بیان نقل کیا ہے کہ میں نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے ایک حدیث بیان کی تو وہ میرا ہاتھ پکڑ کر مجھے اپنے گھر لے گئے اور حدیث نبوی کی کتابیں دکھلا کر کہنے لگے دیکھو یہ حدیث میرے پاس بھی لکھی ہوئی ہے[1]۔

(۵) امام ترمذی نے اپنی جامع میں "کتاب العلل" کے اندر عکرمہ سے روایت کی ہے کہ ایک مرتبہ طائف کے کچھ لوگ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی خدمت میں ان کی کتابوں میں سے ایک کتاب لیکر آئے، حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے اس کتاب کو لیکر پڑھنا شروع کیا مگر الفاظ میں تقدیم و تاخیر ہونے لگی تو آپ نے ان سے فرمایا کہ میں تو اس مصیبت (ضعف بصر) کے سبب عاجز ہو چکا ہوں تم خود

---

[1] فتح الباری، باب کتابۃ العلم۔

اس کو میرے سامنے پڑھو کیونکہ (جواز روایت میں) تمہارا میرے سامنے پڑھ کر سنانا اور میرا اقرار کر لینا ایسا ہی ہے جیسا کہ میرا خود تمہارے سامنے پڑھنا۔

(۶) حافظ ابن عبدالبر نے جامع بیان العلم میں حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے نبیرہ معن بن عبدالرحمن کی زبانی نقل کیا ہے کہ

اخرج الی عبد الرحمن بن عبد اللہ بن مسعود کتابا وحلف لی انہ من خط ابیہ بیدہ۔ [۵۱]

(والد محترم) عبدالرحمن بن عبداللہ بن مسعود ایک کتاب میرے سامنے نکالکر لائے اور قسم کھاکر مجھ سے کہنے لگے کہ یہ اباجان کے اپنے ہاتھ کی لکھی ہوئی ہے۔

ہم نے صحابہ کے صرف ان چند مشہور نوشتوں کے ذکر پر اکتفا کی ہے کہ جو بہت سی احادیث پر مشتمل تھے یا جو مستقل صحیفہ اور کتاب کی حیثیت رکھتے تھے، ورنہ اگر صحابہ کی ان تمام تحریرات کو یکجا جمع کیا جائے کہ جس میں انھوں نے کسی حدیث کا ذکر کیا ہے تو اس کے لئے ایک مستقل کتاب چاہئے جس کیلئے کافی فرصت اور وسیع مطالعہ اور تتبع و تلاش کی ضرورت ہے۔

عہد صحابہ میں تابعین کے نوشتے

(۱) سنن دارمی میں بشیر بن نہیک سدوسی سے جو مشہور تابعی ہیں منقول ہے کہ

کنت اکتب ما اسمع من ابی ھریرۃ فلما اردت ان افارقہ اتیتہ بکتابہ فقرأتہ علیہ وقلت لہ ھذا ما سمعت منک قال نعم۔ (باب من رخص فی کتابۃ العلم)

میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے جو حدیثیں سنتا لکھ لیتا تھا پھر جب میں نے ان سے رخصت ہونے کا ارادہ کیا تو اس کتاب کو لیکر ان کی خدمت میں حاضر ہوا اور اس کو ان کے سامنے پڑھ کر سنایا اور پھر ان سے عرض کیا کہ یہ سب وہی حدیثیں ہیں جو میں نے آپ سے سنی ہیں۔ فرمانے لگے ہاں۔

امام ترمذی نے بھی کتاب العلل میں اس واقعہ کو بالاختصار نقل کیا ہے۔

(۲) حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی مرویات سے ایک صحیفہ، ہمام بن منبہ یمانی نے بھی مرتب کیا تھا اس میں ایک سو چالیس کے قریب احادیث مذکور ہیں۔[۵۲] یہ پورا صحیفہ امام احمد بن حنبل نے اپنی مسند میں یکجا روایت کیا ہے۔[۵۳] صحیحین میں بھی اس صحیفہ کی روایتیں متفرق طور پر موجود ہیں۔ حافظ ابن حجر نے اس صحیفہ کے متعلق ابن خزیمہ کے یہ الفاظ نقل کئے ہیں کہ صحیفۃ ھمام عن ابی ھریرۃ مشھورۃ[۵۴] یہ صحیفہ آج بھی برلن کے کتب خانہ میں موجود ہے۔

(۳) سنن دارمی (باب من رخص فی کتابۃ العلم) میں سعید بن جبیر سے جو مشہور ائمہ تابعین میں سے ہیں مروی ہے کہ

کنت اکتب عند ابن عباس فی صحیفۃ

میں ابن عباس (رضی اللہ عنہما) کے پاس بیٹھا ہوا صحیفہ میں لکھتا رہتا تھا۔

---

[۵۱] جامع بیان العلم "باب ذکر الرخصۃ فی کتاب العلم"۔ یہ روایت سنن دارمی میں بھی "باب من ہاب الفتیا وکرہ التنطع والتبدع" میں مذکور ہے۔ [۵۲] تہذیب التہذیب، ترجمہ ہمام بن منبہ۔ [۵۳] مسند احمد ج ۲ ص ۳۱۲ لغایت ۳۱۸ طبع میمنیہ مصر ۱۳۱۳ھ۔ [۵۴] تہذیب التہذیب: ترجمہ اسمعیل بن عبدالکریم صنعانی۔

دارمی ہی نے ان سے یہ بھی نقل کیا ہے کہ میں رات کو مکہ معظمہ کی راہ میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا ہمرکاب ہوتا وہ مجھ سے کوئی حدیث بیان کرتے تو بالان کی لکڑی پر لکھ لیتا تاکہ صبح کو پھر اسے نقل کر سکوں، سنن دارمی ہی میں ان کا یہ بیان بھی مذکور ہے کہ میں حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما اور حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے رات کو حدیث سنتا تو بالان کی لکڑی پر لکھ لیتا تھا۔

(۴) سنن دارمی میں مسلم بن قیس کا بیان مذکور ہے کہ میں نے ابان کو دیکھا کہ وہ حضرت انس رضی اللہ عنہ کے پاس بیٹھے تختیوں پر لکھتے رہتے تھے۔ (باب مذکور)

(۵) حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ ایک زمانے تک کتابت حدیث کے قائل نہ تھے۔ مروان نے اپنی امارت مدینہ کے زمانہ میں ان سے خواہش ظاہر کی کہ وہ کچھ حدیثیں لکھدیں مگر آپ نے منظور نہ فرمایا آخر اس نے یہ تدبیر نکالی کہ پردہ کے پیچھے کاتب بٹھایا اور خود حضرت زید رضی اللہ عنہ کو اپنے یہاں بلانے لگا، یہاں مختلف لوگ آپ سے مسائل و احکام دریافت کرتے اور آپ جو کچھ فرماتے کاتب لکھتا جاتا۔ [۱]

حفظ حدیث | یہ معدودے چند وہ واقعات ہیں جن میں خود صحابہ یا صحابہ کے سامنے حدیث کے صحیفے اور نوشتے لکھے جانے کا ذکر ہے، دور تابعین میں اگرچہ احادیث کے قلمبند کرنے کا سلسلہ پہلے سے بہت زیادہ ہو گیا تھا، تاہم اب تک عام طور پر لوگ لکھنے کے عادی نہ تھے اور جو کچھ لکھتے تھے اس سے مقصود صرف اس کو از بر کرنا ہوتا تھا، اس زمانہ میں حدیثوں کو سن کر انھیں زبانی یاد کرنے کا اسی طرح رواج تھا جس طرح مسلمان قرآن پاک کو یاد کرتے ہیں۔ امام مالک فرماتے ہیں:

لم یکن القوم یکتبون انما کانوا یحفظون فمن کتب منھم الشیٔ فانما یکتبہ لیحفظہ فاذا حفظہ محاہ۔ [۲]	اگلے لوگ لکھتے نہ تھے بس حفظ کرتے تھے اور جو کوئی ان میں سے کچھ لکھ بھی لیتا تو حفظ کرنے ہی کے لئے لکھتا اور جب حفظ کر لیتا تو اسے مٹا ڈالتا۔

تقریباً پہلی صدی ہجری تک عرب علماء عام طور پر کتابت کو اچھی نظر سے نہیں دیکھتے تھے جس کی سب سے بڑی وجہ یہ تھی کہ عربوں کا حافظہ فطرۃً نہایت قوی تھا وہ جو کچھ سنتے فوراً یاد کر لیتے تھے۔ ایسی صورت میں کسی چیز کو لکھنا تو در کنار اس کا دوبارہ پوچھنا بھی نظر استعجاب سے دیکھا جاتا تھا۔ چنانچہ سنن دارمی میں ابن شبرمہ کی زبانی منقول ہے کہ شعبی کہا کرتے تھے، اے شباک (شعبی کے شاگرد کا نام) میں تم سے دوبارہ حدیث بیان کر رہا ہوں حالانکہ میں نے کبھی کسی سے حدیث کے دوبارہ اعادے کی درخواست نہیں کی اسی کتاب میں شعبی کا یہ بیان بھی موجود ہے کہ

ما کتبت سواداً فی بیاض ولا استعدت حدیثاً من انسان۔	میں نے نہ کبھی سپیدی پر سیاہی سے لکھا اور نہ کبھی کسی انسان سے ایک مرتبہ حدیث سن کر دوبارہ اس سے اعادہ کروایا۔

سنن دارمی ہی میں امام مالک سے یہ بھی مروی ہے کہ امام زہری نے ایک بار ایک حدیث بیان کی

[۱] سنن دارمی، باب من لم یر کتابۃ الحدیث۔ [۲] جامع بیان العلم: باب ذکر کراہیۃ کتابۃ العلم وتخلیدہ فی الصحف۔

پھر کسی راستہ میں میری امام زہری کی ملاقات ہوئی تو میں نے ان کی لگام تھام کر عرض کیا کہ اے ابوبکر (یہ امام زہری کی کنیت ہے) جو حدیث آپ نے ہم سے بیان کی تھی اسے ذرا مجھے دوبارہ بتادیجئے جواب دیا تم حدیث کو دوبارہ پوچھتے ہو میں نے کہا کیا آپ دوبارہ نہیں پوچھتے تھے۔ کہنے لگے، نہیں۔ میں نے کہا لکھتے بھی نہ تھے کہنے لگے، نہیں۔ [1]

حافظ ابن عبدالبر جامع بیان العلم میں ان تمام علماء کے اقوال نقل کرنے کے بعد کہ جو کتابت علم کو پسندیدہ نظر سے نہیں دیکھتے تھے فرماتے ہیں۔

من ذكرنا قوله في هذا الباب فانما ذهب في ذلك مذهب العرب لانهم كانوا مطبوعين على الحفظ مخصوصين بذلك والذين كرهوا الكتاب كابن عباس والشعبي وابن شهاب والنخعي وقتادة ومن ذهب مذهبهم وجبل جبلتهم كانوا قد طبعوا على الحفظ فكان احدهم يجتزي بالسمعة الاترى ما جاء عن ابن شهاب انه كان يقول اني لامر بالبقيع فاسد آذاني مخافة ان يدخل فيها شيئ من الخنا فوالله ما دخل اذني شيئ قط فنسيته وجاء عن الشعبي نحوه وهؤلاء كلهم عرب، وقال النبي صلى الله عليه وسلم نحن امة امية لا نكتب ولا نحسب، وهذا مشهور ان العرب قد خصت بالحفظ كان احدهم يحفظ اشعار بعض في سمعة واحدة، وقد جاء ان ابن عباس رضي الله عنه حفظ قصيدة عمر بن ابي ربيعة

امن آل نعم انت غاد فمبكر

في سمعة واحدة على ما ذكروا وليس

جن کا قول بھی ہم نے اس باب میں ذکر کیا ہے وہ اس بارے میں عرب کی ہی روش پر گیا ہے کیونکہ وہ فطری طور پر قوت حافظہ رکھتے تھے اور اسی سلسلہ میں ممتاز تھے۔ اور جن حضرات نے بھی کتابت کو ناپسند فرمایا ہے جیسے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما، امام شعبی، امام ابن شہاب زہری، امام ابراہیم نخعی اور قتادہ اور وہ حضرات کہ جو ان ہی کے طریقے پر چلے اور ان ہی کی فطرت پر پیدا ہوئے یہ سب کے سب وہ ہیں جو طبعی طور پر قوت حافظہ رکھتے تھے چنانچہ ان میں کا ایک ایک شخص صرف ایک بار کے سن لینے پر اکتفا کیا کرتا تھا۔ دیکھتے نہیں کہ ابن شہاب سے مروی ہے کہ وہ فرمایا کرتے تھے میں جب بقیع سے گذرتا ہوں تو اپنے کان اس ڈر سے بند کر لیتا ہوں کہ کہیں کوئی فحش بات اس میں نہ پڑ جائے کیونکہ خدا کی قسم کبھی ایسا نہیں ہوا کہ کوئی بات میرے کان میں پڑی اور میں اس کو بھول گیا ہوں۔ اور شعبی سے بھی اسی قسم کا بیان منقول ہے، یہ سب لوگ عرب تھے۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ "ہم امی لوگ ہیں نہ لکھنا جانیں نہ حساب کرنا" اور یہ چیز تو مشہور ہے کہ عرب کو زبانی یاد رکھنے میں خصوصیت حاصل ہے چنانچہ ان ہی کا ایک ایک شخص بعض لوگوں کے اشعار کو ایک دفعہ کے سننے میں حفظ کر لیا کرتا تھا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے متعلق آتا ہے کہ انھوں نے

[1] سنن دارمی، باب من لم یر کتابۃ الحدیث۔

احد اليوم على هذا ولولا الكتاب لضاع كثير من العلم وقد رخص رسول الله صلى الله عليه وسلم في كتاب العلم ورخص فيه جماعة من العلماء وحمدوا ذلك۔ [2]

عمر بن ابی ربیعہ کے قصیدہ ع امن آل نعم انت غاد فمبکر [1] کو صرف ایک دفعہ سن کر یاد کر لیا تھا چنانچہ علماء نے اس واقعہ کا ذکر کیا ہے اور آج کوئی ایک شخص بھی اس طرح کی قوت حافظہ نہیں رکھتا بلکہ اگر تحریر نہ ہو تو علم کا بڑا حصہ ضائع ہو جائے حالانکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بھی کتابت علم کی اجازت مرحمت فرما چکے ہیں اور علماء کی ایک جماعت نے بھی اس کی رخصت دی ہے اور اس کو عمل محمود قرار دیا ہے۔

اور یہ ان علماء ہی کی برکت ہے کہ جس کی بدولت ہم کو ایک ہزار سال تک ہر دور میں حدیث شریف کے حافظ بکثرت نظر آتے ہیں اور قرآن کریم کے حفاظ تو الحمد للہ آج بھی اسلامی دنیا کے چپہ چپہ پر پھیلے ہوئے ہیں۔ پچھلی چند صدیوں میں اگرچہ حفظ حدیث کا سلسلہ بہت ہی کم ہو گیا۔ تاہم مطابع کے وجود میں آنے سے پہلے پہلے علماء اسلام کا یہ عام دستور تھا کہ وہ ہر فن میں ایک مختصر متن طالب علم کو حفظ یاد کرا دیا کرتے تھے۔ موجودہ صدی کو چھوڑ کر کسی صدی کے علماء کا تذکرہ اٹھا لیجئے اور ان کے حالات پڑھئے تو آپ کو معلوم ہو گا کہ وہ مختلف علوم و فنون کی کتنی کتابیں زبانی یاد کیا کرتے تھے۔

حفاظ حدیث کے تذکرے

علماء محدثین نے حفاظ حدیث کے حالات پر مستقل کتابیں لکھی ہیں جن میں صرف ان لوگوں کا تذکرہ ہے جو اپنے وقت میں حافظ حدیث کہلاتے تھے ہمیں اب تک اس موضوع پر جن کتابوں کا پتہ چل سکا وہ حسب ذیل ہیں۔

(۱) **اسماء الحفاظ**۔ از حافظ ابو الولید یوسف بن عبد العزیز الاندلسی محدث مرسیہ المشہور بابن الدباغ المتوفی ۵۴۶ھ حافظ ذہبی تذکرۃ الحفاظ میں ان کے ترجمہ میں لکھتے ہیں کہ وله جزء لطيف في اسماء الحفاظ۔ اس کتاب میں حفاظ کا سلسلہ امام زہری سے شروع ہو کر حافظ ابو طاہر سلفی پر ختم ہوتا ہے۔

(۲) **اخبار الحفاظ**۔ از علامہ ابن الجوزی المتوفی ۵۹۷ھ اس کتاب کا قلمی نسخہ کتب خانہ ظاہریہ دمشق میں موجود ہے، اس کتاب میں سو کے قریب ان لوگوں کا تذکرہ ہے جو حفظ کے اعتبار سے اپنے وقت میں یکتا شمار کئے جاتے تھے لیکن یہ صرف حفاظ حدیث ہی کا تذکرہ نہیں بلکہ بعض دوسرے علوم و فنون کے حفاظ بھی اس میں آ گئے ہیں۔

(۳) **کتاب اربعین الطبقات** از حافظ شرف الدین ابو الحسن علی بن المفضل المتوفی ۶۱۱ھ صاحب کشف الظنون نے "طبقات الحفاظ" کے سلسلہ میں ابن المفضل کی جس تصنیف کا ذکر

---

[1] دوسرا مصرع ہے۔ ع غداة غد ام رائح فمهجر۔ یہ پورا قصیدہ بحر طویل میں ہے اور ستر اشعار کے قریب قریب ہے۔ [2] جامع بیان العلم، باب کراہۃ کتابۃ العلم وتخلیدہ فی الصحف۔

کیاہے وہ یہی ہے، یہ حفاظ حدیث کے حالات میں نہایت جامع اور مفصل کتاب ہے جو چالیس طبقات پر مرتب ہے، حافظ ذہبی نے تذکرۃ الحفاظ میں جابجا اس کتاب کے حوالے دیئے ہیں[1]

(۴) **طبقات الحفاظ**، از شیخ الاسلام تقی الدین بن دقیق العید المتوفی ۷۰۲ھ۔ حافظ سخاوی نے الاعلان بالتوبیخ میں اس کتاب کا ذکر کیا ہے۔ یہ صرف حفاظ حدیث کا تذکرہ ہے اور اس میں صرف ان ہی لوگوں کو لیا ہے کہ جب اسانید میں ان کا نام آتا ہے تو حافظ کے لقب کے ساتھ آتا ہے۔

(۵) **تذکرۃ الحفاظ**، از حافظ شمس الدین ذہبی المتوفی ۷۴۸ھ یہ کتاب چار ضخیم جلدوں میں ہے اور دائرۃ المعارف حیدر آباد دکن سے مکرر طبع ہو کر شائع ہو چکی ہے۔ یہ صحابہ سے لیکر اپنے دور تک کے حفاظ حدیث کا تذکرہ ہے۔ دیباچہ میں لکھتے ہیں کہ

"یہ حاملانِ علم نبوی کی عدالت بیان کرنے والوں کا تذکرہ ہے جن کے اجتہاد پر توثیق و تضعیف اور تصحیح و تزییف[2] میں رجوع کیا جاتا ہے"

حافظ موصوف نے تمام کتاب میں اس اصول کو ملحوظ رکھا ہے اور کسی ایسے شخص کا ترجمہ نہیں لکھا کہ جو حدیث کا حافظ نہ شمار کیا جاتا ہو۔ چنانچہ علامہ ابن قتیبہ کے متعلق جو لغت و عربیت کے مشہور امام ہیں اور علم حدیث میں بھی ان کی بعض تصانیف موجود ہیں یہ لکھتے ہیں؛

ابن قتیبۃ من اوعیۃ العلم لکنہ، قلیل العمل بالحدیث فلم اذکرہ۔	ابن قتیبہ علم کا مخزن ہیں لیکن حدیث میں ان کا کام تھوڑا ہے اس لئے میں نے ان کو ذکر نہیں کیا۔

اور خارجۃ بن زید بن ثابت اگرچہ فقہاء سبعہ میں شمار کئے جاتے ہیں لیکن ان کے متعلق بھی صاف تصریح کر دی ہے کہ "چونکہ وہ قلیل الحدیث تھے اس لئے میں نے ان کو حفاظ حدیث میں شمار نہیں کیا"

اسی طرح ان لوگوں کا تذکرہ بھی اس کتاب میں نہیں لکھا ہے کہ جو اگرچہ حدیث کے حافظ تھے مگر محدثین کے نزدیک متروک الروایہ خیال کئے جاتے تھے چنانچہ ہشام بن محمد کلبی کے متعلق کہ جو بہت بڑا اخباری اور علامہ تھا لکھتے ہیں۔

ہشام بن الکلبی الحافظ، احد المتروکین لیس بثقۃ فلھذا لم ادخلہ بین حفاظ الحدیث۔	ہشام بن الکلبی حافظ حدیث متروک ہے ثقہ نہیں اسی لئے میں نے اس کو حفاظ حدیث میں داخل نہیں کیا۔

اس کلبی کا حافظہ اس بلا کا تھا کہ تین دن میں پورا قرآن پاک حفظ کر لیا تھا۔

اور واقدی کے بارے میں لکھتے ہیں؛

الحافظ البحر لم اسق ترجمتہ ھنا لاتفاقھم علی ترک حدیثہ وھو من اوعیۃ العلم	حدیث کے حافظ اور سمندر تھے میں ان کا ترجمہ یہاں اس لئے نہیں لایا کہ محدثین ان کی حدیث کو ترک کرنے پر متفق ہیں،

---

[1] تذکرۃ الحفاظ میں حمزہ بن محمد کنانی المتوفی ۳۵۷ھ ابن مندہ المتوفی ۳۹۵ھ اور ابونعیم اصفہانی المتوفی ۴۳۰ھ کے تراجم ملاحظہ ہوں۔
[2] کھوٹ بیان کرنا۔

لکنہ لا یتقن الحدیث، وھو راس فی المغازی والسیر ویروی عن کل ضرب۔

یہ علم کا مخزن تھے لیکن حدیث میں پختگی نہیں رکھتے تھے اور مغازی و سیر کے تو یہ سرآمد علماء میں سے ہیں مگر ہر قسم کے لوگوں سے روایت لے لیتے ہیں۔

(۶) **ذیل تذکرۃ الحفاظ**: از حافظ ابوالمحاسن حسینی دمشقی المتوفی ۷۶۵ھ۔ یہ حافظ ذہبی کی مذکورہ کتاب کا ذیل ہے اور اس میں ان حفاظ حدیث کا تذکرہ ہے کہ جن کا ذکر ذہبی سے رہ گیا ہے، یہ کتاب دمشق میں طبع ہو کر شائع ہو چکی ہے۔

(۷) **نظم تذکرۃ الحفاظ**: از حافظ اسمعیل بن محمد المعروف با بن بروس المتوفی ۷۸۶ھ۔ اس کتاب کا ذکر حافظ ابن فہد نے علامہ ذہبی کی تذکرۃ الحفاظ پر جو ذیل لکھا ہے اس میں کیا ہے، ابن بروس نے اس کتاب میں حافظ ذہبی کی مذکورہ کتاب کو نظم کر دیا ہے۔

(۸) **بدیعۃ البیان فی وفیات الاعیان**: از حافظ شام ابن ناصر الدین المتوفی ۸۴۲ھ یہ کتاب نظم میں ہے جس میں تمام حفاظ حدیث کو نام بنام گنایا ہے۔

(۹) **التبیان لبدیعۃ البیان**: از حافظ ابن ناصر الدین مذکور، اس میں مصنف نے اپنے منظومہ بدیعۃ البیان کی شرح لکھی ہے۔ حافظ سخاوی نے الاعلان بالتوبیخ میں لکھا ہے کہ اس کتاب میں ذہبی کی تذکرۃ الحفاظ پر چھبیس شخصوں کا اضافہ ہے۔

(۱۰) **ذیل التبیان**: از حافظ ابن حجر عسقلانی المتوفی ۸۵۲ھ، یہ کتاب مذکور پر ذیل ہے اور اس میں ان حفاظ حدیث کا تذکرہ ہے کہ جو تبیان میں مذکور نہیں، سخاوی لکھتے ہیں کہ

"ہمارے شیخ (ابن حجر) نے تبیان پر ایک ذیل لکھا ہے جو ایک کراسہ میں ہے اور اس میں اٹھائیس اشخاص کا ذکر ہے"

(۱۱) **طبقات الحفاظ**: از حافظ ابن حجر مذکور، اس میں صرف ان حفاظ حدیث کو لیا ہے کہ جن کا ذکر حافظ جلال الدین مزی کی تہذیب الکمال میں نہیں ہے۔ اچھی خاصی ضخیم کتاب ہے جو حسب تصریح صاحب کشف الظنون دو جلدوں میں ہے۔

(۱۲) **لحظ الالحاظ بذیل طبقات الحفاظ**: از حافظ تقی الدین بن فہد المتوفی ۸۷۱ھ یہ بھی حافظ ذہبی کی تذکرۃ الحفاظ پر ذیل ہے اور دمشق میں طبع ہو کر شائع ہو گیا ہے۔

(۱۳) **تذکرۃ الحفاظ**: از حافظ نجم الدین عمر بن فہد المتوفی ۸۸۵ھ۔ یہ حافظ تقی الدین بن فہد مذکور کے صاحبزادے ہیں۔ اس کتاب میں انھوں نے تذکرۃ الحفاظ اور لحظ الالحاظ دونوں کے اشخاص کو بجائے طبقات کے حروف تہجی پر مرتب کر کے ایک نئی کتاب بنا دی ہے۔ حافظ سخاوی نے الاعلان بالتوبیخ میں اس کتاب کا ذکر کیا ہے۔

(۱۴) **زیادات**: از حافظ شمس الدین سخاوی المتوفی ۹۰۲ھ یہ غالباً چھوٹا سا رسالہ ہے جس میں ان حفاظ حدیث کو جمع کیا ہے کہ جن کا ذکر ذہبی کی تذکرۃ الحفاظ، ابن ناصر الدین کی بدیعۃ البیان

اور ابن حجر کے ذیل علی التبیان میں نہیں ہے۔ افسوس ہے کہ سخاوی نے الاعلان بالتوبیخ میں اس رسالہ کا نام نہیں لکھا صرف اتنا کہہ کر چھوڑ دیا ہے کہ ولی زیادات۔

(۱۵) **تذکرة الحفاظ وتبصرة الایقاظ**: از علامہ یوسف بن حسن بن عبدالہادی حنبلی المتوفی ۹۰۹ھ اس کتاب میں مصنف نے حفاظ حدیث کے نام بیان کرکے ہر ایک کے ساتھ اس کے حافظ حدیث ہونے کی تصریح بھی نقل کی ہے جو بیشتر ذہبی کی تاریخ کبیر اور کاشف سے منقول ہے اس کتاب کا قلمی نسخہ خود مصنف کے ہاتھ کا لکھا ہوا کتب خانہ ظاہریہ دمشق میں موجود ہے۔ یہ نسخہ ساٹھ ورق میں ہے اور اس پر خود مصنف کے قلم سے تعلیقات اور اضافے بھی ہیں مصنف نے اس کو ۸۸۵ھ میں اپنے گھر پر جو صالحیہ دمشق میں واقع تھا تحریر کیا ہے، دیباچہ میں لکھتے ہیں:

"اس کے اندر اس امت میں جو حفاظ حدیث گزرے ہیں ان کے اسماء کا ذکر کروں گا۔۔۔۔۔۔

۔۔۔۔۔۔ اور اس کتاب کو میں نے حروف معجم پر مرتب کیا ہے۔۔۔۔۔۔ لوگوں نے اس فن میں تصانیف کی ہیں، ابن الجوزی نے بھی کتاب الحفاظ لکھی ہے میں نے اس کو دیکھا تو اکثر حفاظ کا ذکر ان سے رہ گیا ہے کیونکہ انھوں نے صرف سو کے قریب حفاظ کا تذکرہ لکھا ہے اور پھر محدثین کی اصطلاح میں جس کو حافظ کہتے ہیں اس کا بھی لحاظ نہیں رکھا ہے چنانچہ ادبا اور نحو و لغت کے ماہرین کی بھی ایک جماعت کو ذکر کر گئے ہیں۔ ذہبی نے بھی طبقات الحفاظ تصنیف کی ہے لیکن وہ میری نظر سے نہیں گزری"

حلب کے تکیہ اخلاصیہ کے کتب خانے میں بھی اس کتاب کا ایک قلمی نسخہ موجود ہے۔

(۱۶) **طبقات الحفاظ**: از حافظ جلال الدین سیوطی المتوفی ۹۱۱ھ۔ یہ ذہبی کے تذکرۃ الحفاظ کی تلخیص ہے لیکن کہیں کہیں تراجم میں مفید اضافے بھی ہیں۔ میں نے اس کتاب کا قلمی نسخہ مدرسہ نظامیہ حیدرآباد دکن کے کتب خانہ میں دیکھا ہے۔ عرصہ ہوا کہ یہ کتاب یورپ میں طبع ہو کر شائع ہو چکی ہے۔

(۱۷) **ذیل طبقات الحفاظ**: از حافظ سیوطی مذکور۔ یہ حافظ ذہبی کی تذکرۃ الحفاظ کا ذیل ہے جس میں حافظ ذہبی کے معاصرین سے لیکر اپنے زمانے تک کے حفاظ حدیث کو ذکر کیا ہے۔ یہ کتاب دمشق میں طبع ہو کر شائع ہو چکی ہے۔[۱]

حافظ سیوطی کے بعد بھی اگرچہ حفظ حدیث کا سلسلہ ختم نہیں ہوا لیکن ان کے حالات پر پھر کوئی مستقل کتاب ہمارے علم میں نہیں اس لئے اگر حفاظ مابعد کے حالات معلوم کرنا ہوں تو پچھلی صدیوں کے علماء کے تراجم پر جو کتابیں لکھی گئی ہیں ان کی طرف رجوع کرنا چاہئے۔

یہ بھی واضح رہے کہ کتب تاریخ وتراجم میں جب کسی شخص کے ساتھ حافظ کا لقب مذکور ہوتا ہے تو اس سے مراد حافظ قرآن نہیں بلکہ حافظ حدیث ہی ہوتا ہے چنانچہ ہماری اس کتاب میں بھی جن علماء کے

---

[۱] حسینی، ابن فہد اور سیوطی تینوں کے ذیل مجموعہ تذکرۃ الحفاظ کے نام سے محدث کوثری مرحوم کی تصحیح و تعلیق کے ساتھ دمشق کے مطبع التوفیق میں ۱۳۴۷ھ میں ایک ضخیم جلد کے اندر شائع ہوئے ہیں۔

متعلق یہ لفظ آیا اس سے یہی مراد ہے۔ تیسری صدی ہجری میں جس کثرت سے حفاظ حدیث گزرے ہیں ان میں سے بعض کا تذکرہ آپ امام ابن ماجہ کے شیوخ کے سلسلہ میں پڑھ چکے ہیں۔

نظر کو بلند تر کیجئے جس امت نے حفاظ حدیث کے حالات کو اس طرح محفوظ کیا ہو اس نے خود حدیث کے حفظ اور اس کی یادداشت میں کیا کچھ نہ اہتمام کیا ہوگا۔ آج جبکہ موجودہ نسل نے اپنی قوت حافظہ کو معطل کر کے اسے بالکل بیکار اور مضمحل بنا دیا ہے اور مطابع کے عالم وجود میں آجانے کے باعث جو علم کہ اگلے علماء کے دماغوں میں تھا وہ ہمارے کتاب خانوں میں منتقل ہو چکا ہے۔ حفظ حدیث کے واقعات کو کتنے ہی تعجب اور حیرت کی نظر سے کیوں نہ دیکھا جائے مگر حقیقت بہرحال حقیقت ہے۔ سلف کا ایک دور تھا کہ جب کتاب کا مسلمانوں میں بالکل رواج نہ تھا اور لوگ اپنے نوشتوں کو عیب کی طرح چھپایا کرتے تھے کہ مبادا ہم پر سوءِ حفظ کی تہمت نہ لگ جائے۔ اس دور میں کاغذ و قلم کی مدد کو عار سمجھا جاتا تھا اور جو کچھ اساتذہ سے سنتے اسے صفحۂ حافظہ پر ثبت کرنا پڑتا تھا۔ یہی وہ زمانہ ہے جب "علم سینہ بہ از علم سفینہ" پر صحیح معنوں میں عملدرآمد تھا حقیقت یہ ہے کہ جس شان کے ائمہ اس دور میں پیدا ہوئے بعد کو نہ ہو سکے۔ آج جتنے بھی اسلامی علوم کتابوں میں مدون ہیں ان سب کے اکابر علماء اسی عہد کی پیداوار ہیں جبکہ حفظ کا دور دورہ تھا اور طریقۂ تعلیم زبانی املاء تھا بعد کو جیسے جیسے علوم سینوں سے سفینوں میں آتے گئے کتابوں پر اعتماد بڑھتا گیا نتیجہ یہ کہ کتابوں میں سب کچھ رہا مگر دماغوں میں کچھ نہ رہا۔

تدوین حدیث | بہرحال یہ ایک واقعہ ہے کہ پہلی صدی ہجری میں ایک زمانے تک کتابت علم کا مسئلہ بڑا مختلف فیہ اور معرکۃ الآراء بنا رہا لیکن یہ اسی وقت تک رہا جب تک کہ علم عرب سے نکل کر عجم میں نہ پہنچا تھا اہل عرب جو ہر چیز کو زبانی یاد رکھنے کے عادی تھے انہیں لکھنا بڑا گراں گزرتا تھا لیکن عجمی قومیں جن میں تحریر کا عام رواج تھا اور جو کتاب خوانی کی پہلے سے عادی ہو چکی تھیں وہ عربوں کا سا خداداد حافظہ کہاں سے لاتیں کہ ایک بار کے سننے سے سب یاد رہ جاتا۔

سب سے بڑی مشکل یہ تھی کہ صحابہ کرام (رضوان اللہ علیہم اجمعین) روز بروز اس دنیا سے رخصت ہو رہے تھے اور ابھی صدی ختم نہ ہونے پائی تھی کہ بزم عالم ان کے مبارک وجود سے تقریباً خالی ہو چکی تھی دوسری طرف شیعہ خوارج اور قدریہ نئے نئے فرقے اسلام میں سر اٹھاتے جاتے تھے جو اپنے اپنے عقائد و خیالات کی ترویج میں پوری قوت سے کوشاں تھے، صحابہ کی موجودگی میں اہل بدعت کا زور نہ چلتا تھا جب کسی چیز میں اختلاف ہوتا لوگ ان کی طرف رجوع کرتے اور فتنہ دب کر رہ جاتا۔ امام بخاری نے تاریخ کبیر میں قتادہ سے نقل کیا ہے کہ جب حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کا انتقال ہوا تو مورق کہنے لگے ذھب الیوم نصف العلم (آج نصف علم اٹھ گیا) جب ان سے پوچھا گیا کہ یہ کیونکر تو کہنے لگے کہ

كان الرجل من اهل الاهواء اذا خالفنا فى الحديث قلنا تعال الى من سمعه من النبى صلى الله

جب اہل بدعت میں سے کوئی شخص کسی حدیث کے بارے میں ہماری مخالفت کرتا تو ہم اس سے کہا کرتے تھے کہ آؤ ان کے پاس چلو جنہوں نے اس کو خود آنحضرت صلی اللہ

علیہ وآلہٖ وسلم۔ ؎۱ | علیہ وآلہٖ وسلم سے سنا ہے۔

بصرہ کے صحابہ میں سب سے آخر میں جس نے وفات پائی وہ حضرت انس رضی اللہ عنہ ہیں آپ کا انتقال ۹۳ھ یا ۹۵ھ میں ہوا ہے۔ یہ وہ وقت تھا کہ دوسرے اسلامی شہروں میں بھی دو چار کبیر السن صحابہ کے علاوہ کہ جو جلد ہی فوت ہو گئے خورشید نبوت سے براہِ راست کسب نور کرنے والے تمام ستارے غروب ہو چکے تھے۔

صفر ۹۹ھ میں خلیفہ صالح عادل بنی مروان حضرت عمر بن عبد العزیز رضی اللہ عنہ سریر آرائے خلافت ہوئے تو آپ نے دیکھا کہ صحابہ کے متبرک نفوس سے دنیا خالی ہو چکی اکابر تابعین میں کچھ تو صحابہ کے ساتھ ہی چل بسے باقی جو ہیں ایک ایک کر کے سارے مقامات سے اٹھتے جا رہے ہیں اس لئے آپ کو اندیشہ ہوا کہ ان حفاظ اہل علم کے اٹھنے سے کہیں علوم شرعیہ نہ اٹھ جائیں اور حدیث پاک کی جو امانت ان کے سینوں میں محفوظ ہے وہ ان کے ساتھ ہی قبروں میں نہ چلی جائے لہٰذا آپ نے فوراً تمام ممالک کے علماء کے نام فرمان بھیجا کہ حدیث نبوی کو تلاش کر کے جمع کر لیا جائے۔ چنانچہ حافظ ابو نعیم اصفہانی، تاریخ اصبہان میں روایت کرتے ہیں؛

کتب عمر بن عبد العزیز الی الآفاق انظروا حدیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فاجمعوہ۔ ؎۲

حضرت عمر بن عبد العزیز نے تمام آفاق میں لکھ بھیجا کہ حدیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو تلاش کر کے جمع کرو۔

اسی سلسلہ میں مدینہ منورہ کے قاضی ابو بکر حزمی کو جو آپ کی طرف سے وہاں کے امیر بھی تھے جو فرمان بھیجا گیا اس کو امام محمد نے اپنی موطا میں بایں الفاظ روایت کیا ہے۔

اخبرنا مالک اخبرنا یحیی بن سعید ان عمر بن عبد العزیز کتب الی ابی بکر بن عمرو بن حزم ان انظر ما کان من حدیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم او سنۃ او حدیث عمر او نحو ھذا فاکتبہ لی فانی خشیت دروس العلم و ذھاب العلماء (باب ما کتاب العلم)۔

حضرت عمر بن عبد العزیز نے ابو بکر بن عمرو بن حزم کو لکھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث اور سنت نیز حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی حدیثیں اور اسی قسم کی جو روایات مل سکیں ان سب کو تلاش کر کے مجھے لکھو کیونکہ مجھے علم کے مٹنے اور علما کے فنا ہو جانے کا خوف ہے۔

اس روایت میں حدیث عمر او نحو ھذا ؎۳ کے الفاظ خاص طور پر قابل غور ہیں کہ حضرت عمر بن عبد العزیز نے حدیث نبوی کے ساتھ ساتھ حضرت عمر اور دیگر خلفاء کے آثار کی بھی جمع و تدوین کا حکم دیا تھا سنن دارمی میں یہی روایت عبد اللہ بن دینار کی زبانی اس طرح منقول ہے۔

؎۱ تہذیب التہذیب، ترجمہ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ۔ ؎۲ فتح الباری، باب کیف یقبض العلم۔
؎۳ سابق میں حافظ سخاوی کی تصریح نقل کی جا چکی ہے کہ سلف میں صحابہ و تابعین کے اقوال کے لئے بھی حدیث کا لفظ استعمال کیا جاتا تھا۔

اکتب الی بما ثبت عندک من الحدیث عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وبحدیث عمر فانی خشیت دروس العلم وذھاب العلماء (باب من رخص فی کتابۃ العلم)۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی جو حدیثیں تمہارے نزدیک ثابت ہوں وہ نیز حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی حدیثیں مجھے لکھ بھیجو کیونکہ مجھے علم کے مٹ جانے اور علما کے فنا ہو جانے کا اندیشہ ہے۔

امام بخاری نے بھی کتاب العلم میں ترجمۃ الباب کے اندر اس فرمان کا ایک حصہ تعلیقاً روایت کیا ہے چنانچہ باب کیف یقبض العلم میں فرماتے ہیں:

وکتب عمر بن عبد العزیز الی ابی بکر بن حزم انظر ما کان من حدیث رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم فاکتبہ لی فانی خشیت دروس العلم وذھاب العلماء۔

اور عمر بن عبد العزیز نے ابوبکر بن حزم کو لکھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی جو حدیثیں ہیں ان کو تلاش کر کے مجھے لکھو کیونکہ مجھے علم کے مٹنے اور علما کے فنا ہو جانے کا خوف ہے۔

ولا یقبل الا حدیث النبی صلی اللہ علیہ وسلم ولیفشوا ولیجلسوا حتی یعلم من لا یعلم فان العلم لا یھلک حتی یکون سرا۔

اور حدیث نبوی کے سوا اور کچھ نہ قبول کیا جائے اور لوگوں کو چاہیے کہ علم کی اشاعت کریں اور درس کے لئے بیٹھیں تاکہ جو لوگ نہیں جانتے وہ جان لیں کیونکہ علم اس وقت تک برباد نہیں ہوتا جب تک کہ وہ راز نہ بن جائے۔

بعض لوگوں نے اس پوری عبارت کو فرمان کی عبارت سمجھ لیا ہے حالانکہ ذھاب العلماء تک جو خط کشیدہ الفاظ ہیں وہ فرمان کے ہیں اور لا یقبل سے امام بخاری کی اپنی عبارت شروع ہوتی ہے چونکہ امام بخاری آثار صحابہ کو حجت نہیں سمجھتے اس لئے ساتھ ہی اپنی رائے کا بھی اس سلسلہ میں اظہار کر گئے ہیں مگر عبارت مذکورہ کے بعد جب انھوں نے اس تعلیق کی اسناد بیان کی تو تصریح کر دی ہے کہ یہ تعلیق ذھاب العلماء پر ختم ہو جاتی ہے چنانچہ فرماتے ہیں حدثنا العلاء بن عبد الجبار حدثنا عبد العزیز بن مسلم عن عبد اللہ بن دینار بذلک یعنی حدیث[1] عمر بن عبد العزیز الی قولہ ذھاب العلماء[2]۔

امام مالک فرماتے ہیں کہ حضرت عمر بن عبد العزیز نے قاضی صاحب موصوف کو یہ بھی لکھا تھا کہ عمرہ بنت عبد الرحمٰن اور قاسم بن محمد کے پاس جو علم موجود ہے اس کو لکھ کر ان کے لئے بھیجیں[3]۔

---

[1] امام بخاری نے بھی حضرت عمر بن عبد العزیز کے فرمان کے لئے حدیث کا لفظ استعمال کیا ہے۔ [2] تہذیب التہذیب ترجمہ ابوبکر حزمی۔ [3] عمرہ اور قاسم کی روایات کے جمع کرنے کا خاص طور پر اس لئے حکم دیا کہ یہ دونوں ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے مختص تلامذہ میں سے تھے۔ قاسم بن محمد بن ابی بکر صدیق تو ام المومنین کے برادرزادہ ہیں، فقہاء سبعہ کے ضمن میں ان کا تذکرہ گزر چکا ہے، امام بخاری نے ان کے متعلق تصریح کی ہے کہ

قتل ابوہ فربی یتیما فی حجر عمتہ عائشۃ فتفقہ بھا (تہذیب التہذیب ترجمہ قاسم)

ان کے والد قتل کر دیئے گئے تھے اس لئے بحالت یتیمی اپنی عمہ محترمہ کے آغوش میں تربیت پائی اور ان سے تفقہ حاصل کیا۔

(باقی بر صفحہ آئندہ)

اور ابن سعد لکھتے ہیں:

وکتب عمر بن عبد العزیز الی ابن حزم ان یکتب لہ احادیث عمرۃ۔ — عمر بن عبد العزیز نے ابن حزم کو لکھا تھا کہ وہ انھیں عمرہ کی روایت کردہ حدیثیں لکھ کر بھیجیں۔

قاضی ابوبکر بن محمد بن عمرو بن حزم خزرجی انصاری اپنے وقت میں مدینہ طیبہ کے بہت بڑے فقیہ تھے امام مالک فرماتے ہیں کہ ہمارے یہاں مدینہ میں جس قدر قضا کے بارے میں ان کو علم تھا اتنا کسی کو نہ تھا۔ بڑے عابد شب زندہ دار تھے۔ ان کی اہلیہ کا بیان ہے کہ چالیس سال ہونے آئے یہ کبھی شب میں اپنے بستر پر دراز نہیں ہوئے ان کی وفات باختلاف اقوال ۱۱۰ھ یا ۱۱۷ھ یا ۱۲۰ھ میں ہوئی۔

قاضی صاحب موصوف نے امیر المومنین کے حسب الحکم حدیث میں متعدد کتابیں لکھیں لیکن افسوس ہے کہ جب قاضی صاحب کا یہ کارنامہ پایۂ تکمیل کو پہنچا تو حضرت عمر بن عبد العزیز وفات پا چکے تھے، علامہ ابن عبد البر التمہید میں امام مالک کی زبانی نقل کرتے ہیں کہ

فتوفی عمر وقد کتب ابن حزم کتبا قبل ان یبعث بھا الیھا۔ لہ — ابن حزم نے متعدد کتابیں لکھیں پر حضرت عمر بن عبد العزیز قبل اس کے کہ ابن حزم یہ کتابیں ان کی خدمت میں بھیجیں وفات پا گئے۔

تہذیب التہذیب میں امام مالک سے یہی منقول ہے کہ میں نے ان کتابوں کے متعلق قاضی صاحب کے صاحبزادے عبد اللہ بن ابی بکر سے پوچھا تھا تو انھوں نے جواب دیا کہ ضاعت (وہ ضائع ہو گئیں) ؎۲

بعض اور روایات سے پتہ چلتا ہے کہ حضرت عمر بن عبد العزیز نے قاضی ابوبکر بن حزم کے علاوہ مدینہ شریف کے اور علماء کو بھی اس سلسلہ میں لکھا تھا، چنانچہ علامہ سیوطی، تاریخ الخلفاء میں امام زہری سے ناقل ہیں کہ

(بقیہ حاشیہ از صفحۂ گذشتہ) یہ مدینہ طیبہ میں اپنے وقت کے افضل ترین علماء میں شمار کئے جاتے تھے چنانچہ ابن حبان کے کتاب الثقات میں آپ کے بارے میں یہ الفاظ ہیں کان من سادات التابعین من افضل اھل زمانہ علماً و ادباً و فقھاً۔

عمرہ بنت عبد الرحمن قاضی ابوبکر بن حزم کی والدہ کبشہ بنت عبد الرحمن کی بہن تھیں اور اس بنا پر قاضی صاحب کی خالہ ہوتی ہیں یہ بھی بہت بڑی فقیہہ تھیں۔ چنانچہ ذہبی نے تذکرۃ الحفاظ میں طبقۂ ثالث کے ختم پر جہاں اس عہد کے مشاہیر علماء تابعین کے نام گنائے ہیں ان کا ذکر اسی لقب سے کیا ہے، ان کی وسعت علم کا یہ عالم تھا کہ امام زہری فرماتے ہیں مجھ سے قاسم بن محمد فرمانے لگے میں تمہیں علم کا شوقین پاتا ہوں اس لئے تمہیں علم کا مخزن نہ بتا دوں۔ میں نے کہا کیوں نہیں۔ فرمانے لگے عمرہ بنت عبد الرحمن کے آستانہ کو پکڑ لو کیونکہ وہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے آغوش تربیت میں پلی بڑھی ہیں۔ چنانچہ جب میں ان کی خدمت میں پہنچا تو معلوم ہوا کہ وہ تو نہ ختم ہونے والا سمندر ہیں فوجدتھا بحراً لا ینزف (تذکرۃ الحفاظ ترجمہ امام زہری) خود حضرت عمر بن عبد العزیز فرمایا کرتے تھے کہ ما بقی احد اعلم بحدیث عائشۃ من عمرۃ (حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث کا عالم عمرہ سے بڑھ کر کوئی باقی نہیں رہا) عمرہ کی وفات باختلاف اقوال ۹۸ھ یا ۱۰۳ھ یا ۱۰۶ھ میں ہوئی۔

(حاشیہ صفحۂ ھذا) لہ مقدمہ تنویر الحوالک۔ ؎۲ تہذیب التہذیب ترجمہ ابوبکر حزمی۔

حضرت عمر بن عبدالعزیز نے سالم بن عبداللہ کو لکھا تھا کہ صدقات کے بارے میں حضرت عمرؓ کا جو معمول رہا ہے وہ ان کو لکھ کر بھیجیں چنانچہ سالم نے جو کچھ انھوں نے پوچھا تھا وہ ان کو لکھ بھیجا۔[1]

خود امام زہری کو بھی جن کے بارے میں حضرت عمر بن عبدالعزیز کی شہادت ہے کہ

لم یبق احد اعلم بسنة ماضیة من الزہری[2] گذشتہ سنت کا زہری سے بڑھ کر کوئی عالم باقی نہیں رہا۔

خاص طور پر تدوین سنن پر مامور فرمایا چنانچہ علامہ ابن عبدالبر، جامع بیان العلم میں امام زہری کا بیان نقل کرتے ہیں:

امرنا عمر بن عبدالعزیز بجمع السنن فکتبناھا دفترا دفترا فبعث الی کل ارض لہ علیھا سلطان دفترا۔[3]

ہم کو عمر بن عبدالعزیز نے سنن کے جمع کرنے کا حکم دیا تو ہم نے دفتر کے دفتر لکھ ڈالے اور پھر انھوں نے ہر اس سرزمین پر کہ جہاں ان کی حکومت تھی ایک دفتر بھیجدیا۔

امام زہری کے ان دفاتر کی ضخامت کا اندازہ لگانا ہو تو معمر کا حسب ذیل بیان پڑھئے۔

"پہلے ہم یوں سمجھتے تھے کہ ہم نے زہری سے بہت کچھ حاصل کیا لیکن جب ولید بن یزید قتل ہوا تو سرکاری خزانے سے زہری کے علمی دفاتر سواریوں پر بار کرکے لائے گئے۔"[4]

امام زہری کے اس بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ انھوں نے قاضی ابوبکر بن حزم سے پہلے اس فن کی تدوین کی ہے کیونکہ ان کی جمع کردہ کتابوں کی نقل حضرت عمر بن عبدالعزیز نے اپنے عہد خلافت میں تمام ممالک محروسہ میں بھیجدی تھی لیکن قاضی ابوبکر بن حزم ابھی اپنی کتابیں مکمل کرکے بارگاہ خلافت تک بھیجنے بھی نہ پائے تھے کہ حضرت عمر بن عبدالعزیز کی وفات ہوگئی۔ اس لحاظ سے اس سلسلہ میں اولیت کا سہرا امام زہری کے سر ہے چنانچہ حافظ ابن عبدالبر جامع بیان العلم میں امام مالک کی تصریح نقل کرتے ہیں:

اول من دوّن العلم ابن شہاب سب سے پہلے جس نے علم مدون کیا وہ ابن شہاب (زہری) ہیں۔

مدینہ کے ایک اور امام عبدالعزیز دراوردی بھی جو امام موصوف کے معاصر ہیں یہی فرماتے ہیں کہ

اول من دوّن العلم وکتبہ ابن شہاب۔[5]

بلاشبہ جیسا کہ ان دونوں بزرگوں کی تصریح ہے مدینہ طیبہ میں اولیت کا شرف اس بارے میں امام زہری ہی کو حاصل ہے لیکن حضرت عمر بن عبدالعزیز نے تدوین احادیث کے لئے صرف اہل مدینہ کو نہیں بلکہ تمام علماء آفاق کو لکھا تھا چنانچہ اس کے متعلق حافظ ابونعیم اصفہانی کی روایت سابق میں آپ کی نظر سے گذرچکی ہے دارالخلافہ دمشق میں اس وقت شام کے مشہور امام اور فقیہ مکحول دمشقی موجود تھے۔

ابن الندیم نے کتاب الفہرست میں ان کی تصنیفات کے سلسلہ میں کتاب السنن کا ذکر کیا ہے۔ اغلب یہ ہے کہ اس کی تدوین بھی امر خلافت کی تعمیل ہی میں ہوئی ہوگی۔ مکحول کی جلالت علمی کا اندازہ کرنا ہو تو خود امام زہری کا حسب ذیل بیان پڑھئے۔

---

[1] تاریخ الخلفاء ص ۱۶۱ طبع مجتبائی دہلی۔ [2] تذکرۃ الحفاظ ترجمہ امام زہری۔
[3-5] جامع بیان العلم، باب ذکر الرخصۃ فی کتاب العلم۔

"علماء چار ہیں، سعید بن المسیب مدینہ میں، شعبی کوفہ میں، حسن بصری بصرہ میں اور مکحول، شام میں" [۱]

امام اوزاعی نے فقہ کی تعلیم ان ہی سے حاصل کی تھی چنانچہ کتب رجال میں ان کے وصف میں "معلم الاوزاعی" کے الفاظ خصوصیت سے نقل کئے جاتے ہیں۔ [۲]

علامۃ التابعین امام شعبی کے متعلق بھی علامہ سیوطی، تدریب الراوی میں حافظ ابن حجر عسقلانی کے ناقل ہیں کہ

اما جمع حدیث الی مثلہ فقد سبق الیہ الشعبی فانہ روی عنہ انہ قال ھذا باب من الطلاق جسیم وساق فیہ احادیث۔ [۳]

ایک مضمون کی حدیثوں کے جمع کرنے کا کام سب سے پہلے امام شعبی نے کیا کیونکہ ان سے مروی ہے کہ انھوں نے بیان کیا "ہذا باب من الطلاق جسیم" (یہ طلاق کا ایک بڑا باب ہے) اور پھر اس کے متعلق حدیثیں روایت کیں۔

امام شعبی کتابت علم کے قائل نہ تھے اس لئے ظاہر ہے کہ احادیث کے جمع کرنے کا یہ کام انھوں نے محض خلیفۂ عادل کے حکم کی تعمیل ہی میں کیا ہوگا بالخصوص جبکہ امام یحیی بن معین نے تصریح کی ہے کہ حضرت عمر بن عبد العزیز نے ان کو عہدۂ قضا تفویض کیا تھا۔ [۴] حافظ ذہبی نے تذکرۃ الحفاظ میں لکھا ہے کہ یہ کوفہ میں قاضی تھے۔ شعبی کے بارے میں امام زہری کی رائے ابھی آپ کی نظر سے گزری۔ مکحول کا قول ہے ما رأیت اعلم من الشعبی (شعبی سے بڑا عالم میری نظر سے نہیں گزرا) ابو مجلز کہتے ہیں ما رأیت احدا افقہ من الشعبی لا سعید بن المسیب ولا طاؤس ولا عطاء ولا الحسن ولا ابن سیرین (شعبی سے بڑھ کر کوئی فقیہ میں نے نہ دیکھا نہ سعید بن المسیب نہ طاؤس نہ عطاء نہ حسن بصری اور نہ ابن سیرین)۔ عاصم احول کا بیان ہے ما رأیت احدا اعلم بحدیث اھل الکوفۃ والبصرۃ والحجاز من الشعبی (میں نے اہل کوفہ، اہل بصرہ اور اہل حجاز کی حدیثوں کا شعبی سے بڑھ کر عالم نہیں دیکھا) خود شعبی کا بیان ہے کہ میں نے پانچ سو صحابہ کو پایا ہے۔ ابن شبرمہ نے ایک مرتبہ امام شعبی کو یوں فرماتے سنا کہ بیس سال ہوئے کبھی کسی شخص سے کوئی حدیث ایسی نہیں سنی کہ جس کا مجھے اس سے زیادہ علم نہ ہو۔ [۵] فن حدیث میں یہ امام اعظم کے اکابر شیوخ میں شمار کئے جاتے ہیں چنانچہ علامہ ذہبی نے تذکرۃ الحفاظ میں جہاں ان کے تلامذۂ فن حدیث میں امام ابو حنیفہ کا نام لیا ہے۔ ساتھ ہی یہ بھی تصریح کردی ہے وھو اکبر شیخ لابی حنیفۃ (کہ یہ امام ابوحنیفہ کے بڑے شیخ ہیں)۔ [۶]

امام زہری، امام مکحول اور امام شعبی ان تینوں میں سب سے پہلے امام شعبی نے قضا کی کیونکہ ان کی وفات بہ اختلاف اقوال ۱۰۳ھ سے لیکر ۱۱۰ھ کے اندر اندر ہوئی ہے اور امام مکحول نے بہ اختلاف اقوال ۱۱۲ھ سے لیکر ۱۱۸ھ کے اندر انتقال کیا ہے اور امام زہری نے ۱۲۳ھ یا ۱۲۴ھ یا ۱۲۵ھ میں قضا کی ہے۔

---

[۱] و [۲] الاکمال فی اسماء الرجال از صاحب مشکوۃ ترجمہ مکحول۔ [۳] تدریب الراوی ص ۲۳ طبع مصر ۱۳۰۷ھ۔ [۴] تہذیب التہذیب ترجمہ امام شعبی۔ [۵] تذکرۃ الحفاظ ترجمہ شعبی۔ [۶] یہ سب اقوال تذکرۃ الحفاظ میں امام شعبی کے ترجمہ میں مذکور ہیں۔

چونکہ یہ تینوں ائمہ باہم معاصر ہیں (گو امام شعبی عمر اور علم میں ان دونوں سے بڑے تھے) اس لئے یقین کے ساتھ تو یہ فیصلہ کرنا سخت مشکل ہے کہ سب سے پہلے اس موضوع پر کس نے قلم اٹھایا تاہم حسب تصریح امام مالک و دراوردی اگر "اس علم کے پہلے مدوّن امام ابن شہاب زہری ہیں" (بشرطیکہ اس اولیت کو مدینہ کے ساتھ خاص نہ سمجھا جائے بلکہ تمام بلاد اسلامیہ کے اعتبار سے عام رکھا جائے) تو امام شعبی کو یہ خصوصیت حاصل ہے کہ احادیث نبوی کی تبویب سب سے پہلے انھیں نے کی ہے اس لئے تدوین حدیث کی اولیت کا سہرا اگر علماء اہل مدینہ کے سر ہے تو اس کی تبویب کی اولیت کا شرف یقیناً علماء اہل کوفہ کو حاصل ہے۔

دوسری صدی ہجری کی تصنیفات

حضرت عمر بن عبد العزیز نے ۲۵ رجب ۱۰۱ھ کو انتقال کیا۔ آپ کی مدت خلافت کل دو سال پانچ ماہ ہے۔ امام شعبی، امام زہری، امام مکحول دمشقی اور قاضی ابوبکر حزمی کی تصانیف اسی عہد عمری کی یادگار ہیں اور اغلب یہ ہے کہ ان تصانیف کا بیشتر حصہ پہلی صدی کے ختم ہونے سے پہلے تیار ہو چکا تھا۔

بہر حال پہلی صدی کے آخر میں خلیفہ راشد کے حکم سے کبار ائمہ تابعین نے جمع و تدوین حدیث کا دروازہ کھولا اور دوسری صدی ہجری میں اس سلسلہ کو اتنی ترقی ہوئی کہ احادیث مرفوعہ ایک طرف صحابہ کے آثار اور تابعین کے فتاوی اور اقوال تک ایک ایک کر کے اس عہد کی تصانیف میں مرتب و مدون کر دیئے گئے۔

کتاب الآثار

فقیہ وقت حماد بن ابی سلیمان کی وفات کے بعد ۱۲۰ھ میں امام ابو حنیفہ جب جامع کوفہ کی اس مشہور علمی درس گاہ میں مسند فقہ و علم پر جلوہ آرا ہوئے کہ جو حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے زمانہ کے

ل شاہ ولی اللہ محدث دہلوی نے ازالۃ الخفاء عن خلافۃ الخلفاء میں تصریح کی ہے کہ فقہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خلافت حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے حصہ میں آئی تھی چنانچہ فرماتے ہیں:

چوں لوازم خلافت خاصہ مبین شد، الحال باید شناخت کہ جمعے کثیر از صحابہ بفیض صحبت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم قدر متیسر از یں اوصاف حاصل کردہ بودند و بعضی اشاں بخلافت مقیدہ فائز گشتہ مانند عبد اللہ بن مسعود در قرأت و فقہ۔

(ازالۃ الخفاء مطبع صدیقی بریلی ۱۲۸۶ھ)

اور جب خلافت خاصہ کے لوازم بیان کر دیئے گئے تو اب معلوم کرنا چاہئے کہ صحابہ کی ایک کثیر جماعت نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے فیض صحبت سے ان اوصاف کا ایک معتد بہ حصہ حاصل کیا تھا اور بعض ان میں سے خلافت مقیدہ پر فائز ہو سکے تھے جیسے کہ قرأت اور فقہ میں حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ ہوئے ہیں۔

اور اسی چیز کی مزید تشریح شاہ صاحب نے دوسرے مقام پر اس طرح کی ہے،

واز لوازم خلافت خاصہ آنست کہ قول خلیفہ حجت باشد در دین نہ بآں معنی کہ تقلید عوام مسلمین او را صحیح باشد زیرا کہ ایں معنی از لوازم اجتہاد است و در خلافت عامہ بیان آں گذشت ونہ بآں معنی کہ خلیفہ فی نفسہ

اور خلافت خاصہ کے لوازم میں سے ایک یہ بھی ہے کہ خلیفہ کا قول دین میں حجت ہو بایں معنی نہیں کہ عوام مسلمین کے لئے اس کی تقلید صحیح ہے کیونکہ یہ چیز تو لوازم اجتہاد میں سے ہے اور خلافت عامہ کے سلسلہ میں (باقی حاشیہ بر صفحہ آئندہ)

باقاعدہ طور پر چلی آرہی تھی تو آپ نے جہاں علم کلام کی بنیاد ڈالی، فقہ کا عظیم الشان فن مدون کیا وہیں علم حدیث کی ایک اہم ترین خدمت یہ انجام دی کہ احادیث احکام میں سے صحیح اور معمول بہ روایات کا انتخاب فرما کر ایک مستقل تصنیف میں ان کو ابواب فقہیہ پر مرتب کیا جس کا نام کتاب الآثار ہے، اور آج امت کے پاس احادیث صحیحہ کی سب سے قدیم ترین کتاب یہی ہے جو دوسری صدی کے ربع ثانی کی تالیف ہے۔ امام ابو حنیفہ سے پہلے حدیث نبوی کے جتنے صحیفے اور مجموعے لکھے گئے ان کی ترتیب فنی نہ تھی بلکہ ان کے جامعین نے کیف ما اتفق جو حدیثیں ان کو یاد تھیں انھیں قلمبند کر دیا گیا تھا۔ امام شعبی نے بیشک بعض مضامین کی حدیثیں ایک ہی باب کے تحت لکھی تھیں لیکن وہ پہلی کوشش تھی جو غالباً چند ابواب سے آگے نہ بڑھ سکی۔ علاوہ ازیں شعبی کے الفاظ ھذا باب من الطلاق جسیم سے پتہ چلتا ہے کہ انھوں نے باب کو ٹھیک ان معنوں میں استعمال کیا ہے کہ جس معنی میں بعد کے مصنفین لفظ کتاب کا استعمال کرتے ہیں، اس لئے احادیث کو کتب وابواب پر پوری طرح مرتب کرنے کا کام ابھی باقی تھا جس کو امام ابو حنیفہ نے کتاب الآثار تصنیف کر کے نہایت ہی خوش اسلوبی کے ساتھ مکمل فرمایا اور بعد کے ائمہ کے لئے ترتیب وتبویب کا ایک عمدہ نمونہ قائم کر دیا۔

ممکن ہے کہ بعض لوگ کتاب الآثار کو احادیث صحیحہ کا اولین مجموعہ بتلانے پر چونکیں اس لئے اس حقیقت کو آشکارا کرنا نہایت ضروری ہے کہ جو لوگ یہ خیال کرتے ہیں کہ صحیح بخاری سے پہلے کوئی کتاب احادیث صحیحہ کی مدون نہیں کی گئی وہ سخت غلط فہمی میں مبتلا ہیں۔ حافظ سیوطی تنویر الحوالک میں لکھتے ہیں:۔

وقال الحافظ مغلطائی اول من صنف	اور حافظ مغلطائی نے کہا ہے کہ پہلے جس نے صحیح تصنیف

(بقیہ حاشیہ از صفحہ گذشتہ) بے اعتماد بر تنبیہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم واجب الطاعت باشد زیرا کہ این معنی غیر نبی را میسر نیست بلکہ مراد اینجا آنحضرت است بین المنزلتین۔
تفصیل این صورت آنست کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم حوالہ فرمودہ اند بعض امور را بشخصے بخصوص اسم او پس لازم شود متابعت او چنانکہ لازم می شود متابعت امراء جیوش آنحضرت بمقتضائے امر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم و این خصلت در خلفاء راشدین پیدا می ماند کہ قول زید بن ثابت را در فرائض مقدم باید ساخت بر اقوال مجتہدین دیگر و قول عبد اللہ بن مسعود را در قرأت و فقہ۔
(ازالۃ الخفا ص ۱۵)

اس کا بیان گذر چکا اور یہاں معنی بھی نہیں کہ خلیفہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے اجازت ہوئے بغیر بھی واجب الاطاعت ہے کیونکہ یہ بات نبی کے علاوہ اور کسی کو میسر نہیں بلکہ اس جگہ ان دونوں کے مابین جو درجہ ہے وہ مراد ہے۔
اس صورت کی تفصیل یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بعض امور کو خاص طور پر کسی ایک شخص کا نام لیکر اس کے حوالے فرمایا ہے اس لئے اس شخص کی اتباع اسی طرح ضروری ہے جس طرح کہ آپ کے لشکر کے امراء کی اتباع خود آپ کے حکم کے بموجب لازم ہے اور یہ بات خلفاء راشدین کے بارے میں بالکل اسی طرح سے ہے جس طرح سے کہ زید بن ثابت کے قول کو فرائض (علم میراث) میں اور حضرت عبد اللہ بن مسعود کے قول کو قرأت اور فقہ میں دوسرے مجتہدین کے اقوال پر مقدم رکھنا چاہئے۔

الصحيح مالك وقال الحافظ ابن حجر كتاب مالك صحيح عنده وعند من يقلده على ما اقتضاه نظره من الاحتجاج بالمرسل والمنقطع وغيرهما قلت ما فيه من المراسيل فانها مع كونها حجة عنده بلا شرط وعند من وافقه من الائمة على الاحتجاج بالمرسل فهي حجة ايضا عندنا لان المرسل عندنا حجة اذا اعتضد وما من مرسل في الموطا الا وله عاضد او عواضد كما سابين ذلك في هذا الشرح فالصواب اطلاق ان الموطا صحيح كله لا يستثنى منه شيء. [1]

کی وہ مالک ہیں، حافظ ابن حجرؒ کا بیان ہے کہ مالک کی کتاب خود ان کے نزدیک اور ان کے مقلدین کے نزدیک صحیح ہے کیونکہ ان کی نظر مرسل اور منقطع وغیرہ سے احتجاج کی متقضی ہے (سیوطیؒ کہتے ہیں) میں کہتا ہوں موطا میں جو مراسیل ہیں وہ علاوہ اس امر کے کہ وہ بلا کسی شرط کے مالک اور ان ائمہ کے نزدیک کہ جو مرسل کو ان کی طرح سند مانتے ہیں حجت ہیں ہمارے نزدیک بھی حجت ہیں کیونکہ ہمارے نزدیک جب مرسل کا کوئی مؤید موجود ہو تو وہ حجت ہوتی ہے اور موطا میں کوئی مرسل روایت ایسی موجود نہیں کہ جس کا ایک یا ایک سے زائد مؤید موجود نہ ہو چنانچہ میں اپنی اس شرح میں اس کو بیان کروں گا اس لئے حق یہی ہے کہ کل موطا کو صحیح کہا جائے اور اس سے کسی چیز کو مستثنیٰ نہ کیا جائے۔

امام سیوطیؒ نے حافظ مغلطائیؒ کے جس بیان کا حوالہ دیا ہے وہ خود ان کی زبان سے سننا زیادہ مناسب معلوم ہوتا ہے۔ علامہ محمد امیر یمانی، توضیح الافکار شرح تنقیح الانظار میں رقمطراز ہیں کہ

اول من صنف في جمع الصحيح البخاري. هذا كلام ابن الصلاح قال الحافظ ابن حجر انما اعترض عليه الشيخ مغلطائي فيما قرأة بخطه فان مالكا اول من صنف الصحيح وتلاه احمد بن حنبل وتلاه الدارمي قال وليس لقائل ان يقول لعله اراد الصحيح المجرد فلا يرد كتاب مالك لان فيه البلاغ والموقوف والمنقطع والفقه وغير ذلك لوجود مثل ذلك في كتاب البخاري انتهى. [2]

”پہلے جس نے جمع صحیح میں تصنیف کی وہ بخاری ہیں۔“ یہ ابن صلاح کا بیان ہے حافظ ابن حجرؒ نے کہا ہے کہ اس پر شیخ مغلطائیؒ نے اعتراض کیا ہے چنانچہ انہوں نے خود ان کی تحریر میں پڑھا ہے کہ ”پہلے جس نے صحیح تصنیف کی وہ مالک ہیں ان کے بعد احمد بن حنبل اور پھر دارمی اور کسی کو یہ اعتراض کا حق نہیں کہ غالباً ابن صلاح کی مراد صرف صحیح مجرد ہے لہٰذا مالک کی کتاب اس سلسلہ میں پیش نہیں کی جا سکتی کیونکہ اس میں بلاغ، موقوف، منقطع اور فقہ وغیرہ بھی موجود ہے اس لئے کہ یہ سب چیزیں تو بخاری کی کتاب میں بھی پائی جاتی ہیں۔

بلاشبہ علامہ مغلطائیؒ کے نزدیک اس بارے میں اولیت کا شرف امام مالک کو حاصل ہے لیکن کتاب الآثار موطا سے پہلے کی تصنیف ہے جس سے خود موطا کی تالیف میں استفادہ کیا گیا ہے چنانچہ حافظ سیوطی تبییض الصحیفہ فی مناقب الامام ابی حنیفہ میں تحریر فرماتے ہیں،

من مناقب ابي حنيفة التي انفرد بها انه

امام ابوحنیفہ کے ان خصوصی مناقب میں سے کہ جن میں وہ

---

[1] تنویر الحوالک ج۱ ص۳ طبع مصر ۱۳۴۳ھ۔ [2] توضیح الافکار ج۱ ص۴۲ و ۴۸ طبع مصر ۱۳۶۶ھ۔

اول من دون علم الشريعة ورتبه ابوابا ثم تبعه مالك بن انس فى ترتيب الموطأ ولم يسبق اباحنيفة احد۔ ؎۱	منفرد ہیں ایک یہ بھی ہے وہی پہلے شخص ہیں جنھوں نے علم شریعت کو مدون کیا اور اس کی ابواب پر ترتیب کی پھر امام مالک بن انس نے موطا کی ترتیب میں انہی کی پیروی کی اور اس بارے میں امام ابو حنیفہ پر کسی کو سبقت حاصل نہیں۔

امام ابو حنیفہ کی تصانیف سے امام مالک کے استفادہ کا ذکر کتب تاریخ میں صراحت سے مذکور ہے قاضی ابو العباس احمد بن محمد بن عبداللہ بن ابی العوام، اخبار ابی حنیفہ میں بسند متصل عبدالعزیز بن محمد دراوردی سے روایت کرتے ہیں کہ امام مالک، امام ابو حنیفہ کی کتابوں کا مطالعہ کرتے اور ان سے نفع اندوز ہوتے تھے ؎۲

؎۱ تبییض الصحیفہ ص ۳۶ طبع دائرۃ المعارف حیدرآباد دکن ۱۳۳۲ھ

؎۲ اقوام المسالک فی بحث روایۃ مالک عن ابی حنیفہ و روایۃ ابی حنیفہ عن مالک از محدث کوثری، ص ۶۸ یہ کل چھ صفحات کا رسالہ ہے جو احقاق الحق طبع مصر ۱۳۶۰ھ کے آخر میں ملحق ہے۔ بعض علماء نے امام مالک سے رواۃ کے سلسلہ میں جہاں ان کے بعض مشائخ مثلاً امام زہری، ربیعۃ الرای، یحیی بن سعید انصاری وغیرہ کا نام لیا ہے امام ابو حنیفہ کے متعلق بھی تصریح کی ہے کہ یہ امام مالک سے حدیث روایت کرتے ہیں اور حافظ ذہبی نے تذکرۃ الحفاظ میں اشہب کی زبانی نقل کیا ہے کہ

رأيت اباحنيفة بين يدى مالك كالصبى بين يدى ابيه۔	میں نے ابو حنیفہ کو امام مالک کے سامنے اس طرح دیکھا جس طرح بچہ اپنے باپ کے سامنے ہو۔

علامہ شبلی نعمانی اور مولانا سید سلیمان ندوی نے اسی بناء پر خیال کیا ہے کہ امام ابو حنیفہ کو باقاعدہ امام مالک سے فن حدیث میں تلمذ تھا اور وہ ان کے حلقہ درس میں حاضر ہوتے تھے چنانچہ علامہ شبلی نعمانی، سیرۃ النعمان میں فرماتے ہیں:

"اس عظمت کے ساتھ امام صاحب کو طلب علم میں کسی سے عار نہ تھی، امام مالک عمر میں ان سے تیرہ برس کم تھے ان کے حلقہ درس میں بھی اکثر حاضر ہوئے اور حدیثیں سنیں۔ علامہ ذہبی نے تذکرۃ الحفاظ میں لکھا ہے کہ "امام مالک کے سامنے ابو حنیفہ اس طرح مودب بیٹھتے تھے جس طرح شاگرد استاد کے سامنے بیٹھتا ہے" اس کو بعض کوتاہ بینوں نے امام کی کسر شان پر محمول کیا ہے لیکن ہم اس کو علم کی قدر شناسی اور شرافت کا تمغہ سمجھتے ہیں، امام مالک بھی ان کا نہایت احترام کرتے تھے عبداللہ بن المبارک کی زبانی منقول ہے کہ میں امام مالک کی خدمت میں حاضر تھا ایک بزرگ آئے جن کی انھوں نے نہایت تعظیم کی اور اپنے برابر بٹھایا اور ان کے جانے کے بعد فرمایا جانتے ہو یہ کون شخص تھا، یہ ابو حنیفہ عراقی تھے جو اس ستون کو سونے کا ثابت کرنا چاہیں تو کر سکتے ہیں" تھوڑی دیر کے بعد ایک اور بزرگ آئے امام مالک نے ان کی بھی تعظیم کی لیکن نہ اس قدر جتنی ابو حنیفہ کی کی تھی وہ اٹھ گئے تو لوگوں سے کہا یہ سفیان ثوری تھے۔ (ص ۳۰ طبع مفید عام آگرہ ۱۸۹۲ء)

اور مولانا سید سلیمان ندوی حیات امام مالک میں امام ممدوح کی مجلس کا حال بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"تمام لوگ سرنگوں خاموش مودب بیٹھتے تھے یہاں تک کہ امام ابو حنیفہ بھی جب امام کی مجلس درس میں آکر شریک ہوتے تو وہ بھی اسی طرح مودب ہو کر بیٹھتے" (ص ۳۲)

(باقی بر صفحہ آئندہ)

کتاب الآثار میں جو احادیث ہیں وہ موطا کی روایات سے قوت وصحت میں کم نہیں ہم نے خود اس کے ایک ایک راوی کو جانچا اور ایک ایک روایت کو پرکھا ہے اور جس طرح موطا کے مراسیل کے موید

(بقیہ از صفحہ گذشتہ) اور پھر امام مالک کے تلامذہ و مستفیدین کے سلسلہ میں امام ابو حنیفہ کا نام لکھ کر حاشیہ میں رقمطراز ہیں:۔

" رواۃ مالک للخطیب البغدادی، ابن عساکر، مسند امام ابو حنیفہ لابن خسرو، دارقطنی کتاب المدائح، بدرالدین زرکشی فی النکت علی ابن الصلاح، مسند ابو حنیفہ لابی الضیاء۔ اکمال الاکمال قلمی کتب خانہ بانکی پور (فن حدیث نمبر ۳۲۷) شرح زرقانی (ج ۱ ص ۳) تزئین الممالک سیوطی، محلی شرح موطا مولانا عبدالسلام حنفی قلمی مقدمہ۔ ان تمام کتابوں میں امام ابو حنیفہ کے استفادہ کا ذکر ہے"

بلاشبہ امام اعظم کے لئے اگرچہ وہ طبقہ میں امام مالک سے بڑے ہیں یہ چیز قطعاً باعث عار نہیں کہ وہ امام مالک کے حلقہ درس میں بیٹھیں اور ان سے حدیثوں کا سماع کریں، بلکہ محدثین کا یہ قول ہے کہ ایک محدث اس وقت تک کامل نہیں ہوتا جب تک کہ وہ اعلیٰ ہمسر اور کمتر تینوں طبقوں سے روایت نہ کرے (مقدمہ ابن صلاح ص ۱۱۱ طبع حلب) امام مالک تو بہرحال امام صاحب کے اقران میں سے ہیں امام صاحب نے تو اپنے تلامذہ تک سے حدیثیں روایت کی ہیں چنانچہ امام خراسان ابراہیم بن طہمان کے ذکر میں اس کی تصریح گذر چکی ہے لیکن اولاً تو روایت اقران کے لئے حلقہ درس میں حاضر ہونا ضروری نہیں مذاکرہ کے ضمن میں بھی روایت ہو سکتی ہے۔ ثانیاً امام ابو حنیفہ کا امام مالک سے حدیث کی روایت کرنا خود محتاج ثبوت ہے۔ حافظ ابن حجر عسقلانی النکت علی مقدمہ ابن الصلاح میں لکھتے ہیں:۔

ان اباحنیفۃ لم تثبت روایتہ عن مالک وانما اوردہ الدارقطنی ثم الخطیب فی الرواۃ عنہ لروایتین وقعتا لھما باسانید فیھما مقال وھما لم یلتزما فی کتابیھما الصحۃ۔ [عـ]

بلاشبہ امام ابو حنیفہ کا امام مالک سے روایت کرنا ثابت نہیں اور دارقطنی اور ان کے بعد خطیب نے رواۃ مالک میں اس کو محض اس لئے بیان کیا کہ ان کو ایسی دو روایتیں ملی تھیں یہ دونوں روایتیں دو مختلف اسنادوں سے ہیں اور ان دونوں کی صحت میں کلام ہے۔ اور خود دارقطنی اور خطیب نے اپنی ان دونوں کتابوں میں صحت کا التزام نہیں کیا ہے۔

اور ذہبی نے اشہب سے جو کچھ نقل کیا ہے وہ بھی صحیح نہیں ہے۔ محدث محمد زاہد کوثری، اقوام المسالک میں فرماتے ہیں:

فما یرویہ الذھبی فی ترجمۃ مالک فی طبقات الحفاظ عن اشھب لا یصح الا اذا کان فی حق حماد بن ابی حنیفۃ دون ابیہ لان مولد اشھب (۱۴۰ھ) کما یقول ابن یونس ان لم یکن لدۃ الشافعی ومثلہ لا یمکن ان یرحل من مصر الی المدینۃ المنورۃ ویروی اباحنیفۃ عند مالک اصلاً (ص ۷)

طبقات الحفاظ میں امام مالک کے ترجمہ میں جو کچھ ذہبی نے اشہب سے نقل کرتے ہیں وہ صحیح نہیں بجز اس کے کہ یہ بیان حماد بن ابی حنیفہ سے متعلق ہو نہ کہ خود ان کے والد ماجد کے متعلق کیونکہ اشہب کی ولادت جس صورت میں کہ ان کو امام شافعی کا ہمسن نہ تسلیم کیا جائے حسب بیان ابن یونس ۱۴۰ھ ہے اور اس عمر کے بچہ کیلئے یہ ممکن نہیں کہ وہ مصر سے سفر کر کے مدینہ منورہ جائے اور امام ابو حنیفہ کو امام مالک کے یہاں دیکھ سکے۔ (باقی بر صفحہ آئندہ)

عـ نکت ابن حجر کا قلمی نسخہ کتبخانہ پیر جھنڈو حیدرآباد سندھ میں ہماری نظر سے گزرا ہے اور یہ عبارت اسی سے نقل کی ہے۔

موجود ہیں۔ اسی طرح اس کے مراسیل کا حال ہے اس لئے صحت کے جس معیار پر حافظ مغلطائی اور حافظ سیوطی کے نزدیک موطا صحیح قرار پاتی ہے۔ ٹھیک اسی معیار پر کتاب الآثار صحیح اترتی ہے، موطا کو کتاب الآثار سے وہی نسبت ہے جو صحیح مسلم کو صحیح بخاری سے ہے۔

(بقیہ حاشیہ از صفحہ گذشتہ) اور مولانا سید سلیمان ندوی نے اس سلسلہ میں جن کتابوں کے حوالے دیئے ہیں ان میں بجز موخر الذکر چار کتابوں کے غالباً بقیہ کتب سے مولانا نے راست مراجعت نہیں کی ہے بلکہ ان ہی کتابوں سے ان کے بھی حوالے نقل کر دیئے ہیں۔ ابن عساکر، دار قطنی اور مسند ابن خسرو کی سند میں عمران بن عبد الرحیم موجود ہے جس کے بارے میں حافظ سلیمانی نے تصریح کی ہے کہ

هو الذی وضع حدیث ابی حنیفة عن مالك	ابو حنیفہ عن مالک والی روایت اسی نے وضع کی ہے۔

(میزان الاعتدال، امام ذہبی)

دار قطنی نے یہ روایت "کتاب الذبائح" میں نہیں بلکہ کتاب المدبج میں کی ہے جو ان کی مشہور تصنیف ہے اور جس کا موضوع روایات اقران کا بیان ہے (تدریب الراوی ص ۲۰) اور تزیین الممالک میں اس مقام پر اس کی بجائے کتاب الذبائح غلط طبع ہو گیا ہے اور محدث ابن خسرو نے اپنی مسند میں جہاں اس کو روایت کیا ہے پہلے ہی تصریح کر دی ہے کہ

"حافظ ابو عبد اللہ محمد بن مخلد العطار نے اس روایت کو اپنی کتاب ما رواہ الاکابر عن مالک میں بواسطہ حماد بن ابی حنیفہ عن مالک نقل کیا ہے اور اس سند میں امام ابو حنیفہ کا ذکر نہیں ہے":

(ملاحظہ ہو جامع مسانید الامام الاعظم از خوارزمی ج ۲ ص ۱۱۹ طبع دائرۃ المعارف ۱۳۳۲ھ)

ابن عساکر کا حوالہ محلے میں موجود ہے مگر صاحب محلی نے "کتاب النکاح" میں خود امام سیوطی کے حوالہ سے اس حدیث کے متعلق یہ نقل کر دیا ہے۔

قیل انه رواه عنه ابو حنیفة ولم یصح	کہا گیا ہے کہ اس روایت کو امام مالک سے امام ابو حنیفہ نے روایت کیا ہے مگر یہ صحیح نہیں ہے۔

مسند ابو حنیفہ لابن الضیاء کا حوالہ تزیین الممالک میں مذکور ہے مگر صاحب تزیین نے مسند مذکور سے جو حدیث نقل کی ہے وہ کتاب الآثار امام محمد کی ہے اور امام محمد اس کو براہ راست امام مالک سے روایت کرتے ہیں، صاحب مسند نے امام ابو حنیفہ کا نام اس کی اسناد میں غلطی سے درج کر دیا ہے، مسند ابو حنیفہ لابی الضیاء اصل میں جامع مسانید الامام الاعظم للخوارزمی کا اختصار ہے اور جامع مسانید میں یہ روایت کتاب الآثار ہی کے حوالے سے درج ہے۔

محلی شرح موطا کے مصنف کا نام عبد السلام نہیں بلکہ شیخ سلام اللہ ہے انھوں نے بلا شبہ مواہب کے حوالہ سے اس کو نقل کیا ہے لیکن ساتھ ہی حاشیہ پر یہ منہیہ بھی تحریر فرما دیا ہے کہ

ما نقل المواهب مستبعد عن العقل ولا یقبل الذهن لان ابا حنیفة کان ابن عشرین سنة مجتهدا عالما حین رأه مالك ولم یثبت هذا عند احد غیر الدار قطنی وان قال ان مالكا روی عن ابی حنیفة فجائز	مواہب کی نقل عقل سے بعید ہے اور ذہن اس کو قبول نہیں کرتا کیونکہ امام مالک نے جس وقت امام ابو حنیفہ کو دیکھا ہے اس وقت امام ابو حنیفہ کی عمر بیس سال کی تھی اور وہ مجتہد اور عالم ہو چکے تھے نیز بجز دار قطنی کے یہ کسی کے نزدیک ثابت بھی نہیں ہاں اگر صاحب مواہب یہ کہتا کہ امام مالک نے امام ابو حنیفہ سے روایت کی ہے تو یہ ہو سکتا ہے۔

(محلی کا قلمی نسخہ میرے پاس موجود ہے۔

محدث نامور علامہ محمد زاہد کوثری کا رسالہ اقوام المسالک اس بحث میں قابل دید ہے اور نہایت اہم قیمتی معلومات پر مشتمل ہے۔

اسناد و روایت کے اعتبار سے کتاب الآثار کی مرویات کا کیا درجہ ہے اس کا اندازہ آپ اس سے لگا سکتے ہیں کہ امام ابو حنیفہ کی نظر انتخاب نے چالیس[1] ہزار احادیث کے مجموعہ سے چن کر ان کو روایت کیا ہے صدر الائمہ موفق بن احمد مکی تحریر فرماتے ہیں۔

وانتخب ابو حنیفۃ رحمہ اللہ الآثار من اربعین الف حدیث (مناقب الامام الاعظم امام الائمہ)

امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ نے کتاب الآثار کا انتخاب چالیس ہزار احادیث سے کیا ہے۔ (ج ۱ ص ۹۵)

اور امام حافظ ابو یحییٰ زکریا بن یحییٰ نیشاپوری المتوفی ۲۹۸ھ جو ارباب صحاح ستہ کے معاصر ہیں اپنی کتاب مناقب ابی حنیفہ میں خود امام اعظم سے بسند نقل کرتے ہیں کہ

عندی صنادیق من الحدیث ما اخرجت منہا الا الیسیر الذی ینتفع بہ۔ (مناقب موفق ج ۱ ص ۹۵)

میرے پاس حدیث کے صندوق بھرے ہوئے موجود ہیں مگر میں نے ان میں سے تھوڑی حدیثیں نکالی ہیں جن سے لوگ نفع اندوز ہوں۔

امام اعظم کی اس احتیاط کا بڑے بڑے محدثین نے اقرار کیا ہے چنانچہ حافظ ابو محمد عبد اللہ حارثی بسند متصل وکیع سے جو حدیث کے بہت بڑے[2] امام ہیں نقل کرتے ہیں،

اخبرنا القاسم بن عباد سمعت یوسف الصفار یقول

کہ جیسی احتیاط امام ابو حنیفہ سے حدیث

---

[1] یہ چالیس ہزار متون احادیث کا ذکر نہیں اسانید کا ہے اور جیسا کہ سابق میں گزرا اس تعداد میں صحابہ کرام کے اقوال اور تابعین کے فتاوے بھی داخل ہیں کیونکہ سلف کی اصطلاح میں ان سب کے لئے حدیث اور اثر کا لفظ استعمال ہوتا تھا، امام اعظم کے زمانہ میں احادیث کے طرق و اسانید کی تعداد چالیس ہزار سے متجاوز نہ تھی بعد کو بخاری و مسلم کے عہد میں یہی تعداد لاکھوں تک جا پہنچی کیونکہ ایک شیخ نے کسی حدیث کو مثلاً دس شاگردوں سے بیان کیا اب وہ محدثین کی اصطلاح میں دس اسنادیں اور دس طرق ہو گئے اگر آپ موطا اور کتاب الآثار کی احادیث کی تخریج بقیہ کتب احادیث سے کریں تو ایک ایک متن کے دسیوں بیسیوں طریقے اور اسنادیں مل جائیں گی۔

اب متون احادیث صحیحہ کی اصل تعداد بھی سن لیجئے، امام ابو جعفر محمد بن الحسین بغدادی نے کتاب التمییز میں امام سفیان ثوری، شعبہ، یحییٰ بن سعید القطان، عبد الرحمن بن مہدی اور احمد بن حنبل ان سب اکابر ائمہ حدیث کا متفقہ بیان اس سلسلہ میں یہ نقل کیا ہے

ان جملۃ الاحادیث المسندۃ عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم یعنی الصحیحۃ بلا تکریر اربعۃ آلاف و اربع مائۃ حدیث (توضیح الافکار الامیر یمانی ج ۱ ص ۶۳ طبع مصر)

ان تمام احادیث صحیحہ غیر مکررہ کی تعداد کہ جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے مسنداً مروی ہیں چار ہزار چار سو ہے۔

ان میں احکام حلال و حرام یعنی احادیث فقہیہ کی تعداد یحییٰ بن سعید القطان اور عبد الرحمن بن مہدی نے آٹھ سو (توضیح الافکار) اور عبد اللہ بن المبارک نے نو سو اور امام ابو یوسف نے گیارہ سو بتائی ہے (رسالہ امام ابی داؤد ص ۵ و ۶ طبع مصر ۱۳۶۹ھ) ظاہر ہے کہ امام ابو یوسف چونکہ فقہ اور اجتہاد کے اعتبار سے ان تینوں سے ممتاز ہیں اس لئے اس بارے میں ان ہی کی تصریح بیان قابل قبول ہے

[2] امام احمد بن حنبل کا بیان ہے کہ میں نے وکیع سے بڑھ کر علم کا جامع اور حدیث کا حافظ نہیں دیکھا۔ یحییٰ بن معین فرماتے ہیں۔ ان سے افضل شخص میری نظر سے نہیں گذرا۔ (تذکرۃ الحفاظ، ترجمہ وکیع)

سمعت وکیعاً یقول لقد وجد الورع عن ابی حنیفۃ فی الحدیث مالم یوجد عن غیرہ (مناقب صدر الائمہ موفق ج ۱ ص ۱۹۶) | میں پائی گئی کسی دوسرے سے نہ پائی گئی۔

اسی طرح علی بن الجعد جوہری سے کہ جو حدیث کے بہت بڑے حافظ اور امام بخاری اور ابوداؤد کے استاذ ہیں روایت کی ہے:

قال القاسم بن عباد فی حدیثہ قال علی بن الجعد ابو حنیفۃ اذا جاء بالحدیث جاء بہ مثل الدر[۵۲] | امام ابو حنیفہ جب حدیث بیان کرتے ہیں تو موتی کی طرح آبدار ہوتی ہے۔

اور حافظ خطیب بغدادی اپنی تاریخ میں سید الحفاظ یحییٰ بن معین سے (جن کے متعلق امام احمد بن حنبل فرمایا کرتے تھے کہ جس حدیث کو یحییٰ بن معین نہ جانیں وہ حدیث ہی نہیں) بسند متصل ناقل ہیں کہ

کان ابو حنیفۃ ثقۃ لا یحدث الا ما یحفظ ولا یحدث بما لا یحفظ (تاریخ بغداد ج ۱۳ ص ۴۱۹) | امام ابو حنیفہ ثقہ ہیں جو حدیث ان کو حفظ ہوتی ہے وہی بیان کرتے ہیں اور جو حفظ نہیں ہوتی بیان نہیں کرتے۔

اور امام عبد اللہ بن المبارک کہ جن کی جلالت شان کا تمام اہل علم کو اعتراف ہے اپنی ایک نظم میں جو انھوں نے امام اعظم کی شان میں لکھی ہے فرماتے ہیں:

روی اٰثارہ فاجاب فیہا کطیران الصقور من المنیفہ

انھوں نے آثار کو روایت کیا تو اسی بلند پروازی دکھائی کہ جیسے شکاری پرندے بلند مقام پر پرواز کر رہے ہوں۔

ولم یک بالعراق لہ نظیر ولا بالمشرقین ولا بکوفہ[۵۳]

سو نہ عراق میں ان کی کوئی نظیر تھی، نہ مشرق و مغرب میں اور نہ کوفہ میں۔

اسی طرح امام اہل سمرقند ابو مقاتل سمرقندی امام اعظم کی مدح کرتے ہوئے کتاب الآثار کے متعلق فرماتے ہیں:

روی الاٰثار عن نبل ثقات غزار العلم مشیخۃ حصیفہ[۵۴]

معزز ین ثقات سے انھوں نے الآثار کو روایت کیا ہے جو بڑے وسیع العلم اور عمدہ مشائخ تھے۔

حقیقت یہ ہے کہ ان اکابر ائمہ حدیث کی یہ شہادتیں بلا وجہ نہیں ہیں۔ امام ابو حنیفہ نے کوفہ، بصرہ اور حجاز

---

[۵۱] حافظ ذہبی نے تذکرۃ الحفاظ میں ان کے ترجمہ میں عبدوس نیشاپوری اور موسیٰ بن داؤد دونوں کا متفقہ بیان نقل کیا ہے کہ ان سے بڑھ کر حافظ حدیث ہماری نظر سے نہیں گزرا۔ [۵۲] جامع مسانید الامام الاعظم از محدث خوارزمی ج ۲ ص ۳۰۸ طبع دائرۃ المعارف ۱۳۳۲ھ۔ [۵۳] مناقب صدر الائمہ ج ۲ ص ۱۹۰۔ [۵۴] ایضاً ص ۱۹۱۔ [۵۵] علامہ کمال الدین احمد بیاضی "اشارات المرام من عبارات الامام" (ص ۲۰ طبع مصر ۱۳۶۸ھ) میں فرماتے ہیں: فہو اخذ عن اصحاب عمر رضی اللہ عن عمرؓ عن اصحاب ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ عن ابن مسعود وعن اصحاب ابن عباس رضی اللہ عنہما عن ابن عباس ممن یبلغ العدد المذکور بالکوفۃ والبصرۃ والحجاز فی حجۃ سنۃ ۹۶ست وتسعین وبعدہ۔ یعنی امام ابو حنیفہ نے اصحاب عمر سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا علم اور اصحاب ابن مسعود سے حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کا اور اصحاب ابن عباس سے حضرت ابن عباس کا، مشائخ کی اس تعداد سے جو ذکر کی جا چکی ہے کوفہ، بصرہ اور حجاز میں مذکر ۹۶ھ میں بزمانہ حج اور اس کے بعد حاصل کیا ہے۔

کی مشہور درسگاہوں میں علم حدیث کی برسوں تحصیل کی ہے اور جس توجہ اور کوشش سے انھوں نے اس علم کو حاصل کیا ہے، ان کے معاصرین میں سے کم لوگوں نے کیا ہوگا۔ حافظ ابو سعد سمعانی[۱]، کتاب الانساب میں امام ابو حنیفہ کے تذکرہ میں رقمطراز ہیں:۔

اشتغل بطلب العلم وبالغ فيه حتى حصل له ما لم يحصل لغيره (طبع ليڈن ورق ۱۹۶)	وہ طلب علم میں مشغول ہوئے تو اس درجہ غایت انہماک کے ساتھ ہوئے کہ جس قدر علم ان کو حاصل ہوا دوسروں کو نہ ہو سکا

اور حافظ ذہبی، امام مسعر بن کدام سے جو عہد طالب العلمی میں امام اعظم کے رفیق رہ چکے ہیں ناقل ہیں۔

طلبت مع ابي حنيفة الحديث فغلبنا و اخذ نافي الزهد فبرع علينا وطلبنا معه الفقه فجاء منه ما ترون۔ [۲]	میں نے امام ابو حنیفہ کے ساتھ حدیث کی تحصیل کی تو وہ ہم پر غالب رہے، اور زہد میں لگے تو اس میں بھی وہ ہم پر فائق ہو گئے اور فقہ ان کے ساتھ شروع کی تو تم دیکھتے ہی ہو کہ کیا کمال ان سے ظاہر ہوا۔

یہ مسعر وہی ہیں جن کو شعبہ ان کے اتقان کی بنا پر مصحف کہا کرتے تھے[۳]۔ حافظ ابو محمد رامہرمزی نے المحدث الفاصل بین الراوی والواعی[۴] میں لکھا ہے کہ شعبہ اور سفیان ثوری میں جب کسی حدیث کی بابت اختلاف ہوتا تو دونوں کہا کرتے کہ اذهبا بنا الى الميزان مسعر (ہم دونوں کو مسعر کے پاس لے چلو جو اس فن کی میزان ہیں) غور کیجئے شعبہ اور سفیان دونوں "امیر المومنین فی الحدیث" کہلاتے ہیں اس لئے ان کی میزان علم جس شخص کے متعلق یہ شہادت دے کہ وہ علم حدیث میں ہم سے آگے ہے وہ خود اس فن میں کس پایہ کا شخص ہوگا، غالباً یہی وجہ ہے کہ شیخ الاسلام حافظ ابو عبد الرحمن مقری (جو فن حدیث میں امام احمد بن حنبل، اسحٰق بن راہویہ اور بخاری کے استاذ ہیں) جب امام ابو حنیفہ سے کوئی حدیث روایت کرتے تھے تو ان الفاظ کے ساتھ کرتے تھے۔ اخبرنا شاهنشاه[۵]۔

اور امام مکی بن ابراہیم فرماتے ہیں:

كان ابو حنيفة زاهدا عالما راغبا في الآخرة صدوق اللسان احفظ اهل زمانه [۶]	امام ابو حنیفہ زاہد، عالم، آخرت کی طرف راغب، بڑے راست باز اور اپنے اہل زمانہ میں سب سے بڑے حافظ حدیث تھے۔

محدث صیمری نے بھی مناقب ابی حنیفہ میں شیخ الاسلام حافظ یزید بن ہارون سے اسی کے قریب قریب روایت کیا ہے[۷]۔ اور امام یحییٰ بن سعید القطان جو مشہور ناقد حدیث اور جرح و تعدیل کے امام ہیں

---

[۱] حافظ ذہبی نے تذکرۃ الحفاظ میں تصریح کی ہے کہ سمعانی تاریخ اور علم حدیث میں ابن جوزی اور ان کے شیخ ابن ناصر دونوں سے بڑھے ہوئے ہیں (ملاحظہ ہو تذکرۃ الحفاظ ترجمہ ابن ناصر)۔ [۲] مناقب ابی حنیفہ از حافظ ذہبی ص ۲۷ طبع مصر۔ [۳] تذکرۃ الحفاظ ترجمہ مسعر [۴] اس کتاب کے قلمی نسخے کتب خانہ آصفیہ حیدر آباد دکن اور کتب خانہ پیر جھنڈو سندھ میں ہماری نظر سے گزرے ہیں۔ [۵] محدث خطیب بغدادی نے تاریخ بغداد میں اس کو بہ سند متصل نقل کیا ہے۔ [۶] مناقب الامام الاعظم از صدر الائمہ بحوالہ حافظ ابو احمد عسکری۔

[۷] اس کتاب کا قلمی نسخہ کتب خانہ مجلس علمی کراچی میں موجود ہے اس کی اصل عبارت یہ ہے: كان ابو حنيفة تقيا نقيا زاهدا عالما صدوق اللسان احفظ اهل زمانه۔

یوں فرماتے ہیں:

انہ واللہ لاعلم ھذہ الامۃ بما جاء عن اللہ ورسولہ ۔ [۱]

واللہ ابوحنیفہ اس امت میں خدا اور اس کے رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) سے جو کچھ وارد ہوا ہے اس کے سب سے بڑے عالم ہیں۔

ائمہ فن کی اس قدر تصریحات فن حدیث میں امام اعظم کی عظمت شان اور جلالت مرتبت کو سمجھنے کے لئے کافی ہیں۔ اب ذرا اس پر بھی نظر ڈال لیجیے کہ امام اعظم کے نزدیک کسی حدیث کو روایت کرنے اور اس پر عمل کرنے کے کیا شرائط ہیں۔ امام طحاوی نے بسند متصل روایت کی ہے۔

حدثنا سلیمان بن شعیب حدثنا ابی قال املا علینا ابو یوسف قال قال ابو حنیفۃ لا ینبغی للرجل ان یحدث من الحدیث الا بما حفظہ من یوم سمعہ الی یوم یحدث بہ (الجواہر المضیہ، ترجمہ امام ابو حنیفہ)

کہ امام ابو حنیفہ فرماتے ہیں کسی شخص کو اس وقت تک حدیث نہیں بیان کرنا چاہئے جب تک کہ سننے کے دن سے لیکر بیان کرنے کے دن تک اسی طرح یاد نہ ہو۔

امام یحیی بن معین کی تصریح ابھی آپ پڑھ چکے کہ روایت حدیث کے باب میں امام صاحب کا عمل اسی اصول پر تھا۔ بعد کے متعدد محدثین نے حفظ کی بجائے کتابت کو کافی سمجھا اس لئے ان کے خیال میں اگر راوی کو حدیثوں کے الفاظ و معانی کچھ بھی یاد نہ ہوں تاہم چونکہ وہ قلمبند صورت میں اس کے پاس موجود ہیں اس لئے ان کو روایت کر سکتا ہے چنانچہ محدث خطیب بغدادی، الکفایہ فی علم الروایہ میں لکھتے ہیں:

"ابو زکریا یعنی یحیی بن معین سے پوچھا گیا کہ اگر کوئی شخص اپنے قلم سے حدیث لکھی ہوئی پائے مگر وہ اس کو زبانی یاد نہ ہو تو کیا کرے کہنے لگے ابو حنیفہ تو یوں فرماتے ہیں کہ جس حدیث کا انسان عارف اور حافظ نہ ہو اسے بیان نہ کرے لیکن ہم یوں کہتے ہیں کہ اپنی کتاب میں جو کچھ اپنے قلم سے لکھا ہوا پائے اسے بیان کر سکتا ہے چاہے وہ اس روایت کا عارف ہو یا نہ ہو۔" [۲]

اور حافظ سیوطی، تدریب الراوی میں امام ابو حنیفہ کا مذہب نقل کر کے لکھتے ہیں:

وھذا مذھب شدید وقد استقر العمل علی خلافہ فلعل الرواۃ فی الصحیحین ممن یوصف بالحفظ لا یبلغون النصف ۔ [۳]

یہ سخت مذہب ہے اور عمل اس کے خلاف قرار پایا ہے کیونکہ غالباً صحیحین کے ان رواۃ کی تعداد جو حفظ سے موصوف ہیں نصف تک نہیں پہنچتی۔

اگرچہ ہمارے نزدیک یہ مسئلہ اختلاف عصر و زمان کا مسئلہ ہے اسی لئے امام مالک بھی اس مسئلہ میں امام اعظم کے ہمزبان ہیں۔ اس عہد تک کتابت سے زیادہ حفظ پر زور تھا بعد کو جس قدر زمانہ گزرتا گیا حفظ کی جگہ کتابت نے لے لی تاہم اس سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ حافظ حدیث کی روایت کو غیر حافظ کی روایت پر

۱ـ مقدمہ کتاب التعلیم از علامہ مسعود بن شیبہ سندی، بحوالہ امام طحاوی، اس کا قلمی نسخہ مجلس علمی کے کتاب خانہ میں موجود ہے۔

۲ـ الکفایہ فی علم الروایہ ص ۲۳۱ طبع دائرۃ المعارف حیدرآباد دکن ۱۳۵۷ھ۔ ۳ـ تدریب الراوی ص ۱۴۰۔

ترجیح ہے کیونکہ عدم حفظ کی صورت میں احتمال ہے کہ کوئی خط میں خط ملا کر نوشتہ میں گڑبڑ نہ کر دے۔
بہرحال اس حیثیت سے کتاب الآثار اور موطا کی مرویات کو صحیحین کی مرویات پر جو ترجیح حاصل ہے ظاہر ہے
اور امام ربانی علامہ عبدالوہاب شعرانی، المیزان الکبریٰ میں رقمطراز ہیں:

وقد كان الامام ابو حنيفة يشترط في الحديث المنقول عن رسول الله صلى الله عليه وسلم قبل العمل به ان يرويه عن ذلك الصحابي جمع اتقياء عن مثلهم وهكذا۔ ؎۱

جو حدیث آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے منقول ہو اس کی بابت امام ابوحنیفہ عمل سے پہلے یہ شرط کرتے ہیں کہ اس کو متقی لوگوں کی ایک جماعت اس صحابی سے برابر نقل کرتی چلی آئے۔

امام شعرانی نے عمل بالحدیث کے لئے امام ابوحنیفہ کی جس شرط کا ذکر کیا ہے وہ خود امام ممدوح سے بصراحت منقول ہے۔ چنانچہ حافظ ذہبی نے امام یحییٰ بن معین کی سند سے امام صاحب کا یہ قول نقل کیا ہے کہ

آخذ بكتاب الله فما لم اجد فبسنة رسول الله والآثار الصحاح عنه التي فشت في ايدي الثقات عن الثقات فان لم اجد فبقول اصحابه آخذ بقول من شئت واما اذا انتهى الامر الى ابراهيم والشعبي والحسن وعطاء فاجتهد كما اجتهدوا۔ ؎۲

میں کتاب اللہ سے لیتا ہوں اگر اس میں نہ ملے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت اور آپ کی ان صحیح حدیثوں سے کہ جو ثقات کے ہاتھوں میں ثقات ہی کے ذریعہ شائع ہوئی ہیں پھر اگر یہاں بھی نہ مل سکے تو آپ کے اصحاب میں سے جس کا قول چاہتا ہوں اختیار کر لیتا ہوں لیکن جب معاملہ ابراہیم نخعی، شعبی، حسن بصری اور عطاء بن ابی رباح تک آجاتا ہے تو جس طرح ان حضرات نے اجتہاد کیا میں بھی اجتہاد کرتا ہوں۔

امام ابوحنیفہ کا یہ بیان خاص طور پر قابل غور ہے اس میں آپ نے اپنے طریق استنباط کی توضیح فرمائی ہے اور احادیث کے بارے میں صراحت کی ہے کہ آپ صرف ان حدیثوں سے استدلال کرتے ہیں کہ جو صحیح ہیں اور ثقات کے ذریعہ جن کی اشاعت ہوئی ہے۔ امام سفیان ثوری نے بھی حدیث کے متعلق امام صاحب کا یہی طرز عمل بتلایا ہے کہ

يأخذ بما صح عنده من الاحاديث التي كان يحملها الثقات وبالآخر من فعل رسول الله صلى الله عليه وسلم۔ ؎۳

جو حدیثیں ان کے نزدیک صحیح ہوتی ہیں اور ثقات جن کو روایت کرتے ہیں نیز جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا آخری فعل ہوتا ہے یہ اسی کو لیتے ہیں

غرض کتاب الآثار قرآن پاک کے بعد کتب خانہ اسلام کی دوسری کتاب ہے جو ابواب پر مرتب ومدون ہوئی اور جس میں صرف ان ہی احادیث اور آثار وفتاوے نے جگہ پائی کہ جن کی روایت ثقات اتقیاء امت میں برابر چلی آتی تھی امام اعظم نے اس کتاب میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے آخری افعال اور

؎۱ میزان شعرانی ج ۱ ص ۶۲ طبع مصر ۱۳۲۳ھ۔ ؎۲ مناقب ابی حنیفہ از ذہبی ص ۲۰۔ ؎۳ الانتقاء فی فضائل الثلاثۃ الائمۃ الفقہاء از حافظ ابن عبدالبر ص ۱۴۲ طبع مصر۔

ہدایات کو منبائے اول اور آثار و فتاوائے صحابہ و تابعین کو منبائے ثانی قرار دیا۔

کتاب الآثار کا موضوع صرف احادیث احکام یعنی سنن ہیں جن سے مسائل فقہ کا استنباط ہوتا ہے اس لئے وہ سیکڑوں مختلف ابواب جو صحیحین اور جامع ترمذی وغیرہ دیگر کتب احادیث میں مذکور ہیں، کتاب الآثار میں نہیں ملیں گے کیونکہ ان ابواب کا تعلق فقہیات سے نہیں ہے اس بنا پر محدثین کی اصطلاح میں کتاب الآثار، کتب سنن میں داخل ہے چنانچہ بعض محدثین نے اسی نام سے اس کتاب کا ذکر کیا ہے۔

کتاب الآثار کا ایک نمایاں امتیاز یہ ہے کہ اس کی مرویات اس عہد کی دیگر تصانیف کی طرح اپنے ہی شہر اور اقلیم کی روایات میں محدود و منحصر نہیں بلکہ اس میں مکہ، مدینہ، کوفہ، بصرہ غرضکہ حجاز و عراق دونوں جگہ کا علم تحریر و تدوین میں یکجا موجود ہے۔

حافظ ابن القیم، اعلام الموقعین میں لکھتے ہیں۔

والدین والفقہ والعلم انتشر فی الامۃ عن اصحاب ابن مسعود واصحاب زید بن ثابت واصحاب عبد اللہ بن عمر واصحاب عبد اللہ بن عباس، فعلم الناس عامتہ عن اصحاب ھولاء الاربعۃ، فاما اھل المدینۃ فعلمھم عن اصحاب زید بن ثابت وعبد اللہ بن عمر واما اھل مکۃ فعلمھم عن اصحاب عبد اللہ بن عباس واما اھل العراق فعلمھم عن اصحاب عبد اللہ بن مسعود۔ [۱]

دین اور فقہ و علم کی اشاعت امت میں اصحاب عبد اللہ بن مسعودؓ، اصحاب زید بن ثابتؓ، اصحاب عبد اللہ بن عمرؓ اور اصحاب عبد اللہ بن عباسؓ سے ہوئی ہے، اور لوگوں کا عام علم ان ہی چاروں کے اصحاب سے لیا ہوا ہے، چنانچہ مدینہ والوں کا علم زید بن ثابتؓ اور عبد اللہ بن عمرؓ کے اصحاب سے اور مکہ والوں کا علم عبد اللہ بن عباسؓ کے اصحاب سے اور عراق والوں کا علم عبد اللہ بن مسعودؓ کے اصحاب سے لیا ہوا ہے

امام مالک نے موطا کی تالیف مدینہ منورہ میں کی ہے اور اس میں مدنی شیوخ کے علاوہ اور لوگوں سے برائے نام روایتیں ہیں، لیکن کتاب الآثار کے رواۃ میں کوفی یا عراقی کی تخصیص نہیں بلکہ حجاز، عراق اور شام جملہ بلاد اسلامیہ کے علماء سے اس میں روایتیں موجود ہیں ہم نے کتاب الآثار بروایت امام محمد سے جس میں دوسرے ائمہ کے نسخوں کی بہ نسبت کم روایتیں ہیں امام اعظم کے شیوخ کو جمع کیا تو ایک سو پانچ ہوئے پھر ان کے اوطان پر نظر ڈالی تو نیس کے قریب ایسے مشائخ حدیث نکلے جو کوفہ کے رہنے والے نہ تھے

صحابہ میں جن بزرگوں سے مسائل فقہ و فتاوے منقول ہیں ان کی تعداد کچھ اوپر ایک سو تیس ہے [۲] ان میں مرد اور عورتیں دونوں شامل ہیں، فتوے کے بارے میں بعض صحابہ مکثر تھے بعض متوسط اور بعض مقل

---

[۱] اعلام الموقعین ج ۱ ص ۸ طبع اشرف المطابع دہلی۔ [۲] حافظ عبد القادر قرشی نے الجواہر المضیہ کے خاتمہ میں اور حافظ ابن القیم نے اعلام الموقعین کے مقدمہ میں ان سب کو نام بنام ذکر کیا ہے۔

جو سب سے زیادہ کثیر الفتوے تھے وہ یہ حضرات ہیں، عمر بن الخطاب، علی مرتضیٰ، عبداللہ بن مسعود، عبداللہ بن عباس، ام المومنین عائشہ صدیقہ، زید بن ثابت اور عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہم اجمعین، ان سات میں بھی اول الذکر چار بزرگ زیادہ ممتاز گزرے ہیں۔ شاہ ولی اللہ صاحب حجۃ اللہ البالغہ میں فرماتے ہیں

واکابر ھذا الوجہ عمر و علی و ابن مسعود و ابن عباس۔ ؎۱

موطا میں امیر المومنین حضرت علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ اور حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے بہت کم روایات ہیں شاہ ولی اللہ صاحب مصفیٰ شرح موطا کے مقدمہ میں فرماتے ہیں:

وامام مالک از حضرت مرتضیٰ و عبداللہ بن عباس کم روایت کردہ است و ہارون رشید از سبب آں استفسار کرد فرمود لم یکونا ببلدی ولم الق رجالھما یعنی نہ بودند در شہر من و ملاقات نہ کردم بایاران ایشاں۔ ؎۲

امام مالک نے حضرت علی مرتضیٰ اور حضرت عبداللہ بن عباس (رضی اللہ عنہم) سے کم روایتیں کی ہیں، ہارون رشید نے اس کا سبب دریافت کیا تو فرمانے لگے کہ لم یکونا ببلدی ولم الق رجالھما یعنی یہ دونوں بزرگ میرے شہر کے نہ تھے اور میری ان کے اصحاب سے ملاقات نہ ہو سکی۔

خاکسار کہتا ہے کہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی روایتیں موطا میں ان دونوں حضرات کی روایات سے بھی کم ہیں۔ برخلاف اس کے کتاب الآثار میں جس مقدار میں حضرت علی مرتضیٰ اور حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہما کی روایتیں ہیں اسی کے قریب قریب حضرت عمر، حضرت ابن عمر، حضرت ابن عباس اور حضرت عائشہ صدیقہ کی روایات بھی ہیں۔

امت مرحومہ کا سواد اعظم جس کی تعداد کا اندازہ نصف یا دو ثلث اہل اسلام کیا گیا ہے بارہ سو سال سے فقہ میں جس مذہب کا پیرو ہے وہ مذہب حنفی ہے اس مذہب کے مسائل فقہ کا منبع اسی کتاب الآثار کی احادیث و روایات ہیں۔ شاہ ولی اللہ صاحب نے قرۃ العینین فی تفضیل الشیخین میں کتاب الآثار کو حنفیوں کی امہات کتب میں شمار کیا ہے؎۳ اور تصریح کی ہے کہ

مسند ابی حنیفہ و آثار محمد اساس فقہ حنفیہ است ؎۴

فقہ حنفی کی بنیاد مسند ابی حنیفہ اور آثار امام محمد پر ہے۔

ایک غلط فہمی کا ازالہ

ہندوستان میں علم حدیث کا چرچا دوسرے ممالک کی بہ نسبت کم رہا ہے اس لئے یہاں کے بعض مصنفین کو یہ غلط فہمی ہو گئی ہے کہ حدیث میں امام ابو حنیفہ کی کوئی کتاب موجود نہیں ہے چنانچہ ملا جیون المتوفی سنہ ۱۱۳۰ھ نور الانوار میں لکھتے ہیں:

لم یجمع ابو حنیفۃ کتابا فی الحدیث۔ ؎۵

ابو حنیفہ نے حدیث میں کوئی کتاب مدون نہیں فرمائی

اور شاہ ولی اللہ صاحب مصفیٰ شرح موطا کے مقدمہ میں رقمطراز ہیں:

واز ائمہ فقہ امروز ہیچ کتابے کہ خود ایشاں تصنیف کردہ باشند بدست مردمان نیست الا موطا۔

اور آج ائمہ فقہ کی کوئی کتاب کہ جس کو خود انہوں نے تصنیف کیا ہو سوائے موطا کے لوگوں کے ہاتھ میں نہیں ہے۔

؎۱ حجۃ اللہ البالغہ ج ۱ ص ۱۳۲ طبع منیریہ مصر سنہ ۱۳۵۲ھ۔ ؎۲ مصفیٰ ج ۱ ص ۱۳ طبع دہلی سنہ ۱۳۴۶ھ۔ ؎۳ ملاحظہ ہو کتاب مذکور ص ۱۶۵ طبع مجتبائی سنہ ۱۳۱۰ھ۔ ؎۴ ایضاً ص ۱۷۱۔ ؎۵ نور الانوار طبع علوی لکھنؤ ص ۱۶۰

شاہ عبدالعزیز صاحب بھی بستان المحدثین میں اپنے والد ماجد کی پیروی میں یہی لکھتے ہیں کہ

باید دانست کہ از تصانیف ائمہ اربعہ رحمہم اللہ در علم حدیث غیر از موطا موجود نیست۔ ۵۱	جاننا چاہیے کہ ائمہ اربعہ کی تصانیف میں سے علم حدیث میں بجز موطا کے اور کوئی تصنیف موجود نہیں ہے۔

مولانا شبلی نعمانی نے بھی اس بارے میں شاہ ولی اللہ صاحب ہی کے فیصلے کو کافی سمجھا ہے وہ فرماتے ہیں،

"بے شبہ ہماری ذاتی رائے یہی ہے کہ آج امام صاحب کی کوئی تصنیف موجود نہیں ہے۔" ۵۲

اور ان کے جانشین مولانا سید سلیمان ندوی بھی یہی لکھ رہے ہیں کہ

"امام مالک کے سوا کسی امام مجتہد کے قلم سے علم حدیث کی کوئی تصنیف ظاہر نہیں ہوئی۔" ۵۳

ملا جیون محدث نہ تھے اس لئے ان کا انکار محل تعجب نہیں۔ شاہ ولی اللہ صاحب کتاب الآثار سے بخوبی واقف ہیں انھوں نے شیخ تاج الدین قلعی حنفی مفتی مکہ مکرمہ سے اس کے اطراف کا سماع بھی کیا ہے چنانچہ انسان العین فی مشائخ الحرمین میں ان کے تذکرہ میں فرماتے ہیں:

"و اطراف ۔ ۔ ۔ کتاب الآثار امام محمد و موطائے او از وے سماع نمود۔" ۵۴

شاہ صاحب ممدوح کو یہ بھی معلوم ہے کہ امام محمد اس کتاب کو امام ابو حنیفہ سے روایت کرتے ہیں چنانچہ مصفی میں خود ان کے الفاظ ہیں:

"آثار کہ از امام ابو حنیفہ روایت کردہ است۔" ۵۵

مگر شاید وہ اس کو امام ابو حنیفہ کی بجائے امام محمد کی تصنیف سمجھتے ہیں۔ محدث ملا علی قاری نے خود موطا امام محمد کے متعلق بھی یہی خیال ظاہر کیا ہے، حقیقت یہ ہے کہ امام محمد نے ان دونوں کتابوں کو ان کے مصنفین سے جس انداز پر روایت کیا ہے اس کو دیکھتے ہوئے اس قسم کی غلط فہمی کا پیدا ہو جانا کچھ زیادہ محل تعجب نہیں۔ امام موصوف کا ان دونوں کتابوں میں طرز عمل یہ ہے کہ وہ ہر باب میں اولاً اس کتاب کی روایتیں نقل کرتے ہیں پھر بالالتزام ان روایات کے متعلق اپنا اور اپنے استاد امام ابو حنیفہ کا مذہب بیان کرتے ہیں اور اگر اصل کتاب کی کسی روایت پر ان کا عمل نہیں ہوتا تو اس کو نقل کرنے کے بعد اس پر عمل نہ کرنے کے وجوہ و دلائل بالتفصیل لکھتے ہیں، اور اسی ذیل میں کتاب الآثار اور موطا دونوں کتابوں میں بہت سی حدیثیں اور آثار امام ابو حنیفہ اور امام مالک کے علاوہ دیگر شیوخ سے بھی منقول ہیں اس بناء پر بادی النظر میں یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ دونوں کتابیں خود امام محمد ہی کی تصنیف کردہ ہیں، ۵۶ حالانکہ واقع میں ایسا نہیں بلکہ کتاب الآثار، امام

---

۵۱ بستان المحدثین ص ۲۷ و ۲۸ طبع محمدی لاہور۔ ۵۲ سیرۃ النعمان ص ۱۱۹ طبع مفید عام آگرہ ۱۸۹۲ء۔ ۵۳ حیات امام مالک ص ۹۰ طبع معارف اعظم گڑھ ۱۳۴۰ھ۔ ۵۴ انسان العین ص ۱۶ طبع احمدی دہلی۔ ۵۵ مصفی ص ۸۔

۵۶ مولانا شبلی نعمانی کتاب الآثار کے متعلق اور ملا علی قاری نے موطا کے متعلق اس بارے میں جو کچھ لکھا ہے اس کو پڑھ کر آپ کو اس غلط فہمی کی وجہ خود معلوم ہو جائے گی، مولانا شبلی لکھتے ہیں

"خوارزمی نے آثار امام محمد کو بھی امام کی مسانید میں داخل کیا ہے۔ (باقی حاشیہ بر صفحہ آئندہ)

ابوحنیفہ کی اور موطا امام مالک کی تصنیف ہے اور امام محمد ان دونوں حضرات سے ان کے راوی ہیں لیکن چونکہ امام ممدوح نے ان کتابوں کی روایت میں امور مذکورہ بالا کا اہتمام رکھا ہے اس بنا پر ان کی افادیت بہت زیادہ بڑھ گئی اور ان کا تداول اس درجہ عام ہوگیا کہ بجائے اصل مصنف کے خود ان کی طرف کتاب کا انتساب ہونے لگا اور کتاب الآثار امام محمد اور موطا امام محمد کہا جانے لگا اس لئے ان حضرات کو بھی یہ غلط فہمی ہوگئی جس کی اصل وجہ ان دونوں کتابوں کے بقیہ نسخوں پر عدم اطلاع ہے۔

کتاب الآثار کے نسخے موطا اور دیگر کتب حدیث کی طرح اس کتاب کے بھی متعدد نسخے ہیں جس کے راوی حسب ذیل حضرات ہیں:۔

۱۔ **امام زفر بن الہذیل**۔ ان کے نسخے کا ذکر حافظ امیر بن ماکولا المتوفی ۴۷۵ھ نے الاکمال کے باب الجصینی والحصینی میں کیا ہے چنانچہ احمد بن بکر کے تذکرہ میں لکھتے ہیں

احمد بن بکر بن سیف ابوبکر الجصینی ثقۃ یمیل میل اھل النظر، روی عن ابی وھب عن زفر بن الھذیل عن ابی حنیفۃ کتاب الآثار۔	احمد بن بکر سیف ابوبکر جصینی ثقہ ہیں اہل نظر یعنی فقہاء حنفیہ کی طرف میلان رکھتے ہیں اور امام ابوحنیفہ سے کتاب الآثار کو بواسطہ امام زفر بن الہذیل ان کے شاگرد ابو وہب سے روایت کرتے ہیں۔

الاکمال ابن ماکولا کا قلمی نسخہ کتب خانہ ریاست ٹونک اور کتب خانہ آصفیہ حیدرآباد دکن میں ہماری نظر سے گزرا ہے مطبوعہ کتابوں میں بعینہٖ یہی مضمون حافظ ابوسعد سمعانی شافعی کی کتاب الانساب میں جو لائڈن یورپ میں طبع ہوچکی ہے جصینی نسبت کے ضمن میں مذکور ہے اور حافظ عبدالقادر قرشی نے بھی

(بقیہ حاشیہ از صفحہ گذشتہ) بے شبہ اس کتاب میں اکثر روایتیں امام صاحب ہی سے ہیں اس لئے ناظرین کو اختیار ہے کہ اس کو امام ابوحنیفہ کا مسند کہیں یا آثار امام محمد کے نام سے پکاریں لیکن یاد رہے کہ امام محمد نے اس کتاب میں بہت سی آثار اور حدیثیں دوسرے شیوخ سے بھی روایت کی ہیں اس لحاظ سے اس مجموعہ کا انتساب امام محمد کی طرف زیادہ موزوں ہے۔" (سیرۃ النعمان ص ۲۷)۔

اور ملا علی قاری، موطا امام محمد کی شرح میں لکھتے ہیں،

وقد وجدت بخط استاذی المرحوم الشیخ عبداللہ السندی فی ظہر ھذا الکتاب انہ موطا مالک بن انس بروایۃ محمد بن الحسن، وھو مشکل اذ یروی الامام محمد فیہ من غیر الامام مالک ایضا کالامام ابی حنیفۃ وامثالہ ولعلہ نظرا الی الاغلب۔	میں نے اپنے استاذ مرحوم شیخ عبداللہ سندی کے قلم سے اس کتاب کی پشت پر یہ لکھا ہوا پایا کہ یہ موطا مالک بن انس بروایت محمد بن الحسن ہے، اور یہ مشکل ہے کیونکہ امام محمد اس کتاب میں امام مالک کے علاوہ دیگر شیوخ سے بھی جیسے کہ امام ابوحنیفہ اور ان کے امثال ہیں روایت کرتے ہیں اور شاید استاذ مرحوم کا یہ فرمانا اس کی اغلب روایات کے اعتبار سے ہو۔

ملا علی قاری کی شرح موطا محمد کے قلمی نسخے ہندو پاکستان کے متعدد کتب خانوں میں ہماری نظر سے گزرے ہیں۔ ملاحظہ فرمایا آپ نے مولانا شبلی نعمانی کو جو اشکال کتاب الآثار امام محمد کے امام ابوحنیفہ کی طرف انتساب میں ہے وہی اشکال ملا علی قاری کو موطا امام محمد کے امام مالک کی طرف منسوب کرنے میں ہے۔

الجواہر المضیہ فی طبقات الحنفیہ میں احمد بن بکر مذکور کے ترجمہ میں یہی تحریر کیا ہے۔

امام زفر سے کتاب الآثار کی روایت ان کے تین شاگردوں نے کی ہے جنھوں نے اس کا امام ممدوح سے علیحدہ علیحدہ سماع کیا تھا۔ ایک یہی ابو وہب محمد بن مزاحم مروزی، دوسرے شداد بن حکیم بلخی جن کے نسخہ سے جامع مسانید الامام الاعظم للخوارزمی میں مسند ابن خسرو وغیرہ کے حوالہ سے بکثرت روایتیں منقول ہیں اور تیسرے حکم بن ایوب۔ پہلے دو نسخوں کا ذکر محدث حاکم نیشاپوری نے بھی اپنی مشہور کتاب معرفۃ علوم الحدیث میں بایں الفاظ کیا ہے،

نسخۃ لزفر بن الھذیل الجعفی تفرد بھا عنہ شداد بن حکیم البلخی ونسخۃ ایضا لزفر بن الھذیل الجعفی تفرد بھا ابو وھب محمد بن مزاحم المروزی، [1]

زفر بن الہذیل جعفی کا ایک نسخہ ہے جس کو ان سے صرف شداد بن حکیم بلخی روایت کرتے ہیں، اور زفر ہی کا ایک اور نسخہ ہے جس کو ان سے صرف ابو وہب محمد بن مزاحم مروزی روایت کرتے ہیں۔ [2]

تیسرے نسخہ کا ذکر حافظ ابو الشیخ بن حیان نے اپنی کتاب طبقات المحدثین باصبہان والواردین علیہا میں احمد بن رستہ کے ترجمہ میں کیا ہے چنانچہ ان کے الفاظ یہ ہیں:

احمد بن رستہ بن بنت محمد بن المغیرۃ کان عندہ السنن عن محمد عن الحکم بن ایوب عن زفر عن ابی حنیفۃ۔

احمد بن رستہ جو محمد بن المغیرہ کے نواسے ہیں ان کے پاس سنن تھی جس کو وہ اپنے نانا محمد سے وہ حکم بن ایوب سے وہ زفر سے اور وہ امام ابو حنیفہ سے اس کو روایت کرتے تھے۔

حافظ ابو الشیخ نے یہاں کتاب الآثار کو السنن کے نام سے ذکر کیا ہے اور چونکہ وہ ہر راوی کے ترجمہ میں اس کی روایت سے ایک دو حدیثیں بھی ذکر کرتے ہیں اس لئے دو حدیثیں اس نسخہ سے بھی اپنی کتاب میں درج کی ہیں۔ اسی طرح حافظ ابو نعیم اصفہانی نے بھی تاریخ اصبہان میں اس نسخہ کی روایتیں نقل کی ہیں امام طبرانی کی المعجم الصغیر (ص ۳۳) میں بھی اس نسخہ کی ایک حدیث مروی ہے۔

۲۔ امام ابو یوسف: ان کے نسخہ کا ذکر حافظ عبد القادر قرشی نے الجواہر المضیہ میں کیا ہے چنانچہ امام یوسف بن ابی یوسف کے ترجمہ میں لکھتے ہیں:

روی "کتاب الآثار" عن ابیہ عن ابی حنیفۃ وھو مجلد ضخم

یہ اپنے والد کی سند سے امام ابو حنیفہ سے کتاب الآثار کی روایت کرتے ہیں جو ایک ضخیم جلد میں ہے۔

اللہ تعالیٰ جزائے خیر دے مولانا ابو الوفا قندہاری صدر مجلس احیاء المعارف النعمانیہ حیدرآباد دکن کو کہ انھوں نے بڑی تلاش اور محنت سے اس نسخہ کو فراہم کرکے تصحیح و تحشیہ کے اہتمام کے ساتھ نہایت عمدہ کاغذ پر ۱۳۵۵ ہجری میں اسے مصر میں طبع کرا کر شائع کیا۔

امام ابو یوسف سے بھی کتاب الآثار کے اس نسخہ کو دو شخص روایت کرتے ہیں ایک ان کے صاحبزادے

---

[1] معرفۃ علوم الحدیث ص ۱۶۴ طبع دار الکتب المصریہ ۱۹۳۷ء۔ [2] اس کتاب کا قلمی نسخہ کتب خانہ آصفیہ حیدرآباد دکن میں میری نظر سے گذرا ہے۔

امام ابو یوسف مذکور اور دوسرے عمرو بن ابی عمرو، محدث خوارزمی نے عمرو کی روایت کو جامع مسانید میں نسخہ ابی یوسف سے موسوم کیا ہے۔ خوارزمی نے جامع مسانید کے باب ثانی میں اس نسخہ کی اسناد بھی امام ابو یوسف تک نقل کردی ہے۔

۳۔ امام محمد بن حسن شیبانی، ان کا نسخہ، کتاب الآثار کے سب نسخوں میں زیادہ متداول زیادہ مشہور اور زیادہ مقبول ہے، اسی کے متعلق حافظ ابن حجر عسقلانی، تعجیل المنفعۃ بزوائد رجال الاربعہ کے مقدمہ میں لکھتے ہیں:

والموجود من حدیث ابی حنیفۃ مفردا انما هو کتاب الآثار التی رواها محمد بن الحسن عنہ

امام ابو حنیفہ کی حدیث میں مستقل طور پر جو کتاب موجود ہے وہ کتاب الآثار ہے جسکو امام محمد بن الحسن نے ان سے روایت کیا

حافظ ابن حجر عسقلانی اور حافظ قاسم بن قطلوبغا نے اس کے رجال پر مستقل کتابیں تصنیف کی ہیں، حافظ ابن حجر کی کتاب کا نام الایثار بمعرفۃ رواۃ الآثار ہے، اس کا قلمی نسخہ میرے پاس بھی موجود ہے، صاحب کشف الظنون نے لکھا ہے کہ کتاب الآثار امام محمد پر امام طحاوی نے شرح لکھی ہے علامہ مرادی نے بھی سلک الدرر فی اعیان القرن الثانی عشر میں شیخ ابو الفضل نور الدین علی بن مراد موصلی عمری شافعی المتوفی ۱۱۴۷ھ کے ترجمہ میں ان کی شرح کتاب الآثار امام محمد کا ذکر کیا ہے، خود ہم نے بھی اس کے رجال پر مستقل کتاب لکھی ہے اور اس نسخہ کی احادیث کو مسانید صحابہ پر مرتب کیا ہے اور اگر اللہ نے توفیق دی تو اس پر ایک مبسوط اور محققانہ شرح لکھنے کا ارادہ ہے۔

امام محمد سے بھی اس نسخہ کو ان کے کئی شاگردوں نے روایت کیا ہے، مطبوعہ نسخہ امام ابو حفص کبیر اور امام ابو سلیمان جوزجانی کا روایت کردہ ہے، ان دونوں حضرات کے علاوہ امام ممدوح کے ایک اور شاگرد عمرو بن ابی عمرو بھی ان سے اس کتاب کو روایت کرتے ہیں اور خوارزمی نے جامع مسانید میں اسی کو نسخۂ امام محمد سے موسوم کیا ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اس نسخہ میں عمرو نے صرف حدیثیں ہی روایت کی ہیں اور فتاوی تابعین کو نقل نہیں کیا ہے اور غالباً اسی لئے اس کو مسند ابی حنیفہ کہا جاتا ہے۔

۴۔ امام حسن بن زیاد لؤلؤی، ان کے نسخہ کا ذکر حافظ ابن حجر عسقلانی نے لسان المیزان میں کیا ہے چنانچہ محمد بن ابراہیم بن جیش بغوی کے ترجمہ میں لکھتے ہیں:

محمد بن ابراهیم بن جیش البغوی روی عن محمد بن شجاع الثلجی عن الحسن بن زیاد عن ابی حنیفۃ کتاب الآثار۔ [۱]

محمد بن ابراہیم بن جیش بغوی، محمد بن شجاع ثلجی سے وہ حسن بن زیاد سے اور وہ امام ابو حنیفہ سے کتاب الآثار کو روایت کرتے ہیں۔

---

[۱] واضح رہے کہ لسان المیزان کے مطبوعہ نسخہ میں یہ عبارت اس طرح مرقوم ہے: محمد بن ابراهیم بن حسن البغوی روی عن محمد بن نجیح البلخی عن الحسن بن زیاد عن محمد بن الحسن عن ابی حنیفۃ کتاب الآثار، لیکن اس میں اسماء کے اندر بڑی تصحیف ہوگئی ہے "بن جیش البغوی" کی بجائے "حسن البغوی" غلط چھپ گیا ہے اور "بن شجاع الثلجی" کی جگہ "بن نجیح البلخی" طبع ہوگیا ہے۔ اسی طرح "عن الحسن بن زیاد عن ابی حنیفہ" کے درمیان (باقی بر صفحہ آئندہ)

کتاب الآثار کے تمام نسخوں میں یہ نسخہ غالباً سب سے بڑا ہے کیونکہ امام حسن بن زیاد نے امام ابوحنیفہ کی احادیث مرویہ کی تعداد چار ہزار بیان کی ہے۔ چنانچہ امام حافظ ابویحیی زکریا بن یحیی نیشاپوری اپنی اسناد کے ساتھ امام لولوی سے ناقل ہیں کہ

کان ابوحنیفۃ یروی اربعۃ آلاف حدیث الفین لحماد والفین لسائر المشیخۃ۔ [1]	امام ابوحنیفہ چار ہزار احادیث روایت فرماتے تھے، دو ہزار حماد سے اور دو ہزار باقی مشائخ سے۔

اس بنا پر قرینِ قیاس یہی ہے کہ امام لولوی نے امام اعظم سے یہ سب حدیثیں سنی ہونگی اور ان کو اپنے نسخہ میں روایت کیا ہوگا۔ محدث علی بن عبدالمحسن دوالیبی حنبلی نے اپنے ثبت میں اس نسخہ سے ساٹھ حدیثیں نقل کی ہیں جن کو محدث کوثری نے الامتاع بسیرۃ الامامین الحسن بن زیاد وصاحبہ محمد بن شجاع میں نقل کر دیا ہے۔

محدث خوارزمی نے جامع مسانید میں اس نسخہ کو مسند ابی حنیفہ للحسن بن زیاد سے موسوم کیا ہے اور کتاب مذکور کے باب ثانی میں اس نسخہ کی اسناد بھی امام لولوی تک نقل کر دی ہے، خوارزمی کی طرح دیگر محدثین بھی اس کو مسند ابی حنیفہ ہی کے نام سے روایت کرتے ہیں، خود حافظ ابن حجر عسقلانی کی مرویات میں بھی یہ نسخہ موجود تھا۔ اس نسخہ کی اسانید واجازات کو محدث علی بن عبدالمحسن الدوالیبی الحنبلی نے اپنے ثبت میں اور حافظ ابن طولون نے الفہرست الاوسط میں اور حافظ محمد بن یوسف دمشقی مصنف سیرۃ شامیہ نے عقود الجمان میں اور محدث ایوب خلوتی نے اپنے ثبت میں اور خاتمۃ الحفاظ ملا محمد عابد سندی نے حصر الشارد فی اسانید الشیخ محمد عابد میں تفصیل کے ساتھ ذکر کیا ہے اور علامہ محدث محمد زاہد کوثری نے ان سب کو الامتاع میں جمع کر دیا ہے جو ۱۳۶۸ھ میں مصر سے چھپ کر شائع ہو چکی ہے۔

حافظ ابن القیم کی اعلام الموقعین کے مطالعہ سے پتہ چلتا ہے کہ یہ نسخہ ان کے بھی پیش نظر تھا چنانچہ انھوں نے اس نسخہ سے حسب ذیل حدیث نقل کی ہے۔

قال الحسن بن زیاد اللؤلؤی ثنا ابوحنیفۃ قال کنا عند محارب بن دثار ......

.... وکان متکئا فاستوی جالسا ثم قال سمعت ابن عمر یقول سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

(بقیہ از صفحہ گذشتہ) "عن محمد بن الحسن" کا اضافہ اگر اصل منقول عنہ میں موجود ہے تو یقیناً غلط ہے۔ بہر حال مطبع کے مصححین نے یہاں تصحیح کا اہتمام نہیں کیا، قلمی نوشتوں کے پڑھنے میں اسماء کی غلطی تو بالکل معمولی بات ہے اور حافظ ابن حجر عسقلانی کے متعلق تو مشہور ہے کہ وہ نہایت بدخط تھے خود ہم نے حافظ صاحب کے قلم کا لکھا ہوا اتحاف المہرہ کا نسخہ دیکھا ہے واقعی ان کے نوشتہ کو صحیح پڑھ لینا ہر شخص کا کام نہیں ہے محمد بن ابراہیم بن جیش البغوی اور امام محمد بن شجاع الثلجی دونوں نہایت مشہور ومعروف عالم ہیں، حافظ خطیب بغدادی نے ان دونوں کا مفصل تذکرہ تاریخ بغداد میں لکھا ہے اور چونکہ یہ دونوں حنفی ہیں اس لئے وہ اپنی عادت کے مطابق ان دونوں کے خلاف تعصب کا اظہار کئے بغیر نہ رہ سکے۔

(حاشیہ صفحہ ھذا) [1] مناقب الامام الاعظم انصدر الائمہ ج ۱ ص ۹۶۔

یقول لیاتین علی الناس یوم تشیب فیہ الولدان وتضع الحوامل مافی بطونہا الحدیث[۵۱]

ان حضرات کے علاوہ اور بھی بہت سے ائمہ نے امام اعظم سے کتاب الآثار کو روایت کیا ہے جن میں سے امام ممدوح کے صاحبزادے حماد بن ابی حنیفہ اور محدث محمد بن خالد وہبی کے نسخوں سے جامع مسانید میں بھی حدیثیں منقول ہیں، خوارزمی نے ان دونوں نسخوں کا ذکر مسند ابی حنیفہ کے نام سے کیا ہے اور کتاب مذکور کے باب ثانی میں اپنی اسناد بھی ان دونوں حضرات تک نقل کر دی ہے۔

یہ بھی واضح رہے کہ خوارزمی نے چونکہ ان نسخوں کو مسند کہا ہے اس لئے بعد کے اکثر مصنفین بھی ان کو مسند ہی کے نام سے ذکر کرنے لگے۔ متقدمین میں دستور تھا کہ وہ ایک کتاب کو متعدد ناموں سے موسوم کرتے تھے مثلاً دارمی کی تصنیف کو مسند دارمی بھی کہتے ہیں اور سنن دارمی بھی، یا ترمذی کی کتاب سنن بھی کہلاتی ہے اور جامع بھی، اسی طرح کتاب الآثار کے ان نسخوں کو کبھی علماء نے مسند کے نام سے ذکر کیا ہے اور کبھی سنن کے نام سے اور کبھی کتاب الآثار کے نام سے اور کبھی صرف نسخہ ہی لکھدیا ہے لیکن اس مجموعہ کا اصل نام کتاب الآثار ہی ہے چنانچہ ملک العلماء امام علاء الدین کاشانی نے بھی بدائع الصنائع میں اس کتاب کا ذکر آثار ابی حنیفہ ہی کے نام سے کیا ہے۔[۵۲]

موطا، کتاب الآثار کے بعد حدیث کا دوسرا صحیح مجموعہ[۵۳] جو اس وقت امت کے ہاتھوں میں موجود ہے وہ امام دار الہجرۃ مالک بن انس کی مشہور تصنیف موطا ہے جو اہل مدینہ کی روایات وفتاوے کا بہترین انتخاب ہے، سابق میں گزر چکا ہے کہ امام مالک نے اس کتاب کی ترتیب وتدوین میں امام ابو حنیفہ کا تتبع کیا ہے چنانچہ کتاب الآثار کی طرح موطا میں بھی احادیث صحیحہ کو مبدأ اول اور آثار صحابہ وتابعین کو

---

۵۱ اعلام الموقعین ج ۱ ص ۳۰ طبع اشرف المطابع دہلی ۱۳۱۳ھ۔ ۵۲ بدائع الصنائع فی ترتیب الشرائع ج ۱ ص ۲۲۰ طبع مصر۔ ۵۳ اور حیات امام مالک میں جو یہ مرقوم ہے کہ

"موطا کو سب سے بڑا شرف یہ حاصل ہے کہ یہ اسلام کی پہلی کتاب ہے ....

... کشف الظنون میں ہے کہ اول کتاب وضع فی الاسلام موطا مالک بن انس (سب سے پہلی کتاب جو اسلام میں لکھی گئی وہ موطا ہے) قاضی ابو بکر بن عربی المتوفی ۵۴۳ھ موطا کی شرح میں لکھتے ہیں ھذا اول کتاب الف فی شرائع الاسلام (یہ پہلی کتاب ہے جو شریعت اسلامیہ میں لکھی گئی ہے) حضرت سفیان کہتے ہیں اول من صنف الصحیح مالک والفضل للمتقدم (سب سے پہلے مالک نے صحیح تصنیف کی)" (ص ۹۳ طبع معارف پریس اعظم گڈھ ۱۳۴۰ھ)

سو تاریخی طور پر صحیح نہیں، کشف الظنون کی مذکورہ عبارت باوجود تلاش کے ہمیں نہ مل سکی، حضرت سفیان سے جو نقل کیا گیا ہے وہ بلا حوالہ ہے یہ الفاظ سفیان کے نہیں مغلطائی کے ہیں۔ قاضی ابو بکر بن العربی کی تصریح البتہ کشف الظنون میں موجود ہے اور غالباً وہیں سے اس کو نقل کیا گیا ہے لیکن قاضی صاحب نے اس بارے میں جو کچھ لکھا ہے وہ اپنی معلومات کے اعتبار سے لکھا ہے کیونکہ ان کو کتاب الآثار کا علم نہ تھا اور یہ کچھ محل تعجب نہیں بہت سی مشہور کتابیں ہیں جن کے متعلق بعض اکابر اہل علم کو سرے سے اطلاع نہ ہو سکی۔ حافظ ابو سعید علائی کا خیال ہے کہ حافظ ابو علی نیشاپوری جو علل حدیث کے مشہور امام خیال کئے جاتے ہیں صحیح بخاری سے واقف نہ تھے، اسی طرح علامہ ابن حزم کو جامع ترمذی اور سنن ابن ماجہ سے واقفیت نہ تھی۔

مبلائے ثانی قرار دیا گیا ہے۔ شاہ ولی اللہ صاحب مصفی شرح موطا میں فرماتے ہیں:۔

بایددانست کہ استدلال بحدیث آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم چہ مسند وچہ مرسل وموقوف حضرت عمرو عمل عبداللہ بن عمر واخذ بفتاوے صحابہ وتابعین مدینہ خصوصاً کہ جمیع مجتمع شدہ باشند اصل مذہب مالک است۔ ؎۱

جاننا چاہیے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حدیث سے خواہ وہ مسند ہو یا مرسل نیز حضرت عمرؓ کے اثر اور عبداللہ بن عمر کے عمل سے استدلال کرنا اور صحابہ اور تابعین مدینہ کے فتاویٰ سے اخذ کرنا خصوصاً جبکہ ان تابعین کی ایک جماعت کسی مسئلہ پر متفق ہو امام مالک کے مذہب کا اصول ہے۔

اور حافظ ابن حجر عسقلانی، مقدمہ فتح الباری میں لکھتے ہیں:

فصنف الامام مالک الموطا وتوخی فیہ القوی من حدیث اھل الحجاز ومزجہ باقوال الصحابۃ وفتاوی التابعین ومن بعدھم۔ ؎۲

پھر امام مالک نے موطا تصنیف کی اور حدیث اہل حجاز میں سے قوی روایت کو تلاش کرکے اس کے ساتھ صحابہ کے اقوال اور تابعین وعلماء مابعد کے فتاوے کو بھی درج کیا۔

موطا کو امت میں جو قبول عام حاصل ہے وہ محتاج بیان نہیں۔ حافظ ذہبی نے بالکل صحیح کہا ہے کہ

ان للموطا لوقعاً فی النفوس ومھابۃ فی القلوب لایوازیھا شئ ؎۳

بلاشبہ موطا کی دلوں میں جو وقعت اور قلوب میں جو ہیبت ہے اس کا کوئی چیز مقابلہ نہیں کرسکتی۔

حافظ ابن حبان، کتاب الثقات میں لکھتے ہیں:

کان مالک اول من انتقی الرجال من الفقھاء بالمدینۃ واعرض عمن لیس بثقۃ فی الحدیث ولم یکن یروی الاما صح ولایحدث الا عن ثقۃ، ؎۴

امام مالک، فقہاء مدینہ میں پہلے شخص ہیں جنھوں نے رواۃ کے بارے میں تحقیق سے کام لیا اور جو شخص حدیث میں ثقہ نہ تھا اس سے اعراض فرمایا وہ صحیح روایات کے علاوہ نہ کوئی اور چیز روایت کرتے اور نہ کسی غیر ثقہ سے حدیث بیان کرتے تھے۔

محدثین کو موطا کی صحت کا اس درجہ یقین ہے کہ امام ابوزرعہ رازی فرماتے ہیں:۔

لوحلف رجل بالطلاق علی احادیث مالک فی الموطا انھا صحاح لم یحنث۔ ؎۵

اگر کوئی شخص اس بات پر طلاق کا حلف اٹھائے کہ موطا میں امام مالک کی جو حدیثیں ہیں وہ صحیح ہیں تو وہ حانث نہیں ہوگا

نواب صدیق حسن خاں، اتحاف النبلاء المتقین باحیاء ماثر الفقہاء المحدثین میں ابوزرعہ کے اس قول کو نقل کرکے لکھتے ہیں:۔

"وایں وثوق واعتماد بر کتب دیگر نیست" ؎۶

اور امام شافعی فرماتے ہیں:

ماعلی ظھر الارض کتاب بعد کتاب اللہ اصح

روئے زمین پر کتاب اللہ کے بعد مالک کی کتاب سے صحیح تر

؎۱ مصفی ج ۱ ص ۱۷۔ ؎۲ ہدی الساری لفتح الباری ج ۱ ص ۴ طبع میریہ ۱۳۰۱ھ۔ ؎۳ مقدمہ التعلیق الممجد علی موطا الامام محمد، بحوالہ سیر النبلاء ذہبی۔ ؎۴ تہذیب التہذیب ترجمہ امام مالک۔ ؎۵ تزیین الممالک بمناقب الامام مالک از سیوطی ص ۴۴ طبع خیریہ مصر ۱۳۲۵ھ۔ ؎۶ اتحاف النبلاء ص ۱۶۵ طبع نظامی کانپور ۱۲۸۸ھ۔

من كتاب مالك. ـلـه	کوئی کتاب نہیں۔

اگرچہ خود علماء شوافع ہی میں کچھ لوگ ایسے بھی ہیں جو یہ کہتے ہیں کہ

انما قال ذلك قبل وجود كتابي البخاري ومسلم ـ۲ـ	امام موصوف کا یہ فرمانا امام بخاری اور امام مسلم کی کتابوں کے عالم وجود میں آنے سے پہلے تھا۔

لہٰذا اب صحیحین کے علاوہ اور کسی کتاب کے متعلق اس قسم کا دعویٰ کرنا صحیح نہیں[3] اور صحیحین میں بھی ان لوگوں کے خیال میں اصحیت کے اعتبار سے صحیح بخاری کا جو مقام ہے وہ صحیح مسلم کا نہیں ہے۔ ان لوگوں کے شبہ کا اصل منشاء یہ ہے کہ موطا میں مرسل، منقطع اور بلاغات ہیں جو صحیح کے لئے قادح ہیں لیکن حافظ مغلطائی فرماتے ہیں کہ

لا فرق بين الموطا والبخاري في ذلك لوجوده ايضاً في البخاري من التعاليق ونحوها. ـ۴ـ	اس بارے میں موطا اور بخاری میں کوئی فرق نہیں کیونکہ یہ چیزیں تو بخاری میں بھی ہیں چنانچہ اس میں بھی تعلیقات اور اسی قسم کی چیزیں موجود ہیں۔

حافظ ابن حجر عسقلانی، امام مغلطائی کے اس اعتراض کا یہ جواب دیتے ہیں کہ

والفرق بين ما فيه من المنقطع وبين ما في البخاري ان الذي في الموطا هو كذلك مسموع لمالك غالباً وهو حجة عنده والذي في البخاري قد حذف اسناده عمداً لاغراض قررت في التعاليق. ـ۵ـ	موطا اور بخاری دونوں کی منقطع روایات میں فرق یہ ہے کہ موطا میں اس قسم کی جو روایتیں ہیں ان میں سے اکثر کا سماع امام مالک نے اسی طرح (بصورت انقطاع ہی) کیا ہے اور یہ ان کے نزدیک حجت ہے لیکن بخاری میں اس قسم کی جو روایتیں ہیں ان کی اسناد ان وجوہ کی بناء پر جن کی تعلیقات کے سلسلہ میں تشریح کی گئی عمداً حذف کی گئی ہے۔ ـ۶ـ

اس پر علامہ صالح فلانی محدث نے الفیہ سیوطی کے حواشی پر لکھا ہے کہ

وفيما قاله الحافظ من الفرق بين بلاغات الموطا ومعلقات البخاري نظر فلو امعن النظر في الموطا كما امعن النظر	حافظ ابن حجر نے بلاغات موطا اور تعلیقات بخاری میں جو فرق بیان کیا ہے وہ محل نظر ہے اگر حافظ صاحب موطا کا بھی اسی طرح گہری نظر سے مطالعہ کرتے جس طرح کہ انہوں نے

ـلـه تزیین الممالک ص ۴۳۔ ـ۲ـ مقدمہ ابن صلاح طبع حلب ۱۳۵۰ھ۔ ـ۳ـ اس میں شک نہیں امام شافعی کا یہ قول صحیح بخاری اور صحیح مسلم کے وجود سے پیشتر تھا لیکن حافظ ابو زرعہ تو امام بخاری اور امام مسلم کے ہم زمان ہیں اور ان دونوں کی کتابوں سے بخوبی واقف ہیں تاہم ان کو موطا کی احادیث کی صحت پر اس شدت سے اصرار ہے جو ابھی آپ کی نظر سے گزرا، حالانکہ صحیح مسلم کے بہت سے رواۃ اور روایات پر ان کی کڑی تنقید تاریخ ورجال کی کتابوں میں مذکور ہے۔ یہ تنقید اس درجہ وزنی تھی کہ خود امام مسلم کو بھی اس کے متعلق معذرت ہی سے کام لینا پڑا تھا۔
ـ۴ـ ـ۵ـ تزیین الممالک ص ۴۷۔ ـ۶ـ لیکن یہ نری احتمال آفرینی ہے اور معترض کو گنجائش ہے وہ یہی بات خود تعلیقات بخاری کے متعلق بھی کہہ سکے کیونکہ موطا کی منقطع روایتیں تو متصلاً ثابت ہیں مگر تعلیقات بخاری میں بہت سی ایسی روایات موجود ہیں کہ جن کی اسانید پر خود حافظ صاحب کو بھی اطلاع نہ ہو سکی۔

في البخاري لعله انه لا فرق بينهما وما ذكره من ان مالكا سمعها كذلك فغير مسلم لانه يذكر بلاغا في رواية يحيى مثلا او مرسلا فيرويه غيره عن مالك موصولا مسندا۔ ؎

صحیح بخاری کا کیا ہے تو انہیں معلوم ہو جاتا کہ واقعی ان دونوں کتابوں میں کچھ فرق نہیں ہے اور یہ جو وہ فرماتے ہیں کہ امام مالک نے ان روایات کا اسی شکل میں سماع کیا ہے سو مسلم نہیں کیونکہ موطا کی ایک حدیث مثلاً یحییٰ کی روایت میں اگر بلاغاً یا مرسلاً مذکور ہوتی ہے تو دوسرے لوگ اسی حدیث کو امام مالک سے موصولاً و مسنداً بھی روایت کرتے ہیں۔

فتح الباری کے مقدمہ میں حافظ ابن حجر نے اسی سلسلہ میں حسب ذیل تقریر کی ہے۔

• بعض ائمہ نے امام مالک کی کتاب سے امام بخاری کی کتاب کے اصح بتانے کو مشکل قرار دیا ہے کیونکہ صحت کو مشروط رکھنے اور انتہائی احتیاط اور وثوق سے کام لینے میں دونوں شریک ہیں۔ رہی یہ بات کہ صحیح بخاری میں حدیثیں زیادہ ہیں سو یہ چیز صحت کی افضلیت کو مستلزم نہیں۔

اور اس اشکال کا جواب یہ ہے کہ بخاری کی اصحیت دراصل اشتراط صحت ہی کی بنا پر ہے۔ امام مالک چونکہ انقطاع اسناد کو قادح صحت نہیں خیال کرتے اسلئے وہ مراسیل، منقطعات اور بلاغات کی تخریج اصل موضوع کتاب میں کرتے ہیں اور امام بخاری انقطاع کو علت قادحہ سمجھتے ہیں لہذا وہ ایسی روایات کو اصل موضوع کتاب کی بجائے اور سلسلہ میں لاتے ہیں جیسے کہ تعلیقات و تراجم ہیں؛ اور اس میں شک نہیں کہ منقطع روایات اگرچہ ایک قوم کے نزدیک قابل احتجاج ہے مگر پھر بھی اس کی بہ نسبت متصل روایت جبکہ دونوں کے رواۃ عدالت اور حفظ میں مشترک ہوں زیادہ قوی ہے۔

پس اس سے بخاری کی کتاب کی فضیلت عیاں ہوئی۔ نیز یہ بھی معلوم ہوا کہ امام شافعی نے جو موطا کو صحت میں افضل بتایا ہے وہ ان مجموعوں کے لحاظ سے تھا کہ جو ان کے زمانے میں موجود تھے جیسے کہ جامع سفیان ثوری اور مصنف حماد بن سلمہ وغیرہ اور ان مجموعوں پر موطا کی تفضیل بلا کسی نزاع کے مسلم ہے۔" ؎

لیکن حافظ صاحب کی یہ تقریر اگر ان دونوں کتابوں کے محض ظاہری تقابل کے اعتبار سے ہے تو بیشک صحیح ہے ورنہ حقیقت کی رو سے موطا کے تمام مراسیل، منقطعات اور بلاغات متصل، مرفوع اور مسند ہیں چنانچہ علامہ صالح فلانی لکھتے ہیں کہ

ان ابن عبد البر ذكر جميع بلاغاته و مراسيله ومنقطعاته كلها موصولة بطرق صحاح الا اربعة وقد وصل ابن الصلاح الاربعة بتاليف مستقل وهو عندي عليه

ابن عبد البر نے بجز چار روایتوں کے موطا کے تمام بلاغات مراسیل اور منقطعات کو باسانید صحیحہ موصولاً ذکر کیا ہے، اور ان چار کے اتصال پر بھی ابن صلاح نے ایک مستقل تالیف کی ہے جو میرے پاس موجود ہے اور اس پر خود ان کے قلم کی

؎ الرسالۃ المستطرفہ لبیان مشہور کتب السنۃ المشرفہ از محمد بن جعفر کتانی ص ۵، طبع بیروت ۱۳۳۲ھ۔
؎ ہدی الساری مقدمہ فتح الباری ج ۱ ص ۸۔

خطه فظهر بهذا انه لافرق بین الموطأ والبخاری۔ سلہ
تحریر بھی ہے لہذا اس سے ظاہر ہوگیا کہ موطا اور بخاری میں کچھ فرق نہیں ہے۔

لیکن صرف اتنا ہی نہیں کہ صحت کے لحاظ سے ان دونوں کتابوں میں کچھ فرق نہیں بلکہ بعض وجوہ سے موطا کو صحیحین پر ترجیح ہے۔

۱۔ موطا کی تصنیف کے وقت کبار تبع تابعین کا ایک گروہ کثیر موجود تھا، صحیحین کو یہ امتیاز حاصل نہیں۔

۲۔ سابق میں گزر چکا کہ امام ابوحنیفہ اور امام مالک کے نزدیک راوی کے لئے یہ ضروری ہے کہ وہ جس روایت کو بیان کرے اس کا حافظ بھی ہو لیکن امام بخاری و مسلم کے نزدیک یہ چیز مشروط نہیں۔

۳۔ امام مالک کی یہ خصوصیت ہے کہ وہ کسی بدعتی سے خواہ وہ کیسا ہی پاکباز اور راستباز ہو حدیث کی روایت کے روادار نہیں برخلاف اس کے صحیحین میں مبتدعین کی روایات (بشرطیکہ وہ ثقہ اور صادق اللہجہ ہوں) بکثرت موجود ہیں۔ محدث حاکم نیشاپوری، المدخل فی اصول الحدیث میں لکھتے ہیں:

"صحیح مختلف فیہ کی پانچویں قسم مبتدعہ اور اصحاب الاہواء کی روایات ہیں جو اکثر محدثین کے نزدیک مقبول ہیں جبکہ یہ لوگ سچے اور راستباز ہوں چنانچہ محمد بن اسمعیل بخاری نے جامع صحیح میں عباد بن یعقوب رواجنی سے حدیث بیان کی ہے اور ابوبکر محمد بن اسحٰق بن خزیمہ کہتے تھے۔

حدثنا الصدوق فی روایته المتهم فی دینه عباد بن یعقوب۔
ہم سے عباد بن یعقوب نے حدیث بیان کی جو اپنی روایات میں سچا اور دین میں متہم تھا۔

اسی طرح بخاری نے صحیح میں محمد بن زیاد الہانی، حریز بن عثمان رحبی سے احتجاج کیا ہے حالانکہ ان کے متعلق نصب کی شہرت تھی، نیز بخاری اور مسلم دونوں ابو معاویہ محمد بن خازم اور عبید اللہ بن موسیٰ سے احتجاج پر متفق ہیں حالانکہ یہ دونوں غالی مشہور تھے۔

لیکن مالک بن انس یہ کہتے تھے کہ اس بدعتی سے حدیث نہیں لی جائے گی جو لوگوں کو اپنی بدعت کی طرف دعوت دیتا ہو اور نہ اس شخص سے جو لوگوں سے گفتگو میں دروغ بیانی سے کام لے اگرچہ اس کے متعلق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر دروغ بیانی کا الزام نہ ہو۔" سلہ

شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلوی موطا کو حدیث کی تمام کتابوں میں مقدم اور افضل سمجھتے ہیں، انہوں نے اپنی مشہور کتاب مصفّٰی شرح موطا کے مقدمہ میں اس کی ترجیح کے دلائل اور وجوہ کو نہایت تفصیل کے ساتھ بیان فرمایا ہے لیکن اس سلسلہ میں محض تخمین وظن کی بنا پر شاہ صاحب کے قلم سے بعض باتیں ایسی بھی نکل گئی ہیں کہ جو خلاف واقع ہیں۔ سلہ

سلہ الرسالۃ المستطرفہ ص ۵۔ سلہ المدخل ص ۱۶ طبع حلب ۱۳۵۱ھ۔ سلہ مثلاً فضل مصنف کو بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:
باید دانست کہ امروز در دست مردمان ہیچ کتابے نیست کہ مصنف آں از تبع تابعین باشد غیر موطا (ص ۳)
جاننا چاہئے کہ آج لوگوں کے ہاتھ میں بجز موطا کے کوئی کتاب ایسی نہیں کہ جس کا مصنف تبع تابعین میں سے ہو
حالانکہ امام ابویوسف اور امام محمد دونوں تبع تابعین میں سے ہیں۔ (باقی حاشیہ بر صفحہ آئندہ)

موطا میں اگرچہ غیر مدنی شیوخ سے شاذ و نادر روایتیں ہیں تاہم اس کی "بلاغات" کے بارے میں حافظ جمال الدین مزی نے تہذیب الکمال میں عبداللہ بن ادریس کوفی المتوفی ۱۹۲ھ کے ترجمہ میں لکھا ہے کہ
"بیان کیا جاتا ہے کہ بلاغات کو امام مالک نے ابن ادریس سے سنا تھا۔"

(بقیہ حاشیہ از صفحہ گزشتہ) اور دونوں کی حدیث و فقہ میں متعدد تصانیف آج بھی لوگوں کے ہاتھ میں موجود ہیں اور بعض ان میں سے طبع ہو کر شائع بھی ہو چکی ہیں۔
اسی طرح ائمہ اربعہ کا موازنہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

بالجملہ ایں چار اماماں اند کہ علم را علم ایشاں احاطہ کردہ است۔ امام ابوحنیفہ و امام مالک و امام شافعی و امام احمد، ایں دو امام متاخر شاگرد امام مالک بودند و مستمدان از علم او، و در عصر تبع تابعین نبودند مگر ابوحنیفہ و امام مالک، آں یک شخصے است کہ رؤس محدثین مثل احمد و بخاری و مسلم و ترمذی و ابوداؤد و نسائی و ابن ماجہ و دارمی یک حدیث از وے در کتابہائے خود روایت نکردہ اند و رسم روایت حدیث از وے بطریق ثقات جاری نشد و آں دیگر شخصے است کہ اہل نقل اتفاق دارند بر آنکہ چوں حدیث بروایت او ثابت شوند اعلی صحت رسید۔
(ص ۶)

غرض یہ کل چار امام ہیں کہ جن کے علم نے دنیا کا احاطہ کر رکھا ہے، امام ابوحنیفہ، امام مالک، امام شافعی اور امام احمد یہ موخر الذکر دونوں امام، امام مالک کے شاگرد اور ان کے علم سے بہرہ مند تھے، اور تبع تابعین کے زمانہ میں صرف ابوحنیفہ اور امام مالک ہوئے ہیں، سو وہ (یعنی امام ابوحنیفہ) ایک ایسے شخص ہیں کہ جن سے سرآمد محدثین نے جیسے کہ احمد بخاری، مسلم، ترمذی، ابوداؤد، نسائی، ابن ماجہ اور دارمی ہیں ایک حدیث اپنی کتاب میں روایت نہیں کی اور حدیث کی روایت کا سلسلہ ان سے بطریق ثقات جاری نہیں ہوا۔ اور وہ دوسرے (یعنی امام مالک) ایک ایسے شخص ہیں کہ اہل نقل کا اس پر اتفاق ہے کہ جب حدیث ان کی روایت سے ثابت ہو جائے تو صحت کے اعلیٰ معیار پر پہنچ جاتی ہے۔

حالانکہ (۱) امام احمد بن حنبل، امام مالک کے شاگرد نہ تھے۔ (۲) امام ابوحنیفہ تابعی ہیں اور ان کا عہد صغار تابعین کا عہد ہے۔ (۳) امام ابوحنیفہ کی روایت جامع ترمذی اور سنن نسائی دونوں کتابوں میں موجود ہے، محدث محمد طاہر پٹنی نے مجمع بحار الانوار میں تصریح کی ہے کہ اخرج لہ الترمذی والنسائی (امام ابوحنیفہ سے ترمذی اور نسائی نے تخریج کی ہے) اور مسند امام احمد میں امام اعظم کی روایت مسند بریدہ رضی اللہ عنہ میں (ج ۵ ص ۳۵۷ پر) موجود ہے۔ (۴) یہ بھی محض بے اصل ہے کہ "امام ابوحنیفہ سے بطریق ثقات روایت حدیث کا سلسلہ جاری نہیں ہوا" خود شاہ ولی اللہ صاحب نے انسان العین فی مشائخ الحرمین میں محدث عیسیٰ جعفری مغربی کے تذکرہ میں لکھا ہے کہ

مسندے برائے امام ابوحنیفہ تالیف کردہ دراں جا عنعنہ متصلہ ذکر کردہ در حدیث ازاں جا بطلان زعم کسانیکہ گویند سلسلہ حدیث امروز متصل نماندہ واضح تر می شود۔
(ص ۶ طبع احمدی دہلی)

انھوں نے امام ابوحنیفہ کی ایک ایسی مسند تالیف کی ہے جس میں اپنے سے لیکر امام موصوف تک عنعنہ متصلہ کو ذکر کیا ہے اور یہاں سے ان لوگوں کے دعوی کا غلط ہونا اچھی طرح ظاہر ہو جاتا ہے جو یہ کہتے ہیں کہ حدیث کا سلسلہ آج کل متصل نہیں رہا ہے۔

یہ عیسیٰ مغربی، شاہ صاحب کے استاذ الاساتذہ ہیں ۱۰۸۰ھ میں ان کی وفات ہوئی ہے، شاہ صاحب ان کے متعلق فرماتے ہیں "وے استاذ جمہور اہل حرمین است" غور کیجئے اگر امام ابوحنیفہ سے حدیث کی روایت کا سلسلہ جاری نہ ہوا تو یہ حدیث کا سماع متصل امام صاحب سے لیکر شاہ صاحب کے دور تک کیسے ثابت ہو گیا۔ (باقی بر صفحہ آئندہ)

اس عبارت سے بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ موطا کی جتنی روایات میں بلغنی مذکور ہے وہ سب عبداللہ بن ادریس سے سنی ہوئی ہیں لیکن درحقیقت بیان بلاغات کا ذکر ہے کہ جو موطا میں حضرت علی اور حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہما سے منقول ہیں چنانچہ حافظ ذہبی تذکرۃ الحفاظ میں یعقوب بن شیبہ سے نقل کرتے ہیں کہ

قیل ان جمیع ما یرویہ مالک فی الموطا (بلغنی عن علی) انہ سمعہ من ابن ادریس لہ	کہا گیا ہے کہ تمام وہ روایات جن کو امام مالک، موطا میں بلغنی عن علی کہہ کر روایت کرتے ہیں وہ سب انھوں نے ابن ادریس سے سنی ہیں۔

اور قاضی عیاض، مدارک میں لکھتے ہیں کہ احمد بن عبداللہ کوفی نے اپنی تاریخ میں بیان کیا ہے کہ امام مالک نے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے جس قدر روایات مرسلاً ذکر کی ہیں وہ سب انھوں نے عبداللہ بن ادریس اودی سے روایت کی ہیں۔ ؎۲

اسی طرح موطا کے باب الوفا بالامان میں بھی حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا ایک اثر عن رجل من اہل الکوفۃ (کوفہ کے ایک شخص سے) منقول ہے جس کی تعیین میں زرقانی نے سفیان ثوری کا نام لیا ہے لیکن ہو سکتا ہے کہ یہ بھی عبداللہ بن ادریس ہی کی روایت ہو۔ ؎۳

(بقیہ حاشیہ از صفحہ گذشتہ) بلکہ شاہ صاحب کی اس عبارت سے تو اور یہ ظاہر ہوا کہ یہ امام اعظم ہی کی خصوصیت ہے کہ ان کی احادیث کی روایت کا سلسلہ بسند متصل اس عہد تک جاری رہا حتیٰ کہ جو لوگ اس زمانہ میں سلسلہ اسناد کو متصل ماننے سے انکار کرتے تھے ان کے خلاف شاہ صاحب نے اسی چیز کو دلیل میں پیش کیا ہے اور حافظ شمس الدین ذہبی نے تصریح کی ہے کہ

روی عنہ من المحدثین والفقہاء عدۃ لا یحصون (مناقب ابی حنیفہ از ذہبی ص طبع مصر)	امام ابوحنیفہ سے محدثین وفقہاء کی اتنی بڑی تعداد نے حدیث کی روایت کی ہے کہ جن کا شمار نہیں ہو سکتا۔

ان میں سے حافظ جمال الدین مزی نے تہذیب الکمال میں امام اعظم کے ترجمہ میں پچانوے مشاہیر علماء ثقات کو نام بنام ذکر کیا ہے۔

(حاشیہ صفحہ ہذا) ؎۱ تذکرۃ الحفاظ، ترجمہ عبداللہ بن ادریس۔ ؎۲ اسعاف المبطا برجال الموطا از علامہ سیوطی ص ۳۶ طبع مطبعہ حلبی مصر ۱۳۴۹ھ۔ ؎۳ یہ عبداللہ بن ادریس، امام ابوحنیفہ کے تلامذہ میں سے ہیں اور فقہاء حنفیہ میں شمار کیے جاتے ہیں۔ حافظ عبدالقادر قرشی نے الجواہر المضیہ فی طبقات الحنفیہ میں ان کا ترجمہ لکھا ہے اور بعض ان مسائل فقہیہ کا بھی ذکر کیا ہے کہ جس کو یہ امام ابوحنیفہ سے روایت کرتے ہیں۔ حافظ ذہبی نے تذکرۃ الحفاظ میں ان کا مفصل تذکرہ لکھا ہے جو ان لفظوں میں شروع ہوتا ہے، عبد اللہ بن ادریس بن یزید بن عبد الرحمن الامام القدوۃ الحجۃ ابو محمد الاودی الکوفی احد الاعلام بڑے عابد و زاہد تھے جاہ و منصب سے ہمیشہ متنفر رہے۔ ایک بار خلیفہ ہارون الرشید نے ان کو طلب کر کے عہدۂ قضا پیش کرنا چاہا مگر انھوں نے معذرت کی کہ میں اس کا اہل نہیں اس پر خلیفہ نے بگڑ کر کہا کاش میں تیری صورت نہ دیکھتا۔ ابن ادریس نے بھی نہایت متانت سے جواب دیا کاش میں بھی تیری صورت نہ دیکھتا اور یہ کہہ کر دربار سے چلے آئے بعد کو خلیفہ نے پانچ ہزار کے توڑے ان کی خدمت میں روانہ کئے مگر انھوں نے لینے سے انکار کر دیا اور جو شخص رقم لیکر آیا اس سے نہایت زور سے چلا کر کہا کہ بس یہیں سے واپس چلے جاؤ۔ ہارون الرشید نے یہ ماجرا دیکھا تو دوبارہ پیام بھیجا (باقی بر صفحہ آئندہ)

موطا کا زمانۂ تالیف | حافظ ابن حزم نے تصریح کی ہے کہ امام مالک نے موطا کی تالیف یقیناً یحییٰ بن سعید انصاری کی وفات کے بعد کی ہے اور یحییٰ کی وفات ۱۴۳ھ میں ہوئی ہے[۵۱] محدث قاضی عیاض نے مدارک میں ابو مصعب سے جو امام مالک کے شاگرد خاص ہیں نقل کیا ہے کہ خلیفہ منصور عباسی نے امام مالک سے فرمائش کی تھی کہ ضع کتابا للناس احملھم علیہ (آپ لوگوں کے لئے ایک ایسی کتاب لکھیں کہ جس پر میں ان سے عمل کراؤں) امام مالک نے اس سلسلہ میں کچھ کہا تو منصور بولا ضعہ فما احد

(بقیہ از صفحۂ گذشتہ) کہ آپ نے نہ ہمارا اکرام کیا اور نہ ہمارے صلہ کو قبول فرمایا اب میرا بیٹا مامون آپ کی خدمت میں آئے تو اس سے حدیثیں تو بیان فرمائیں، ابن ادریس نے جواب میں کہلا بھیجا کہ ان جاء نا مع الجماعۃ حدثناہ (اگر وہ عام لوگوں کے ساتھ آیا تو اس سے بھی حدیثیں بیان کریں گے) چنانچہ جب حج کے موقع پر ہارون رشید کا کوفہ میں داخلہ ہوا تو اس نے قاضی ابو یوسف صاحب کو کہا کہ محدثین کو کہئے ہمارے پاس آکر حدیث شریف کا درس دیں، دو شخصوں کے علاوہ سب نے خلیفہ کی فرمائش کی تعمیل کی۔ یہ دو بزرگ عبداللہ بن ادریس اور عیسیٰ بن یونس تھے جب یہ نہ آئے تو امین و مامون دونوں شہزادے خود سوار ہو کر عبداللہ بن ادریس کی خدمت میں حاضر ہوئے ابن ادریس نے سو حدیثیں ان کے سامنے بیان کیں جب یہ روایت کر چکے تو مامون کہنے لگا عم محترم اجازت ہو تو ان حدیثوں کو زبانی سناؤں ابن ادریس نے کہا سناؤ۔ مامون نے فوراً اپنے حافظہ سے ان کو دہرا دیا۔ یہ دیکھ کر ابن ادریس بھی اس کی قوت حافظہ پر عش عش کر گئے۔ یہاں سے اٹھ کر یہ دونوں شہزادے عیسیٰ بن یونس کے یہاں پہنچے اور انھوں نے بھی ان سے حدیثیں بیان کیں جب درس ختم ہوا تو مامون نے دس ہزار کے توڑے پیش کئے لیکن ابن یونس نے قبول کرنے سے صاف انکار کر دیا اور کہہ دیا کہ ولا شربۃ ماء (اس کے عوض تو پانی کا ایک گھونٹ بھی قبول نہیں کیا جا سکتا)

(تذکرۃ الحفاظ ترجمہ عیسیٰ بن یونس)

(حاشیہ صفحۂ ھذا) [۵۱] توجیہ النظر از شیخ صالح جزائری ص ۷، طبع مصر، بحوالہ احکام ابن حزم۔

[۵۲] ابو مصعب کے بیان میں امام مالک کی گفتگو منقول نہیں لیکن ابن سعد نے طبقات میں واقدی کے حوالہ سے خود امام مالک کی زبانی اس کو تفصیل سے نقل کیا ہے جو حسب ذیل ہے۔

منصور: میرا ارادہ ہے کہ میں آپ کی اس کتاب (یعنی موطا) کے متعلق حکم دوں کہ اس کی نقلیں لی جائیں اور مسلمانوں کے ہر شہر میں اس کا ایک ایک نسخہ بھیج دیا جائے اور فرمان جاری کر دوں کہ وہ اسی کے مطابق عملدرآمد کریں اور اس سے تجاوز نہ کریں اور اس کے علاوہ جو یہ نیا علم ہے سب چھوڑ دیں کیونکہ اس علم کی اصل اہل مدینہ کی روایت اور ان کا علم ہی ہے۔

امام مالک: اے امیر المومنین ایسا نہ کیجئے کیونکہ لوگوں کے پاس پہلے سے اقوال پہنچ چکے ہیں، انھوں نے بھی حدیثیں سنی ہیں اور ان کو روایت کیا ہے اور ہر قوم نے صحابہ اور دیگر علماء کے اختلاف کی صورت میں اسی کو اختیار کیا ہے جو ان کے یہاں پہلے سے چلا آتا ہے اور اسی کے مطابق عمل کرتے اور دینی زندگی گزارتے ہیں نیز جس کے وہ معتقد ہیں اس سے ان کا ہٹانا دشوار ہے اس لئے لوگوں کو آپ ان ہی کے حال پر چھوڑ دیجئے اور ہر اقلیم والوں نے جو کچھ اپنے لئے پسند کر رکھا ہے اس کو رہنے دیجئے۔

منصور: اپنی قسم اگر آپ میرا کہنا مان جاتے تو میں یہی کرتا۔ (تزئین الممالک ص ۴۶)

حافظ ابن عبدالبر، جامع بیان العلم (ج ۱ ص ۱۳۲) میں اس واقعہ کو نقل کر کے لکھتے ہیں وھذا غایۃ فی الانصاف لمن فھم (یہ سرذی فہم کے نزدیک انتہائی انصاف کی بات ہے) جو لوگ آج کل فروعی اختلافی مسائل میں شدت برتتے ہیں ان کو امام مالک کے اس مشورہ سے سبق لینا چاہئے۔

الیوم اعلم منک (آپ کتاب تصنیف فرمائیں، آج آپ سے بڑھ کر کوئی عالم نہیں) آخر امام موصوف نے موطا کی تصنیف شروع کی لیکن کتاب کے ختم ہونے سے پہلے منصور کی وفات ہو گئی۔[۵۱]

اس سے معلوم ہوا کہ موطا کی تصنیف منصور کی فرمائش پر خود اس کے عہد میں شروع ہوئی اور اس کی وفات کے بعد پایۂ تکمیل کو پہنچی۔ منصور نے ۶ ذی الحجہ ۱۵۸ھ میں وفات پائی اور اس کی جگہ اس کا بیٹا محمد المہدی مسند خلافت پر متمکن ہوا اور اسی کی خلافت کے ابتدائی زمانہ میں موطا کی تصنیف مکمل ہوئی۔

جامع سفیان ثوری | یہی زمانہ ہے جب امام سفیان ثوری نے جامع لکھی ہے بعض نے اس کا سنہ تصنیف (۱۶۰) بتایا ہے[۵۲] لیکن یہ صحیح نہیں معلوم ہوتا کیونکہ تاریخ سے یہ ثابت ہے کہ امام زفر کا جب بصرہ آنا ہوا تھا تو ان کے سامنے جامع سفیان لائی گئی تھی اور آپ نے اسے دیکھکر یہ فرمایا تھا کہ

هذا کلامنا ینسب الی غیرنا۔[۵۳] یہ ہمارا کلام غیروں سے نقل کر رہے ہیں۔

امام زفر کی وفات ماہ شعبان ۱۵۸ھ میں ہوئی ہے اس لئے یہ ماننا پڑے گا کہ اس کی تصنیف ان کی وفات سے پہلے پہلے مکمل ہو چکی تھی۔

امام زفر نے جامع سفیان کے بارے میں جو رائے ظاہر کی وہ اس کے فقہی مسائل سے متعلق ہے، امام سفیان ثوری کوفہ کے رہنے والے تھے، فقہ میں عموماً ان کا اور امام اعظم کا ایک مذہب ہے، امام ترمذی اپنی جامع میں سفیان ثوری کا مذہب نقل کرتے ہیں جو اکثر امام ابوحنیفہ کے موافق ہوتا ہے امام ابو یوسف فرمایا کرتے تھے کہ

سفیان الثوری اکثر متابعۃ لابی حنیفۃ منی۔[۵۴] سفیان ثوری مجھ سے بھی زیادہ ابوحنیفہ کے تبع ہیں۔

امام ثوری اگرچہ خود بھی امام ابوحنیفہ کی مجلس درس میں حاضر ہوئے ہیں اور ان سے حدیثیں روایت کی ہیں مگر امام صاحب کی فقہ کو انھوں نے علی بن مسہر سے اخذ کیا ہے جو امام اعظم کے مختص تلامذہ سے شمار کئے جاتے ہیں۔ امام ثوری نے اپنی جامع کی تصنیف میں بھی زیادہ تر ان ہی سے مدد لی ہے چنانچہ امام یزید بن ہارون فرماتے ہیں کہ

کان سفیان یاخذ الفقہ عن علی بن مسہر من قول ابی حنیفۃ وانہ استعان بہ وبمذاکرتہ علی کتابہ هذا الذی سماہ الجامع۔ سفیان ثوری، امام ابوحنیفہ کی فقہ کو علی بن مسہر سے حاصل کرتے تھے اور ان ہی کی مدد اور مذاکرہ سے انھوں نے اپنی یہ

---

[۵۱] تزیین الممالک از سیوطی ص ۴۲۔ [۵۲] مقدمہ تنویر الحوالک بحوالہ قوت القلوب، [۵۳] مناقب الامام الاعظم از امام حافظ الدین کردری ج ۲ ص ۱۸۳ طبع دائرۃ المعارف حیدرآباد دکن ۱۳۲۱ھ و مناقب الامام الاعظم از محدث ملا علی قاری ص ۵۳۵ ملا علی قاری تصنیف الجواہر المضیہ کے آخر میں بطور ذیل طبع ہوئی ہے۔ [۵۴] الانتقاء فی فضائل الثلاثۃ الائمۃ الفقہاء از حافظ ابن عبد البر ص ۱۲۸ طبع مصر ۱۳۵۰ھ۔ [۵۵] یہ فقہ اور حدیث دونوں کے جامع تھے۔ امام احمد بن حنبل، یحییٰ بن معین، ابو زرعہ، نسائی اور ابن حبان ان سب نے متفقہ طور پر ان کو ثقہ کہا ہے۔ عجلی کے الفاظ ہیں کان ممن جمع الحدیث والفقہ۔ ابن سعد لکھتے ہیں کان ثقۃ کثیر الحدیث، ۱۸۹ھ میں وفات پائی۔ رحمہ اللہ۔ تذکرۃ الحفاظ، تہذیب التہذیب، الجواہر المضیہ اور مناقب الامام الاعظم مولفہ امام کردری میں ان کا مفصل ترجمہ موجود ہے۔

بمذاکرتہ علی کتابہ ھذا الذی سماہ الجامع[۱] کتاب جس کا نام جامع رکھا ہے تصنیف کی ہے۔

سفیان ثوری کی جامع ایک زمانہ میں محدثین میں بڑی مقبول و متداول رہی ہے۔ چنانچہ امام بخاری نے علم حدیث کی جب تحصیل شروع کی تو سب سے پہلے جن کتابوں کی طرف توجہ کی وہ سفیان ثوری کی جامع اور عبداللہ بن مبارک اور وکیع کی تصنیفات تھیں۔ امام بخاری نے جامع سفیان کا سماع اپنے وطن ہی میں امام ابو حفص کبیر[۲] سے کیا تھا۔ چنانچہ محدث خطیب بغدادی بہ سند نقل کرتے ہیں کہ

---

[۱] مقدمہ کتاب التعلیم از علامہ مسعود بن شیبہ سندی بحوالہ اخبار ابی حنیفہ واصحابہ مصنفہ امام طحاوی، اس کتاب کا قلمی نسخہ مجلس علمی کے کتب خانہ کراچی میں موجود ہے۔ [۲] ان کا نام احمد بن حفص اور کنیت ابوحفص ہے، ان کے صاحبزادے محمد بن احمد بن حفص معروف بہ ابوحفص صغیر کا ترجمہ سابق میں آپ پڑھ چکے ہیں چونکہ باپ بیٹے دونوں کی کنیت ابوحفص ہے اس بنا پر باپ کو کبیر اور بیٹے کو صغیر کہا جاتا ہے یہ بخارا کے ان مشاہیر ائمہ حدیث میں سے ہیں کہ جن کے دم سے وہاں علم حدیث کی گرم بازاری تھی چنانچہ حافظ شمس الدین ذہبی نے اپنے رسالہ الامصار ذوات الآثار میں بخارا کے جن اعیان محدثین کا خصوصیت سے ذکر کیا ہے ان کے نام یہ ہیں:۔

"عیسیٰ بن موسیٰ غنجار، احمد بن حفص فقیہ (ابوحفص کبیر) محمد بن سلام بیکندی، عبداللہ بن محمد مسندی، ابوعبداللہ بخاری (صاحب الصحیح) صالح بن محمد جزرہ" (اعلان بالتوبیخ ص ۱۴۲)

حافظ سمعانی نے امام ابوحفص کبیر کے ترجمہ میں تصریح کی ہے کہ

روی عنہ خلق لا یحصون (مقدمہ الجواہر المضیہ) ان سے بے شمار مخلوق نے روایت کی ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ ان کی ذات سے اقلیم ماوراء النہر میں حدیث و فقہ کی جتنی اشاعت ہوئی ان کے معاصرین میں کسی سے نہ ہوئی۔ بخارا کا ایک ایک گاؤں ان کے تلامذہ سے بھرا ہوا تھا، سمعانی نے لکھا ہے کہ صرف خیزاخزا میں ان کے شاگردوں کی اتنی خلقت تھی کہ جو شمار سے باہر تھی۔ حافظ عبدالقادر قرشی، سمعانی کی مذکورہ بالا تصریح کو نقل کر کے لکھتے ہیں:۔

وھذا فی قریۃ من قری بخاری (مقدمہ جواہر المضیہ) یہ تو بخارا کے صرف ایک قریہ کا ذکر ہے۔

امام ابوحفص کبیر نے فقہ کی تعلیم امام ابو یوسف اور امام محمد سے حاصل کی تھی ان کا شمار امام محمد کے کبار تلامذہ سے ہے، حافظ ذہبی نے سیر اعلام النبلاء کے چودھویں طبقہ میں ان کے صاحبزادے محمد بن احمد بن حفص کے ترجمہ میں لکھا ہے کہ

وکان ابوہ من کبار تلامذۃ محمد بن الحسن انتھت الیہ ریاسۃ الاصحاب ببخارا۔ ان کے والد (امام ابوحفص کبیر) امام محمد بن حسن کے بڑے شاگردوں میں سے تھے اور بخارا میں علماء احناف کی سربراہی ان پر ختم تھی۔

امام بخاری کے والد ماجد اسمٰعیل اور امام ابوحفص کبیر کے درمیان انتہائی محبت اور خلوص کے مراسم تھے۔ اسمٰعیل کے جس وقت وفات پائی یہ ان کے پاس ہی موجود تھے اس وقت اسمٰعیل نے ان سے کہا تھا کہ

لا اعلم من مالی درھما من حرام ولا درھما من شبھۃ (مقدمہ فتح الباری ص ۴۸۰ طبع میریہ مصر)۔ میں اپنے مال میں ایک درم بھی حرام یا شبہ کا نہیں پاتا۔

یہ تعلقات اسمٰعیل کی وفات کے بعد بھی دونوں خاندانوں میں بدستور قائم رہے چنانچہ امام بخاری اور ان کے صاحبزادے امام ابوحفص صغیر مدت تک طلب حدیث میں رفیق اور ہم سفر رہے ہیں۔ (باقی حاشیہ بر صفحہ آئندہ)

اخبرنی ابوالولید قال انبأنا محمد بن احمد بن محمد بن سلیمان الحافظ قال انبأنا ابو عمرو احمد بن محمد بن عمر المقری وابونصر احمد بن ابی حامد الباھلی قالا سمعنا اباسعید بکر بن منیر یقول سمعت محمد بن اسمٰعیل بن ابراھیم بن المغیرۃ الجعفی یقول کنت عند ابی حفص احمد بن حفص اسمع کتاب الجامع جامع سفیان فی کتاب الدی فمر ابوحفص علی حرف ولم یکن عندی ماذکر فراجعتہ فقال الثانیۃ کذلك فراجعتہ الثانیۃ فقال کذلك فراجعتہ الثالثۃ فسکت سویعۃ ثم قال من ھذا قالوا ھذا ابن اسماعیل بن ابراھیم بن بردزبہ فقال ابوحفص ھو کما قال واحفظوا فان ھذا یوماً یصیر رجلاً ؎۱

محمد بن اسمٰعیل بن ابراہیم بن مغیرہ جعفی (امام بخاری) نے بیان کیا کہ میں ابوحفص (کبیر) احمد بن حفص کے پاس جامع سفیان کا سماع اپنے والد کی کتاب میں کر رہا تھا کہ وہ ایک حرف سے گزرے جو میرے یہاں نہ تھا میں نے ان سے مراجعت کی، انھوں نے دوبارہ وہی بتایا میں نے دوبارہ مراجعت کی پھر انھوں نے وہی بتایا آخر میں نے تیسری دفعہ مراجعت کی تو ذرا چپ رہے اور دریافت کرنے لگے کہ یہ کون ہے لوگوں نے کہا اسمٰعیل بن ابراہیم بن بردزبہ کا لڑکا ہے۔ فرمانے لگے اس نے صحیح بتایا۔ یاد رکھو یہ لڑکا ایک دن مرد میدان بنے گا۔

امام اسحٰق بن راہویہ سے کسی نے سوال کیا تھا کہ

ای الکتابین احسن کتاب مالك او کتاب سفیان۔

دونوں کتابوں میں کونسی کتاب زیادہ اچھی ہے، مالک کی یا سفیان کی۔

کہنے لگے کتاب مالك ؎۲، لیکن امام ابوداؤد سجستانی صاحب سنن فرماتے ہیں کہ

جامع سفیان الثوری، فانہ احسن ماوضع الناس فی الجوامع، ؎۳

لوگوں نے اس موضوع پر جتنی کتابیں لکھی ہیں، سفیان ثوری کی جامع ان سب میں اچھی ہے۔

یہ اس دور کی ان مشہور اور مہتم بالشان کتابوں کا ذکر تھا کہ جن کے مصنف اقلیم فقہ و اجتہاد کے فرمانروا رہے ہیں، بعد کے دور میں جن کتابوں نے قبول عام کی سند حاصل کی ان کے مصنفین ان ہی حضرات کے

(بقیہ حاشیہ از صفحۂ گذشتہ) ایک بار امام ابوحفص کبیر نے امام بخاری کو اس قدر مال تجارت بھیجا تھا کہ جس کو بعض تاجروں نے پانچ ہزار کے نفع سے ان سے خریدا اور بعض تاجر اس سے بھی دوگنے نفع پر دینے کو تیار تھے لیکن امام بخاری نے اپنے ارادہ کو بدلنا پسند نہ فرمایا۔ (مقدمہ فتح الباری ص ۴۸۰)

حافظ ابن حجر عسقلانی نے بھی فتح الباری کے مقدمہ میں امام ممدوح کو امام بخاری کے مشائخ میں شمار کیا ہے اور ان کے حق میں امام ابوحفص کبیر کا یہ قول نقل کیا ہے کہ ھذا یکون لہ صیت (اس کا شہرہ ہوگا) مقدمہ ص ۴۸۲

امام ابوحفص کبیر کی وفات ۲۱۷ھ میں ہوئی، آپ امام شافعی کے ہم عمر تھے اور ان کے بہت بعد تک زندہ رہے۔ آپ کے زہد و عبادت کے کچھ واقعات روضۃ العلماء، امام زندوستی کے باب فی زھد العلماء و بعدھم عن السلطان اور باب مایجب علی العالم ان یستعمل العلم اولا ثم یعلم غیرہ میں مذکور ہیں۔

(حاشیہ صفحۂ ھذا) ؎۱ تاریخ بغداد ج ۲ ص ۱۱ طبع مصر ۱۳۴۹ھ۔ ؎۲ تزیین الممالک ص ۴۴۔ ؎۳ رسالۃ ابی داؤد السجستانی فی وصف تالیفہ لکتاب السنن ص ۷ طبع مصر ۱۳۶۹ھ۔

خوشہ چین تھے۔ شاہ عبد العزیز صاحب محدث دہلوی، عجالہ نافعہ میں فرماتے ہیں:

وصحیح بخاری و صحیح مسلم ہر چند در بسط و کثرت احادیث دہ چند موطا باشند لیکن طریق روایت احادیث و تمیز رجال وراہ اعتبار و استنباط از موطا آموختہ اند۔ [1]

صحیح بخاری اور صحیح مسلم ہر چند کہ موطا سے دس گنی ہیں، مگر حدیثوں کی روایت کا طریقہ، رجال کی تمیز اور اعتبار و استنباط کا ڈھنگ موطا ہی سے سیکھا ہے۔

اس دور کے بعض اور مصنفین

منصور کے خلیفہ ہونے سے پہلے مسلمانوں میں تصنیف و تالیف کا سلسلہ عام نہ تھا، اس کے عہد میں اس سلسلہ کو کافی ترقی ہوئی اور بہت سے علما نے مختلف علوم و فنون پر کتابیں مدون کیں چنانچہ حافظ ذہبی، تذکرۃ الحفاظ میں طبقہ رابعہ کے ختم پر لکھتے ہیں:-

"اسی طبقہ کے دور میں دولت اسلامیہ بنی امیہ سے بنی عباس کی طرف ۱۳۲ھ میں منتقل ہوئی۔ اس انقلاب نے خون کے سیلاب بہا دیئے۔ خراسان، عراق اور جزیرہ میں ایک عالم کا عالم جس کا شمار اللہ کے سوا کسی کو معلوم نہیں تہ تیغ ہوگیا . . . .

. . . . . اسی زمانہ میں بصرہ میں عمرو بن عبید عابد اور واصل بن عطا غزال نمایاں ہوئے جنہوں نے لوگوں کو مذہب اعتزال اور قدر کی طرف دعوت دی اور خراسان میں جہم بن صفوان نمودار ہوا جو تعطیل صفات باری اور خلق قرآن کا داعی تھا اور اسی کے بالمقابل خراسان میں مقاتل بن سلیمان مفسر پیدا ہوا جس نے اثبات صفات میں اتنا غلو کیا کہ تجسیم تک نوبت پہنچا دی، آخر علمار تابعین اور ائمہ سلف ان مبتدعین کے خلاف اٹھے اور انھوں نے لوگوں کو ان کی بدعت میں مبتلا ہونے سے روکا۔

علمار کبار نے سنن کی تدوین، فروع (فقہ) کی تالیف اور عربیت (لغت و نحو و صرف) کی تصنیف شروع کی۔ پھر ہارون الرشید کے زمانے میں اس سلسلہ کی کثرت ہوئی اور بہ کثرت تصانیف مدون ہوگئیں۔ اب علمار کا حافظہ گھٹنے لگا اور کتابیں مدون ہوگئیں تو انھیں پر اعتماد رہ گیا اس سے پہلے صحابہ و تابعین کا علم سینوں میں تھا اور سینے ہی ان کے علم کے گنجینے تھے۔

اور حافظ سیوطی، تاریخ الخلفا میں ۱۴۳ھ کے حوادث و واقعات کے ذیل میں حافظ ذہبی سے نقل کرتے ہیں:

"اسی عہد میں علمار اسلام نے حدیث، فقہ اور تفسیر کی تدوین شروع کی چنانچہ مکہ معظمہ میں ابن جریج نے، مدینہ منورہ میں مالک نے (انھوں نے موطا لکھی) شام میں اوزاعی نے، بصرہ میں ابن ابی عروبہ اور حماد بن سلمہ وغیرہ نے، یمن میں معمر نے کوفہ میں سفیان ثوری نے تصنیفیں کیں، ابن اسحاق نے مغازی کی تالیف کی اور ابو حنیفہ نے فقہ اور اجتہادی مسائل کو مدون کیا پھر کچھ عرصے کے بعد

---

[1] عجالہ نافعہ ص ۵ طبع مجتبائی دہلی ۱۳۱۴ھ۔ [2] شاہ ولی اللہ صاحب حجۃ اللہ البالغہ میں لکھتے ہیں:-

قد صنف فی زمن مالك موطاءات كثيرة فی تخريج احاديثه ووصل منقطعه، مثل كتاب ابن ابی ذئب، وابن عيينة والثوری ومعمر وغيرهم ممن شارك مالكا فی الشيوخ۔

(ج ۱ ص ۱۳۳ طبع منیریہ مصر)

امام مالک کے زمانے میں بہت سی موطائیں ان کی موطا کی احادیث کی تخریج اور ان کی منقطع روایات کے وصل کے سلسلہ میں تصنیف کی گئیں جیسے کہ ابن ابی ذئب، ابن عیینہ، ثوری اور معمر وغیرہ کی کتابیں ہیں، یہ لوگ امام مالک کے ساتھ ان کے شیوخ سے روایت کرنے میں شریک ہیں۔ (باقی بر صفحۂ آئندہ)۔

ہشیم، لیث بن سعد اور ابن لہیعہ نے تصنیفات کیں، اور ان کے بعد ابن مبارک، ابو یوسف اور ابن وہب نے کتابیں لکھیں اور کثرت سے علم کی تدوین وتبویب ہوئی اور عربیت، لغت، تاریخ اور ایام عرب پر کتابیں لکھی گئیں۔ اس عصر سے پہلے ائمہ اپنے حفظ سے بتلاتے یا ان صحف صحیحہ سے کہ جو مضامین وابواب پر مرتب نہ تھے علم کی روایت کرتے تھے"۔

فن جرح وتعدیل کی ابتداء | اسی عہد میں فن جرح وتعدیل کی ابتدا ہوئی، حافظ شمس الدین سخاوی لکھتے ہیں۔

"پہلی صدی ہجری جو صحابہ وکبار تابعین کے دور میں گزری اس میں حارث اعور اور مختار کذاب جیسے اکا دکا شخص کو چھوڑ کر کسی ضعیف الروایہ کا تقریبًا وجود نہ تھا۔ پھر پہلی صدی گزر کر جب دوسری صدی آئی تو اس کے اوائل میں اوساط تابعین کے اندر ضعفاء کی ایک جماعت ہوئی جو زیادہ تر حدیث کو زبانی یاد رکھنے اور اپنے ذہن میں اس کو محفوظ کرنے کے لحاظ سے ضعیف سمجھی گئی چنانچہ آپ ان کو دیکھیں گے کہ وہ موقوف کو مرفوعًا نقل کر جاتے ہیں، کثرت سے ارسال کرتے ہیں اور ان سے روایت میں غلطیاں بھی ہوتی ہیں جیسے کہ ابو ہارون عبدی وغیرہ ہیں۔

پھر جب تابعین کا آخری دور آیا یعنی ۱۵۰ھ کے قریب قریب تو ائمہ کی ایک جماعت نے توثیق وتضعیف کے لئے زبان کھولی، چنانچہ امام ابو حنیفہ نے فرمایا کہ

ما رأیت اکذب من جابر الجعفی۔ ؎۱ میں نے جابر جعفی سے زیادہ جھوٹا نہیں دیکھا۔

اور اعمش نے ایک جماعت کی تضعیف اور دوسروں کی توثیق کی اور شعبہ ؎۲ نے رجال کے بارے میں

(بقیہ حاشیہ از صفحۂ گذشتہ) لیکن یاد رہے کہ ان مذکورین میں سے بجز ابن ابی ذئب کے نہ تو کسی کی تالیف کا نام موطا ہے اور نہ ان میں سے کسی کے متعلق تاریخ سے یہ ثابت ہے کہ اس نے کوئی کتاب موطا امام مالک کی احادیث کی تخریج اور اس کی منقطع روایات کے وصل کے لئے تصنیف کی ہے۔

(حاشیہ صفحۂ ھذا) ؎۱ امام اعظم کے اس قول کو امام ترمذی نے اپنی جامع کے آخر میں کتاب العلل کے اندر باسناد روایت کیا ہے، حدثنا محمود بن غیلان حدثنا ابو یحیی الحمانی قال سمعت ابا حنیفۃ یقول ما رأیت احدا اکذب من جابر الجعفی ولا افضل من عطاء بن ابی رباح (جامع ترمذی مع شرح ابن العربی ج ۱۳ ص ۲۰۹ طبع مصر) اور یہ عطاء بن ابی رباح جن کے متعلق امام اعظم فرماتے ہیں کہ میں نے ان سے افضل شخص نہیں دیکھا۔ امام ممدوح کے اکابر شیوخ میں سے ہیں چنانچہ حافظ ذہبی، دول الاسلام (ج ۱ ص ۷، طبع دائرۃ المعارف حیدرآباد دکن ۱۳۶۴ھ) میں تصریح کرتے ہیں کہ واکبر شیوخہ عطاء بن ابی رباح (کہ امام ابو حنیفہ کے شیوخ میں سب سے بڑے عطاء بن ابی رباح ہیں) امام مالک کی اسانید میں جو حیثیت مالک عن نافع عن ابن عمر کی ہے وہی حیثیت امام اعظم کی اسانید میں ابو حنیفہ عن عطاء عن ابن عباس کی ہے (ملاحظہ ہو میزان کبری از امام شعرانی ص ۴۸ طبع مصر ۱۳۲۳ھ)۔ امام اعظم نے ان سے مکہ مکرمہ میں علم حدیث کی تحصیل کی تھی۔ حافظ ذہبی، مناقب ابی حنیفہ (ص ۱۱) میں لکھتے ہیں وسمع الحدیث من عطاء بن ابی رباح بمکۃ (کہ امام اعظم نے عطاء بن ابی رباح سے مکہ معظمہ میں حدیث کا سماع کیا ہے)۔

؎۲ امام شعبہ کو فن رجال میں جو جلالتِ شان حاصل ہے اس کا اندازہ آپ اس سے لگائیے کہ ایک بار امام یحیی بن معین سے جو فن رجال کے مشہور امام ہیں۔ (باقی بر صفحۂ آئندہ)

غور و فکر سے کام لیا یہ بڑے محتاط تھے اور بجز ثقہ کے تقریباً کسی سے روایت نہ کرتے تھے۔ امام مالک کا بھی یہی حال تھا۔

اور اس دور کے ان لوگوں میں سے کہ جب وہ کسی کے بارے میں کچھ کہہ دیں تو ان کی بات مان لی جاتی ہے، معمر، ہشام دستوائی، اوزاعی، سفیان ثوری، ابن الماجشون، حماد بن سلمہ اور لیث وغیرہ ہیں۔ پھر ان کے بعد دوسرا طبقہ ابن المبارک، ہشیم، ابو اسحٰق فزاری، معافی بن عمران موصلی، بشر بن المفضل اور ابن عیینہ وغیرہ کا ہے۔ پھر ان ہی کے ہم زمان ایک اور طبقہ ابن علیہ، ابن وہب اور وکیع جیسے حضرات کا ہے، بعد کو ان ہی کے دور میں دو ایسے شخص جو حدیث کے حافظ اور اس فن میں حجت گذرے ہیں تنقید رجال کے لئے اٹھے یہ یحییٰ بن سعید القطان اور عبدالرحمٰن بن مہدی تھے سو جس کو یہ دونوں مجروح کر دیں اس کی جرح مندمل نہیں ہوتی اور جس کی یہ دونوں توثیق کر دیں وہ مقبول ہے اور جس کے متعلق ان کے باہم اختلاف ہو (اور ایسے بہت کم اشخاص ہیں) اس کے بارے میں اجتہاد سے کام لینا پڑتا ہے۔"

اسی دور میں علماء کا طرزِ عمل شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلوی نے الانصاف فی بیان سبب الاختلاف اور حجۃ اللہ البالغہ میں اس پر نہایت تفصیل سے روشنی ڈالی ہے جو ہدیۂ ناظرین ہے، فرماتے ہیں:[1]

"اس طبقہ کے علماء کا طرز عمل ایک دوسرے سے ملتا جلتا تھا، جس کا خلاصہ یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث سے خواہ وہ مرسل ہو یا مسند دونوں سے تمسک کیا جائے۔

نیز صحابہ اور تابعین کے اقوال سے استدلال کیا جائے کیونکہ ان کے علم میں یہ اقوال یا تو خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث منقولہ تھیں جن کو انھوں نے مختصر کر کے موقوف بنا لیا تھا (چنانچہ ابراہیم نخعی نے ایک موقعہ پر جبکہ انھوں نے یہ حدیث روایت کی تھی کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے محاقلہ[2] اور مزابنہ سے منع فرمایا ہے اور ان سے کہا گیا تھا کہ کیا تمہیں اس کے سوا اور کوئی حدیث

(بقیہ حاشیہ از صفحۂ گذشتہ) امام ابو حنیفہ کے بارے میں سوال کیا گیا کہ آپ ان کی نسبت کیا خیال رکھتے ہیں۔ فرمانے لگے وہ ثقہ ہیں میں نے کسی کو انھیں ضعیف بتاتے نہیں سنا۔ یہ شعبہ بن الحجاج ان کو لکھتے ہیں اور فرمائش کرتے ہیں کہ وہ حدیثیں بیان کریں اور شعبہ آخر شعبہ ہی ہیں۔" (الانتقاء فی فضائل الائمۃ الثلاثۃ الفقہاء از حافظ ابن عبدالبر ص ۱۲۷)۔

(حاشیہ صفحۂ ھذا) [1] خلیفہ ہارون الرشید کے دربار میں ایک بار ایک زندیق کو قتل کے لئے لایا گیا تو وہ کہنے لگا کہ مجھے تو تم قتل کر دو گے لیکن ان ایک ہزار حدیثوں کا کیا کرو گے جو میں نے وضع کی ہیں۔ ہارون الرشید نے فوراً جواب دیا کہ فاین انت یا عدو اللہ عن ابی اسحٰق الفزاری و ابن المبارک ینخلانہا فیخرجانہا حرفاً حرفاً اے دشمنِ خدا تو ابو اسحٰق فزاری اور ابن المبارک سے بچ کر کہاں جا سکتا ہے جو ان کو چھلنی میں چھان کر ان کا ایک ایک حرف نکال پھینکیں گے۔ (تذکرۃ الحفاظ، ترجمہ امام ابو اسحٰق فزاری)۔ [2] فتح المغیث ص ۴۷۹ طبع لکھنؤ ۱۳۰۳ھ اور الاعلان بالتوبیخ ص ۱۶۳

[3] "محاقلہ" بروزن مفاعلہ حقل سے ہے جس کے معنی زراعت اور کاشتکاری کے ہیں اور اصطلاح فقہ میں عام طور پر زمین کو ثبائی یعنی تہائی یا چوتھائی پیداوار پر دینے کیلئے اس کا استعمال ہوتا ہے اور "مزابنہ" زبن سے ہے جس کے معنی دفع کرنے کے ہیں اور فقہ میں اس کے معنی درخت کے خرمائے تر کو خرمائے خشک کے عوض بیع کرنے کے آتے ہیں۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے یاد ہی نہیں۔ کہا تھا کہ کیوں نہیں؟ لیکن میں یہ کہتا ہوں کہ قال عبداللہ اور قال علقمہ مجھے زیادہ پسند ہے، اسی طرح شعبی نے جس وقت ان سے ایک حدیث کی بابت سوال کیا گیا اور کہا گیا کہ اس کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تک مرفوع کردیا جائے تو جواب دیا تھا کہ نہیں مرفوع نہ کرو ہم کو یہ زیادہ محبوب ہے کہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کے کسی شخص سے اس کو نقل کیا جائے کیونکہ اگر روایت میں کچھ کمی بیشی ہوگی تو وہ بعد کے شخص پر ہی رہے گی) یا پھر حکم منصوص سے ان کا استنباط یا اپنی آراء سے ان کا اجتہاد تھا۔ اور ہر صورت میں صحابہ اور تابعین اپنے طرز عمل کے اعتبار سے بعد کے آنے والوں سے کہیں بہتر اور کہیں زیادہ صائب الرائے نیز زمانہ کے لحاظ سے سب سے مقدم اور علم کے اعتبار سے سب سے بڑھ چڑھ کر تھے، لہذا سوائے اس صورت کے کہ ان کے باہم کسی مسئلہ میں اختلاف ہو اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث ان کے قول کے صریح خلاف موجود ہو ہر حال میں ان کے اقوال پر عمل کرنا لازم ہے۔

اور جس صورت میں کسی مسئلہ کے اندر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث مختلف ہوتیں تو اقوال صحابہ کی طرف رجوع کرتے تھے۔ اگر صحابہ کسی حدیث کے منسوخ ہونے کے قائل ہوتے یا اس کو ظاہری معنی سے پھیر دیتے (یعنی اس میں تاویل سے کام لیتے) یا اس بارے میں کچھ صراحت نہ کرتے لیکن ترک حدیث پر اور اس کے بموجب عمل نہ کرنے پر متفق ہوتے تو یہ بات بھی اس حدیث میں بمنزلہ کسی علت کے ظاہر کرنے یا اس کے منسوخ ہونے یا اس کی تاویل کا حکم دینے کے تھی بہر حال ان سب صورتوں میں اس طبقہ کے علماء نے صحابہ ہی کا اتباع کیا اور یہی وجہ ہے کہ امام مالک نے "کتے کے برتن میں منہ ڈالنے" کی حدیث[1] میں فرمایا کہ جاء ھذا الحدیث ولا ادری ما حقیقتہ (یہ روایت تو آئی ہے لیکن مجھے معلوم نہیں کہ اس کی حقیقت کیا ہے) امام موصوف کے اس قول کو ابن حاجب نے نقل کیا ہے۔ امام مالک کے فرمانے کا مقصد یہ ہے کہ میں نے فقہاء کو اس پر عمل کرتے نہیں دیکھا۔

اور جب صحابہ اور تابعین کے مذاہب بھی کسی مسئلہ میں مختلف ہوتے تو ہر عالم کے نزدیک اپنے اہل شہر اور اپنے ہی اساتذہ کا مذہب پسندیدہ تھا کیونکہ وہ ان کے صحیح اور غیر صحیح اقوال سے زیادہ باخبر ہوتا اور جو اصول کہ ان اقوال کے مناسب ہوتے ان کو زیادہ محفوظ رکھتا تھا نیز اس کا دل اپنے ہی اہل شہر اور اساتذہ کے فضل و تبحر کی طرف خاص طور سے مائل ہوتا تھا، چنانچہ حضرات عمر، عثمان، عائشہ، ابن عمر، ابن عباس، زید بن ثابت (رضی اللہ عنہم) اور ان کے تلامذہ جیسے سعید بن المسیب کہ جو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے فیصلوں اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیثوں کے سب سے زیادہ حافظ تھے اور عروہ اور سالم اور عکرمہ اور عطا اور عبیداللہ بن عبداللہ اور ان جیسوں کا مذہب دیگر حضرات کے مذہب کی بہ نسبت اہل مدینہ کے

[1] یہ حدیث اس طرح ہے کہ "جب کتا تم میں سے کسی کے برتن میں پیئے تو اسے سات بار دھوؤ" (موطا)

نزدیک زیادہ قابل اخذ تھا چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فضائل مدینہ کے سلسلہ میں بیان فرمایا ہے[1]۔ اور نیز اس وجہ سے بھی کہ مدینہ منورہ ہر زمانہ میں فقہاء اور علماء کا ماوی اور مجمع رہا ہے اور اسی بنا پر آپ امام مالک کو دیکھیں گے کہ وہ ان ہی کے طریقہ کو پکڑے رہتے ہیں اور امام مالک کے متعلق یہ بات بھی مشہور ہے کہ وہ اہل مدینہ کے اجماع سے تمسک کرتے ہیں اور امام بخاری نے ایک باب باندھا ہے کہ جس بات پر حرمین شریفین کا اتفاق ہو اس کو اختیار کرنا چاہیے[2]۔ اور حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ اور ان کے اصحاب کا مذہب اور حضرت علی رضی اللہ عنہ اور شریح اور شعبی کے فیصلے اور ابراہیم نخعی کے فتاوے اہل کوفہ کے نزدیک دوسروں کے مذہب کی بنسبت زیادہ لینے کے لائق تھے اور یہی وجہ ہے کہ علقمہ نے جب مسروق کو حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کی طرف تشریک[3] کے مسئلہ میں مائل دیکھا تو کہا کہ کیا کوئی ان میں عبداللہ بن مسعود (رضی اللہ عنہ) سے بھی زیادہ پکا عالم ہے، مسروق نے کہا نہیں لیکن میں نے زید بن ثابت

---

[1] غالباً حدیث یوشك ان یضرب الناس اکباد الابل یطلبون العلم فلا یجدون احداً اعلم من عالم المدینة (قریب ہے کہ لوگ اونٹوں پر سوار ہو کر طلب علم کے لئے سفر کریں گے اور مدینہ کے ایک عالم سے بڑھ کر کسی کو عالم نہ پائیں گے) کی طرف اشارہ ہے چنانچہ آگے چل کر شاہ ولی اللہ صاحب نے امام مالک کا ذکر کرتے ہوئے اسی حدیث کو بیان کیا ہے اور سفیان بن عیینہ اور عبدالرزاق سے تصریح نقل کی ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی یہ پیشین گوئی امام مالک کے حق میں پوری اتری، جس طرح سے کہ امام سیوطی اور علامہ ابن حجر مکی وغیرہ بہت سے علماء نے تصریح کی ہے کہ حدیث لوکان العلم بالثریا لتناولہ اناس من ابناء فارس (مسند امام احمد بن حنبل ج ۲ ص ۲۹۶ و ۲۹۷) کا اولین مصداق امام ابوحنیفہ ہی کی ذات گرامی ہے اور خود شاہ ولی اللہ صاحب بھی اپنے مکتوبات میں رقمطراز ہیں کہ

روزے در حدیث لوکان الایمان عند الثریا لنالہ رجال او رجل من هولاء یعنی اہل فارس وفی روایة لنالہ رجال من هولاء بلا شک مذاکرہ کردیم، فقیر گفت امام ابوحنیفہ دریں حکم داخل است کہ خدائے تعالیٰ علم فقہ را بردست وے شائع ساخت وجمعے از اہل اسلام را بآں فقہ مہذب گردانید، خصوصاً در عصر متاخر کہ دولت ہمیں مذہب است وبس، در جمیع بلدان وجمیع اقالیم بادشاہان حنفی اند وقضاة واکثر مدرسان واکثر عوام حنفی (ص ۱۶۸، کلمات طیبات، یعنی مجموعہ مکاتیب شاہ صاحب وغیرہ طبع مجتبائی دہلی)

ایک روز اس حدیث پر ہم نے گفتگو کی کہ "ایمان اگر ثریا کے پاس بھی ہوتا تو اہل فارس کے کچھ لوگ یا ان میں کا ایک شخص اس کو حاصل کر کے رہتا اور ایک روایت میں "کچھ لوگ" ہی کے الفاظ بغیر شک کے مذکور ہیں، فقیر (شاہ صاحب) نے کہا کہ امام ابوحنیفہ اس حکم میں داخل ہیں کہ حق تعالیٰ نے علم فقہ کی اشاعت آپ ہی کے ہاتھوں کرائی اور اہل اسلام کی ایک جماعت کی اس فقہ کے ذریعہ اصلاح فرمائی خصوصاً اس اخیر دور میں کہ دولت بس یہی مذہب ہے سارے شہروں میں اور تمام ملکوں میں بادشاہ حنفی ہیں قاضی حنفی ہیں اور اکثر مدرسین اور عوام حنفی ہیں۔

[2] عمل اہل مدینہ اور اتفاق اہل حرمین شریفین کی بابت حافظ ابن حجر عسقلانی اور علامہ ابن القیم کی بحث آپ سابق میں پڑھ چکے ہیں۔ [3] "تشریک" کی صورت یہ ہے کہ مالک اپنی زمین دوسرے کو بٹائی پر دیدے۔

اور اہل مدینہ کو تشریک کہتے دیکھا تھا۔
پھر اگر اہل شہر کسی مسئلہ پر متفق ہوتے تو اس طبقہ کے علماء اس کو دانتوں سے پکڑتے تھے
چنانچہ ایسے ہی مسائل کے بارے میں امام مالکؒ فرمایا کرتے ہیں کہ السنة التی لااختلاف فیھا
عندنا کذا و کذا (یعنی وہ سنت ہے کہ جس کے بارے میں ہمارے یہاں کچھ اختلاف نہیں)۔
اور جو اہل شہر میں بھی اختلاف ہوتا تو سب سے قوی اور سب سے راجح قول کو لیتے تھے خواہ
یہ قوت کثرت قائلین سے حاصل ہوتی یا کسی قیاس قوی کی موافقت سے یا کتاب و سنت کی کسی تخریج
سے اور اسی قسم کے مسائل میں امام مالکؒ یوں فرمایا کرتے ہیں کہ ھذا احسن ما سمعت (یعنی جو
کچھ میں نے سنا ہے اس میں یہ سب سے بہتر ہے)۔
اور جب صحابہ و تابعین کے ان اقوال میں بھی کہ جو ان کے پاس محفوظ تھے مسئلہ کا جواب
نہ پاتے تھے تو ان ہی کے کلام سے اس کو نکالتے تھے اور اس کے متعلق ان کے اشارہ اور اقتضاء کو
تلاش کرتے تھے۔"
اس کے بعد شاہ صاحب فرماتے ہیں:

والھموا فی ھذہ الطبقة التدوین فدون مالک ومحمد بن عبد الرحمن بن ابی ذئب بالمدینة و ابن جریج وابن عیینة بمکة والثوری بالکوفة و ربیع بن صبیح بالبصرة، وکلھم مشوا علی ھذا المنھج الذی ذکرتہ۔ ؎۳

اور اسی طبقہ میں کتابوں کی تدوین دل میں ڈالی گئی، چنانچہ امام مالک اور محمد بن عبد الرحمن بن ابی ذئب نے مدینے میں اور ابن جریج اور ابن عیینہ نے مکہ میں اور سفیان ثوری نے کوفہ میں اور ربیع بن صبیح نے بصرہ میں تصنیفیں کیں اور یہ سب حضرات اسی روش پر چلے جو میں نے بیان کی۔

اگرچہ حدیث و روایت اور فقہ و اجتہاد کا سلسلہ تمام اسلامی شہروں میں جاری تھا اور ہر جگہ محدثین اہل روایت اور ارباب فتوی اور مجتہدین کی ایک جماعت موجود تھی لیکن شاہ صاحب نے مدینہ اور کوفہ کا خصوصیت سے اس لئے ذکر کیا کہ ان دونوں شہروں کو اس بارے میں مرکزیت حاصل تھی، حافظ ابن عبد البر نے جامع بیان العلم میں بہ سند متصل امام ابن وہب کی زبانی جو امام مالک کے مختص تلامذہ میں شمار کئے جاتے ہیں نقل کیا ہے کہ ایک بار امام مالک سے کسی نے مسئلہ پوچھا آپ نے اس کا جواب دیا۔ اس پر سائل کی زبان سے یہ نکل گیا کہ اہل شام تو اس مسئلہ میں آپ کی مخالفت کرتے ہیں اور اس کو اس طرح بیان کرتے ہیں آپ نے فرمایا

متی کان ھذا الشان بالشام، انما ھذا الشان وقف علی اھل المدینة والکوفة۔ ؎۴

اہل شام کی یہ شان کب سے ہوگئی۔ یہ شان تو صرف اہل مدینہ اور اہل کوفہ کی ہے۔

چنانچہ اس دور کے جن ائمہ اجتہاد کو حق تعالیٰ کی جانب سے قبول عام کی سند عطا ہوئی اور جن کے فقہ پر

؎۱ اور امام محمد اس موقع پر فرماتے ہیں وھو قول ابی حنیفة والعامة من فقھائنا۔ ؎۲ اور امام محمد ایسی جگہ ھو احب الینا لکھا کرتے ہیں۔ ؎۳ الانصاف اور حجۃ اللہ، باب اسباب اختلاف الفقہاء۔
؎۴ جامع بیان العلم ج ۲ ص ۱۵۸ طبع منیریہ مصر۔

آج تک اسلامی دنیا کا غالب حصہ عمل پیرا چلا آتا ہے وہ ان ہی دونوں مقامات کے رہنے والے تھے، ناظرین سمجھ گئے کہ ہماری مراد امام اعظم ابوحنیفہ کوفی اور امام دارالہجرۃ مالک بن انس اصبحی سے ہے کیونکہ ان دونوں بزرگوں کے مسائل فقہیہ کی بنیاد ان ہی مذکورہ بالا اصولوں پر ہے۔ شاہ ولی اللہ صاحب قرۃ العینین فی تفضیل الشیخین میں فرماتے ہیں۔

وبعد از قرآن وحدیث مدار اسلام بر فقہ است و امہات فقہ مسائل اجماعیہ فاروق است واگر اکثر اہل اسلام را بنظر امتحان نگاہ کنی حنفیان و مالکیان و شافعیان باشند۔

اور قرآن وحدیث کے بعد اسلام کا دار و مدار فقہ پر ہے اور فقہ کے بنیادی مسائل حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے اجماعی مسائل ہیں (یعنی جن پر آپ کے عہد خلافت میں اجماع ہو گیا تھا) اور جب اہل اسلام کی اکثریت کو جانچو تو وہ حنفی، مالکی اور شافعی ہی ملیں

اس کے بعد لکھتے ہیں،

وکسیکہ بر اصول وامہات ایں مذاہب اطلاع دارد شک نمی کند در آنکہ اصل ایں مذاہب مسائل اجماعیہ فاروق است وآں مانند امر مشترک است درمیان ہمہ آنہا۔

اور جو شخص کہ ان مذاہب کے اصول وامہات پر اطلاع رکھتا ہے اس بارے میں شک نہیں کرے گا کہ ان مذاہب کی اصل حضرت فاروق رضی اللہ عنہ کے اجماعی مسائل ہیں اور یہ ان تمام مذاہب کے درمیان ایک مشترک سی چیز ہے۔

بعد ازاں اعتماد بر فقہاء صحابہ از اہل مدینہ مانند ابن عمر وعائشہ وفقہاء سبعہ از کبار تابعین مدینہ وزہری وامثال آں از صغار تابعین مدینہ اصل مذہب مالک است کہ صورت خاص مذہب او ازاں پیدا شدہ۔

اس کے بعد اہل مدینہ میں سے فقہاء صحابہ جیسے کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا ہیں اور کبار تابعین مدینہ میں سے فقہاء سبعہ اور صغار تابعین مدینہ میں سے زہری اور ان جیسے حضرات پر اعتماد امام مالک کے مذہب کی بنیاد ہے کہ جس کی ان کے مذہب کی ایک خاص صورت پیدا ہو گئی۔

وہمچنیں اعتماد بر فتاوے عبداللہ بن مسعود در غالب حال وبر قضایائے مرتضی در بعض احوال بآں شرط کہ اصحاب عبداللہ بن مسعود روایت کردہ باشند واثبات نمودہ، وبعد ازاں بر تحقیقات ابراہیم نخعی و شعبی وتخریجات ایشاں اصل مذہب ابی حنیفہ است کہ سبب آں صورت خاص مذہب او پیدا شدہ۔ [۱]

اور اسی طرح حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے فتاوی پر اعتماد اکثر حالات میں اور حضرت علی مرتضی رضی اللہ عنہ کے فیصلوں پر بعض حالات میں بشرطیکہ ان فیصلوں کو حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے اصحاب روایت کرتے اور مانتے ہوں اور اس کے بعد ابراہیم نخعی اور شعبی کی تحقیقات اور ان کی تخریجات پر اعتماد امام ابوحنیفہ کے مذہب کی بنیاد ہے کہ جس کی وجہ سے ان کے مذہب کی ایک خاص شکل پیدا ہو گئی۔

---

[۱] قرۃ العینین ص ۱۷۱ و ۱۷۲ طبع مجتبائی دہلی ۱۳۱۰ھ۔ [۲] اس شرط کی وجہ خود شاہ صاحب ہی قرۃ العینین میں یہ بیان فرماتے ہیں کہ

اہل مدینہ واہل شام واہل مصر از مرتضی روایت نہ دارند الا در غایت قلت، واہل کوفہ روایت دارند اما پیش

اہل مدینہ، اہل شام اور اہل مصر حضرت علی مرتضی رضی اللہ عنہ سے نہایت کم روایت رکھتے ہیں (باقی برصفحہ آئندہ)

امام ابوحنیفہ وامام مالک کے تلامذہ اور علم حدیث

دوسری صدی کے نصف ثانی میں امام ابوحنیفہ اور امام مالک کے تلامذہ اسلامی دنیا کے چپہ چپہ پر پھیل چکے تھے اور ہر جگہ علوم اسلامیہ کی اشاعت میں مصروف تھے

حافظ عبدالقادر قرشی الجواہر المضیہ کے مقدمہ میں کتاب التعلیم کے حوالہ سے نقل کرتے ہیں کہ

روی عن ابی حنیفۃ ونقل مذھبہ نحو من اربعۃ آلاف نفر۔

تقریباً چار ہزار افراد نے امام ابوحنیفہ سے حدیث کی روایت کی اور ان کے مذہب کو نقل کیا ہے۔

امام اعظم کے تلامذہ کا دائرہ اس قدر وسیع تھا کہ خلیفۂ وقت کی حدود حکومت اس سے زیادہ وسیع نہ تھیں۔ امام حافظ الدین ابن البزاز کردری نے مناقب الامام الاعظم کے خاتمہ میں امام ممدوح کے مختص تلامذہ کا تفصیلی تذکرہ لکھنے کے بعد زیر عنوان من روی عنہ الحدیث والفقہ شرقاً وغرباً بلداً بلداً (یعنی مشرق و مغرب میں جنھوں نے ان سے حدیث وفقہ کی روایت کی ہے) ان میں سے سات سو تیس مشاہیر علماء اعلام کے نام بقید نسب لکھے ہیں اور ضلع واران کو شمار کرایا ہے، چنانچہ جن اضلاع وممالک کا اس سلسلہ میں انھوں نے نام لیا ہے وہ حسب ذیل ہیں:

مکہ معظمہ[۱]، مدینہ طیبہ[۲]، کوفہ[۳]، بصرہ[۴]، واسط[۵]، موصل[۶]، جزیرہ[۷]، رقہ[۸]، نصیبین[۹]، دمشق[۱۰]، رملہ[۱۱]، مصر[۱۲]، یمن[۱۳]، یمامہ[۱۴]، بحرین[۱۵]، بغداد[۱۶]، اہواز[۱۷]، کرمان[۱۸]، اصفہان[۱۹]، حلوان[۲۰]، استرآباد[۲۱]، ہمدان[۲۲]، نہاوند[۲۳]، رے[۲۴]، دامغان[۲۵]، قومس[۲۶]، طبرستان[۲۷]، جرجان[۲۸]، نیشاپور[۲۹]، سرخس[۳۰]، نسا[۳۱]، مرو[۳۲]، بخارا[۳۳]، سمرقند[۳۴]، کش[۳۵]، صغانیان[۳۶]، ترمذ[۳۷]، بلخ[۳۸]، ہرات[۳۹]، قہستان[۴۰]، سجستان[۴۱]، رم[۴۲]، خوارزم[۴۳]۔

امام طحاوی نے بسند متصل اسد بن الفرات سے روایت کی ہے کہ

کان اصحاب ابی حنیفۃ الذین دونوا الکتب اربعین رجلا، وکان فی العشرۃ المتقدمین ابویوسف وزفر وداؤد الطائی واسد بن عمرو

امام ابوحنیفہ کے تلامذہ جنھوں نے کتابوں کی تدوین کی چالیس تھے، چنانچہ ان دس اشخاص میں سے کہ جو تلامذہ متقدمین میں شمار کئے جاتے ہیں یہ حضرات ہیں، امام ابویوسف[۱]، امام زفر

(بقیہ حاشیہ از صفحہ گذشتہ) محدثین اکثر رواۃ حضرت مرتضی مستور الحال اند غیر حفاظ، و روایت از مرتضی پیش ایشان صحیح نشدہ است الا از قبل اصحاب عبداللہ بن مسعود، عن ابن عیاش قال سمعت المغیرۃ یقول لم یکن یصدق علی علیؓ فی الحدیث عنہ الا من اصحاب عبداللہ بن مسعود اخرجہ مسلم فی مقدمۃ صحیحہ۔

(ص ۱۸۵)

اور اہل کوفہ آپ سے روایت رکھتے ہیں لیکن محدثین کے نزدیک حضرت مرتضی کرم اللہ وجہہ سے روایت کرنے والے اکثر وہ لوگ ہیں جن کے حالات مخفی ہیں اور جو حافظ نہ تھے ان کے نزدیک حضرت علی مرتضی رضی اللہ عنہ کی صرف وہی روایات صحیح ہوئی ہیں جو حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کے اصحاب سے آئی ہیں۔ چنانچہ ابوبکر بن عیاش سے مروی ہے کہ میں نے مغیرہ سے سنا فرماتے تھے حدیث میں حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی صرف اسی روایت کی تصدیق کی جاتی تھی کہ جو اصحاب عبداللہ بن مسعود (رضی اللہ عنہ) کی طرف سے ہوتی تھی ابوبکر کے اس بیان کو امام مسلم نے اپنی صحیح کے مقدمہ میں ذکر کیا ہے۔

ویوسف بن خالد السمتی ویحیی بن زکریا بن ابی زائدہ، وھو الذی کان یکتبھا لھم ثلاثین سنۃ۔ [۵۱]

امام داؤد طائی،[۳] امام اسد بن عمرو۔[۴] امام یوسف بن خالد سمتی[۵] امام یحیی بن زکریا بن ابی زائدہ[۶] اور یحیی ہی تیس برس تک ان حضرات کیلئے کتابت کی خدمت انجام دیتے رہے ہیں۔[۵۲]

اسد بن فرات نے جن لوگوں کے نام گنائے ہیں ان کے علاوہ امام عبداللہ بن المبارک المتوفی ۱۸۱ھ امام حفص بن غیاث المتوفی ۱۹۴ھ اور امام وکیع بن الجراح المتوفی ۱۹۸ھ جو مشہور ائمہ حدیث میں شمار کئے جاتے ہیں خاص طور پر قابل ذکر ہیں اس زمانہ میں ان حضرات کی تصانیف کو یہ قبول عام حاصل تھا کہ امام بخاری نے سولہ سال ہی کی عمر میں ابن مبارک اور وکیع کی تصانیف کو ازبر کرلیا تھا[۵۳] اور ان سب میں خصوصیت کے ساتھ یہ چار حضرات فقہ واجتہاد میں زیادہ نامور گزرے ہیں۔ امام زفر المتوفی ۱۵۸ھ، امام ابو یوسف المتوفی ۱۸۲ھ امام محمد المتوفی ۱۸۹ھ امام حسن بن زیاد المتوفی ۲۰۴ھ اور یہ فقہ جو امام ابو حنیفہ کے انتساب سے عام طور پر **فقہ حنفی** کہلاتی ہے درحقیقت امام ممدوح اور ان ہی چار حضرات کے اجتہادی مسائل کا مجموعہ ہے یہ چاروں حضرات بھی بڑے پایہ کے محدث اور حافظ الحدیث تھے چنانچہ امام زفر کے بارے میں

---

[۵۱] الجواہر المضیہ، ترجمہ اسد بن عمرو یوسف بن خالد۔ [۵۲] مولانا شبلی نعمانی نے اسد بن الفرات کی اس روایت کو تدوین فقہ سے متعلق خیال کیا ہے چنانچہ سیرۃ النعمان میں لکھتے ہیں:

"امام طحاوی نے بسند متصل اسد بن فرات سے روایت کی ہے کہ ابو حنیفہ کے تلامذہ جنھوں نے فقہ کی تدوین کی چالیس تھے، جن میں یہ لوگ زیادہ ممتاز تھے، ابو یوسف، زفر، داؤد الطائی اسد بن عمرو، یوسف بن خالد السمتی، یحیی بن ابی زائدہ، امام طحاوی نے یہ بھی روایت کی ہے کہ لکھنے کی خدمت یحیی سے متعلق تھی اور وہ تیس برس تک اس خدمت کو انجام دیتے رہے اگرچہ یہ صحیح ہے کہ اس کام میں کم وبیش تیس برس کا زمانہ صرف ہوا یعنی ۱۲۱ھ ہجری سے ۱۵۰ھ تک جو امام ابوحنیفہ کی وفات کا سال ہے لیکن یہ غلط ہے کہ یحیی شروع سے اس کام میں شریک تھے۔ یحیی ۱۲۰ھ میں پیدا ہوئے تھے اس لئے وہ شروع سے کیونکر شریک ہو سکتے تھے"۔

(ص ۲۰۰ طبع مفید عام آگرہ ۱۸۹۲ء۔)

مولانا نے دونوں الکتب سے فقہ کی تدوین مراد لی پھر خود ہی اس تدوین کی مدت تیس سال یعنی ۱۲۱ھ سے لے کر ۱۵۰ھ تک متعین فرمائی۔ نتیجہ یہ نکلا کہ اس روایت کے اخیر حصہ کی صحت سے ان کو انکار کرنا پڑا، حالانکہ اس روایت میں تدوین کتب کا ذکر ہے نہ کہ تدوین فقہ کا (اور ظاہر ہے کہ یہ کتابیں موطا جامع سفیان اور صاحبین کی تصانیف کی طرح فقہ وحدیث دونوں کی جامع ہوں گی) اور اس کی بھی جو مدت متعین کی ہے (یعنی ۱۲۰ھ سے لے کر ۱۵۰ھ تک) وہ بھی غلط ہے کیونکہ تدوین فقہ کا کام امام اعظم نے حسب تصریح حافظ ذہبی ۱۴۳ھ ہجری کے قریب شروع کیا ہے اور خود مولانا نے بھی الفاروق میں تدوین فقہ کے آغاز کی یہی تاریخ لکھی ہے چنانچہ فرماتے ہیں:

"۱۴۳ھ میں جب تفسیر، حدیث، فقہ وغیرہ کی تدوین شروع ہوئی"۔ (ص ۴ طبع فخر المطابع لکھنؤ)

[۵۳] مقدمہ فتح الباری۔

حافظ ابن حبان، کتاب الثقات کے طبقۂ ثالثہ میں لکھتے ہیں کہ کان زفر متقنا حافظا[۵۱]۔ اسی طرح امام ابو یوسف کو حافظ ذہبی نے حفاظ حدیث میں شمار کیا ہے اور تذکرۃ الحفاظ میں ان کا ترجمہ لکھا ہے اور امام محمد کے متعلق محدث دار قطنی نے باایں ہمہ شدت عصبیت اپنی کتاب غرائب مالک میں تصریح کی ہے کہ من الثقات الحفاظ[۵۲] اور امام حسن بن زیاد سے حافظ ذہبی نے تاریخ کبیر[۵۳] میں خود ان کی زبانی یہ نقل کیا ہے کہ

كتبت عن ابن جريج اثني عشر الف حديث كلها يحتاج اليها الفقهاء

میں نے ابن جریج سے بارہ ہزار حدیثیں لکھی ہیں اور وہ سب کی سب ایسی ہیں کہ جن کی فقہاء کو ضرورت پڑتی رہتی ہے۔

امام ابو یوسف اور امام محمد کی متعدد تصانیف آج بھی موجود ہیں اور بعض ان میں سے چھپ کر شائع ہو چکی ہیں[۵۴] اور گو ان حضرات کی بلکہ تیسری چوتھی صدی تک کے متقدمین ائمہ احناف کی بہت سی تالیفات اب بالکل نایاب ہیں لیکن بعد کے ائمہ کی وہ کتابیں جن میں ان تصانیف کی تلخیص و تہذیب کی گئی ہے بحمد اللہ آج بھی موجود و متداول ہیں جیسے شمس الائمہ سرخسی (المتوفی سنہ ۴۹۰ھ) کی مبسوط اور ملک العلماء کاشانی (المتوفی سنہ ۵۸۷ھ) کی بدائع الصنائع اور شیخ الاسلام برہان الدین مرغینانی (المتوفی سنہ ۵۹۳ھ) کی ہدایہ کہ ان تینوں کتابوں میں جس قدر احادیث و آثار آئے ہیں وہ اصل میں متقدمین ائمہ احناف ہی کی کتابوں سے منقول ہیں جن کو ان حضرات نے اپنے ائمہ کے اعتماد پر اختصار کے پیش نظر بلا ذکر حوالہ و سند درج کر دیا ہے۔ چنانچہ حافظ قاسم بن قطلوبغا منیۃ الالمعی فی ما فات من تخریج احادیث الہدایہ للزیلعی کے مقدمہ میں فرماتے ہیں:

ان المتقدمين من علمائنا رحمهم الله كانوا يملون المسائل الفقهية وادلتها من الاحاديث النبوية باسانيدهم، كابي يوسف في كتاب الخراج و الامالي ومحمد في كتاب الاصل والسير وكذا الطحاوي والخصاف والرازي والكرخي الا في المختصرات ثم جاء من اعتمد كتب المتقدمين واورد الاحاديث في كتب من غير بيان سند ولا تخريج فعكف الناس على هذه الكتب.

ہمارے علماء متقدمین اللہ ان پر رحمتیں نازل فرمائے مسائل فقہیہ اور ان کے دلائل کا احادیث نبویہ سے اپنی اسانید کے ساتھ املا کراتے تھے جیسا کہ امام ابو یوسف نے کتاب الخراج اور امالی میں اور امام محمد نے کتاب الاصل اور کتاب السیر میں اور اسی طرح امام طحاوی، خصاف، ابوبکر رازی اور کرخی نے (اپنی اپنی تصانیف میں) کیا ہے البتہ مختصرات کی املا اس سے مستثنیٰ ہے، بعد میں وہ حضرات آئے جنھوں نے متقدمین کی کتابوں پر اعتماد کیا اور ان حدیثوں کو بغیر سند اور حوالہ کے

---

۵۱ اس کتاب کے قلمی نسخے حیدر آباد دکن کے کتب خانہ آصفیہ، اور کتب خانہ سعیدیہ میں ہماری نظر سے گزرے ہیں
۵۲ نصب الرایہ لتخریج احادیث الہدایہ از حافظ زیلعی ج ۱ ص ۲۰۸ و ۲۰۹ طبع مصر۔ ۵۳ الامتاع بسیرۃ الامامین الحسن بن زیاد وصاحبہ محمد بن شجاع ص ۵۰ طبع مصر سنہ ۱۳۶۸ھ۔ ۵۴ چنانچہ امام ابو یوسف کی تصانیف میں سے کتاب الخراج، کتاب الآثار (جس کو یہ امام ابو حنیفہ سے روایت کرتے ہیں) اختلاف ابی حنیفہ و ابن ابی لیلی، الرد علی سیر الاوزاعی، چھپ گئی ہیں، کتاب الخراج، مصر میں مکرر طبع ہو چکی ہے اور بقیہ تینوں کتابیں مجلس احیاء المعارف النعمانیہ حیدر آباد دکن نے مولانا ابو الوفا افغانی کی تصحیح و تحشیہ کے اہتمام کے ساتھ مصر سے چھپوا کر شائع کی ہیں اور امام محمد کی تصانیف میں سے کتاب الحجہ کچھ عرصہ ہوا کہ چھپ چکی ہے اور موطا اور کتاب الآثار تو متعدد بار طبع ہو چکی ہیں۔

(ص ۹ طبع مصر ۱۳۶۹ھ) اپنی تصانیف میں درج کیا پھر لوگ انہی تصانیف پر متوجہ ہوگئے

حقیقت یہ ہے کہ ان حضرات کو اپنے ائمہ کی کتابوں پر ویسا ہی اعتماد تھا جیسا کہ امام بغوی اور شاہ ولی اللہ کو صحاح ستہ پر تھا اور جس طرح کہ امام بغوی نے مصابیح السنہ میں اور شاہ ولی اللہ صاحب نے حجۃ اللہ البالغہ میں ان کتابوں کی روایات کو بلا حوالہ و سند درج کر دیا ہے اسی طرح ان حضرات نے اپنے ائمہ کی روایات کو اپنی تصانیف میں جگہ دی ہے بعد کو جب فتنۂ تاتار میں اسلامی دنیا کی اینٹ سے اینٹ بج گئی اور بلاد عجم سے لیکر دار الخلافہ بغداد تک مسلمانوں کے جتنے علمی مراکز تھے ایک ایک کرکے تباہ و برباد ہوگئے تو متقدمین کا علمی سرمایہ بہت کچھ ضائع ہوگیا اور بہت سی کتابیں جو پہلے متداول تھیں اس فتنہ میں بالکلیہ معدوم ہوگئیں یہی وجہ ہے کہ متاخرین حفاظ حدیث کو جنھوں نے ہدایہ وغیرہ کی احادیث کی تخریج کی ہے متعدد روایات کے بارے میں یہ تصریح کرنا پڑی کہ "یہ روایت ان لفظوں میں ہم کو نہ مل سکی" کیونکہ ان ارباب تخریج نے ان روایات کو متقدمین ائمہ حنفیہ کی تصانیف میں تلاش کرنے کی بجائے محدثین مابعد کی ان کتابوں میں تلاش کیا کہ جو ان کے عہد میں متداول تھیں۔ اس سے بعض لوگوں کو صاحب ہدایہ کے متعلق قلت نظر اور ان حدیثوں کے متعلق ضعف کا شبہ ہونے لگا اور تعجب ہے کہ شیخ عبد الحق دہلوی بھی اسی غلط فہمی کا شکار ہیں چنانچہ وہ ہدایہ اور اس کے مصنف کی نسبت اپنے خیالات کا اظہار ان لفظوں میں کرتے ہیں۔

وکتاب ہدایہ کہ در دیار مشہور و معتبر ترین کتابہا است نیز دریں وہم انداختہ چہ مصنف وے در اکثر بنائے کار بر دلیل معقول نہادہ واگر حدیثے آوردہ نزد محدثین خالی از ضعفے نہ، غالباً اشتغال آں استاد در علم حدیث کمتر بودہ است ولیکن شرح شیخ ابن الہمام جزاہ اللہ خیر الجزاء تلافی آں نمودہ و تحقیق کار فرمودہ است۔ [1]

اور کتاب ہدایہ نے بھی کہ جو اس دیار میں مشہور اور معتبر ترین کتابوں میں سے ہے اس وہم میں (کہ مذہب شافعی بہ نسبت مذہب حنفی کے حدیث کے زیادہ موافق ہے) ڈال دیا ہے کیونکہ اس کے مصنف نے بیشتر دلیل عقلی ہی پر بنا رکھی ہے اور جو حدیث لاتے ہیں وہ محدثین کے نزدیک ضعف سے خالی نہیں ہوتی، غالباً ان کا شغل علم حدیث سے کم رہا ہے لیکن شیخ ابن الہمام کی شرح ہدایہ نے اللہ تعالیٰ ان کو جزائے خیر عطا فرمائے اس کی تلافی کر دی ہے اور انھوں نے تحقیق سے کام لیا ہے۔

حالانکہ نہ تو صاحب ہدایہ کا شغل علم حدیث میں کم تھا کیونکہ وہ خود بہت بڑے محدث اور حافظ الحدیث [2] تھے۔ اور جو حدیثیں وہ بیان کرتے ہیں وہ ضعیف ہیں کیونکہ یہ سب حدیثیں اگلے ائمہ کی کتابوں سے منقول ہیں

---

[1] شرح سفر السعادت از شیخ موصوف ص ۲۳ طبع نولکشور۔ [2] چنانچہ علامہ محمود بن سلیمان کفوی نے کتاب اعلام الاخیار من فقہاء مذہب النعمان المختار میں (جس کا قلمی نسخہ ریاست ٹونک کے کتب خانہ میں ہماری نظر سے گذرا ہے) صاحب ہدایہ کے متعلق ان کے ترجمہ میں تصریح کی ہے کہ کان اماماً فقیھاً حافظاً محدثاً مفسراً۔ اور حافظ عبد القادر قرشی نے الجواہر المضیہ میں لکھا ہے کہ رحل وسمع ولقی المشائخ وجمع لنفسہ مشیخۃ کتبتھا وعلقت منھا فوائد (یعنی انھوں نے طلب حدیث میں رحلت کی، حدیث کا سماع کیا، مشائخ سے ملے اور اپنا مشیخہ جمع کیا جس کو میں نے بھی نقل کیا ہے اور اس سے فوائد کو اخذ کیا ہے) مشیخہ وہ کتاب ہے جس میں مولف اپنے شیوخ کے حالات اور ان کی مرویات و اجازات کو جمع کرتا ہے۔

خود ہم نے متعدد روایات کو دیکھا ہے کہ حافظ زیلعی اور حافظ ابن حجر عسقلانی وغیرہ مخرجین احادیث ہدایہ ان کے بارے میں بصراحت لکھتے ہیں کہ وہ ان کو نہ مل سکیں حالانکہ وہ روایات کتاب الآثار اور مبسوط امام محمد وغیرہ میں موجود ہیں اور یہ کچھ ہدایہ ہی کی خصوصیت نہیں خود صحیح بخاری کی تعلیقات میں بھی بہت سی ایسی روایتیں موجود ہیں کہ جن کے بارے میں حافظ ابن حجر نے ہی تصریح کی ہے جس کی اصلی وجہ وہی ائمہ متقدمین کی کتابوں کا فقدان ہے ورنہ امام بخاری یا صاحب ہدایہ کی شان اس سے کہیں بڑھ کر ہے کہ ان کے متعلق کسی نے اصل روایت کے بیان کرنے کا شبہ بھی ظاہر کیا ہو۔

امام اعظم کی طرح امام مالک کے تلامذہ بھی دنیائے اسلام کے مشرق و مغرب میں پھیلے ہوئے تھے چنانچہ محدث خطیب بغدادی نے رواۃ مالک میں نوسو ترانوے اشخاص کو اور حافظ قاضی عیاض نے اپنی تصنیف میں کچھ اوپر ایک ہزار تین سو شخصوں کو بقید نسب نام بنام گنایا ہے اور امام مالک سے ہر ایک کی روایت کا ذکر کیا ہے۔ امام مالک کے تلامذہ میں عبد اللہ بن وہب المتوفی ۱۹۵ھ اور عبد الرحمٰن بن القاسم المتوفی ۱۹۱ھ اور اشہب المتوفی ۲۰۴ھ بڑے پایہ کے مصنف گزرے ہیں۔ حافظ ذہبی کا بیان ہے کہ ابن وہب نے ایک لاکھ حدیثیں زبانی روایت کی ہیں اور ان کی تصانیف میں ایک لاکھ بیس ہزار حدیثیں موجود ہیں اور اس پر کمال یہ ہے کہ حسب تصریح حافظ ابن عدی کی ایک حدیث بھی ان کی تصانیف میں منکر نہیں ملتی، موضوع اور ساقط الاعتبار کا تو ذکر ہی کیا ہے۔[۱] ابن القاسم کا شمار بھی حفاظ حدیث میں ہے چنانچہ حافظ ذہبی نے تذکرۃ الحفاظ میں ان کا ترجمہ لکھا ہے۔ امام مالک کی فقہ کے بھی سب سے بڑے راوی یہی ہیں۔

غرض ابھی دوسری صدی ختم نہ ہونے پائی تھی کہ علم حدیث میں بکثرت تصانیف مدون ہو کر شائع ہو چکی تھیں اور امام ابوحنیفہ اور امام مالک کے تلامذہ نے تمام عالم اسلام کو فقہ و حدیث سے معمور کر دیا تھا اسی صدی میں فقہ حنفی اور فقہ مالکی کی تدوین ان احادیث و آثار کی روشنی میں مکمل ہوئی کہ جن پر فقہاء صحابہ و تابعین اور ارباب فتوے کا عمل در آمد چلا آتا تھا۔ یہ وہ زمانہ ہے کہ امام بخاری و مسلم اور دیگر مصنفین صحاح ستہ ابھی پیدا نہیں ہوئے تھے۔ ارباب صحاح ستہ نے بھی بیشتر انہی دونوں اماموں کے تلامذہ یا تلامذہ کے تلامذہ سے علم حدیث کی تحصیل کی ہے، چنانچہ خود امام ابن ماجہ کے متعلق بھی شیخ ولی الدین خطیب صاحب مشکوٰۃ نے الاکمال میں بجائے ان کے شیوخ حدیث کا نام لینے کے صرف اسقدر لکھنے پر اکتفا کی ہے کہ

سمع اصحاب مالک واللیث — انھوں نے امام مالک اور لیث بن سعد کے شاگردوں سے حدیث سنی ہے۔

علم حدیث تیسری صدی میں

تیسری صدی ہجری میں علم حدیث کو بڑی ترقی ہوئی اور اس فن کا ایک ایک شعبہ پایۂ تکمیل کو پہنچا۔ محدثین اور ارباب روایت نے (اللہ تعالیٰ ان کی سعی کو مشکور فرمائے) طلب حدیث میں بحر و بر کو بے سپر کیا اور دنیائے اسلام کا گوشہ گوشہ چھان مارا۔ ایک ایک شہر اور ایک ایک قریہ میں پہنچ کر تمام

---

[۱] ملاحظہ ہو تزیین الممالک از حافظ سیوطی، [۲] بستان المحدثین از شاہ عبد العزیز دہلوی ص ۱۵ طبع مجتبائی دہلی۔

منتشر اور پراگندہ روایتوں کو یکجا کیا، مسند حدیثیں علیحدہ کی گئیں، صحت سند کا التزام کیا گیا، اسماء الرجال کی تدوین ہوئی، جرح و تعدیل کا مستقل فن بن گیا اور صحاح ستہ جیسی بیش بہا کتابیں تصنیف ہوئیں۔

گذشتہ مولفین براہ راست مشاہیر تابعین یا کبار تبع تابعین کے شاگرد تھے بدیں وجہ ان کو اسناد کے بارے میں تحقیقات کی بہت کم ضرورت پیش آتی تھی، لیکن اس صدی میں وسائط اسناد پہلے سے کئی گنے بڑھ گئے تھے لہذا اس دور کے محدثین کو تاریخ رجال کی طرف مستقل توجہ کرنی پڑی جس سے اسماء الرجال کا عظیم الشان فن مدون ہوا، یہ کوئی معمولی کام نہ تھا ہر روایت کے سلسلہ اسناد میں جتنے لوگوں کے نام آئے ہیں ان میں سے ہر ایک کی بابت یہ معلوم کرنا کہ کون تھا، کیسا تھا، کیا کرتا تھا، اس کا چال چلن کیسا تھا، سمجھ بوجھ کیسی تھی ثقہ تھا یا غیر ثقہ، عالم تھا یا جاہل، ذہین تھا یا غبی، حافظہ کیسا تھا، یادداشت کا کیا حال تھا، کہاں کا باشندہ تھا، کس قبیلہ سے تعلق رکھتا تھا، کہاں کہاں تحصیل علم کی، کن کن شیوخ سے ملا، کب پیدا ہوا اور کس وقت وفات پائی وغیرہ وغیرہ ملن جزئی امور کا پتہ چلانا کتنا کٹھن کام تھا مگر محدثین کے ایک گروہ کثیر نے اس کام کے لئے اپنی عمریں وقف کر دیں شہر شہر پھرے، گاؤں گاؤں میں پہنچے، راویوں سے خود جا کر ملے ان کے متعلق ہر قسم کے حالات دریافت کئے، جس کی بدولت ہر روایت کے بارے میں اسناد کے اعتبار سے قوت و ضعف، صحت و بطلان، اور اتصال و انقطاع کا فیصلہ کرنا آسان ہو گیا اور حدیث کے متعلق بہت سی نئی اصطلاحیں، مثلاً صحیح، حسن، عزیز، غریب، ضعیف، مسند، مرسل، منقطع وغیرہ عالم وجود میں آئیں۔

اگلے علماء کے یہاں مسند و مرسل اور صحیح و حسن کی کوئی تفریق نہ تھی وہ سب اقسام کو یکساں قابل حجت قرار دیتے تھے لیکن اس صدی کے شروع ہی میں ارباب روایت میں حدیث مرسل[ف] کے بارے میں اختلاف

ف ۱؎ "حدیث مرسل" محدثین کی اصطلاح میں وہ کہلاتی ہے جس میں تابعی اپنے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مابین جو واسطہ ہے اس کو بیان کئے بغیر قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کہے جیسا کہ عام طور پر سعید بن المسیّب، مکحول دمشقی، ابراہیم نخعی، حسن بصری اور دیگر اکابر تابعین کا معمول تھا، پھر اگر راوی نے دو راویوں کے درمیان جو شخص واسطہ تھا اس کو چھوڑ دیا۔ مثلاً ایک شخص نے جو حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کا ہمزمان نہ تھا قال ابو ھریرۃ کہا تو ایسی روایت محدثین کے یہاں "منقطع" کہلاتی ہے اور جو ایک سے زیادہ واسطے حذف کر دیئے تو اسے "معضل" کہتے ہیں اور فقہاء اور اصولیین کے یہاں ان سب صورتوں میں اس کو "مرسل" ہی کہا جاتا ہے (کتاب التحقیق شرح حسامی) مرسل کے بارے میں علامہ ابن تیمیہ کا فیصلہ حسب ذیل ہے:

والمراسیل قد تنازع الناس فی قبولھا و ردھا واصح الاقوال ان منھا المقبول و المردود ومنھا الموقوف فمن علم من حالہ انہ لا یرسل الا عن ثقۃ قبل مرسلہ ومن عرف انہ یرسل عن الثقۃ وغیر الثقۃ کان ارسالہ روایۃ عمن لا یعرف حالہ فھذا موقوف، وما کان من المراسیل مخالفا لما رواہ	مراسیل کے رد و قبول کے بارے میں لوگوں میں اختلاف ہے اور صحیح ترین قول یہ ہے کہ ان میں قابل قبول بھی ہیں اور قابل رد بھی اور وہ بھی کہ جن کے بارے میں توقف سے کام لینا پڑے گا چنانچہ جس شخص کی بابت یہ معلوم ہو گیا کہ وہ ثقہ کے علاوہ اور کسی سے ارسال نہیں کرتا اس کی مرسل قبول کی جائے گی اور جس کے بارے میں یہ پتہ چل گیا کہ وہ ثقہ اور غیر ثقہ دونوں سے ارسال کرتا ہے (باقی بر صفحۂ آئندہ)

پیدا ہو گیا بعض نے اس کو حجت تسلیم کرنے سے انکار کیا بعض نے اس کا درجہ مسند کے بعد رکھا اور بعض نے اس کو مسند پر ترجیح دی، امام محمد بن جریر طبری فرماتے ہیں:

ان التابعین اجمعوا باسرھم علی قبول المرسل ولم یات عنھم انکارہ ولا عن احد من الائمۃ بعدھم الی رأس المأتین۔ [1]

تابعین سارے کے سارے مرسل کے قبول کرنے پر متفق تھے نہ تو ان سے اور نہ ان کے بعد کسی امام سے ۲۰۰ھ ہجری تک اس کا انکار آیا ہے۔

مصنفین صحاح میں امام مسلم نے اپنے مقدمۂ صحیح میں تصریح کی ہے کہ مرسل روایات حجت نہیں ہیں لیکن یہ ارباب صحاح کا متفقہ مسلک نہیں ہے امام ابوداؤد فرماتے ہیں:

فاذا لم یکن مسند ضد المرسل ولم یوجد مسند فالمرسل یحتج بہ ولیس ھو مثل المتصل فی القوۃ۔ [2]

جب مسند، مرسل کے مخالف نہ ہو اور مسند موجود نہ ہو تو مرسل سے احتجاج کیا جائے گا اور وہ قوت میں متصل کی طرح نہیں ہے۔

بلکہ حافظ ابو الفرج بن الجوزی نے اپنی مشہور کتاب التحقیق فی احادیث الخلاف میں اور محدث خطیب بغدادی نے الجامع فی آداب الراوی والسامع میں امام احمد بن حنبل سے یہاں تک نقل کیا ہے کہ

ربما کان المرسل اقوی من المسند [3]

بسا اوقات مرسل روایت مسند سے بھی زیادہ قوی ہوتی ہے۔

مرسل کا انکار اگرچہ بعض ارباب روایت نے اپنے خیال میں احتیاط کے پیش نظر کیا تھا لیکن اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ ان کو متعدد مسائل میں جہاں مرسل کے علاوہ اور کوئی روایت مسنداً ان کے علم میں نہ تھی اگلے ائمہ سے اختلاف کرنا اور فقہاء مجتہدین سے ارباب ظواہر کی مخالفت کی ایک وجہ یہ بھی ہے۔ متاخرین میں دارقطنی اور بیہقی بڑے نامور محدث گزرے ہیں مگر ان دونوں کی یہ کیفیت ہے کہ سنداً پر سنداً اور روایت پر روایت ذکر کرتے چلے جاتے ہیں اور اس کے ضعف کی ان کے پاس بجز اس کے کوئی دلیل نہیں ہوتی کہ اسے مرسل ثابت کریں یا موقوف کہدیں۔

اس وقت تک مصنفین عام طور پر اپنی کتابوں میں ان ہی روایات کو جگہ دیتے تھے جو اہل علم میں متداول چلی آتی تھیں اس کا بھی اہتمام تھا کہ حدیث نبوی کے ساتھ صحابہ و تابعین کے اقوال بھی درج کئے جائیں لیکن اس دور میں یہ انداز بدل گیا اب ارباب روایت نے ہر نادر نوشتے اور غیر متداول صحیفے کا کھوج لگایا تھا، حجاز

(بقیہ حاشیہ از صفحہ ھذا) الثقات کان مردوداً و اذا کان المرسل من وجھین کل من الراویین اخذ العلم عن شیوخ آخر فھذا یدل علی صدقہ فان مثل ذلک لا یتصور فی العادۃ تماثل الخطأ فیہ وتعمد الکذب۔

(منہاج السنہ ج ۴ ص ۱۱۷)

اس کا ارسال ایسے شخص سے روایت ہے کہ جس کا حال معلوم نہیں پس ایسی روایت میں توقف کیا جائیگا اور جو مراسیل کہ ثقات کی روایات کے خلاف ہونگے وہ رد کئے جائیں گے اور جب مرسل روایت دو سندوں سے ہو اور دونوں راویوں نے الگ الگ شیوخ سے روایت کی ہو تو یہ بات اس روایت کی صحت پر دلالت کرتی ہے کیونکہ عادتاً اس طرح خطا میں یکسانی اور قصداً غلط بیانی متصور نہیں۔

(حاشیہ صفحہ ھذا) [1] منیۃ الالمعی از حافظ قاسم بن قطلوبغا ص ۲۷۔ [2] رسالۃ ابی داؤد ص ۵۔
[3] شرح نقایہ از محدث ملا علی قاری ج ۱ ص ۱ و ۲ طبع ہند۔

عراق، شام اور مصر جملہ بلاد اسلامیہ کے افراد[1] و غرائب[2]، خاص خاص خاندانوں کی تحریری یادداشتیں جن کی روایت اسی خاندان میں محدود و منحصر تھی، اسی طرح کسی غیر مشہور صحابی کی کوئی روایت جس کو ان سے صرف ایک آدھ شخص روایت کرتا چلا آتا تھا۔ غرض تمام پریشان اور غیر متداول روایات اس عہد میں ہر طرف سے جمع کر لی گئی تھیں طرق و اسانید کی کثرت کا یہ عالم تھا کہ بعض وقت تلاش و تتبع سے ایک ایک روایت کی سو سو بلکہ اس سے بھی زیادہ اسنادیں مل جاتی تھیں اس طرح تمام اقالیم کا علم روایت جو اب تک خاص خاص سینوں یا سفینوں میں منتشر اور پراگندہ تھا اس صدی میں محدثین کی کوششوں سے یکجا ہو گیا تھا۔

ان غرائب و افراد اور نوادر آثار کے جمع ہو جانے پر بہت سی ایسی روایات سامنے آئیں کہ جن پر صحابہ و تابعین اور سلف مجتہدین کا عمل نہ تھا۔ محدثین کی ایک جماعت جو درایت سے زیادہ روایت پر زور دیتی تھی ان روایات کی صحت پر مصر تھی ان کا خیال تھا کہ صحیح سند سے ایک چیز کے ثابت ہو جانے کے بعد اس پر عمل کرنے میں چون و چرا کرنا دیدہ و دانستہ حدیث کی مخالفت کرنا ہے۔ ادھر عام اہل فتوے ایسی روایات کو سلف کے عدم تعامل و عدم توارث کی بنا پر شاذ اور متروک العمل سمجھتے تھے ارباب روایت کا بڑا زور اس بات پر تھا کہ علماء صحابہ و تابعین ہمیشہ مسئلہ کے متعلق حدیث نبوی کی تلاش کرتے رہے ہیں ہاں حدیث نہ ملتی تو مجبوراً دوسرے استدلالات سے کام لیتے تھے لیکن اسی کے ساتھ ان کا یہ دستور رہا ہے کہ اگر اسی مسئلہ میں آئندہ چل کر انھیں کوئی حدیث مل جاتی تو وہ اپنے اجتہاد کو چھوڑ کر اس پر عمل پیرا ہو جاتے تھے لہذا صحابہ و تابعین کا کسی حدیث پر عمل نہ کرنا اس کی علت قادحہ نہیں بن سکتا۔ اس نظریہ کی وجہ سے محدثین اور ارباب روایت کے ایک گروہ نے ایسی تمام روایات کو معمول بہ قرار دیا اور ان مسائل میں سلف مجتہدین سے بالکل الگ رائے قائم کی اور صحابہ و تابعین کے جو فتاوے ان روایات کے خلاف ملے انھیں تسلیم نہ کرتے ہوئے صاف کہدیا کہ ھم رجال و نحن رجال (وہ بھی مرد تھے اور ہم بھی مرد ہیں یعنی جس طرح انھیں اجتہاد کا حق تھا ہمیں بھی ہے)۔

مثلاً قلتین[3] کی حدیث اگلے طبقہ میں شائع نہ تھی اس دور میں اس کی اشاعت ہوئی اور بعض ارباب روایت نے اپنے مذہب کی بنا پر اسی حدیث پر رکھی لیکن جن علماء کے سامنے سلف کا تعامل تھا انھوں نے اس کو شاذ اور متروک العمل قرار دیا۔ شاہ ولی اللہ محدث دہلوی لکھتے ہیں:

مثاله حديث القلتين فانه حديث صحيح	اس کی مثال قلتین کی حدیث ہے کہ یہ حدیث صحیح ہے اور
روى بطرق كثيرة معظمها ترجع الى الوليد	بہت سے طریقوں سے مروی ہے جو بیشتر اس سلسلہ سند پر تھی

[1] افراد، فرد کی جمع ہے، فرد اس حدیث کو کہتے ہیں جس کی روایت کسی خاص فرد یا کسی خاص مقام کے افراد کے ساتھ مخصوص و منحصر ہو۔ [2] غرائب غریب کی جمع ہے۔ غریب اس حدیث کو کہتے ہیں جس کے سلسلہ سند میں کہیں نہ کہیں ایک راوی ہو۔ [3] وہ حدیث اس طرح ہے کہ جب پانی دو قلہ ہو تو نجس نہیں ہوتا؛ قُلّہ بضم قاف و تشدید لام متعدد معانی میں مستعمل ہے جو لوگ اس روایت پر عمل کرتے ہیں وہ اس سے بڑا مٹکا مراد لیتے ہیں جس میں پانچ سو رطل یعنی سوا چھ من پختہ پانی آئے اور بعض کہتے ہیں کہ جس میں دو یا زیادہ مشکیں سما سکیں۔

بن کثیر عن محمد بن جعفر بن الزبیر عن عبد الله او محمد بن عباد بن جعفر عن عبید الله بن عبد الله کلاهما عن ابن عمر ثم تشعبت الطرق بعد ذلک وھذان وان کانا من الثقات لکنهما لیسا ممن وسد الیهما الفتوی وعول الناس علیهم فلم یظهر الحدیث فی عصر سعید بن المسیب ولا فی عصر الزهری و لم یمش علیه المالکیة ولا الحنفیة فلم یعملوا به۔ ؎۱

ہوتے ہیں ولید بن کثیر، محمد بن جعفر بن زبیر سے وہ عبد اللہ سے یا ولید سے، محمد بن عباد بن جعفر سے وہ عبید اللہ بن عبد اللہ سے پھر عبد اللہ اور عبید اللہ دونوں حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے پھر اس سند کے بعد اس کے بہت سے طریقے شاخ در شاخ پھیلے اور عبد اللہ و عبید اللہ اگرچہ یہ دونوں ثقات میں سے ہیں لیکن ان علماء میں نہیں کہ جن پر فتوی کا مدار اور لوگوں کا مدار اور لوگوں کا اعتماد تھا اس وجہ سے یہ حدیث نہ سعید بن المسیب کے عہد میں ظاہر ہوئی اور نہ زہری کے زمانہ میں اور نہ اس پر مالکیہ ہی چلے اور نہ حنفیہ چنانچہ ان سب لوگوں نے اس پر عمل نہ کیا۔

علامہ ابن القیم نے تہذیب سنن ابی داؤد میں اس حدیث کے متروک العمل ہونے پر بڑی سیر حاصل بحث کی ہے اور بہت سے دلائل سے اس کا نا قابل قبول ہونا بیان کیا ہے چنانچہ اس کے شذوذ پر بحث کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

واما الشذوذ فان ھذا الحدیث فاصل بین الحلال والحرام والطاھر والنجس وھی فی المیاہ کالاوسق فی الزکوۃ والنصب فی الزکوۃ فکیف لا یکون مشھورًا شائعًا بین الصحابۃ ینقلہ خلف عن سلف لشدۃ حاجۃ الامۃ الیہ اعظم من حاجتھم الی نصب الزکوۃ فان اکثر الناس لا تجب علیھم زکوۃ والوضوء بالماء الطاھر فرض علی کل مسلم فیکون الواجب نقل ھذا الحدیث کنقل نجاسۃ البول ووجوب غسلہ ومن المعلوم ان ھذا لم یروہ غیر ابن عمر ولا عن ابن عمر غیر عبید اللہ وعبد اللہ فاین نافع وسالم وایوب وسعید بن جبیر واین اھل المدینۃ وعلماؤھم عن ھذہ السنۃ التی مخرجھا

رہا شذوذ سو یہ حدیث حلال اور حرام اور پاک اور ناپاک کا فیصلہ کرنے والی ہے اور پانیوں کے بیان میں اس کی وہی حیثیت ہے جو زکوۃ کے سلسلہ میں اوسق ؎۲ اور مختلف نصابہائے زکوۃ کی ہے پھر کیوں یہ حدیث صحابہ میں مشہور اور شائع نہیں ہوئی کہ خلف اس کو سلف سے نقل کرتے چلے آتے حالانکہ امت کو نصابہائے زکوۃ سے بھی بڑھ کر اس کی شدید حاجت ہے کیونکہ زکوۃ تو اکثر لوگوں پر فرض نہیں ہوتی لیکن پاک پانی سے وضو کرنا ہر مسلمان پر فرض ہے پس اس حدیث کا نقل کرنا اسی طرح واجب قرار پاتا ہے جس طرح کہ پیشاب کی نجاست اور اس کے دھونے کی فرضیت کا نقل کرنا اور یہ بات معلوم ہے کہ اس حدیث کا بجز حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کے اور ان سے بجز عبید اللہ اور عبد اللہ کے اور کوئی راوی نہیں ہے پھر نافع، سالم، ایوب اور سعید بن جبیر کدھر چلے گئے اور اہل مدینہ اور ان کے علماء اس سنت سے کہ جس کا نکاس

؎۱ الانصاف فی بیان سبب الاختلاف، باب اسباب اختلاف مذاہب الفقہاء۔ ؎۲ اَوْسُق جمع ہے وَسْق کی وسق ایک پیمانہ ہے جو ۶۰ صاع کا ہوتا ہے اور ایک صاع آٹھ رطل کا۔

من عندهم وهم اليها احوج الخلق لعزة الماء عندهم ومن البعيد جداً ان يكون هذه السنة عند ابن عمر وتخفى على علماء اصحابه واهل بلده ثم لا يذهب اليها احد منهم ولا يروونها ويديرونها بينهم ومن انصف لم يخف عليه امتناع هذا فلو كانت هذه السنة العظيمة المقدار عند ابن عمر لكان اصحابه واهل المدينة اقول الناس بها واروا هم لها، فاى شذوذ ابلغ من هذا وحيث لم يقل بهذا التحديد احد من اصحاب ابن عمر انه لم يكن فيه عنده سنة من النبى صلى الله عليه وسلم فهذا وجه شذوذه۔ [1]

ان ہی کے یہاں سے ہے کہاں غافل ہوگئے حالانکہ خلق اللہ میں اس سنت کی سب سے زیادہ احتیاج ان ہی کو تھی کیونکہ پانی کی ان کے یہاں بڑی قلت تھی اور یہ بات بالکل بعید ہے کہ یہ سنت حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کے پاس ہوتی اور ان کے اصحاب اور اہل ان کے شہر میں جو اہل علم تھے ان ہی سے مخفی رہتی اور ان میں سے کوئی بھی اس سنت کی طرف نہ جاتا اور نہ وہ لوگ اس کو روایت کرتے اور نہ آپس میں اس کا چرچا کرتے حالانکہ جو شخص بھی انصاف سے کام لے گا اس پر اس بات کا ناممکن ہونا مخفی نہ رہے گا پس یہ سنت عظیم المرتبت اگر حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کے پاس ہوتی تو ان کے اصحاب اور اہل مدینہ سب لوگوں سے زیادہ اس کے قائل ہوتے اور سب سے زیادہ اس کو روایت کرتے، سو اس سے بڑھ کر اور کیا شذوذ ہو سکتا ہے اور جبکہ اصحاب ابن عمر رضی اللہ عنہما سے کوئی ایک فرد بھی اس تحدید کا قائل نہیں تو معلوم ہوا کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کے پاس اس بارے میں کوئی سنت آنحضرت کی موجود نہ تھی اور یہ اس روایت کے شاذ ہونے کا بیان ہے۔

قلتین کی طرح سے آمین بالجہر کی حدیث بھی ہے چنانچہ محدث دارقطنی اس کو اپنی سنن میں نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں:

قال ابوبكر هذه سنة تفرد بها اهل الكوفة۔

ابوبکر (عبداللہ بن ابی داؤد سجستانی) کا بیان ہے کہ یہ وہ سنت ہے جس کی روایت صرف اہل کوفہ نے کی ہے۔

اور اس پر مستزاد یہ کہ خود علماء اہل کوفہ میں سے کسی کا اس روایت پر عمل بھی نہیں ہے، اسی طرح "خیار مجلس"[2] کی حدیث کہ نہ اس پر فقہاء سبعہ نے عمل کیا ہے اور نہ فقہاء کوفہ نے اور حدیث "مصراۃ"[3] کہ نہ اس پر امام اعظم کا عمل ہے نہ امام مالک کا اور دوسری وہ تمام روایات کہ جن پر عہد صحابہ و تابعین میں ائمہ فتوی کا عمل نہ تھا ان سب روایات کے بارے میں فقہاء اور ارباب روایت کا نقطۂ نظر بالکل جدا جدا تھا۔ فقہاء ان تمام روایات کو

---

[1] تہذیب سنن ابی داؤد ص ۵۸ لغایت ۶۲ طبع انصاری دہلی برحاشیہ غایۃ المقصود شرح سنن ابی داؤد۔

[2] وہ حدیث یہ ہے کہ "بائع اور مشتری دونوں کو اس وقت تک فسخ معاملہ کا اختیار ہے جبتک کہ دونوں جدا نہ ہوں" اس روایت کی بناء پر ایجاب و قبول اور بیع کے تمام ہو جانے کے بعد جبتک بائع و مشتری ایک جگہ بیٹھے ہیں بیع فسخ کی جا سکتی

[3] مُصَرَّاۃ وہ دودھ کا جانور ہے کہ جس کا دودھ چند وقت نہ دوہا جائے تاکہ خریدار یہ دیکھ کر کہ یہ جانور بہت دودھ والا ہے دھوکا کھا کر زیادہ قیمت دیدے۔ اور حدیث مصراۃ یہ ہے کہ "جو کوئی ایسا جانور خریدے وہ اس کے دوہنے کے بعد اختیار رکھتا ہے کہ چاہے اس کو رکھے اور چاہے واپس کر دے اور اس کے ساتھ ایک صاع خرما بائع کو دے"۔ یہ ایک صاع خرما اس دودھ کا عوض ہے جو مشتری نے نکالا ہے۔

تعامل[1] وتوارث سلف کی روشنی میں جانچتے تھے اور ارباب روایت صرف صحت سند پر مدار رکھتے تھے۔
شاہ ولی اللہ صاحب ازالۃ الخفاء میں لکھتے ہیں:

اتفاق سلف وتوارث ایشاں اصل عظیم است درفقہ۔ [2]

اور الانصاف میں ارباب روایت کا طرز عمل یہ بتلاتے ہیں:

فاذا لم یجدوا فی کتاب اللہ اخذوا بسنۃ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سواء کان مستفیضا دائرا بین

پھر جب وہ کتاب اللہ میں مسئلہ نہ پاتے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث کو لیتے خواہ وہ حدیث مشہور اور فقہاء میں

---

[1] چنانچہ اکابر علماء کی تصریح اس باب میں حسب ذیل ہے۔ امام مالک فرماتے ہیں:

اذا جاء عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم حدیثان مختلفان وبلغنا ان ابا بکر وعمر عملا باحد الحدیثین وترکا الآخر کان ذلک دلیلا علی ان الحق فیما عملا بہ (التعلیق الممجد علی موطا الامام محمد نقلا عن الاستذکار لابن عبدالبر، باب الوضوء مما غیرت النار)

جس وقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے دو مختلف حدیثیں آئیں اور ہمیں یہ بات پہنچے کہ حضرات ابوبکر وعمر رضی اللہ عنہما نے ایک پر عمل کیا ہے اور دوسری کو چھوڑ دیا ہے تو یہ اس بات کی دلیل ہوگی کہ جس روایت پر انھوں نے عمل کیا وہی صحیح ہے۔

اور محدث خطیب بغدادی اپنی تاریخ میں امام ممدوح سے نقل کرتے ہیں کہ

لو کان ہذا الحدیث ہو المعمول بہ، لعملت بہ الائمۃ ابوبکر وعمر وعثمان بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان یصلی الامام قاعدا ومن خلفہ قعودا۔ (تاریخ بغداد ج ۶ ص ۲۴۷ طبع مصر)

اگر یہ حدیث معمول بہ ہوتی کہ امام بیٹھ کر نماز پڑھے تو جو اس کے پیچھے ہیں وہ بھی بیٹھ کر ہی نماز پڑھیں تو اس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کے ائمہ حضرات ابوبکر وعمر وعثمان رضی اللہ عنہم ضرور عمل کرتے۔

اور امام ابوداؤد سجستانی، اپنی سنن میں لکھتے ہیں:

اذا تنازع الخبران عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم ینظر بما اخذ بہ اصحابہ۔ (باب لحم صید المحرم۔ باب من قال لا یقطع الصلوۃ شئی۔)

جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے دو مختلف روایتیں آئیں تو یہ دیکھا جائے گا کہ صحابہ نے کس پر عمل کیا۔

اور امام ابوبکر جصاص، احکام القرآن میں تحریر فرماتے ہیں:

متی روی عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم خبران متضادان وظہر عمل السلف باحدہما کان الذی ظہر عمل السلف بہ اولی بالاثبات (ج ۱ ص ۱۷)

جب حضور علیہ الصلوۃ والسلام سے دو متضاد خبریں روایت کی جائیں اور ان میں سے ایک پر سلف کا عمل ظاہر ہو تو جس روایت پر سلف کا عمل ظاہر ہوگا اسی کا ثبوت اولیٰ ہے۔

اور علامہ محقق کمال الدین ابن الہمام، شرح ہدایہ میں رقمطراز ہیں:

ومما یصحح الحدیث عمل العلماء علی وفقہ۔ (فتح القدیر شرح ہدایہ، قبیل باب ایقاع الطلاق)

اور جن امور کی بنا پر حدیث کی تصحیح کی جاتی ہے ان میں سے ایک یہ بھی ہے کہ علماء اس حدیث کے موافق عمل کریں۔

حضرت الاستاذ مولانا حیدر حسن خاں صاحب رحمہ اللہ شیخ الحدیث دار العلوم ندوۃ العلماء نے تعامل سلف کی حجیت پر ایک نہایت قیمتی اور نفیس رسالہ عربی زبان میں قلمبند فرمایا ہے جس کو ہم نے ما تمس الیہ الحاجۃ لمن یطالع سنن ابن ماجہ میں تمام وکمال نقل کر دیا ہے۔ [2] ص ۸۵ ج ۲ طبع بریلی۔

الفقهاء او يكون مختصا باهل بلد او باهل بيت او بطريق خاصة، وسواء عمل بها الصحابة والفقهاء اولم يعملوا بها ومتى كان فى المسئلة حديث فلا يتبع فيها خلاف اثر من الآثار ولا اجتهاد احد من المجتهدين (باب اسباب اختلاف الفقهاء)

دائر سائر ہوتی یا کسی شہر یا کسی خاندان یا کسی خاص طریقہ سے مخصوص ہوتی اور خواہ اس پر صحابہ اور فقہاء کا عمل ہوتا یا نہ ہوتا، اور جب تک مسئلہ میں کوئی حدیث موجود ہوتی اس وقت تک اس مسئلہ کے خلاف نہ آثار میں سے کسی اثر کی پیروی کی جاتی اور نہ مجتہدین میں سے کسی مجتہد کے اجتہاد کی۔

غرض یہ وہ وجوہ ہیں کہ جن کی بنا پر متقدمین میں اور اس دور کے بعض ارباب روایت میں بہت سی احادیث کی تصحیح و تضعیف کے سلسلہ میں اختلاف ہوگیا۔ ارباب ظواہر نے اپنے مذہب کی بنا اسی عہد کی تحقیقات پر رکھی لیکن محققین کے نزدیک اس بارے میں صدر اول کا فیصلہ معتبر ہے۔ شیخ عبد الحق محدث دہلوی شرح سفر السعادت الموسوم بہ المنہج القویم فی شرح الصراط المستقیم میں فرماتے ہیں:

ونیز حکم بصحت وضعف احادیث در زمان متاخر برخلاف زمان سابق است چہ می تواند کہ حدیثے در زمان ایشان صحیح باشد بسبب اجتماع شرائط صحت وقبول در رواۃ کہ واسطہ بودند میان ایشان وحضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پس ازاں از جہت رواۃ دیگر کہ بعد ازاں آمدند ضعفے پیدا شد از حکم متاخرین محدثین ضعف حدیثے لازم نیاید ضعف وے درمیان امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ مثلاً واین نکتہ ظاہر است واز کلامے کہ بعض محققین ذکر کردہ اند کہ حکم بتواتر و شہرت و وحدت حدیث معتبر در صدر اول است والا بسا احادیثے کہ دراں وقت از آحاد بودہ وبعد ازاں بوجود کثرت طرق برواج ایں علم وکثرت طالبان وجامعان کہ بعد ازاں پیدا شدہ بمرتبہ شہرت رسیدہ باشد استیناسے بایں معنی تواں یافت۔[۱]

اور زمان متاخر میں حدیثوں کی صحت وضعف کا حکم زمان سابق سے جدا ہے کیونکہ ہوسکتا ہے کہ ایک حدیث متقدمین کے زمانہ میں صحیح ہو بسبب اس کے کہ ان راویوں میں جو متقدمین اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے درمیان واسطہ تھے صحت و قبول کے شرائط جمع تھے اور بعد کو دوسرے راویوں کی وجہ سے کہ جو ان کے بعد آئے اس میں ضعف پیدا ہوگیا، پس متاخرین محدثین کے کسی حدیث پر ضعف کا حکم لگا دینے سے لازم نہیں آتا کہ وہ حدیث مثلاً امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کے زمانہ میں بھی ضعیف ہی ہو اور یہ نکتہ ظاہر ہے اور بعض محققین کے اس بیان سے بھی جو انھوں نے ذکر کیا ہے کہ حدیث کے تواتر شہرت اور وحدت کے بارے میں صدر اول کا حکم معتبر ہے ورنہ بہت سی وہ حدیثیں کہ جو اس زمانے میں احاد تھیں اور بعد کو ان کے بہت سے طریقوں کے وجود میں آجانے کے باعث کہ جو زمانہ مابعد میں اس علم کے رواج پانے اور طالبین و مولفین کی کثرت ہوجانے سے پیدا ہوگئے شہرت کے درجہ پر جا پہنچیں گی۔ اس بات پر روشنی پڑتی ہے۔

بہرحال اس دور میں جمع روایات، تنقید احادیث، اصول روایت اور امتیاز مراتب کے سلسلہ میں بہت سی ایسی نئی چیزیں پیدا ہوئیں کہ جس کی بنا پر اس دور کے مصنفین کو حدیث کی تدوین اپنے ذوق کے مناسب نئے انداز سے کرنی پڑی، گذشتہ مؤلفین حدیث نبوی کے پہلو بہ پہلو آثار صحابہ و تابعین کو بھی درج کرتے تھے

---

[۱] ص ۲۳ و ۲۴ طبع نولکشور لکھنؤ۔

اس عہد میں حدیث کو آثار سے علیحدہ کر کے مسند احادیث کے جمع و استقصار کا اہتمام کیا گیا چنانچہ ہر راوی کی تمام پریشان اور غیر مرتب روایتیں یکجا کی گئیں اور مسانید کی تصنیف کا آغاز ہوا۔ حافظ ابن حجر عسقلانی، مقدمہ فتح الباری میں دوسری صدی کے مشاہیر مصنفین علم حدیث کا ذکر کر کے لکھتے ہیں:

الی رأی بعض الائمۃ منھم ان یفرد حدیث النبی صلی اللہ علیہ وسلم خاصۃ وذلک علی رأس المأتین فصنف عبید اللہ بن موسی العبسی الکوفی مسنداً وصنف مسدد بن مسرھد البصری وصنف اسد بن موسی الاموی مسنداً وصنف نعیم بن حماد الخزاعی نزیل مصر مسنداً، ثم اقتفی الائمۃ بعد ذلک اثرھم فقل امام من الحفاظ الا وصنف حدیثہ علی المسانید کالامام احمد بن حنبل واسحاق بن راھویہ وعثمان بن ابی شیبۃ وغیرھم من النبلاء، ومنھم من صنف علی الابواب وعلی المسانید معاً کابن ابی شیبۃ۔ ؎۵

یہاں تک کہ بعض ائمہ حدیث کی یہ رائے ہوئی کہ صرف آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہی کی حدیثوں کو مستقل طور پر علیحدہ جمع کیا جائے اور یہ ۲۰۰ھ کے ختم پر ہوا چنانچہ عبید اللہ بن موسیٰ عبسی کوفی، مسدد بن مسرہد بصری، اسد بن موسیٰ اموی، اور نعیم بن حماد خزاعی نزیل مصر نے ایک ایک مسند تصنیف کی، پھر اور ائمہ بھی ان ہی کے نقش قدم پر چلے اور حفاظ حدیث میں مشکل ہی سے کوئی امام رہا ہوگا کہ جس نے اپنی احادیث کو مسانید پر مرتب نہ کیا ہو، چنانچہ امام احمد بن حنبل، اسحاق بن راہویہ اور عثمان بن ابی شیبہ اور ان جیسے دیگر اکابر نے بھی یہی طریقہ اختیار کیا، اور بعض محدثین نے جیسے کہ ابوبکر بن ابی شیبہ ہیں ابواب و مسانید دونوں عنوانوں پر کتابیں لکھیں۔

ابواب و مسانید کا فرق یہ ہے کہ ابواب میں احادیث کو باب وار مضامین کے لحاظ سے مرتب کیا جاتا ہے مثلاً نماز کی علیحدہ، روزہ کی علیحدہ، زہد کی علیحدہ اور مسانید میں ہر صحابی کی جملہ مرویات کو بلا لحاظ مضمون یکجا ذکر کرتے ہیں مثلاً حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے جتنی روایات آئی ہیں بلا لحاظ اس امر کے کہ وہ روزہ سے متعلق ہیں یا نماز سے یا کسی اور امر سے "مسند ابی بکر الصدیق" کے زیر عنوان یکجا لکھدی جائیں گی۔ یہ فرق تو طرز تصنیف کے اعتبار سے تھا لیکن غور کیجئے تو روایات کے اعتماد و استناد کے لحاظ سے بھی ان دونوں طریقوں میں نمایاں امتیاز نظر آئے گا۔ مصنفین ابواب کے پیش نظر وہ روایات ہوتی ہیں جن کا تعلق عمل یا عقیدہ سے ہوتا ہے اس لئے وہ عموماً ان روایات کو ذکر کرتے ہیں جو احتجاج یا استشہاد کے قابل ہوں اس کے برخلاف مصنفین مسانید کا کام صرف روایات کا جمع کر دینا ہے۔ اس لئے وہ اس بندش سے آزاد ہیں یہی وجہ ہے کہ ان کے یہاں صحیح غیر صحیح ہر طرح کی روایات کا انبار نظر آئے گا۔ محدث حاکم نیشاپوری، المدخل فی اصول الحدیث میں لکھتے ہیں:

"ابواب و تراجم (مسانید) کا فرق یہ ہے کہ تراجم کی صورت میں شرط یہ ہے کہ مصنف یوں عنوان کرے ذکر ما ورد عن ابی بکر الصدیق عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم۔ یعنی حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے واسطے سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے جو احادیث

؎۵ ہدی الساری لفتح الباری ج ۱ ص ۵ و ۶ طبع میریہ مصر۔

وارد ہوئی ہیں ان کا بیان۔

پھر دوسرا عنوان یہ ہوگا،

ذکر ما رواہ قیس بن ابی حازم عن ابی بکر الصدیق۔	یعنی قیس بن ابی حازم نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے جو روایتیں کی ہیں ان کا بیان۔

اس صورت میں مصنف کے لئے لازمی ہے کہ قیس کے واسطے سے جس قدر روایات حضرت ابوبکر صدیق سے مل جائیں ان سب کی تخریج کرے قطع نظر اس کے کہ وہ صحیح ہوں یا سقیم۔

لیکن مصنف ابواب اس طرح عنوان قائم کرتا ہے:

ذکر ما صح وثبت عن رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم فی ابواب الطہارۃ او الصلوۃ او غیر ذلک من العبادات۔ [۵۱]	یعنی طہارت یا نماز یا دیگر عبادات کے بارے میں جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے صحیح وثابت ہو اس کا ذکر۔

اور حافظ ابن حجر عسقلانی، تعجیل المنفعہ بزوائد رجال الائمۃ الاربعہ میں ارقام فرماتے ہیں،

اصل وضع التصنیف للحدیث علی الابواب ان یقتصر فیہ علی ما یصلح للاحتجاج او الاستشہاد بخلاف من رتب علی المسانید فان اصل وضعہ مطلق الجمع۔ [۵۲]	ابواب پر حدیث کی تصنیف کا اصول یہ ہے کہ اس کو صرف ان روایات تک محدود رکھا جائے کہ جن میں احتجاج یا استشہاد کی صلاحیت ہو، برخلاف ان لوگوں کے کہ جنہوں نے مسانید پر ترتیب کی ہے کیونکہ مسند کی تدوین کا مقصد صرف جمع روایات ہے۔

بات یہ ہے کہ اہل تراجم یعنی مصنفین مسانید و معاجم کا مقصد چونکہ تمام بکھری ہوئی روایات اور پراگندہ حدیثوں کا جمع و استقصا ہے اس لئے ایک صحابی اور ایک شیخ کی جتنی روایتیں ان کو مل جاتی ہیں وہ ان کو مسند اور معجم میں جمع کر دیتے ہیں اور چونکہ یہ ضروری نہیں کہ ہر راوی کی ہر روایت صحیح سندہی سے منقول ہوتی چلی آئے اس لئے جس طریقہ اور جس سند سے بھی وہ روایت ان کو پہنچتی ہے وہ اسے مع اسناد نقل کر دیتے ہیں بایں وجہ صرف صحیح روایات کی تدوین ان کے موضوعِ تالیف سے خارج اور ان کی شرط تصنیف کے منافی ہے ان کا تو مقصد ہی یہ ہے کہ تمام کچا پکا، صحیح غیر صحیح، قوی غیر قوی، قابل قبول اور ناقابل قبول ہر طرف سے تلاش اور جستجو کرکے فراہم کر دیا جائے تاکہ کوئی روایت مدون ہونے سے رہنے نہ پائے اور جب یہ سارا ذخیرہ یکجا ہوکر سامنے آجائے تو اہل فن اصول تنقید اور قواعد روایت کے مطابق ان تمام روایات کی جانچ پڑتال کرکے ہر روایت کے بارے میں صحیح رائے قائم کر سکیں، کتب مسانید و معاجم درحقیقت طرق و اسانید کا بیش بہا دفتر ہیں جن سے حدیث کی قوت و ضعف کا بخوبی پتہ چل جاتا ہے اور یہ معلوم ہو جاتا ہے کہ وہ روایت صحت سے کس معیار پر ہے اور اس کی سند کے کتنے طریقے صحیح اور کتنے ضعیف ہیں اور اگر ضعف ہے تو کیا اس قسم کا ہے کہ چند طریقوں کے مل لینے سے جاتا رہتا ہے اور حدیث کو قابل استناد بنا دیتا ہے

[۵۱] ص ۴ و ۵ طبع حلب۔ [۵۲] ص ۳ طبع دائرۃ المعارف حیدرآباد دکن ۱۳۲۴ھ

مثلاً ایک حدیث کئی اسنادوں سے مروی ہے اور ہر اسناد میں ایک ایسا راوی موجود ہے کہ جس پر حافظہ کی کمی کا الزام ہے اس لئے کیا یہ ممکن ہے کہ اس کے جملہ طرق کو دیکھ کر یہ فیصلہ کیا جا سکے کہ ان میں سے ہر ایک میں جو علیحدہ علیحدہ حافظہ کی کمی تھی وہ ان سب کے متفقہ بیانات سے پوری ہو گئی، اور اسی طرح اگر وہ حدیث صحیح ہے تو کیا وہ غرائب و افراد میں سے ہے یا تعدد طرق کی بنا پر اسے شہرت کا درجہ حاصل ہے یا اسے صرف عزیز کہا جائے گا۔

غرض اب تک ابواب پر تصنیف کا رواج تھا۔ اب مسانید مرتب ہوئیں، محدث حاکم نیشاپوری لکھتے ہیں:

"یہ مسانید جو اسلام میں تصنیف ہوئیں صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کی مرویات ہیں ان کا سلسلہ سند معتبر اور مجروح ہر قسم کے رواۃ پر مشتمل ہے جیسے مسند عبید اللہ بن موسیٰ اور مسند ابی داؤد سلیمان بن داؤد طیالسی، یہ دونوں پہلے شخص ہیں جنھوں نے اسلام میں تراجم رجال پر مسندیں تصنیف کیں، ان دونوں کے بعد احمد بن حنبل، اسحٰق بن ابراہیم حنظلی، ابوخیثمہ زہیر بن حرب، اور عبید اللہ بن عمر قواریری نے مسانید لکھیں، پھر تو کثرت سے تراجم رجال پر مسانید کی تخریج ہوئی، اور ان سب کے جمع کرنے میں صحیح و سقیم کے امتیاز کا کوئی لحاظ نہیں رکھا گیا۔" [1]

حاکم نے ذرا سختی کی اور سب مسانید کے بارے میں ایک عام حکم لگا دیا بلاشبہ اکثر کتب مسانید کا یہی حال ہے تاہم بعض ائمہ نے مسانید کی تدوین میں بھی انتخاب سے کام لیا ہے اور حتی الوسع قابل استناد روایات کو جمع کرنے کا اہتمام کیا ہے۔

مسند اسحٰق بن راہویہ | چنانچہ علامہ سیوطی، تدریب الراوی میں لکھتے ہیں:

واسحٰق یخرج امثل ما ورد عن ذلک الصحابی فیما ذکرہ ابوزرعۃ الرازی [2]

اور اسحٰق بن راہویہ جیسا کہ ابوزرعہ رازی نے ذکر کیا ہے جو روایت سب سے اچھی ہوتی ہے وہی اس صحابی سے نقل کرتے ہیں

مسند امام احمد | بلکہ امام احمد کا تو یہ ارادہ تھا کہ اپنی مسند کو صحیح حدیثوں کا اتنا بڑا مجموعہ بنا دیا جائے کہ اگر کبھی علماء میں کسی حدیث کی بابت کوئی اختلاف رونما ہو تو یہ کتاب اس روایت کے استناد و عدم استناد میں دستاویز کا کام دے سکے چنانچہ امام ممدوح کے صاحبزادے عبداللہ بن احمد کا بیان ہے کہ

قلت لابی لم کرھت وضع الکتب وقد عملت المسند فقال عملت ھذا الکتاب اماما اذا اختلف الناس فی سنۃ عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رجع الیہ [3]

میں نے والد بزرگوار سے عرض کیا کہ آپ کتابوں کی تصنیف کو کیوں ناپسند فرماتے ہیں حالانکہ آپ نے خود بھی مسند تالیف کی ہے فرمانے لگے کہ میں نے تو اس کتاب کو امام بنایا ہے کہ جب لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی کسی سنت میں اختلاف کریں تو اس کی طرف رجوع کیا جائے۔

---

[1] المدخل فی اصول الحدیث ص ۹ طبع حلب۔ [2] تدریب الراوی ص ۵۰ طبع مصر ۱۳۰۷ھ۔ [3] خصائص المسند از حافظ ابوموسیٰ مدینی ص ۸ طبع مصر ۱۳۴۰ھ

اور آپ کے برادر زادہ حنبل بن اسحٰق کہتے ہیں کہ

جمعنا عمی لی ولصالح ولعبد اللہ وقرأ علینا المسند وما سمعہ منہ تاماً غیرنا وقال لنا ھذا الکتاب قد جمعتہ وانتقیتہ من اکثر من سبعمائۃ الف وخمسین الفاً فما اختلف المسلمون فیہ من حدیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فارجعوا الیہ فان وجدتموہ فیہ والا فلیس بحجۃ۔ [۱]

عم محترم (امام احمد) نے مجھے اور (اپنے دونوں صاحبزادگان) صالح اور عبد اللہ کو جمع کرکے ہمارے سامنے مسند کی قرارت کی، ہمارے سوا اور کسی نے آپ سے اس کتاب کو بہ تمام و کمال نہیں سنا ہے اور پھر ہم سے فرمایا کہ اس کتاب کو میں نے ساڑھے سات لاکھ سے [۲] زائد روایتوں سے انتخاب کرکے جمع کیا ہے سو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی جس حدیث میں مسلمانوں کا اختلاف ہو تم اس کتاب کی طرف رجوع کرو اگر اس میں وہ روایت مل جائے تو فبہا ورنہ وہ حجت نہیں۔ [۳]

[۱] مناقب احمد از ابن جوزی ص ۱۹۱ و ۱۹۲ طبع مصر ۱۳۴۹ھ و خصائص المسند ص ۹۔ [۲] یاد رہے کہ یہ تعداد متون احادیث کی نہیں بلکہ طرق و اسانید کی ہے چنانچہ شاہ عبد العزیز صاحب محدث دہلوی نے بستان المحدثین میں اس کی تصریح بھی کر دی ہے۔ [۳] امام ممدوح کے اس قول کی مختلف توجیہیں کی گئی ہیں۔ حافظ ذہبی فرماتے ہیں۔

ھذا القول منہ علی غالب الامر والا فلنا احادیث قویۃ فی الصحیحین والسنن والاجزاء ماھی فی المسند، وقدر اللہ تعالیٰ ان الامام قطع الروایۃ قبل تھذیب المسند، وقبل وفاتہ بثلاث عشرۃ سنۃ فتجد فی الکتاب اشیاء مکررۃ، ودخول مسند فی مسند وسند فی سند، وھو نادر۔

(المصعد الاحمد فی ختم المسند للامام احمد، ص ۲۱)

امام موصوف کا یہ فرمانا غالب حال کے اعتبار سے ہے ورنہ ہمارے پاس صحیحین، سنن اور اجزاء میں بہت سی قوی حدیثیں موجود ہیں کہ جو مسند میں نہیں ہیں، نیز اللہ تعالیٰ کا کرنا ایسا ہوا کہ امام نے مسند کی تہذیب سے پہلے اور اپنی وفات سے تیرہ سال قبل ہی حدیث کا روایت کرنا ختم کر دیا، یہی وجہ ہے کہ آپ اس کتاب میں بہت سی اشیاء کو مکرر اور ایک مسند کو دوسری مسند میں اور ایک سند کو دوسری سند میں داخل پائیں گے اور یہ ایک سند کا دوسری سند میں ملجانا نادراً ہوا ہے۔

اور حافظ شمس الدین محمد جزری لکھتے ہیں:

واما قولہ "فما اختلف فیہ من الحدیث رجع الیہ والا فلیس بحجۃ" یرید اصول الاحادیث وھو صحیح فانہ مامن حدیث غالباً الا ولہ اصل فی ھذا المسند، واللہ تعالیٰ اعلم (المصعد الاحمد ص ۲۱)

اور امام احمد نے جو یہ فرمایا ہے کہ "جس حدیث میں اختلاف ہو اس کتاب کی طرف رجوع کیا جائے اگر اس میں ہو تو فبہا ورنہ وہ حجت نہیں" اس سے مراد اس حدیث کی اصل ہے اور یہ صحیح ہے کیونکہ کوئی حدیث غالباً ایسی نہیں کہ جس کی اصل اس مسند میں نہ ہو۔ واللہ تعالیٰ اعلم

اور شاہ عبد العزیز صاحب بستان المحدثین میں ارقام فرماتے ہیں کہ

راقم الحروف گوید، مراد ایشاں ہماں احادیث است کہ بدرجہ تواتر یا شہرت نرسیدہ اند والا احادیث صحیحہ مشہورہ بسیار است کہ در مسند ایشاں نیست۔

(ص ۳۰ طبع مجتبائی دہلی)

امام موصوف کی مراد ان ہی احادیث سے ہے کہ جو شہرت یا تواتر کے درجہ تک نہیں پہنچی ہیں ورنہ بہت سی مشہور صحیح حدیثیں ہیں کہ جو ان کی مسند میں نہیں ہیں۔

بلا شبہ یہ کتاب ایسی ہی ہوتی لیکن کارکنانِ قضا و قدر کو کچھ اور ہی منظور تھا ابھی مسند تشنۂ تکمیل ہی تھی کہ امام ممدوح نے سفرِ آخرت اختیار کیا اور کتاب کا مسودہ متفرق اجزاء واوراق میں باقی رہ گیا۔ حافظ ابو الخیر شمس الدین جزری، المصعد الاحمد فی ختم مسند الامام احمد میں لکھتے ہیں:

ان الامام احمد شرع فی جمع هذا المسند فكتبه فی اوراق مفردة، وفرقه فی اجزاء منفردة علی ما تكون المسودة ثم جاء حلول المنية قبل حصول الامنية فبادر باسماعه لاولاده واهل بيته ومات قبل تنقيحه وتهذيبه فبقی علی حاله۔

امام احمد نے اس مسند کو جمع کرنا شروع کیا تو اس کو علیحدہ علیحدہ اوراق میں لکھا اور جدا جدا اجزا میں الگ رکھا جس طرح سے کہ مسودہ ہوا کرتا ہے پھر حصول مقصد سے پہلے آپ کی وفات واقع ہوگئی، آپ نے اس کتاب کو اپنی اولاد اور اہلِ خاندان کو سنانے میں بڑی عجلت سے کام لیا اور اس کی تنقیح و تہذیب سے پہلے ہی آپ انتقال فرما گئے اور کتاب اسی حال میں رہ گئی۔

یہی وجہ ہے کہ باوجود اس کتاب کے اسقدر ضخیم ہونے کے کہ اس میں چالیس ہزار حدیثیں آگئی ہیں پھر بھی احادیث صحیحہ کی بہت بڑی تعداد اس میں درج ہونے سے رہ گئی ہے۔ حافظ ابن کثیر، اختصار علوم الحدیث میں لکھتے ہیں:

ان الامام احمد قد فاته فی كتابه هذا مع انه لا يوازيه كتاب مسند فی كثرته وحسن سياقه احاديث كثيرة جدا بل قد قيل انه لم يقع له جماعة من الصحابة الذين فی الصحيحين قريبا من مائتين۔
(ص، طبع مکہ مکرمہ ۱۳۵۳ھ)

امام احمد سے اپنی اس کتاب میں باوجود اس امر کے کہ کوئی اور مسند کثرتِ روایات اور حسنِ ادا میں اس کا مقابلہ نہیں کرتی پھر بھی نہایت کثرت سے حدیثیں چھوٹ گئی ہیں بلکہ بیان کیا گیا ہے کہ جماعت صحابہ میں دو سو کے قریب ایسے حضرات کی روایتیں اس میں موجود نہیں ہیں کہ جن سے خود صحیحین میں حدیثیں منقول ہیں۔

اسی طرح بعض غیر صحیح حدیثیں بھی کتاب میں داخل ہوگئی تھیں جن میں سے بعض کو خود امام ممدوح نے بھی مسودہ میں قلمزد کر دیا تھا چنانچہ حافظ ابو موسیٰ مدینی نے خصائص المسند میں ان میں سے بعض روایات کی نشاندہی بھی کی ہے اسی بنا پر علماء میں یہ امر زیر بحث ہے کہ آیا اب بھی مسند میں کوئی موضوع روایت موجود ہے یا نہیں۔ علامہ ابن تیمیہ نے اس بحث کا فیصلہ ان الفاظ میں کیا ہے۔

وقد تنازع الناس هل فی مسند احمد حديث موضوع فقال طائفة من حفاظ الحديث كابی العلاء الهمدانی ونحوه، ليس فيه موضوع وقال بعضهم كابی الفرج بن الجوزی فيه موضوع، ولا خلاف بين القولين عند التحقيق فان لفظ الموضوع قد يراد به المختلق المصنوع الذی يتعمد صاحبه الكذب، وهذا

لوگوں کا اس میں اختلاف ہے کہ آیا مسند احمد میں کوئی موضوع حدیث ہے یا نہیں چنانچہ حفاظِ حدیث کی ایک جماعت جیسے ابو العلاء ہمدانی وغیرہ تو یہ کہتے ہیں کہ اس میں کوئی موضوع حدیث نہیں اور بعض حفاظ جیسے ابو الفرج بن الجوزی یہ کہتے ہیں کہ اس میں موضوع روایت موجود ہے اور تحقیق کرنے پر ان دونوں قولوں میں کوئی اختلاف نہیں رہتا کیونکہ لفظ موضوع سے کبھی تو جھوٹی اور گھڑی ہوئی روایت مراد

مما لا یعلم ان فی المسند منہ شیئاً، بل شرط المسند اقوی من شرط ابی داؤد فی سننہ و قد روی ابو داؤد فی سننہ عن رجال اعرض عنھم فی المسند ولھذا کان الامام احمد فی المسند لا یروی عمن یعرف انہ یکذب مثل محمد بن سعید المصلوب ونحوہ و لکن یروی عمن یضعف لسوء حفظہ فان ھذا یکتب حدیثہ ویعتضد بہ و یعتبر بہ۔

ہوتی ہے کہ جس کا بیان کرنے والا قصداً دروغ بیانی سے کام لیتا ہے"۔ اور اس قسم کی کسی روایت کا مسند میں پتہ نہیں چلتا بلکہ مسند کی شرط ابوداؤد کی شرط سے جو انھوں نے اپنی سنن میں ملحوظ رکھی ہے زیادہ قوی ہے چنانچہ ابوداؤد نے اپنی سنن میں بہت سے ایسے لوگوں سے روایتیں درج کی ہیں کہ جن سے مسند میں اعراض کیا گیا ہے اور اسی لئے امام احمد اپنی مسند میں ایسے شخص سے روایت نہیں کرتے کہ جس کے بارے میں وہ یہ جانتے ہوں کہ وہ جھوٹ بولتا ہے جیسے کہ محمد بن سعید مصلوب وغیرہ ہیں لیکن اس شخص سے روایتیں لے لیتے ہیں کہ جو حافظہ کی خرابی کی بنا پر ضعیف سمجھا جاتا ہو کیونکہ ایسے شخص کی حدیث لکھی جاتی ہے اور دوسری روایت کی تائید اور اعتبار کے سلسلہ میں کام آتی ہے۔

ویراد بالموضوع ما یعلم انتفاء خبرہ وان کان صاحبہ لم یتعمد الکذب، بل اخطأ فیہ وھذا الضرب فی المسند منہ، بل وفی سنن ابی داؤد والنسائی وفی صحیح مسلم والبخاری ایضاً الفاظ فی بعض الاحادیث من ھذا الباب۔ [1]

اور کبھی موضوع سے مراد وہ روایت ہوتی ہے کہ جس کے ثبوت کی نفی معلوم ہو اگرچہ اس کے بیان کرنے والے نے قصداً دروغ بیانی نہ کی ہو بلکہ روایت کرنے میں چوک گیا ہو" اور ایسی روایات مسند میں موجود ہیں بلکہ سنن ابی داؤد اور سنن نسائی میں بھی ہیں اور صحیح مسلم اور صحیح بخاری تک میں بعض احادیث میں اس قسم کے الفاظ آئے ہیں۔

بہرحال مسند احمد کی اس خصوصیت سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ صحیح حدیثوں کا اس سے بڑا مجموعہ اور کوئی موجود نہیں بلکہ حافظ نور الدین ہیثمی نے غایۃ المقصد [2] فی زوائد المسند میں تصریح کی ہے کہ

مسند احمد اصح صحیحاً من غیرہ۔ [3]

صحیح ہونے میں مسند احمد اوروں کی نسبت صحیح تر ہے۔

صحاح ستہ کی تدوین

مسانید کی تالیف سے جب تمام منتشر اور پراگندہ روایتیں یکجا ہو گئیں تو پھر اس دور کے محدثین نے انتخاب واختصار کا طریقہ اختیار کیا اور صحاح ستہ کی تدوین عمل میں آئی۔ امام بخاری جن کا نام مصنفینِ صحاح ستہ میں سرفہرست ہے بیان فرماتے ہیں کہ میں ایک روز امام اسحق بن راہویہ کی مجلس میں حاضر تھا وہاں ہمارے اصحاب میں سے کسی کی زبان سے نکلا کہ

لو جمعتم کتاباً مختصراً لسنن النبی صلی اللہ علیہ وسلم۔

کاش تم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنن کے بارے میں کوئی مختصر سی کتاب جمع کر دیتے۔

---

[1] المصعد الاحمد ص ۲۵ و ۲۶۔ [2] اس کتاب میں حافظ ہیثمی نے مسند امام احمد سے ان تمام روایات کو جمع کیا ہے کہ جن کو ارباب صحاح ستہ میں سے کسی نے روایت نہیں کیا ہے۔ [3] تدریب الراوی ص ۵۷۔

یہ خطاب تمام حاضرینِ مجلس سے تھا مگر دل میں اسی کے اترا جس کی قسمت میں روزِ ازل سے یہ سعادت مقرر ہو چکی تھی امام ممدوح فرماتے ہیں:

فوقع ذلك فی قلبی واخذت فی جمع ھذا الکتاب۔ سلھ

یہ بات میرے دل میں اتر گئی اور میں نے اس کتاب کو جمع کرنا شروع کر دیا۔

صحیح بخاری: ادھر مسانید کی کثرت کا یہ عالم تھا، اُدھر گذشتہ دور میں ابواب پر مختلف عنوانات کے تحت بہت سی کتابیں لکھی جا چکی تھیں۔ امام بخاری نے ان تمام تصنیفات سے خاطر خواہ فائدہ اٹھایا اور اپنے حسنِ ذوق سے احادیث صحیحہ کا ایک نہایت عمدہ اور مختصر مجموعہ مرتب کر کے امت کے سامنے پیش کر دیا جس کا نام ہے:

"الجامع المسند الصحیح المختصر من امور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وسننہ وایامہ" ۵۲

شاہ ولی اللہ محدث دہلوی فرماتے ہیں:

باید دانست کہ بخاری بعد مائتین ظاہر شد، وقبل از وے علماء در فنون چند از علوم دینیہ تصانیف ساختہ بودند، امام مالک و سفیان ثوری در فقہ تصنیف کردہ بودند، وابن جریج در تفسیر، وابو عبید در غریب قرآن و محمد بن اسحق و موسیٰ بن عقبہ در سیر، و عبد اللہ بن مبارک در زہد و مواعظ و کسائی در بدء الخلق و قصص انبیاء و یحییٰ بن معین وغیرہ در معرفت احوال صحابہ و تابعین و جمعے دیگر رسائل داشتند در رؤیا و ادب و طب و شمائل و اصول حدیث و اصول فقہ و رد بر مبتدعین مثل جہمیہ، بخاری ایں ہمہ علوم مدونہ را تامل فرمود و جزئیات و کلیات را انتقاد نمود، پس قدرے از علوم کہ با حادیث صحیحہ کہ بر شرط بخاری است بطریق صراحت یا دلالت یافت در کتاب خود آورد تا بدست مسلمانان در امہات ایں علوم حجتے قاطعہ بودہ باشد کہ در آں تشکیک را مدخل نہ بود۔

۵۳

جاننا چاہئے کہ امام بخاری دو سو سال کے بعد نمودار ہوئے اور ان سے پیشتر علماء علوم دینیہ میں مختلف فنون کے اندر تصنیفیں کر چکے تھے، چنانچہ امام مالک اور سفیان ثوری نے فقہ میں تصنیف کی تھی اور ابن جریج نے تفسیر میں اور ابو عبید نے غریب قرآن میں اور محمد بن اسحق اور موسیٰ بن عقبہ نے سیر میں اور عبد اللہ بن مبارک نے زہد و مواعظ میں اور کسائی نے بدء الخلق اور قصص انبیاء میں اور یحییٰ بن معین نے صحابہ و تابعین کے حالات میں نیز متعدد علماء کے فن رؤیا، ادب، طب، شمائل اصول حدیث، اصول فقہ اور رد مبتدعین مثلاً رد جہمیہ پر رسائل موجود تھے امام بخاری نے ان تمام مدونہ علوم پر غور کیا اور جزئیات و کلیات کی تنقید کی پھر ان علوم کا ایک حصہ کہ جس کو انھوں نے بصراحت یا بدلالت ان صحیح حدیثوں میں پایا کہ جو بخاری کی شرط پر صحیح تھیں، اپنی کتاب میں درج کیا تاکہ ان علوم کی بنیادی چیزوں کے متعلق مسلمانوں کے ہاتھ میں ایسی حجت قاطع موجود رہے کہ جس میں تشکیک کا دخل نہ ہو۔

امام بخاری نے ان تمام مختلف فنون کو اپنی کتاب میں بالاختصار جمع کر کے جہاں اسے ایک مختصر جامع بنا لیا

سلھ شروط الائمۃ الخمسہ از حافظ ابوبکر حازمی ص ۵۱ طبع مصر ۱۳۵۷ھ وتہذیب التہذیب ترجمہ امام بخاری۔
۵۲ مقدمہ ابن صلاح وغیرہ۔ ۵۳ مکتوبات شاہ ولی اللہ، مندرجہ کلمات طیبات ص ۱۷۰ طبع مجتبائی دہلی۔

وہاں ان کا سب سے بڑا کارنامہ یہ ہے کہ اس میں انھوں نے صرف صحیح حدیثوں کے درج کرنے کا اہتمام کیا۔ حافظ ابن عدی بسند متصل امام بخاری سے ناقل ہیں کہ

ما ادخلت فی کتابی الجامع الا ما صح وترکت من الصحیح حتی لا یطول، [۱]	میں نے اپنی کتاب الجامع الصحیح میں صرف وہی حدیثیں داخل کی ہیں جو صحیح ہیں اور بہت سی صحیح احادیث کو اس لئے چھوڑ دیا کہ کتاب طویل نہ ہو جائے۔

یہ کتاب حسب تصریح امام ممدوح چھ لاکھ احادیث کا انتخاب ہے جو سولہ سال کی مدت میں پایۂ تکمیل کو پہنچا [۲] غایتِ احتیاط کا یہ عالم تھا کہ فرماتے ہیں "میں نے کتاب الصحیح میں کوئی حدیث اس وقت تک درج نہیں کی جب تک کہ لکھنے سے پہلے غسل کر کے دوگانہ ادا نہ کر لیا اور اس کی صحت کا یقین نہ ہو گیا" کتاب کی تصنیف کا آغاز

---

[۱] مقدمہ فتح الباری ج ۱ ص ۵ طبع میریہ

[۲] اگرچہ کتاب سولہ سال کی مدت میں تمام ہو گئی مگر نظرثانی اور اضافہ کا سلسلہ اخیر دم تک برابر جاری رہا۔ یہی وجہ ہے کہ فربری کے نسخہ میں جنھوں نے اس کو امام بخاری سے بعد میں سُنا ہے حماد بن شاکر کے نسخہ سے دو سو اور ابراہیم بن معقل کے نسخہ سے تین سو حدیثیں زیادہ مروی ہیں (تدریب الراوی، ص ۳۰)

صحیح بخاری کے موجودہ نسخے میں جو حدیث اور ترجمۃ الباب میں بہت سے مقامات پر بے ربطی اور سوءِ ترتیب نظر آتی ہے اور جس کی شکایت شاہ ولی اللہ نے اپنے مکتوبات (ص ۱۴۱) میں بایں الفاظ کی ہے کہ "در عقد تراجم سوءِ ترتیب و تقریر اودر میان می آید۔ . . . . . و اہلِ علم را مطمح نظر مطالب علیہ می باشد نہ تراجم و ترتیب، شعر

شیشۂ صاف از نباشد گو سفال درد باش ۔۔۔ رندے آشام را با ایں تکلفہا چہ کار

اس کی اصل وجہ بھی یہی ہے کہ بعض مقامات پر امام ممدوح نے اضافہ کرنا چاہا تھا مگر اس کا موقع نہ مل سکا چنانچہ کہیں باب قائم کر لیا تھا مگر اس کے تحت حدیث درج کرنے کی نوبت نہ آئی کہیں حدیث لکھ لی تھی لیکن باب قائم نہ کر سکے تھے، بہرحال کتاب کے بہت سے مقامات اسی طرح تشنۂ تکمیل ہی تھے کہ امام بخاری نے اس دارِ فانی سے عالم جاودانی کو رحلت فرمائی بعد کو ناسخین نے اپنی صوابدید کے مطابق جن ابواب میں چاہا ان حدیثوں کو نقل کر دیا۔ چنانچہ حافظ ابوالولید باجی، اپنی کتاب اسماء رجال البخاری کے مقدمہ میں لکھتے ہیں کہ

"ہم سے حافظ ابوذر ہروی نے بیان کیا کہ ہمیں ابو اسحٰق مستملی نے بتایا کہ میں نے صحیح بخاری کو اس کے اصل نسخہ سے جو فربری کے پاس موجود تھا نقل کیا تو میں نے دیکھا کہ اس میں بعض چیزیں تو ناتمام ہیں اور بعض چیزوں کی تبییض ہو چکی ہے چنانچہ بعض تراجم ابواب ایسے تھے کہ ان کے بعد کچھ درج نہ تھا اور بعض حدیثیں ایسی تھیں کہ ان پر ابواب نہ تھے، پھر ہم نے ان میں سے بعض کو بعض کے ساتھ ملا دیا۔"

باجی کہتے ہیں کہ اس بیان کی صحت کا پتہ اس بات سے بھی چلتا ہے کہ ابو اسحٰق مستملی، ابو محمد سرخسی ابو الہیثم کشمیہنی اور ابو زید مروزی نے جو صحیح بخاری کی روایتیں کی ہیں ان سب کی روایتوں میں باہم تقدیم و تاخیر کا اختلاف ہے حالانکہ اصل نسخہ جس سے سب نے نقل کیا ایک ہی ہے۔ یہ اختلاف اس لئے ہوا کہ ہر ایک نے جو کچھ کتاب کے حاشیہ پر یا اس کے ساتھ کسی پرچہ پر کچھ لکھا ہوا پایا اس کو اپنے اندازے سے کہ یہ عبارت فلانی جگہ کی ہونی چاہئے اسی جگہ نقل کر دیا، چنانچہ یہ چیز اس سے ظاہر ہوتی ہے کہ آپ دیکھ رہے ہیں کہ دو اور دو سے زائد ترجمۃ الباب یکجا لکھے ہوئے ہیں مگر ان میں حدیثیں نہیں ہیں۔

باجی کا بیان ہے کہ یہ چیز میں نے یہاں اس لئے ذکر کی کہ ہمارے اہل وطن ایسے معنی کے دھن میں لگے رہتے ہیں کہ جس سے ترجمۃ الباب اور حدیث میں باہمی ربط قائم ہو سکے اور وہ اس سلسلہ میں بیجا تاویلات کی بلا وجہ تکلیف اٹھاتے ہیں۔"

(مقدمہ فتح الباری، ج ۱ ص ۶ طبع میریہ مصر)

بیت الحرام میں ہوا، ابواب وتراجم مسجد نبوی میں منبر شریف اور روضۂ اقدس کے درمیان لکھے[۱]، اس محنت اور جانفشانی کے بعد کل حدیثیں جو درج کتاب ہیں ان سب کی مجموعی تعداد بشمول مکررات ومعلقات و متابعات نو ہزار بیاسی ۹۰۸۲ ہے[۲]۔ یہ تعداد اگرچہ امام بخاری کو جس قدر صحیح حدیثیں زبانی یاد تھیں[۳] ان کے دسویں حصہ کے بھی برابر نہیں لیکن امام موصوف کے حسن انتخاب کا بہترین نمونہ ہے، حافظ ابوجعفر عقیلی نے تصریح کی ہے کہ امام بخاری نے جب کتاب الصحیح تصنیف فرمائی تو اسے علی بن المدینی، احمد بن حنبل اور یحییٰ بن معین[۴] وغیرہ کی خدمت میں پیش کیا، ان سب حضرات نے اس کتاب کی تحسین کی اور اس کے صحیح ہونے کی شہادت دی البتہ چار احادیث کی بابت اختلاف کیا لیکن عقیلی کا بیان ہے کہ ان چار کے بارے میں بھی امام بخاری ہی کا فیصلہ درست ہے اور وہ چاروں بھی صحیح ہیں[۵]۔

امام بخاری سے اس کتاب کو اگرچہ ہزاروں آدمیوں نے سنا تھا لیکن امام موصوف کے جن تلامذہ سے صحیح بخاری کی روایت کا سلسلہ چلا وہ یہ چار بزرگ ہیں (۱) ابراہیم بن معقل بن الحجاج النسفی المتوفی سنہ ۲۹۴ھ۔ (۲) حماد بن شاکر النسفی المتوفی سنہ ۳۱۱ھ[۶] (۳) محمد بن یوسف الفربری المتوفی سنہ ۳۲۰ھ (۴) ابوطلحہ منصور بن محمد بن علی بن قرینہ البزدوی المتوفی سنہ ۳۲۹ھ ان میں اول الذکر دونوں بزرگ مشہور حنفی عالم ہیں اور ابراہیم بن معقل ان سب میں اس حیثیت سے ممتاز ہیں کہ وہ حافظ الحدیث بھی تھے[۷]۔ حافظ ابن حجر عسقلانی نے فتح الباری کے شروع

---

[۱] یہ سب تفصیل مقدمہ فتح الباری (ج ۲ ص ۴۹۰) میں مذکور ہے۔

[۲] اور بحذف مکررات کل تعداد دو ہزار سات سو اکسٹھ ۲۷۶۱ ہے (مقدمہ فتح الباری)۔

[۳] چنانچہ حافظ ابوبکر حازمی نے بسند متصل امام بخاری کا یہ قول نقل کیا ہے کہ احفظ مائۃ الف حدیث صحیح (شروط الائمۃ الخمسہ ص ۴۸ طبع مصر) مجھے ایک لاکھ حدیثیں زبانی یاد ہیں۔ یہ بھی خیال رہے کہ یہ تعداد تمام صحیح حدیثوں کی نہیں بلکہ صرف امام بخاری کی محفوظات کا شمار ہے۔

[۴] یہ وہ حضرات ہیں جن کے بارے میں خود امام بخاری نے جزء رفع الیدین (ص ۵ طبع لاہور سنہ ۱۳۵۹ھ) میں تصریح کی ہے کہ ہؤلاء اهل العلم من اهل زمانهم۔ یہ لوگ اپنے زمانے کے علماء تھے۔ [۵] مقدمہ فتح الباری۔

[۶] حافظ ابن حجر عسقلانی نے فتح الباری میں النسفی کی بجائے حماد بن شاکر النسوی لکھا ہے لیکن علامہ کوثری نے تصریح کی ہے کہ صحیح النسفی ہی ہے اسی طرح ان کی وفات کی بابت بھی حافظ صاحب یہ لکھتے ہیں کہ اظنه مات فی حدود التسعين یعنی میرے خیال میں ان کی وفات سنہ ۲۹۰ھ کے لگ بھگ ہوئی ہے، لیکن محدث کوثری نے حافظ ابن نقطہ کی التقیید کے حوالہ سے جزماً لکھا ہے کہ ان کا سنہ وفات (۳۱۱) ہے، سید مرتضیٰ زبیدی نے تاج العروس شرح قاموس میں ان کا تعارف ان الفاظ میں کرایا ہے (وحماد بن شاکر بن سویه) ابومحمد الوراق الفسوی الحنفی (الراوی صحیح البخاری عنه) ای عن البخاری نفسه (فصل السین من باب الواو والیاء) اس عبارت میں بھی الفسوی غلط طبع ہو گیا ہے۔ [۷] یہ بہت بڑے علامہ اور نہایت نامور مصنف گزرے ہیں۔ حافظ ہونے کے ساتھ فقیہ بھی تھے اور اختلاف مذاہب میں گہری بصیرت رکھتے تھے محاسن علمیہ کے ساتھ زہد وتقویٰ اور ورع وعفاف سے بھی متصف تھے آپ کی تصنیفات میں المسند الکبیر اور التفسیر کا ذکر خاص طور پر کیا جاتا ہے، حافظ عبدالقادر قرشی نے الجواہر المضیہ فی طبقات الحنفیہ میں ان کا تذکرہ لکھا ہے اور حافظ ذہبی نے تذکرۃ الحفاظ میں ان کا ترجمہ ان لفظوں میں شروع کیا ہے، ابراهیم بن معقل بن الحجاج الحافظ العلامة ابواسحاق النسفی قاضی نسف وعالمها ومصنف المسند الکبیر والتفسیر وغیر ذلك اور حافظ مستغفری کے ان کے بارے میں یہ الفاظ ہیں کان فقیها حافظا بصیرا باختلاف العلماء عفیفا صینا، حافظ خلیلی فرماتے ہیں هو حافظ ثقة ۱۲

اور حافظ ابن حجر، فتح الباری کے شروع میں لکھتے ہیں وکان من الحفاظ وله تصانیف۔ ۱۲

میں اپنا سلسلۂ سند ان چاروں حضرات تک بیان کر دیا ہے، فربری نے امام بخاری سے کتاب الصحیح کا دوبار سماع کیا ہے ایک بار ۲۴۸ھ میں اپنے وطن فربر میں جب امام ممدوح وہاں تشریف لائے ہوئے تھے اور دوسری بار ۲۵۲ھ میں خود بخارا میں جا کر۔

صحیح مسلم | امام مسلم نے اپنی جامع صحیح کا انتخاب تین لاکھ ایسی روایات سے کیا ہے کہ جن کو انھوں نے خود براہ راست اپنے شیوخ سے سنا تھا۔ پھر جمع صحیح میں نہ صرف یہ کہ اپنی ذاتی تحقیق پر اکتفا نہ کی یعنی یہ نہیں کیا کہ جن حدیثوں کو خود انھوں نے صحیح سمجھا تھا نقل کر دیا بلکہ مزید احتیاط کے پیش نظر صرف وہی حدیثیں درج کیں کہ جن کی صحت پر اور مشائخ وقت کا بھی اتفاق تھا چنانچہ خود ان کا بیان ہے کہ

لیس کل شئ عندی صحیح وضعتہ ھھنا انما وضعت ھھنا ما اجمعوا علیہ (صحیح مسلم باب التشھد فی الصلوٰۃ)

ہر وہ حدیث جو میرے نزدیک صحیح تھی اس کو میں نے یہاں درج نہیں کیا میں نے تو یہاں صرف ان حدیثوں کو درج کیا ہے کہ جن کی صحت پر شیوخ وقت کا اجماع ہے۔

شیخ ابن صلاح وغیرہ نے اجماع سے اجماع عام سمجھا اس لئے ان کو امام مسلم کے اس دعوے کی صحت کے متعلق سخت اشکال ہوا[۲] لیکن امام مسلم کی مراد اجماع سے اجماع عام نہیں بلکہ اس دور کے بعض خاص مشہور شیوخ وقت کا اجماع ہے[۳]۔ چنانچہ علامہ بلقینی نے اس سلسلہ میں امام احمد بن حنبل، یحییٰ بن معین، عثمان بن ابی شیبہ اور سعید بن منصور خراسانی ان چار ائمۂ حدیث کے نام گنا کر لکھا ہے کہ امام مسلم کی مراد اجماع سے ان حضرات کا اجماع ہے[۴]۔

امام مسلم نے اس پر بھی بس نہیں کیا بلکہ جب کتاب مکمل ہو گئی تو حافظ عصر ابو زرعہ کی خدمت میں لیجا کر

---

[۱] محدث حاکم نیشاپوری نے اس کو بالاسناد خود امام مسلم سے نقل کیا ہے، درمیانی رواۃ صرف یہ دو ہیں، حافظ ابو علی حسین بن محمد ماسرجسی اور ان کے والد (تذکرۃ الحفاظ ذہبی، ترجمہ ابو علی ماسرجسی) یہ بھی واضح رہے کہ یہ امام مسلم کی کل معلومات حدیثیہ کا شمار نہیں بلکہ صرف مسموعہ روایات کا بیان ہے ورنہ ظاہر ہے کہ علم حدیث کی سیکڑوں کتابیں جو ان کی نظر سے گذری ہوں گی اور جن کی روایات پر بطور وجادہ ان کو اطلاع ہوئی ہوگی ان کی تعداد ان سے کئی گنی نہیں تو دوگنی کے قریب قریب ضرور ہوگی۔ یہ بھی یاد رہے کہ یہ تعداد طرق واسانید کی ہے متون کی نہیں۔

[۲] ملاحظہ ہو مقدمہ شرح صحیح مسلم از علامہ نووی۔

[۳] اسی قسم کا اجماع وہ ہے جس کا ذکر امام اسحٰق بن راہویہ کرتے ہیں کہ میں جب عراق میں تھا تو احمد بن حنبل، یحییٰ بن معین اور دیگر اصحاب کے ساتھ نشست وبرخاست رہتی، حدیثوں کا مذاکرہ چھڑتا اور ایک ایک روایت کی دو دو تین تین سندیں پیش کرتے جاتے پھر سب کے بیچ میں سے یحییٰ بن معین فرماتے کہ اور یہ سند بھی تو ہے۔ جب اسانید و طرق کا مرحلہ طے ہو چکتا تو میں کہتا کہ الیس قد صح ھذا باجماع منا (کیا یہ حدیث ہم سب کے اجماع سے صحیح نہیں ہوئی) اور سب بالاتفاق کہتے کہ جی ہاں۔ اب میں پوچھتا کہ ما تفسیرہ، ما فقھہ (اس کا مطلب کیا ہے اور اس میں فقہ کیا ہے) اس پر سب لوگ بجز احمد بن حنبل کے رک جاتے تھے۔ اس واقعہ کو ابن ابی حاتم نے حافظ احمد بن سلمہ سے اور انھوں نے خود اسحٰق بن راہویہ سے سنا ہے (ملاحظہ ہو، ترجمۃ الامام احمد من تاریخ الاسلام للذہبی ص ۱۵ طبع دار المعارف مصر ۱۳۶۵ھ)

[۴] تدریب الراوی ص ۳۸۔

پیش کی جو اس دور میں علل حدیث اور فن جرح و تعدیل کے بہت بڑے امام مانے جاتے تھے اور جس روایت کے بارے میں انھوں نے کسی علت کی طرف اشارہ کیا اسے کتاب سے خارج کر دیا اس طرح پندرہ سال کی محنت شاقہ میں یہ بارہ ہزار[۱] احادیث صحیحہ کا ایسا منتخب مجموعہ تیار ہوا کہ جس کے بارے میں خود مصنف نے جوش ادعا میں کہا تھا۔

لو ان اهل الحديث يكتبون مائتى سنة الحديث فمدارهم على هذا المسند يعنى صحيحه[۲]

محدثین اگر دو سو سال تک بھی حدیثیں لکھتے رہیں جب بھی ان کا دار و مدار اسی المسند الصحیح پر رہے گا۔

مردانِ خدا کی بات بے اثر نہیں ہوتی آج دو سو برس کیا گیارہ سو برس سے اوپر گزر گئے مگر کتاب کا حسنِ قبول اسی طرح پر ہے سچ ہے، ؏ چراغِ مقبلاں ہرگز نمیرد۔

حافظ مسلمہ بن قاسم قرطبی نے اپنی تاریخ میں صحیح مسلم کے متعلق لکھا ہے کہ

لم يضع احد فى الاسلام مثله[۳]

اسلام میں کسی نے ایسی کتاب تصنیف نہیں کی۔

اور محدث قاضی عیاض نے الالماع میں ابو مروان طبنی سے نقل کیا ہے کہ میرے بعض شیوخ صحیح مسلم کو صحیح بخاری پر فضیلت دیتے تھے[۴] شیخ ابو محمد تجیبی نے اپنی فہرست میں امام ابن حزم ظاہری کے متعلق بھی یہی لکھا ہے کہ وہ مسلم کی کتاب کو بخاری کی کتاب پر ترجیح دیا کرتے تھے[۵] اور حافظ ابن مندہ فرماتے ہیں کہ

سمعت ابا على النيسابورى يقول ما رأيت احفظ منه ما تحت اديم السماء اصح من كتاب مسلم[۶]

میں نے ابو علی نیشاپوری کو جن سے بڑھ کر حافظ حدیث میری نظر سے نہیں گزرا یہ کہتے سنا ہے کہ آسمان کے تلے مسلم کی کتاب سے صحیح تر کوئی کتاب نہیں۔

حافظ ابن مندہ نے جس انداز میں ابو علی نیشاپوری کی یہ تصریح نقل کی ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ

۱؎ تذکرۃ الحفاظ، ترجمہ امام مسلم، یہ تعداد بشمول مکررات ہے اگر مکررات کو شمار نہ کیا جائے تو کل حدیثوں کی تعداد چار ہزار کے قریب ہوتی ہے (تدریب الراوی ص ۳۰) ۲؎ مقدمہ شرح صحیح مسلم از نووی

۳؎ ۴؎ ۵؎ مقدمہ فتح الباری، فصل ثانی۔

۶؎ حافظ ذہبی نے اس کو ابن مندہ سے باسناد متصل نقل کیا ہے (ملاحظہ ہو تذکرۃ الحفاظ، ترجمہ حافظ ابو علی حسین بن علی نیشاپوری) واضح رہے کہ صحیح مسلم کی اصحیت کے بارے میں جیسی تصریح حافظ ابو علی نیشاپوری سے منقول ہے ایسی صحیح بخاری کے متعلق قدماء محدثین میں کسی سے مروی نہیں البتہ محدث نووی نے شرح صحیح مسلم کے مقدمہ میں امام نسائی کا یہ قول نقل کیا ہے کہ

ما فى هذه الكتب كلها اجود من كتاب البخارى — ان ساری کتابوں میں بخاری کی کتاب سے زیادہ خوب کوئی کتاب نہیں۔

لیکن امام نسائی نے اجود (بہت خوب) کا لفظ استعمال کیا ہے اصح کا نہیں، ہمارے خیال میں یہ صحیح بخاری کی جامعیت اور حسن اختصار کی خوبی کا بیان ہے مگر حافظ ابن حجر عسقلانی فرماتے ہیں کہ

والنسائى لا يعنى بالجودة الا جودة الاسانيد — نسائی کی مراد جودت سے صرف جودت اسانید ہے۔

بے شبہ جودت سے جودت اسانید اور جودت مضامین دونوں مراد لئے جا سکتے ہیں اس لئے ناظرین کو اختیار ہے کہ وہ ہماری رائے سے اتفاق کریں یا حافظ صاحب کی بات مانیں مگر اتنا خیال رہے کہ امام نسائی نے صحیح بخاری کے رواۃ میں سے ایک جماعت کو کتاب الضعفاء والمتروکین میں داخل کیا ہے اور حدیث ابن عمر كيف بك اذا عمرت بين قوم يخبئون رزق سنتهم الحديث کو جو حماد بن شاکر کے نسخہ میں مروی ہے موضوع بھی کہا ہے (ملاحظہ ہو التعقبات علی الموضوعات از سیوطی ص ۴۳ طبع علوی لکھنؤ ۱۳۰۳ھ)

خود ان کی بھی یہی رائے ہے، یہ ابو علی فن حدیث میں حاکم نیشاپوری صاحب المستدرک علی الصحیحین کے استاذ ہیں، حاکم نے ان کے بارے میں لکھا ہے کہ ھو واحد عصرہ فی الحفظ والاتقان والورع والمذاکرۃ والتصنیف[1] (یہ حفظِ حدیث، مہارتِ فن، اتقان اور مذاکرہ وتصنیف میں یگانہ روزگار تھے)

صحیح مسلم کی شہرت اگرچہ مصنف سے تواتر کی حد تک پہنچی ہوئی ہے لیکن اس کی روایت کا سلسلہ جس بزرگ کے دم سے قائم رہا وہ مشہور فقیہ حنفی شیخ ابو اسحٰق ابراہیم بن محمد بن سفیان نیشاپوری المتوفی ۳۰۸ھ[2] ہیں چنانچہ علامہ نووی مقدمہ شرح مسلم میں لکھتے ہیں:-

واما من حیث الروایۃ المتصلۃ بالاسناد المتصل فقد انحصرت طریقتہ فی ھذہ البلدان والازمان فی روایۃ ابی اسحٰق ابراھیم بن محمد بن سفیٰن عن مسلم۔	اور اسناد متصل کے ساتھ امام مسلم سے اس کی مسلسل روایت کا سلسلہ ان بلاد میں اور ان زمانوں میں صرف ابو اسحٰق ابراہیم بن محمد بن سفیان کی روایت میں منحصر ہے۔

ابراہیم بن سفیان کو امام مسلم سے خاص ربط تھا اکثر حاضر خدمت رہتے ان کا بیان ہے کہ امام مسلم نے اس کتاب کی قرارت سے جو انھوں نے ہمارے لئے شروع کی تھی رمضان ۲۵۷ھ میں فراغت پائی۔ یوں بلادِ مغرب میں امام ممدوح کے ایک اور شاگرد ابو محمد احمد بن علی قلانسی سے بھی صحیح مسلم کی روایت کی جاتی تھی لیکن اس کا سلسلہ مغرب کی حدود سے آگے نہ بڑھ سکا اور جو قبول عام ابراہیم نیشاپوری کی روایت کو نصیب ہوا وہ قلانسی کی روایت کو نہ ہو سکا، علاوہ ازیں صحیح مسلم کا آخری حصہ جو تین جزء کے قریب قریب ہے ابو محمد قلانسی نے امام مسلم سے براہ راست نہیں سُنا بلکہ وہ اس کو ابراہیم کے شاگرد ابو احمد جلودی سے روایت کرتے ہیں۔[3]

سنن نسائی امام نسائی نے بھی اپنی سنن میں امام بخاری ومسلم کی طرح صرف صحیح الاسناد روایات ہی کو لیا ہے ان کی تصنیف بخاری ومسلم دونوں کے طرقوں کی جامع سمجھی جاتی ہے اور علل حدیث کا بیان اس پر مستزاد ہے اس کے ساتھ حسنِ ترتیب اور جودتِ تالیف میں بھی ممتاز ہے چنانچہ حافظ ابو عبداللہ بن رُشید المتوفی ۷۲۱ھ فرماتے ہیں کہ

انہ ابدع الکتب المصنفۃ فی السنن تصنیفاً واحسنھا ترصیفاً وھو جامع	یہ کتاب علم سنن میں جس قدر کتابیں تالیف ہوئی ہیں ان سب میں تصنیف کے لحاظ سے انوکھی اور ترتیب کے اعتبار سے بہترین ہے

[1] تذکرۃ الحفاظ ذہبی، ترجمہ ابو علی نیشاپوری۔

[2] یہ مشہور زاہد فقیہ ایوب بن الحسن نیشاپوری حنفی کے خواص اصحاب میں سے ہیں جنھوں نے فقہ کی تحصیل امام محمد سے کی تھی، بڑے عابد زاہد اور مستجاب الدعوات تھے، فن حدیث کی تحصیل حجاز، نیشاپور، رے اور عراق میں کی تھی، محدث حاکم نیشاپوری لکھتے ہیں، کان ابراھیم بن سفیان من العباد المجتھدین، ومن الملازمین لمسلم بن الحجاج وکان من اصحاب ایوب بن الحسن الزاھد صاحب الرای یعنی الفقیہ الحنفی، سمع ابراھیم بن سفیان بالحجاز ونیسابور والری والعراق، محدث نووی نے مقدمہ شرح مسلم میں ان کا ذکر ان لفظوں سے شروع کیا ہے السید الجلیل ابو اسحٰق ابراھیم بن محمد بن سفیان الفقیہ الزاھد المجتھد العابد حاکم نے اپنے شیخ محمد بن یزید العدل سے نقل کیا ہے کہ یہ مستجاب الدعوات تھے۔ ابو عمرو بن نجید کہتے ہیں کان من الصالحین حافظ قرشی نے بھی الجواہر المضیۃ میں ان کا ترجمہ لکھا ہے۔

[3] مقدمہ شرح مسلم از نووی ۱۲۔

بین طریقتی البخاری ومسلم مع حظ کثیر من بیان العلل۔ ؎۱

اور یہ بخاری و مسلم دونوں کے طریقوں کی جامع ہے نیز علل حدیث کے بھی ایک خاصے حصہ کا اس میں بیان آگیا ہے۔

صحت کے بارے میں خود امام نسائی کا بیان ہے کہ

کتاب السنن صحیح کلہ ؎۲

کتاب السنن تمام تر صحیح ہے۔

اس کے رجال کی جب محدثین نے جانچ پڑتال کی تو معلوم ہوا کہ تنقید رجال اور صحت اسناد کے بارے میں امام نسائی کے شرائط امام بخاری و مسلم سے بھی زیادہ سخت ہیں چنانچہ حافظ ابن حجر عسقلانی فرماتے ہیں:۔

فکم من رجل اخرج لہ ابوداؤد و الترمذی تجنب النسائی اخراج حدیثہ بل تجنب النسائی اخراج حدیث جماعۃ من رجال الصحیحین ؎۳

بہت سے ایسے اشخاص ہیں کہ جن سے ابوداؤد اور ترمذی نے روایتیں لی ہیں مگر امام نسائی نے ان کی روایتوں سے احتراز فرمایا ہے بلکہ امام نسائی نے تو صحیحین تک کے راویوں کی ایک جماعت سے حدیث کی تخریج میں اجتناب کیا ہے۔

اور حافظ ابو الفضل بن طاہر مقدسی، شروط الائمۃ الستہ میں لکھتے ہیں کہ میں نے امام ابو القاسم سعد بن علی زنجانی سے مکہ معظمہ میں ایک راوی کا حال دریافت کیا انھوں نے اس کی توثیق کی میں نے عرض کیا کہ امام ابو عبد الرحمن نسائی نے اس کی تضعیف کی ہے اس پر امام موصوف نے فرمایا کہ

یا بنیّ ان لابی عبد الرحمن فی الرجال شرطًا اشد من شرط البخاری ومسلم ؎۴

بیٹا رجال کے بارے میں ابو عبد الرحمن (امام نسائی) کی شرط بخاری و مسلم کی شرط سے بھی زیادہ سخت ہے۔

اسی بنا پر حافظ محدث امام ابو الحسن معافری المتوفی سنہ ۴۰۳ھ جو محدث دارقطنی اور حاکم کے معاصر ہیں فرماتے ہیں کہ

اذا نظرت الی ما یخرجہ اھل الحدیث فما اخرجہ النسائی اقرب الی الصحۃ مما اخرجہ غیرہ۔ ؎۵

جب تم محدثین کی روایت کردہ حدیثوں پر نظر ڈالوگے تو جس حدیث کی امام نسائی نے تخریج کی ہوگی وہ دوسروں کی روایت کردہ حدیث کی بہ نسبت صحت کے زیادہ قریب ہوگی۔

اور اسی لئے مغرب کے بعض محدثین صحیح بخاری پر اس کی ترجیح کے قائل ہیں چنانچہ حافظ شمس الدین سخاوی، فتح المغیث میں لکھتے ہیں:۔

صرح بعض المغاربۃ بتفضیل کتاب النسائی علی صحیح البخاری ؎۶

بعض مغاربہ نے تصریح کی ہے کہ امام نسائی کی کتاب کو صحیح بخاری پر فضیلت حاصل ہے

بلکہ محدث ابن الاحمر نے تو اپنے بعض مکی شیوخ سے یہاں تک نقل کردیا ہے کہ

انہ اشرف المصنفات کلھا وما وضع

یہ (اس فن کی) تمام تصنیفات سے بڑھ چڑھ کر ہے اور اسلام

؎۱ مقدمہ زہر الربی علی المجتبی، از سیوطی، و فتح المغیث از سخاوی۔

؎۲، ؎۳ مقدمہ زہر الربی۔ ؎۴ شروط الائمۃ الستہ ص ۱۸ طبع مصر۔

؎۵ مقدمہ زہر الربی، از علامہ سیوطی، ؎۶ ص ۱۲ طبع انوار محمدی لکھنؤ۔

فی الاسلام مثلہ۔ [1] میں اس کے مثل کوئی کتاب نہیں لکھی گئی۔

ناقدین فن کے نزدیک جلالتِ علمی کے اعتبار سے امام نسائی کا پایہ امام مسلم سے بھی بڑھا ہوا ہے چنانچہ حافظ ابن حجر عسقلانی، مقدمہ فتح الباری میں رقمطراز ہیں:

قدمہ قوم من الحذاق فی معرفة ذلک علی مسلم بن الحجاج، وقدمہ الدارقطنی وغیرہ فی ذلک وغیرہ علی امام الائمة ابی بکر بن خزیمة صاحب الصحیح [2]

فن رجال میں ماہرینِ فن کی ایک جماعت نے ان کو امام مسلم بن الحجاج پر بھی فوقیت دی ہے اور دارقطنی وغیرہ نے ان کو اس فن میں اور دیگر علوم حدیث میں امام الائمہ ابوبکر بن خزیمہ صاحب الصحیح پر بھی مقدم رکھا ہے۔

اور حافظ شمس الدین ذہبی، سیر اعلام النبلاء میں امام نسائی کے ترجمہ میں فرماتے ہیں کہ

ھو احذق بالحدیث وعللہ ورجالہ من مسلم والترمذی وابی داؤد، وھو جار فی مضمار البخاری وابی زرعة [3]

یہ مسلم، ترمذی اور ابوداؤد سے حدیث، عللِ حدیث اور علم الرجال میں زیادہ ماہر ہیں اور بخاری و ابوزرعہ کے ہمسر ہیں۔

اور علامہ تاج الدین سبکی، طبقات الشافعیۃ الکبریٰ میں لکھتے ہیں:۔

"میں نے اپنے شیخ حافظ ابوعبداللہ ذہبی سے سوال کیا کہ آیا امام مسلم بن الحجاج حدیث کے زیادہ حافظ ہیں یا امام نسائی؟ فرمایا امام نسائی، پھر شیخ امام والد (حافظ تقی الدین سبکی) سے "اللہ ان پر رحمتیں نازل فرمائے" اس کا ذکر کیا تو انھوں نے اس سے موافقت کی"۔ [4]

امام نسائی سے ان کی کتاب السنن کو جن حضرات نے روایت کیا ہے ان کے اسماء گرامی حسب ذیل ہیں:۔

(۱) امام ممدوح کے صاحبزادے عبدالکریم (۲) حافظ ابوبکر احمد بن محمد بن اسحاق الدینوری المعروف بابن السنی المتوفی ۳۶۴ھ (۳) ابوعلی الحسن بن خضر الاسیوطی (۴) الحسن بن رشیق العسکری (۵) حافظ ابوالقاسم حمزہ بن محمد بن علی الکنانی المتوفی ۳۵۷ھ (۶) ابوالحسن محمد بن عبداللہ بن زکریا بن حیویہ (۷) محمد بن معاویہ بن الاحمر (۸) حافظ ابوعبداللہ محمد بن قاسم بن محمد بن قاسم البنانی الاموی القرطبی المتوفی ۳۲۸ھ (۹) امام ابوالحسن علی بن احمد طحاوی (۱۰) احمد بن محمد بن المہندس۔

ان رواۃ مذکورین میں امام ابوالحسن علی طحاوی المتوفی ۳۵۱ھ اکابر فقہاء حنفیہ میں سے ہیں اور بڑے پایہ کے محدث گزرے ہیں، یہ مشہور امام وقت ابوجعفر طحاوی کے صاحبزادے ہیں جن کی "شرح معانی الآثار" علمِ حدیث میں ایک بے مثل کتاب ہے اور نہایت مشہور و متداول ہے۔ [5]

---

[1] فتح المغیث ص ۳۳۔ [2] ہدی الساری مقدمہ فتح الباری، ج ۱ ص ۸ طبع میریہ مصر۔
[3] توضیح الافکار از محدث امیر یمانی، ج ۱ ص ۲۲۰ طبع مصر۔ [4] کتاب مذکور میں امام نسائی کا ترجمہ ملاحظہ ہو۔
[5] امام ابوالحسن طحاوی کو فقہ، حدیث، لغت، نحو وغیرہ مختلف علوم میں امامت کا درجہ حاصل تھا نہایت متقی اور زاہد تھے، علامہ ابوالمحاسن ابن تغری بردی نے النجوم الزاہرہ میں ان کا ذکر ان لفظوں میں کیا ہے:

کان امام عصرہ بلامدافعة فی الحدیث و یہ حدیث، فقہ، اختلاف علماء، علم احکام، لغت اور نحو

(باقی برصفحہ آئندہ)

یہ بھی واضح رہے کہ بالفعل جو کتاب" سنن نسائی" کے نام سے ہمارے یہاں داخل درس ہے وہ دراصل امام موصوف کی تصنیف نہیں بلکہ ان کی کتاب کا اختصار ہے جو ان کے نامور شاگرد حافظ ابوبکر بن السنی کے قلم کا مرہون منت ہے، اس مختصر کا نام المجتبیٰ ہے اور اس کو سنن صغریٰ بھی کہا جاتا ہے [۵۱]

امام نسائی نے اپنی سنن میں امام ابوحنیفہؒ سے حسب ذیل حدیث روایت کی ہے۔ حدثنا علی ابن حجر ثنا عیسیٰ هو ابن یونس عن النعمان یعنی اباحنیفة عن عاصم عن ابی رزین عن ابن عباس قال لیس علی من اتی بهیمة حد، یہ روایت ابن السنی کے اختصار میں نہیں ہے لیکن ابن الاحمر، ابوعلی سیوطی اور مغاربہ کے نسخوں میں موجود ہے۔ [۵۲]

سنن ابی داؤد | امام ابوداؤد سجستانی نے اپنی کتاب السنن کا انتخاب پانچ لاکھ احادیث کو سامنے رکھ کر کیا ہے چنانچہ خود ان کا بیان ہے کہ

کتبت عن رسول الله صلی الله علیه وسلم خمس مائة الف حدیث انتخبت منها ماضمنته هذا الکتاب، [۵۳]	میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پانچ لاکھ حدیثیں لکھی ہیں جن سے ان روایات کا انتخاب کیا ہے جو اس کتاب میں درج کی ہیں۔

یہ واضح رہے کہ دیگر مصنفین صحاح کی نسبت امام ابوداؤد پر فقہی ذوق زیادہ غالب تھا، چنانچہ تمام ارباب صحاح ستہ میں صرف یہی ایک بزرگ ہیں کہ جن کو علامہ شیخ ابواسحٰق شیرازی نے طبقات الفقہاء میں جگہ دی ہے، اور امام ممدوح کے اسی فقہی ذوق کا یہ نتیجہ ہے کہ انھوں نے اپنی کتاب کو صرف احادیث احکام

(بقیہ حاشیہ از صفحۂ گذشتہ)

الفقه واختلاف العلماء والاحکام واللغة والنحو وصنف المصنفات الحسان، و کان من کبار فقهاء الحنفیة۔	میں بلا مقابلہ اپنے وقت کے امام تھے، انھوں نے نہایت عمدہ کتابیں تصنیف فرمائی ہیں اور یہ کبار فقہاء حنفیہ میں سے ہیں۔

حافظ عبدالقادر قرشی نے الجواہر المضیہ فی طبقات الحنفیہ میں اور فاضل لکھنوی مولانا محمد عبدالحی فرنگی محلی نے التعلیقات السنیہ علی الفوائد البہیہ میں ان کا ترجمہ لکھا ہے۔

(حاشیہ صفحۂ ہذا) [۵۱] بعض لوگوں کا خیال ہے کہ سنن صغریٰ خود امام نسائی کی تالیف ہے، اس خیال کی تائید میں اس واقعہ کو پیش کیا جاتا ہے کہ امام نسائی نے جب سنن کبریٰ تصنیف فرمائی تو اس کو امیر رملہ کی خدمت میں لیجا کر پیش کیا امیر موصوف نے امام ممدوح سے دریافت کیا کہ اس میں جو کچھ ہے سب صحیح ہے۔ امام نے جواب دیا نہیں، اس پر امیر نے فرمائش کی کہ میرے لئے صرف صحیح روایات کو جمع کر دیجئے، تب امام نسائی نے اس کے لئے سنن صغریٰ تصنیف فرمائی۔ اس واقعہ کا ذکر علامہ ابن الاثیر نے جامع الاصول میں کیا ہے لیکن یہ واقعہ سرے سے غلط ہے چنانچہ حافظ ذہبی نے سیر اعلام النبلاء میں امام نسائی کے ترجمہ میں تصریح کی ہے کہ

ان هذه الروایة لم تصح بل المجتبی اختصار ابن السنی تلمیذ النسائی (توضیح الافکار ج ۱ ص ۲۲۱)	بے شبہ یہ روایت صحیح نہیں بلکہ مجتبیٰ، ابن السنی کا اختصار ہے جو نسائی کے شاگرد ہیں۔

[۵۲] ملاحظہ ہو تہذیب التہذیب، از حافظ ابن حجر عسقلانی، ترجمہ امام ابوحنیفہؒ۔ [۵۳] مقدمہ تلخیص سنن ابی داؤد، از حافظ منذری، یہ کتاب مطبع انصاری دہلی میں غایة المقصود فی حل سنن ابی داؤد کے حاشیہ پر طبع ہوئی ہے اور چونکہ غایة المقصود کی صرف ایک جلد طبع ہو کر رہ گئی اس لئے اس نادر کتاب کا بھی صرف ابتدائی حصہ طبع ہوا ہے جو چند ابواب سے زائد نہیں ہے۔

کے لئے مختص فرمایا یہی وجہ ہے کہ اس کتاب میں آپ کو دیگر کتب صحاح کی طرح زہد اور فضائل اعمال وغیرہ کی حدیثیں نہیں ملیں گی اور گو اس بنا پر احادیث کے بہت سے ابواب سے یہ کتاب خالی ہے لیکن فقہی احادیث کا جتنا بڑا ذخیرہ اس کتاب میں موجود ہے صحاح ستہ میں سے کسی کتاب میں آپ کو نہیں ملے گا، چنانچہ امام حافظ ابو جعفر بن زبیر غرناطی المتوفی ۷۰۸ھ صحاح ستہ کی خصوصیات پر تبصرہ کرتے ہوئے رقمطراز ہیں:۔

ولابی داؤد فی حصر احادیث الاحکام و استیعابھا مالیس لغیرہ [1]	اور احادیث فقہیہ کے حصر و استیعاب کے سلسلہ میں ابو داؤد کو جو بات حاصل ہے وہ دوسرے مصنفین صحاح ستہ کو نہیں۔

خوش قسمتی سے چند سال ہوئے کہ محدث کوثری کے تحشیہ اور تعلیق کے ساتھ امام ابو داؤد کا وہ نادر رسالہ چھپ گیا کہ جس میں انھوں نے اپنی کتاب السنن کا تفصیلی تعارف کرایا ہے، یہ اہل مکہ وغیرہ کے ایک خط کا جواب ہے جس میں انھوں نے کتاب السنن کی احادیث کے بارے میں امام موصوف سے استصواب رائے کیا تھا، ظاہر ہے کہ اس سلسلہ میں امام موصوف کے بیان کی جو اہمیت ہے وہ کسی اور چیز کی نہیں ہو سکتی کہ

ع تصنیف را مصنف نیکو کند بیاں

چنانچہ اس رسالہ کا اقتباس ہدیہ ناظرین ہے، امام ممدوح فرماتے ہیں:۔

"آپ لوگوں نے مجھ سے یہ دریافت کیا ہے کہ آپ کو میں یہ بتاؤں کہ کتاب السنن میں جو حدیثیں ہیں آیا یہ میرے علم کے مطابق صحیح ترین حدیثیں ہیں، سو آپ کو معلوم ہونا چاہئے کہ یہ سب ایسی ہی ہیں، الّا یہ کہ وہ حدیث دو صحیح طریقوں سے مروی ہو اور ان میں سے ایک کا راوی اسناد میں مقدم ہو، (یعنی اس کی سند عالی ہو اور اس میں واسطے کم ہوں) اور دوسرے کا حفظ میں بڑھا ہوا ہو، تو ایسی صورت میں کبھی اول الذکر طریقہ ہی کو لکھ دیتا ہوں، حالانکہ میرے خیال میں مجھے ایسی دس حدیثیں بھی اپنی کتاب میں معلوم نہیں ہوتیں اور میں نے باب میں صرف ایک یا دو حدیثیں ہی نقل کی ہیں گو اس باب کی اور صحیح حدیثیں بھی موجود تھیں کیونکہ اس صورت میں بہت کثرت ہو جاتی اور میرا مقصد یہ تھا کہ نفع جلد ہو، اور جب کسی باب میں میں نے کسی حدیث کو دو یا تین طریقوں سے دہرایا ہے تو اس سبب سے کہ اس میں کوئی بات زیادہ تھی اور کبھی اس میں دوسری احادیث کی بہ نسبت صرف ایک ہی لفظ زیادہ تھا اور بعض دفعہ میں نے ایک طویل حدیث کو مختصراً ذکر کیا ہے، کیونکہ اگر اس کو پوری نقل کرتا تو بعض سامعین کو پتہ بھی نہ چلتا اور اس میں جو فقہ کا مسئلہ تھا وہ سمجھ ہی میں نہ آتا لہذا اس کا اختصار کرنا پڑا۔

رہی مرسل احادیث سو ان سے گذشتہ عہد کے علماء جیسے کہ سفیان ثوری، مالک بن انس، اور اوزاعی حجت پکڑتے تھے، یہاں تک شافعی آئے اور انھوں نے ان پر کلام کرنا شروع کیا اور احمد بن حنبل وغیرہ نے اس باب میں ان ہی کی اتباع کی، اللہ ان سب کو اپنی رضا نصیب کرے، سو جب کوئی مسند روایت، مرسل روایت کے خلاف موجود نہ ہو اور

[1] تدریب الراوی ص ۵۶، مقدمہ زہر الربی علی المجتبیٰ، اور مقدمہ قوت المغتذی شرح جامع الترمذی ۱۲۰

اور جو حدیثیں کہ میں نے کتاب السنن میں درج کی ہیں ان میں اکثر مشہور روایات ہیں جو ہر اس شخص کے پاس موجود ہیں کہ جس نے تھوڑا بہت بھی احادیث کو لکھا ہے لیکن ان کو تمیز کرنا ہر شخص کے بس کی بات نہیں۔

اور میں نے کتاب السنن میں صرف احکام ہی کو تصنیف کیا ہے، زہد اور فضائلِ اعمال وغیرہ کو تصنیف نہیں کیا، سو یہ چار ہزار آٹھ سو احادیث ہیں جو سب کی سب احکام پر مشتمل ہیں" [۱]

سنن ابی داؤد کی افادیت کے پیش نظر امام غزالی نے تصریح کی ہے کہ علم حدیث میں صرف یہی ایک کتاب مجتہد کے لئے کافی ہے [۲]، محدث زکریا ساجی کے الفاظ ہیں:-

کتاب اللہ عز وجل اصل الاسلام، وکتاب السنن لابی داؤد عہد الاسلام [۳]	اصل اسلام کتاب اللہ ہے، اور فرمانِ اسلام سنن ابی داؤد۔

علامہ ابن حزم کا بیان ہے کہ ایک بار حافظ سعید بن سکن صاحب الصحیح المتوفی ۳۵۳ھ کی خدمت میں اصحابِ حدیث کی ایک جماعت حاضر ہوئی اور انھوں نے کہا کہ ہمارے سامنے حدیث کی بہت سی کتابیں آگئی ہیں اگر شیخ اس سلسلہ میں کچھ ایسی کتابوں کی طرف ہم لوگوں کی رہنمائی کریں کہ جن پر ہم اکتفا کر سکیں تو بہتر ہے، حافظ ابن سکن نے یہ سن کر کچھ جواب نہیں دیا بلکہ اٹھ کر سیدھے اندر گھر میں تشریف لے گئے اور کتابوں کے چار بستے لاکر اوپر تلے رکھ دیئے، پھر فرمانے لگے۔

ھذہ قواعد الاسلام، کتاب مسلم وکتاب البخاری وکتاب ابی داؤد وکتاب النسائی۔ [۴]	یہ اسلام کی بنیادیں ہیں، کتاب مسلم، کتاب بخاری، کتاب ابی داؤد اور کتاب نسائی۔

اور حافظ ابو عبد اللہ بن مندہ اپنی صحیح میں لکھتے ہیں:-

الائمۃ الاربعۃ الذین اخرجوا الصحیح ومیزوا ثابتہ من سقیمہ، وخطاہ من صوابہ ھم البخاری ومسلم وابوداؤد والنسائی۔ [۵]	وہ چار ائمہ کہ جنھوں نے صحیح حدیث کی تخریج کی اور ثابت کو سقیم سے اور خطا کو صواب سے جدا کیا۔ یہ چار ہیں، بخاری، مسلم، ابوداؤد، نسائی۔

محدث حاکم نیشاپوری نے بھی سنن ابی داؤد کو صحیح بتایا ہے [۶] اور حافظ ابن عبد البر فرماتے ہیں کہ

کل ما سکت علیہ ابوداؤد فھو صحیح عندہ۔ [۷]	جس حدیث پر امام ابوداؤد کچھ کلام نہ کریں وہ ان کے نزدیک صحیح ہے۔

امام ابوداؤد نے کتاب السنن کی تکمیل بہت پہلے اپنے عہد شباب ہی میں کر لی تھی، یہ وہ زمانہ ہے

---

[۱] ملاحظہ ہو رسالہ مذکورہ از ص ۲ تا ص ۸ طبع قاہرہ ۱۳۶۹ھ۔ [۲] فتح المغیث از سخاوی ص ۲۸۔

[۳] شروط الائمۃ الستہ از ابن طاہر ص ۱۷، طبقات ابن السبکی، تذکرۃ الحفاظ ذہبی، ان تینوں کتابوں میں عہد الاسلام مرقوم ہے لیکن شاہ عبد العزیز صاحب نے بستان المحدثین میں اس کا ترجمہ "ستون اسلام" کیا ہے جس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ شاہ صاحب نے اس کو عمد الاسلام پڑھا ہے۔ [۴] شروط الائمۃ الستہ ص ۱۶۔

[۵] تہذیب التہذیب میں عکرمہ مولی ابن عباس کا ترجمہ دیکھو۔

[۶] فتح المغیث ص ۳۳۔ [۷] ایضاً ص ۲۹، وتوضیح الافکار، ج ۲ ص ۱۹۷۔

کہ جب ان کے شیخ امام احمد بن حنبل زندہ تھے، امام ابوداؤد نے جب یہ کتاب امام ممدوح کی خدمت میں لے جاکر پیش کی تو امام ممدوح نے اس کو پسند فرمایا اور اس کی تحسین کی[1] تصنیف ہونے کے ساتھ ہی حق تعالیٰ نے اس کتاب کو جو قبول عام بخشا وہ صحاح ستہ میں سے کسی کتاب کو نصیب نہ ہوسکا، چنانچہ امام موصوف کے شاگرد حافظ محمد بن مخلد دوری[2] المتوفی ۳۳۱ھ کا بیان ہے کہ

لما صنف السنن وقرأه على الناس صار كتابه لاهل الحديث كالمصحف يتبعونه (تہذیب التہذیب ترجمہ امام ممدوح)۔

جب انھوں نے کتاب السنن تصنیف کی اور اس کو لوگوں کے سامنے پڑھا تو محدثین کے لئے ان کی کتاب قرآن کی طرح قابل اتباع بن گئی۔

اور امام حمد بن محمد ابو سلیمان خطابی المتوفی ۳۸۸ھ اپنی مشہور کتاب معالم السنن شرح سنن ابی داؤد میں فرماتے ہیں:۔

ان كتاب السنن لابی داؤد كتاب شريف لم يصنف فی علم الدين كتاب مثله وقد رزق القبول من الناس كافة، فصار حكما بين فرق العلماء وطبقات الفقهاء على اختلاف مذاهبهم فلكل فيه ورد ومنه شرب وعليه معول اهل العراق واهل مصر و بلاد المغرب وكثير من مدن اقطار الارض فاما اهل خراسان فقد اولع اكثرهم بكتاب محمد بن اسمٰعيل ومسلم بن الحجاج ومن نحا نحوهما فی جمع الصحيح على شرطهما فی السبك والانتقاد الا ان كتاب ابی داؤد احسن رصفا واكثر فقها[3]

امام ابوداؤد کی کتاب السنن بلاشبہ ایسی عمدہ کتاب ہے کہ علم دین میں ایسی کوئی کتاب تصنیف نہیں ہوئی، اور اس نے سب لوگوں کی طرف سے سندِ قبولیت حاصل کی، چنانچہ یہ کتاب علماء کے تمام فرقوں اور فقہا کے سب طبقوں میں باوجود اختلاف مذاہب کے حکم مانی جاتی ہے سب لوگ اسی کے گھاٹ پر آتے اور یہیں سیراب ہوتے ہیں اسی پر اہل عراق اہل مصر بلادِ مغرب اور روئے زمین کے بہت سے شہروں کے رہنے والوں کو اعتماد ہے، البتہ اہل خراسان میں بیشتر لوگ محمد بن اسمٰعیل، مسلم بن الحجاج اور ان لوگوں کی کتابوں کے دلدادہ ہیں کہ جو جمع صحیح میں ان دونوں حضرات کے قدم بقدم چلے ہیں اور جنھوں نے جانچ پڑتال میں انہی شرط کو ملحوظ رکھا ہے، لیکن ابوداؤد کی کتاب ترتیب کے اعتبار سے بہت اچھی اور فقہ کے لحاظ سے بہت بڑھی ہوئی ہے

⁂

امام ابوداؤد سے ان کی کتاب السنن کو حسب ذیل حضرات نے روایت کیا ہے (۱) ابو علی محمد بن احمد بن عمرو لولوی (۲) ابو الطیب احمد بن ابراہیم بن عبد الرحمٰن اشنانی (۳) حافظ ابو سعید احمد بن محمد بن زیاد

---

[1] مقدمہ تلخیص منذری ص ۵۔ تذکرۃ الحفاظ ترجمہ امام ابی داؤد،

[2] یہ بڑے پایہ کے حافظ حدیث گزرے ہیں، محدث خطیب بغدادی نے اپنی تاریخ میں ان کا نہایت مبسوط ترجمہ لکھا ہے اور حافظ ذہبی نے تذکرۃ الحفاظ میں ان کا ترجمہ ان لفظوں سے شروع کیا ہے الامام المفيد الثقة محدث بغداد، حدیث میں امام ابوحنیفہ کی مسند سب سے پہلے انھیں نے تصنیف کی ہے جس کا نام جمع حدیث ابی حنیفہ ہے، خطیب بغدادی نے اس کتاب کا ذکر تاریخ بغداد ج ۲ ص ۱۸۸ (طبع مصر) میں کیا ہے۔ [3] معالم السنن ج ۱ ص ۶ طبع حلب۔

المعروف بابن الاعرابی المتوفی سنہ ۳۴۰ھ (۴) ابوبکر محمد بن عبدالرزاق بن داسہ المتوفی بعد سنہ ۳۴۵ھ۔ امام ابوبکر جصاص حنفی صاحب احکام القرآن، سنن ابی داؤد کو ان ہی سے روایت کرتے ہیں[۱]۔ (۵) ابوعمرو احمد بن علی بن الحسن بصری (۶) ابوالحسن علی بن الحسن بن عبد انصاری۔ (۷) ابوعیسیٰ اسحاق بن موسیٰ بن سعید رملی المتوفی سنہ ۳۲۰ھ جو امام ممدوح کے وراق رہ چکے ہیں (۸) ابواسامہ محمد بن عبدالملک بن یزید الرواس (۹) ابوسالم محمد بن سعید الجلودی[۲]۔ ان میں حافظ ابن الاعرابی کے نسخہ میں کچھ حدیثیں کم ہیں اس میں کتاب الفتن والملاحم اور بعض اور ابواب بھی ساقط ہیں، ابن داسہ رملی اور لؤلؤی کے نسخوں میں گو ترتیب کے اعتبار سے کچھ تقدیم وتاخیر ہوگئی ہے لیکن تعداد احادیث کے لحاظ سے یہ نسخے قریب قریب ہیں، البتہ احادیث پر امام ابوداؤد نے جو کلام فرمایا ہے وہ بعض نسخوں میں زیادہ اور بعض میں کم ہے۔ ہاں ابوعلی لؤلؤی کے نسخے کو اس اعتبار سے ترجیح حاصل ہے کہ انھوں نے کتاب السنن کا سماع محرم ۲۷۵ھ میں کیا ہے جبکہ امام ابوداؤد نے اس کی آخری املاء کرائی تھی کیونکہ اسی سال بروز جمعہ ۱۶ شوال کو امام ممدوح نے آخرت کا سفر اختیار کیا ہے[۳]۔

---

[۱] امام جصاص مشہور اکابر حنفیہ میں سے ہیں، بہت بڑے محدث اور امام تھے، فن حدیث میں ان کو امام ابوالحسن کرخی، ابوالعباس اصم، حافظ عبدالباقی بن قانع، اور ابوعمر غلام ثعلب سے تلمذ حاصل ہے، ۳۰۵ھ میں پیدا ہوئے طلب حدیث میں مختلف ممالک کا سفر کیا، ۳۲۵ھ میں بغداد آئے اور امام کرخی سے فقہ وحدیث کی تعلیم حاصل کی، پھر اسی سلسلہ میں اہواز گئے اور وہاں سے دوبارہ بغداد آئے یہاں آکر امام کرخی کے مشورہ سے محدث حاکم نیشاپوری کے ساتھ اس فن کی تکمیل کے لئے نیشاپور تک گئے۔ یہ ابھی نیشاپور ہی میں تھے، کہ امام کرخی کا انتقال ہوگیا، نیشاپور سے ۳۴۴ھ میں بغداد کو واپسی ہوئی اور پھر یہیں کے ہورہے بغداد میں ان کی درسگاہ تمام عالم اسلامی کا مرجع تھی، نہایت زاہد ورع اکابر تھے، بارگاہ خلافت سے ان کو بار ہا عہدہ قضا پیش کیا گیا لیکن انھوں نے کبھی قبول نہیں فرمایا، امام صیمری فرماتے ہیں:

استقر التدریس ببغداد لابی بکر الرازی و انتہت الرحلة الیہ، وکان علی طریق من تقدمہ فی الورع والزہد والصیانة۔

بغداد میں ابوبکر رازی کے درس کا سلسلہ قائم ہوا اور علمی رحلت کی انتہا ان کے آستانہ پر ہوئی، یہ زہد وورع اور احتیاط میں متقدمین کے طرز پر تھے۔

خطیب بغدادی کے ان کے بارے میں یہ الفاظ ہیں، کان امام اصحاب ابی حنیفة فی وقتہ وکان مشہورا بالزہد، حافظ عبدالقادر قرشی نے الجواہر المضیہ میں ان کا ترجمہ ان لفظوں میں کیا ہے احمد بن علی الرازی الامام الکبیر الشان، ان کے حلقۂ درس سے بڑے بڑے اکابر ائمہ پیدا ہوئے جن میں امام ابوبکر محمد بن موسیٰ خوارزمی، امام ابوجعفر محمد بن احمد نسفی، امام ابوعبداللہ محمد بن یحیی بن مہدی فقیہ جرجانی، استاذ امام قدوری، امام ابوالفرج احمد بن محمد بن عمر المعروف بابن المسلمہ، امام ابوالحسین محمد بن احمد زعفرانی امام ابوالحسین محمد بن احمد بن الطیب کماری خاص طور پر قابل ذکر ہیں، امام جصاص کی متعدد تصانیف یادگار ہیں جن میں سے عرصہ ہوا کہ احکام القرآن جو اپنے موضوع پر ایک بے نظیر کتاب ہے طبع ہوکر شائع ہوچکی ہے اور شرح مختصر الطحاوی کا عکسی فوٹو حضرت مولانا ابوالوفا افغانی صدر مجلس احیاء المعارف النعمانیہ کی خدمت میں میری نظر سے گزرا ہے، امام ممدوح کی تمام تصنیفات آپ کے محدث اور حافظ حدیث ہونے پر شاہد عدل ہیں۔ مولانا اسمعیل شہید دہلوی نے تنویر العینین میں ان کو مجتہدین میں شمار کیا ہے، حافظ ذہبی نے تذکرة الحفاظ میں حسن بن رشیق کے ترجمہ میں ان کا سنہ وفات ۳۷۰ تحریر کیا ہے۔

[۲] تہذیب التہذیب، ترجمہ امام ابوداؤد، [۳] مقدمہ غایت المقصود شرح سنن ابی داؤد، واختصار علوم الحدیث از حافظ ابن کثیر ۱۲۔

یہاں یہ بات بھی یاد رکھنے کے قابل ہے کہ امام ابوداؤد سجستانی اپنے دور کے بعض تنگ نظر ارباب روایات کی طرح ائمہ اہل الرائے کے مخالف نہ تھے بلکہ فقہاء کرام کی مساعی جمیلہ کو نہایت قدر کی نگاہ سے دیکھتے اور بڑے ادب و احترام سے ان کا ذکر خیر کرتے تھے، چنانچہ حافظ مغرب علامہ ابن عبدالبر قرطبی بسند متصل ان سے ناقل ہیں کہ

حدثنا عبداللہ بن محمد بن عبدالمومن بن یحیی رحمہ اللہ قال اخبرنا ابوبکر محمد بن بکر بن عبدالرزاق التمار المعروف بابن داسۃ قال سمعت اباداؤد سلیمان ابن الاشعث بن اسحاق السجستانی رحمہ اللہ یقول، رحم اللہ مالکاً کان اماماً، رحم اللہ الشافعی کان اماماً رحم اللہ اباحنیفۃ کان اماماً۔ [۱]

اللہ تعالیٰ مالک پر رحمت نازل فرمائے وہ امام تھے، اللہ تعالیٰ شافعی پر رحمت نازل فرمائے وہ امام تھے، اللہ تعالیٰ ابوحنیفہ پر رحمت نازل فرمائے وہ امام تھے۔

جامع ترمذی امام ترمذی کی کتاب امام ابوداؤد سجستانی اور امام بخاری دونوں کے طریقوں کی جامع ہے۔ ایک طرف انھوں نے اپنی کتاب میں احادیث احکام میں سے صرف ان احادیث کو لیا ہے کہ جن پر فقہاء کا عمل رہا ہے دوسری طرف اس کو صرف احکام کے لئے مختص نہیں کیا بلکہ امام بخاری کی طرح سب ابواب کی احادیث کو لے کر اپنی کتاب کو جامع بنادیا ہے اور پھر اس پر مستزاد یہ کہ علوم حدیث کی مختلف انواع کو اپنی کتاب میں اس طرح سمویا ہے کہ وہ علم حدیث کا بوقلموں زار بن گئی ہے، چنانچہ حافظ ابوجعفر بن الزبیر المتوفی ۷۰۸ھ صحاح ستہ پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ

وللترمذی فی فنون الصناعۃ الحدیثیۃ مالم یشارکہ غیرہ۔ [۲]

امام ترمذی کو علم حدیث کے مختلف فنون کو جمع کرنے کے لحاظ سے جو امتیاز حاصل ہے اس میں کوئی اور ان کا شریک نہیں۔

حافظ ابن رشید المتوفی ۷۲۲ھ نے ان فنون کی حسب ذیل تفصیل دی ہے (۱) تبویب (۲) بیان فقہ (۳) علل احادیث و بیان صحیح و ضعیف (۴) بیان اسماء و کنیٰ (۵) جرح و تعدیل (۶) جن سے حدیث نقل کی ہے ان کے متعلق یہ بتلانا کہ ان میں سے کس نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو پایا ہے اور کس نے نہیں۔ (۷) راویان حدیث کا شمار۔ اس تفصیل کے بعد حافظ موصوف لکھتے ہیں کہ "یہ تو اس کتاب کے علوم کا اجمالی بیان ہے اور تفصیل میں جایا جائے تو اور بھی متعدد علوم ہیں"۔ [۳]

حافظ ابوالفتح بن سیدالناس فرماتے ہیں کہ منجملہ ان علوم کے جو ترمذی کی کتاب میں موجود ہیں اور جن کو ابن رشید نے ذکر نہیں کیا ہے یہ ہیں (۸) بیان شذوذ (۹) بیان موقوف (۱۰) بیان مدرج۔ [۴]

---

[۱] الانتقاء فی فضائل الثلاثۃ الائمۃ الفقہاء ص ۳۲، اور جامع بیان العلم ج ۲ ص ۱۶۳، محدث کوثری رحمہ اللہ نے الانتقاء کے حواشی صفحہ ۹ میں یہ بھی تصریح کی ہے کہ امام ابوداؤد نے ان حضرات ائمہ ثلاثہ کے ذکر میں جو ترتیب ملحوظ رکھی ہے وہ ان کے طبقات کے اعتبار سے نہیں بلکہ اوطان کے اعتبار سے ہے، کیونکہ امام مالک مدنی ہیں، امام شافعی مکی اور امام ابوحنیفہ کوفی۔

[۲،۳،۴] مقدمہ قوت علی جامع الترمذی از حافظ سیوطی۔ ۱۲

اور حافظ ابوبکر بن العربی المتوفی ۵۴۳ھ عارضۃ الاحوذی شرح ترمذی میں رقمطراز ہیں :۔

"اس کتاب میں حسب ذیل چودہ علوم ہیں، احادیث کی اس طرح تدوین کہ جو عمل سے قریب تر کردیتی ہے بیان اسناد، تصحیح وتضعیف، تعدادِ طرق، جرح وتعدیل، بیان اسم وکنیت رواۃ، بیان وصل وانقطاع، معمول بہ اور متروک العمل روایات کی توضیح، احادیث کتاب کے رد وقبول کے بارے میں علماء کا جو اختلاف ہے اس کا بیان، حدیثوں کی توجیہ وتاویل کے سلسلہ میں علماء کے اختلاف آراء کا ذکر، اور یہ وہ علوم ہیں کہ ان میں سے ہر ایک علم اپنی جگہ مستقل حیثیت رکھتا ہے"۔ [۱]

محدث حاکم نیشاپوری اور خطیب بغدادی نے جامع ترمذی کو صحیح کہا ہے [۲] اور حافظ ابوبکر بن نقطہ بغدادی المتوفی ۶۲۹ھ اپنی مشہور کتاب التقیید فی رواۃ الکتب والمسانید میں خود امام ترمذی کی زبانی ناقل ہیں کہ

صنفت ھذا المسند الصحیح وعرضتہ علی علماء الحجاز فرضوا بہ وعرضتہ علی علماء العراق فرضوا بہ وعرضتہ علی علماء خراسان فرضوا بہ ومن کان فی بیتہ ھذا الکتاب فکانما فی بیتہ نبی ینطق وفی روایۃ یتکلم۔ [۳]

میں نے اس المسند الصحیح (یعنی کتاب الجامع) کو تصنیف کرکے علماء حجاز کے سامنے پیش کیا تو انھوں نے اس کو پسند کیا اور علماء عراق کے سامنے پیش کیا تو انھوں نے اس کو پسند کیا اور علماء خراسان کے سامنے پیش کیا تو انھوں نے اس کو پسند کیا اور جس کے گھر میں یہ کتاب موجود ہے اس کے گھر میں گویا پیغمبر موجود ہے کہ جو خود بتا رہا ہے۔

اور حافظ ابوالفتح بن سید الناس المتوفی ۷۳۴ھ شرح ترمذی کے مقدمہ میں حافظ یوسف بن احمد سے نقل کرتے ہیں۔

لابی عیسی فضائل تجمع وتروی وتسمع، وکتابہ من الکتب الخمسۃ التی اتفق اھل الحل والعقد والفضل والفقہ من العلماء والفقہاء واھل الحدیث النبہاء علی قبولھا والحکم بصحۃ اصولھا۔ [۴]

امام ابوعیسی (ترمذی) ایسے فضائل کے حامل ہیں کہ جن کو لکھا جاتا ہے اور بیان کیا جاتا ہے اور سنا جاتا ہے اور ان کی کتاب ان پانچ کتابوں میں داخل ہے کہ جن کی قبولیت اور ان کے اصول کی صحت کے فیصلہ پر علماء فقہا اور اکابر محدثین میں سے اہل حل وعقد اور ارباب فضل ودانش نے اتفاق کیا ہے۔

اور حافظ ابوالفضل محمد بن طاہر مقدسی لکھتے ہیں کہ ایک بار ہرات میں امام ابواسمٰعیل عبداللہ بن محمد انصاری [۵] سے امام ترمذی اور ان کی جامع کا ذکر آیا تو فرمانے لگے کہ

---

[۱] عارضۃ الاحوذی ص ۴، ۵ طبع نظامی کانپور، یہ کتاب مجموعہ شروح اربعہ ترمذی کے ساتھ اس کے حاشیہ پر طبع ہوئی ہے۔
[۲] مقدمہ ابن صلاح، ص ۹۰ طبع حلب ۱۳۵۰ھ [۳] البدایۃ والنہایہ از حافظ ابن کثیر ج ۱۱ ص ۶۷ طبع مصر۔
[۴] اس کتاب کا قلمی نسخہ کتب خانہ پیر جھنڈو ضلع حیدرآباد سندھ میں میری نظر سے گزرا ہے۔ [۵] شیخ الاسلام عبداللہ انصاری مشہور محدث اور صوفی ہیں، امام ترمذی سے ان کو بہ دو واسطہ تلمذ حاصل ہے، سال ولادت ۳۹۶ھ اور سال وفات ۴۸۱ھ ہے، حافظ ذہبی نے تذکرۃ الحفاظ میں ان کا نہایت مبسوط ترجمہ لکھا ہے جو ان لفظوں سے شروع ہوتا ہے شیخ الاسلام الحافظ الامام الزاھد یہ ترجمہ سات صفحات پر پھیلا ہوا ہے۔ انھوں نے امام ابوحنیفہ کی ایک مسند بھی لکھی ہے جس کا نام ہے جمع احادیث ابی حنیفہ، اس مسند کو حافظ سمعانی ان سے بہ دو واسطہ روایت کرتے ہیں۔ (ملاحظہ ہو الجواہر المضیئہ ترجمہ نصر بن سیار)

كتابه عندي انفع من كتاب البخاري ومسلم لان كتابي البخاري ومسلم لا يقف على الفائدة منهما الا المتبحر العالم وكتاب ابي عيسى يصل الى فائدته كل احد من الناس [۱]

ان کی کتاب میرے نزدیک بخاری و مسلم کی کتاب سے زیادہ نافع ہے کیونکہ بخاری و مسلم کی کتابوں سے تو صرف عالم متبحر ہی فائدہ اٹھا سکتا ہے، لیکن ابو عیسیٰ کی کتاب سے ہر شخص مستفید ہو سکتا ہے۔

یہ واضح رہے کہ اگرچہ امام ترمذی، امام بخاری کے ارشد تلامذہ میں سے ہیں تاہم یہ شرف ان کو بھی حاصل ہے کہ خود استاد نے ان سے حدیث کا سماع کیا ہے، چنانچہ "ابواب التفسیر" سورہ الحشر میں حسب ذیل روایات لکھ کر حدثنا عبد اللہ بن عبد الرحمن عن هارون بن معاويۃ عن حفص بن غیاث عن جبیب بن ابی عمرۃ عن سعید بن جبیر عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم مرسلاً فرماتے ہیں:-

سمع منی محمد بن اسماعيل هذا الحديث

مجھ سے محمد بن اسماعیل نے یہ حدیث سنی ہے۔

اسی طرح "ابواب المناقب" میں حدیث "یاعلی لا یحل لاحد ان یجنب فی هذا المسجد غیری و غیرك" کے متعلق لکھا ہے کہ "وقد سمع محمد بن اسمعیل منی هذا الحدیث" اور امام بخاری نے خود ان کے سامنے اس امر کا اعتراف کیا تھا کہ

ما انتفعت بك اكثر مما انتفعت بی [۲]

میں نے تم سے اس سے زیادہ نفع اٹھایا جتنا تم نے مجھ سے اٹھایا۔

بعض مواقع پر امام ترمذی نے اپنی جامع میں احادیث کی تصحیح کے سلسلہ میں امام بخاری و مسلم سے اختلاف بھی کیا ہے، چنانچہ "باب الاستنجاء بالحجرین" میں حدیث عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ قال خرج النبی صلی اللہ علیہ وسلم لحاجتہ فقال التمس لی ثلاثۃ احجار الخ کو نقل کرکے اور اس کے مختلف طرق بیان کرکے لکھتے ہیں کہ

هذا الحديث فيه اضطراب، قال ابو عيسى سألت عبد الله بن عبد الرحمن، ای الروايات فی هذا عن ابی اسحق اصح فلم يقض فيه بشئ وسألت محمداً عن هذا فلم يقض فيه بشئ كأنه رأى حديث ابی اسحق عن عبد الرحمن بن الاسود عن ابيه عن عبد الله اشبه، ووضعه فی كتابه الجامع واصح شئ فی هذا عندی حديث اسرائيل وقيس عن ابی اسحق عن ابی عبيدة عن عبد الله لان اسرائيل اثبت واحفظ لحديث ابی اسحق من هؤلاء وتابعه على ذلك قيس بن الربيع، وسمعت محمد بن المثنى يقول

اس حدیث میں اضطراب ہے، میں نے عبد اللہ بن عبد الرحمن (امام دارمی) سے پوچھا تھا کہ اس بارے میں ابو اسحق سے کونسی روایت زیادہ صحیح ہے تو وہ کچھ فیصلہ نہ کر سکے، اور محمد (امام بخاری) سے پوچھا تو انھوں نے بھی کوئی فیصلہ نہیں کیا اور ایسا معلوم ہوتا ہے کہ انھوں نے "ابو اسحق عن عبد الرحمن بن الاسود عن ابیہ عن عبد اللہ" والے طریق کو زیادہ مناسب سمجھا اس لئے اپنی کتاب الجامع میں اسی کو جگہ دی اور میرے نزدیک اس باب میں "اسرائیل و قیس عن ابی اسحق عن ابی عبیدۃ عن عبد اللہ" والی سند زیادہ صحیح ہے کیونکہ اسرائیل ابو اسحق کی حدیث میں ان سب سے زیادہ پکے اور سب سے زیادہ حافظ ہیں اور اس روایت میں قیس بن الربیع نے

---

[۱] شروط الائمۃ الستہ ص ۱۶ - [۲] تہذیب التہذیب، ترجمہ امام ترمذی۔

سمعت عبد الرحمن بن مهدی یقول ما فاتنی الذی فاتنی من حدیث سفیان الثوری عن ابی اسحٰق الا لما اتکلت به علی اسرائیل لانه کان یاتی به اتم، قال ابو عیسیٰ، وزهیر فی ابی اسحٰق لیس بذاك لان سماعه منه باخرة، سمعت احمد بن الحسن یقول سمعت احمد بن حنبل یقول اذا سمعت الحدیث من زائدة وزهیر فلا تبال ان لا تسمعه من غیرهما الا حدیث ابی اسحٰق۔

ان کی متابعت بھی کی ہے، میں نے محمد بن المثنی کو یہ بیان کرتے سنا کہ عبدالرحمن بن مہدی کہتے تھے کہ ابواسحٰق سے سفیان ثوری کی روایت کردہ حدیثیں جو مجھ سے چھوٹیں وہ صرف اس سبب سے کہ میں نے ان روایات کے سلسلہ میں اسرائیل پر اعتماد کیا کیونکہ وہ ان کو مکمل طور پر بیان کیا کرتے تھے اور زہیر ابواسحٰق کی روایت میں کچھ اچھے نہیں ہیں کیونکہ ان کا سماع ابواسحٰق سے ان کی اخیر عمر میں تھا (جبکہ بڑھاپے کے سبب ابواسحٰق کے حواس میں انتشار ہو چکا تھا) میں نے احمد بن حسن کو بیان کرتے سنا کہ امام احمد بن حنبل فرماتے تھے کہ تم ابواسحٰق کی حدیث کو چھوڑ کر پھر زائدہ اور زہیر سے جو حدیث بھی سن لو اس کو دوسرے سے سننے کی فکر نہ کرو۔

اسی طرح "باب ما یقال بعد الوضوء" میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی یہ حدیث نقل کر کے کہ قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من توضأ فاحسن الوضوء ثم قال اشهد ان لا اله الا اللہ وحده لا شریك له واشهد ان محمدا عبده ورسوله الخ اور اس کے طرق کی تفصیل بیان کر کے فرماتے ہیں :-

هذا حدیث فی اسناده اضطراب، ولا یصح عن النبی صلی اللہ علیه وسلم فی هذا الباب کثیر شیٔ۔

اس حدیث کی اسناد میں اضطراب ہے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے اس باب میں کچھ زیادہ صحت کو نہیں پہنچا۔

حالانکہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی یہ حدیث صحیح مسلم میں مذکور ہے، اسی طرح تحقیق رجال میں بھی بعض مقامات پر امام بخاری کے مقابلہ میں امام دارمی کے قول کو ترجیح دی ہے[1]۔

حافظ ابوجعفر بن الزبیر نے اپنے برنامج میں تصریح کی ہے کہ اس کتاب کو امام ترمذی سے حسب ذیل چھ حضرات نے روایت کیا ہے (۱) ابوالعباس محمد بن احمد بن محبوب (۲) حافظ ابوسعید ہیثم بن کلیب شاشی المتوفی ۳۳۵ھ صاحب ہدایہ نے جامع ترمذی کو ان ہی کے طرق سے روایت کیا ہے[2] (۳) ابوذر محمد بن ابراہیم۔ (۴) ابومحمد حسن بن ابراہیم قطان (۵) ابوحامد احمد بن عبداللہ تاجر۔ (۶) ابوالحسن واذری[3]۔

امام ترمذی نے اپنی جامع میں کتاب العلل کے اندر امام ابوحنیفہ سے حسب ذیل روایت نقل کی ہے۔

حدثنا محمود بن غیلان حدثنا ابو یحییٰ الحمانی قال سمعت ابا حنیفة یقول ما رأیت احدا اکذب من جابر الجعفی ولا افضل من عطاء بن ابی رباح۔ [4]

میں نے جابر جعفی سے زیادہ جھوٹا اور عطاء بن ابی رباح سے افضل کسی کو نہیں دیکھا۔

---

[1] ملاحظہ ہو "باب ما ذکر فی الشرب بنفسین"۔ [2] الجواہر المضیہ۔ [3] مقدمہ قوت المغتذی۔
[4] جامع ترمذی ج ۲ ص ۲۳۳ طبع مصر ۱۲۹۲ھ۔

اس روایت کا تعلق رجال کی جرح وتعدیل سے ہے اور امام ترمذی نے اس کو سند کے طور پر نقل کیا ہے جس سے صاف ظاہر ہے کہ امام ممدوح کے نزدیک امام ابوحنیفہؒ کا شمار ان ائمہ میں ہے کہ جن کے قول سے جرح وتعدیل کے باب میں سند پکڑی جاتی ہے۔ [1]

صحیحین، سنن نسائی، سنن ابی داؤد اور جامع ترمذی یہ پانچ کتابیں وہ ہیں کہ جن کے بارے میں حافظ ابوطاہر سلفی المتوفی ۵۷۶ھ نے تصریح کی ہے کہ

قد اتفق علی صحتہا علماء الشرق والغرب۔ — ان کی صحت پر مشرق ومغرب کے علماء کا اتفاق ہے۔

حافظ ابن سید الناس، شرح ترمذی میں ابوطاہر کے اس قول کو نقل کرکے فرماتے ہیں:۔

وھذا محمول منہ علی ما لم یصرح بضعفہ فیہا مخرجہ او غیرہ۔ — ان کی یہ تصریح ان روایات سے متعلق ہے کہ جن کے بارے میں ان کے مخرج نے یا کسی اور نے ضعف کی صراحت نہ کی ہو۔

---

[1] جرح وتعدیل کے باب میں امام ابوحنیفہ کے فیصلے اس قدر نپے تلے ہوتے تھے کہ محققین فن کو ہمیشہ ان کے آگے سر تسلیم خم کرنا پڑا، چنانچہ اسی جابر جعفی کو لے لیجئے ایک طرف امام ابوحنیفہ کا اس کے بارے میں یہ فیصلہ ہے دوسری طرف اس کی نسبت ائمہ جرح وتعدیل کی یہ رائیں ہیں۔ سفیان ثوری کا بیان ہے کہ ما رأیت اورع فی الحدیث منہ (میں نے اس سے زیادہ حدیث میں محتاط نہیں دیکھا) شعبہ کہتے ہیں کان جابر اذا قال حدثنا و سمعت فہو من اوثق الناس (جابر جب حدثنا اور سمعت کہدے تو اس کا شمار اوثق الناس میں ہے) ایک دفعہ سفیان ثوری نے شعبہ سے صاف کہدیا کہ اگر تم نے جابر جعفی کے بارے میں کچھ کہا تو میں تمہارے بارے میں کہنے لگوں گا) وکیع کا قول ہے کہ تم لوگ اور چاہے کسی چیز میں شک کرو مگر اس بارے میں بالکل شک نہ کرو کہ جابر ثقہ ہے، اس سے تو ہم کو مسعر، سفیان ثوری، شعبہ اور حسن بن صالح نے حدیثیں بیان کی ہیں (ملاحظہ ہو تہذیب التہذیب ترجمہ جابر جعفی) ارباب نظر غور کریں کہ جابر جعفی کی توثیق کرنے والے کس شان کے اکابر ہیں۔ تاہم تحقیق کے بعد اخیر فیصلہ جو ائمہ رجال نے صادر کیا وہ یہی ہے کہ جابر جعفی کی روایت قابل اعتبار نہیں۔ اسی طرح زید بن عیاش کے بارے میں امام ابوحنیفہ اور امام مالک میں اختلاف رائے ہے۔ امام ابوحنیفہ اس کو مجہول بتاتے ہیں لیکن امام مالک نے اپنی موطا میں اس کی سند سے حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کی وہ روایت نقل کی ہے جس میں آتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کھجور اور چھوارہ کو باہم بیچنے سے منع فرمایا ہے (موطا، باب مایکرہ من بیع التمر) بعد کو اگرچہ بعض محدثین نے امام مالک کی تقلید میں اس روایت کو صحیح قرار دیا لیکن خود امام بخاری ومسلم نے اس بارے میں امام ابوحنیفہ کے فیصلے سے موافقت کی ہے، چنانچہ محدث حاکم نیشاپوری، المستدرک علی الصحیحین میں لکھتے ہیں کہ

ھذا حدیث صحیح لاجماع ائمۃ اھل النقل علی امامۃ مالک بن انس وانہ محکم فی کل ما یرویہ من الحدیث اذلم یوجد فی روایاتہ الا الصحیح خصوصاً فی حدیث اھل المدینۃ . . . . . . والشیخان لم یخرجاہ لما خشیا من جہالۃ زید بن عیاش۔
(تہذیب التہذیب ترجمہ زید بن عیاش)

یہ حدیث صحیح ہے کیونکہ ائمہ اہل نقل کا امام مالک کی امامت پر اتفاق ہے کہ وہ جو حدیث بھی نقل کردیں اس میں پکے ہیں اس لئے کہ ان کی روایات میں بالخصوص اہل مدینہ سے جو حدیث وہ نقل کرتے ہیں اس میں سوائے صحیح روایت کے اور کوئی روایت نہیں پائی گئی۔ اور امام بخاری ومسلم نے اس روایت کی تخریج زید بن عیاش کی جہالت کے خوف سے نہیں کی۔

یہ ہے عہدِ رسالت سے لے کر امام ابن ماجہ کے زمانے تک کی تاریخ تدوینِ حدیث۔ اب وقت آگیا ہے کہ امام ممدوح کی کتاب السنن پر تفصیل سے روشنی ڈالی جائے اور فنِ حدیث میں اس کتاب کا جو اصلی مقام ہے اس کو واضح کیا جائے۔

سنن ابنِ ماجہ

اس جلیل القدر کتاب کے متعلق سابق میں ہم بعض اکابر فن کی رائیں پیش کر چکے ہیں جس سے آپ نے اس کی اہمیت کا اندازہ لگا لیا ہوگا، یہ کتاب دو حیثیتوں کے اعتبار سے تمام صحاح ستہ میں ممتاز ہے، ایک حسن ترتیب یعنی جس خوبی اور عمدگی کے ساتھ احادیث کو باب وار بغیر کسی تکرار کے اس کتاب میں بیان کیا گیا ہے دوسری کتابوں میں نہیں بیان کیا گیا، اور یہی اس کی وہ خوبی ہے کہ جس کو دیکھ کر ان کے شیخ حافظ ابو زرعہ رازی کی زبان سے بے ساختہ یہ الفاظ نکل گئے تھے کہ

"اگر یہ کتاب لوگوں کے ہاتھوں میں پہنچ گئی تو فن حدیث کی اکثر جوامع اور مصنفات بیکار و معطل ہو کر رہ جائیں گی"۔

حافظ ابو زرعہ کی یہ پیشین گوئی حرف بحرف صادق ہوئی اور آج ہم دیکھ رہے ہیں کہ حدیث کی بہت سی کتابیں جو صحت اسناد اور جودت روایات کے اعتبار سے اس سے کہیں بڑھ چڑھ کر تھیں وہ قبول عام حاصل نہ کر سکیں جو سنن ابن ماجہ کو حاصل ہے جیسے صحیح ابنِ حبان جس کے متعلق مورخ ابن العماد حنبلی نے تصریح کی ہے کہ

واکثر النقاد علی ان صحیحہ اصح من سنن ابن ماجۃ [۱]	اکثر ناقدینِ فن اس رائے پر ہیں کہ ان کی صحیح، سنن ابن ماجہ سے صحیح تر ہے۔

لیکن اس اصحیت کے باوجود اس کتاب کو وہ فروغ نصیب نہ ہو سکا جو سنن ابن ماجہ کو ہوا۔ خود صحاح ستہ میں سنن نسائی پر جو اس سے صحت میں کہیں فائق ہے اتنا کام نہیں ہوا اور اس کے اتنے شروح و حواشی نہیں لکھے گئے جتنے سننِ ابن ماجہ کے لکھے گئے ہیں۔ شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی بستان المحدثین میں حافظ ابو زرعہ کے مذکورہ بالا بیان کو نقل کر کے فرماتے ہیں:۔

وفی الواقع از حسن ترتیب و سرد احادیث بے تکرار واختصار آنچہ ایں کتاب دارد ہیچ یک از کتب ندارد۔ [۲]	اور فی الواقع ترتیب کی خوبی اور بغیر کسی تکرار کے احادیث کا لے آنا اور اختصار جو یہ کتاب رکھتی ہے کوئی کتاب نہیں رکھتی۔

اور حافظ ابن کثیر الباعث الحثیث الی معرفۃ علوم الحدیث میں رقمطراز ہیں:۔

وھو کتاب مفید قوی التبویب فی الفقہ [۳]	یہ مفید کتاب ہے اور مسائل فقہ کے لحاظ سے اس کی نہایت عمدہ تبویب ہے۔

---

[۱] شذرات الذہب فی اخبار من ذہب از ابن العماد، ترجمہ ابن حبان۔ [۲] بستان المحدثین، ص ۱۱۲ طبع گلزار محمدی لاہور۔ [۳] کتاب مذکور ص ۹۰ طبع مکہ مکرمہ ۱۳۵۳ھ

اور حافظ ابنِ حجر عسقلانی، تہذیب التہذیب میں لکھتے ہیں:۔

وکتابہ فی السنن جامع جید ۔ ان کی کتاب سنن (احکام) میں نہایت عمدہ جامع ہے۔

دوسری نمایاں خصوصیت اس کتاب کی یہ ہے کہ یہ بہت سی ان حدیثوں پر مشتمل ہے کہ جن سے صحاح ستہ کی دوسری کتابیں یکسر خالی ہیں اور اس بنا پر اس کی افادیت ان کتابوں سے کہیں زیادہ بڑھ گئی ہے، صحابۂ کرام میں حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کا یہ معمول تھا کہ وہ عام طور پر ایسی حدیثیں بیان کیا کرتے تھے جو اوروں کو معلوم نہ ہوتی تھیں۔ چنانچہ سنن ابن ماجہ میں ابو سعید حمیری کی زبانی منقول ہے کہ

کان معاذ بن جبل یتحدث بمالم یسمع اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ویسکت عما سمعوا (باب النہی عن الخلاء علی قارعۃ الطریق) ۔ حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ وہ حدیثیں بیان کرتے جو دیگر صحابہ نے سنی نہ تھیں اور جو دوسروں نے بھی سنی ہوتیں تو ان کے ذکر سے خاموش رہتے۔[1]

علامہ ابو الحسن سندی کی رائے میں امام ابن ماجہ کا یہ طرزِ عمل حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کی اتباع پر مبنی ہے چنانچہ وہ اس حدیث کی شرح کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ

لتکثیر الفائدۃ، وکان المصنف رحمہ اللہ تعالی تبع معاذا فی ذلک حیث اخرج من المتون فی کثیر من الابواب مالیس فی الکتب الخمسۃ المشہورۃ وان کانت ضعیفۃ وفی الباب احادیث صحیحۃ اخرجتھا اصحاب تلک الکتب فی کتبھم۔ ۔ حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کا یہ طرزِ عمل کثرت افادہ کے لئے تھا اور گویا مصنف نے بھی اس سلسلہ میں ان ہی کا اتباع کیا ہے کہ بہت سے ابواب میں ان حدیثوں کو نقل کیا جو کتب خمسہ مشہورہ میں نہیں ہیں اگرچہ وہ ضعیف بھی ہیں اور اسی مضمون کی اور صحیح حدیثیں بھی موجود ہیں جن کو ان کتابوں کے مصنفین نے نقل کیا ہے۔

سنن ابن ماجہ کا شمار صحاح ستہ میں ۔ سنن ابن ماجہ میں بہت سی زائد حدیثوں کا پایا جانا ہی اس کا وہ امتیاز خاص ہے کہ جس کو دیکھ کر بہت سے حفاظِ وقت نے صحاح کی تعداد پانچ سے بڑھا کر چھ کر دی

چنانچہ آپ سابق میں پڑھ چکے ہیں کہ حافظ ابن السکن نے اسلام کی بنیادی کتابیں چار بتائی تھیں اسی طرح حافظ ابن مندہ نے بھی مخرجین صحاح میں امام بخاری، امام مسلم، ابوداؤد، اور امام نسائی ہی کے ذکر پر اکتفا کی ہے، بعد کو حافظ ابو طاہر سلفی نے جامع ترمذی کو بھی مذکورہ بالا چاروں کتابوں کے ساتھ شمار کر کے تصریح کی کہ ان پانچوں کتابوں کی صحت پر علماء شرق وغرب کا اتفاق ہے حتی کہ شیخ ابن صلاح المتوفی ۶۴۲ھ اور علامہ نووی المتوفی ۶۷۶ھ تک نے معتمد علیہ کتابوں کے سلسلہ میں ان ہی

---

[1] یہ اصل میں حضرت کی انتہائی احتیاط تھی، صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم کو اس امر کا بڑا خیال رہتا تھا کہ روایتِ حدیث میں بھول چوک نہ ہونے پائے کیونکہ غلط روایت کے بیان کرنے پر وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے دوزخ کی وعید سن چکے تھے اسی لئے بہت سے صحابہ حتی الوسع بلاضرورت حدیث بیان کرنے سے بچا کرتے تھے، یہی حال حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کا تھا چنانچہ جو حدیثیں دوسرے صحابہ بھی جانتے تھے یہ ان کو بیان نہیں کرتے تھے۔

پانچ کتابوں کے مصنفین کی وفیات ذکر کی ہیں[1] اور امام ابن ماجہ کو سرے سے نظر انداز کر دیا ہے[2]۔ لیکن متاخرین نے ان کی رائے سے موافقت نہیں کی چنانچہ حافظ جلال الدین سیوطی، تدریب الراوی شرح تقریب النواوی میں علامہ نووی پر استدراک کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

لم یدخل المصنف سنن ابن ماجۃ فی الاصول وقد اشتھر فی عصر المصنف وبعدہ جعل الاصول ستۃ بادخالہ فیھا۔ (ص ۳۰)	مصنف (علامہ نووی) نے سنن ابن ماجہ کو بنیادی کتابوں میں داخل نہیں کیا حالانکہ خود مصنف کے عہد میں اور ان کے بعد سنن ابن ماجہ کو داخل کر کے چھ کتابوں کا بنیادی قرار دیا جانا شہرت پذیر ہو چکا ہے۔

تاریخ سے پتہ چلتا ہے کہ سب سے پہلے جس شخص نے سنن ابن ماجہ کو کتب خمسہ کے بالمقابل جگہ دی وہ حافظ ابو الفضل محمد بن طاہر مقدسی المتوفی ۵۰۷ھ ہیں جنھوں نے شروط الائمۃ الستۃ اور اطراف الکتب الستۃ دو مشہور کتابیں تصنیف کی ہیں۔ پہلی کتاب عرصہ ہوا کہ مصر اور ہندوستان میں طبع ہو کر شائع ہو چکی ہے اس کتاب میں حافظ موصوف نے ائمہ خمسہ کے ساتھ امام ابن ماجہ کی شرط پر بھی بحث کی ہے اور دوسری کتاب میں ان چھوں کتابوں کے اطراف احادیث[3] کو جمع کیا ہے، بعد کو تمام مصنفین اطراف و رجال نے ان کی رائے سے اتفاق کیا چنانچہ حافظ سیوطی لکھتے ہیں کہ

فتابعہ اصحاب الاطراف والرجال[4]	پھر مصنفین اطراف و رجال نے ان ہی کی متابعت کی۔

ارباب رجال میں سب سے پہلے حافظ عبد الغنی مقدسی المتوفی ۶۰۰ھ نے الکمال فی اسماء الرجال میں ان چھ کتابوں کے رجال کو یکجا مدون کیا ہے۔

اسی عہد میں حافظ ابن طاہر کے معاصر محدث رزین بن معاویہ عبدری سرقسطی مالکی المتوفی ۵۲۵ھ نے اپنی کتاب التجرید للصحاح والسنن میں کتب خمسہ کے ساتھ سنن ابن ماجہ کی بجائے موطا امام مالک کی حدیثوں کو

---

[1] ملاحظہ ہو مقدمہ ابن صلاح، ص ۲۸۷ طبع حلب، اور علامہ نووی کی التقریب والتیسیر کی "النوع الستون" نیز خاتمۃ الاشارات الی بیان اسماء المبہمات از علامہ موصوف طبع لاہور۔

[2] سخاوی نے فتح المغیث میں شیخ ابن صلاح کی طرف سے ابن ماجہ کو نظر انداز کرنے کی یہ وجہ بیان کی ہے۔

ھو کونہ ساذجا عاحرص علیہا اصحاب الکتب الخمسۃ من المقاصد التی بتدبرھا یتمرن المحدث خصوصا وفیہ احادیث ضعیفۃ جدا بل منکرۃ (ص ۴۷۶)	یہ ان مقاصد سے خالی ہے جن پر مصنفین کتب خمسہ نے بڑی توجہ دی ہے اور جن پر غور و تدبر سے محدث کو مشق ہوتی ہے خاص طور پر جبکہ اس میں نہایت ضعیف بلکہ منکر حدیثیں تک ہیں۔

[3] "اطراف" کا مطلب یہ ہے کہ حدیث کے شروع سرے کو اتنا بیان کر کے کہ جس سے بقیہ حدیث کی یاد دہانی ہو جائے اس کی تمام اسانید کو بالاستیعاب بیان کر دیا جائے یا ان کتابوں کا پتہ دیدیا جائے کہ جن میں یہ حدیث مروی ہے، چنانچہ اطراف الکتب الستہ میں صحاح ستہ کی احادیث کو اسی طرح بقید حوالہ کتب جمع کر دیا گیا ہے۔ اس کتاب کو صحاح ستہ کا انڈکس سمجھنا چاہیے۔ حافظ ابن طاہر نے اسی طرح کا ایک انڈکس امام ابو حنیفہ کی احادیث کا بھی تیار کیا ہے۔ جس کا نام اطراف احادیث ابی حنیفہ ہے۔ خیال ہے کہ اس کتاب میں حافظ موصوف نے امام ابی حنیفہ کی احادیث کی جملہ اسانید کو ذکر کیا ہوگا۔ [4] تدریب الراوی ص ۳۰۔

درج کیا ہے اس بنا پر بعد کے علماء میں یہ بحث پیدا ہوئی کہ صحاح ستہ کی چھٹی کتاب موطا کو قرار دیا جائے یا اس کی جگہ سنن ابن ماجہ کو رکھا جائے، محدث مبارک بن محمد المعروف بابن الاثیر جزری المتوفی ۶۰۶ھ نے اپنی مشہور و مقبول عام کتاب جامع الاصول میں محدث رزین ہی کی رائے کو ترجیح دی ہے اور اسی لئے اس کتاب میں ابن ماجہ کے حوالہ سے کوئی روایت درج نہیں ہے، اسی طرح حافظ ابو جعفر بن زبیر غرناطی کی تصریح ہے کہ

اولی ما ارشد الیہ ما اتفق المسلمون علی اعتمادہ وذلک الکتب الخمسۃ و الموطا الذی تقدمہا وضعا ولم یتأخر عنہا رتبۃ ؎۱

جو کچھ بتایا گیا ہے ان سب میں اولی وہ کتابیں ہیں کہ جن کے اعتماد پر مسلمانوں کا اتفاق ہے اور یہ وہی کتب خمسہ ہیں اور موطا ہے جو تصنیف میں ان سے مقدم ہے اور رتبہ میں کم نہیں ہے۔

اور علامہ محدث عبد الغنی نابلسی حنفی المتوفی ۱۱۴۳ھ اپنی مشہور کتاب ذخائر المواریث فی الدلالۃ علی مواضع الحدیث کے مقدمہ میں لکھتے ہیں:-

وقد اختلف فی السادس فعند المشارقۃ ھو کتاب السنن لابی عبد اللہ محمد بن ماجۃ القزوینی وعند المغاربۃ کتاب الموطا للامام مالک بن انس الاصبحی۔

چھٹی کتاب کے بارے میں اختلاف ہے اہل مشرق کے نزدیک تو وہ ابو عبد اللہ محمد بن ماجہ قزوینی کی کتاب السنن ہے اور اہل مغرب کے نزدیک امام مالک بن انس اصبحی کی کتاب موطا۔

لیکن عام متاخرین کا فیصلہ ابن ماجہ ہی کے حق میں ہے، محدث ابو الحسن سندی لکھتے ہیں۔

غالب المتاخرین علی انہ سادس الستۃ ؎۲

عام متاخرین اسی طرف ہیں کہ یہ صحاح ستہ کی چھٹی کتاب ہے۔

یہ یاد رہے کہ موطا پر اس کو مقدم کرنے کی وجہ وہی اس کی مزید افادیت ہے جو بہت سی زائد حدیثوں کے درج کرنے سے اس میں پیدا ہو گئی ہے، چنانچہ حافظ سخاوی، فتح المغیث میں فرماتے ہیں:-

وقد موہ علی الموطا لکثرۃ زوائدہ علی الخمسۃ بخلاف الموطا ؎۳

ان علماء نے اس کو موطا پر اس لئے مقدم کیا کہ اس میں کتب خمسہ سے بہت سی روایتیں زائد ہیں، برخلاف موطا کے کہ اس میں ایسا نہیں ہے۔

ورنہ صحت وقوت روایات کے لحاظ سے سنن ابن ماجہ کیا صحاح ستہ کی کوئی کتاب بھی موطا کے مقابلہ میں پیش نہیں کی جا سکتی، ہم موطا کی اصحیت کے متعلق سابق میں تفصیل سے بحث کر چکے ہیں، یہ پچھلوں کی صریح بے انصافی ہے کہ وہ سلف مجتہدین کی کتابوں کا مقابلہ بعد کے ان محدثین کی تصانیف سے کرتے ہیں جو فضل وکمال علم واجتہاد اور تحقیق وتنقید کسی چیز میں ان کے برابر نہ تھے، چنانچہ سرخیل اہل حدیث نواب صدیق حسن خاں قنوجی مسک الختام شرح بلوغ المرام میں فرماتے ہیں:-

؎۱ تدریب الراوی ص ۵۶۔ ؎۲ مقدمہ شرح ابن ماجہ از سندی۔
؎۳ ص ۳۳ طبع لکھنو۔

نزد شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رمن قال بقولہ اصح کتب در حدیث و فقہ موطا است پس ترجمہ بخاری پس تر مسلم، در اوائل مصفٰی شرح موطا در ترجیح وے بر سائر کتب روے زمین اطالت بسیار کردہ وہو الصواب۔ ؎۱	شاہ ولی اللہ محدث دہلوی اور ان حضرات کے نزدیک جو ان کے ہمنوا ہیں حدیث و فقہ میں صحیح ترین کتاب موطا ہے پھر بخاری پھر مسلم، چنانچہ شاہ صاحب نے مصفٰی شرح موطا کے اوائل میں روئے زمین کی تمام کتابوں پر موطا کی ترجیح کے سلسلہ میں بڑی لمبی بحث کی ہے اور یہی صحیح ہے۔

بعد کے دور میں حافظ صلاح الدین خلیل بن کیکلدی علائی المتوفی ۷۶۱ھ نے اس خیال کا بھی اظہار کیا ہے کہ

ینبغی ان یکون کتاب الدارمی سادساً للخمسۃ بدلہا فانہ قلیل الرجال الضعفاء نادر الاحادیث المنکرۃ والشاذۃ، وان کانت فیہ احادیث مرسلۃ وموقوفۃ فہو مع ذلک اولی منہ۔ ؎۲	بجائے سنن ابن ماجہ کے مناسب یہ ہے کہ دارمی کی کتاب پانچوں کتابوں کے ساتھ مل کر چھٹی کتاب ہو کیونکہ اس میں ضعیف راوی کم اور منکر و شاذ حدیثیں نادر ہیں اور اگرچہ اس میں احادیث مرسلہ و موقوفہ موجود ہیں تاہم وہ سنن ابن ماجہ سے زیادہ بہتر ہے۔

حافظ صلاح الدین علائی کی ہمنوائی حافظ ابن حجر عسقلانی نے بھی کی ہے چنانچہ حافظ سیوطی، تدریب الراوی میں لکھتے ہیں۔

قال شیخ الاسلام ولیس دون السنن الاربعۃ فی الرتبۃ بل لو ضم الی الخمسۃ لکان اولی من ابن ماجۃ فانہ امثل منہ بکثیر۔ ؎۳	شیخ الاسلام (حافظ ابن حجر) کا بیان ہے کہ دارمی کی کتاب رتبہ میں سنن اربعہ سے کم نہیں ہے بلکہ اگر اس کو کتب خمسہ کے ساتھ ملا دیا جائے تو ابن ماجہ کی بہ نسبت یہ اولی ہے کیونکہ وہ سنن ابن ماجہ سے کہیں بڑھ کر ہے۔

لیکن اس تصریح کے باوجود شیخ الاسلام کا عمل اس کے برخلاف ہے چنانچہ محدث محمد بن اسماعیل امیر یمانی توضیح الافکار میں ارقام فرماتے ہیں:-

وقد الحق بالخمسۃ الموطا کما صنعہ ابن الاثیر فی جامع الاصول وغیرہ الحق بہا عوضاً عن سنن ابن ماجۃ وعلی ھذا بنی الحافظ المزی فی تہذیب الکمال ومن تبعہ من مختصری کتابہ کالحافظ ابن حجر والخزرجی۔ ؎۴	اور کتب خمسہ کے ساتھ موطا کا بھی الحاق کیا گیا ہے جیسا کہ ابن الاثیر نے جامع الاصول میں کیا ہے اور دیگر علماء نے ان کتابوں کے ساتھ موطا کی بجائے ابن ماجہ کو رکھا ہے اور اسی پر تہذیب الکمال میں حافظ مزی کی بنیاد ہے اور ان کے متبعین کی جنہوں نے تہذیب الکمال کا اختصار کیا ہے جیسے کہ حافظ ابن حجر اور خزرجی ہیں۔

پھر حافظ ابن حجر عسقلانی کا اپنی مشہور عالم کتاب بلوغ المرام میں سنن دارمی کے ساتھ جو رویہ ہے وہ ایسا عجیب ہے کہ جس کی شکایت خود نواب صدیق حسن خاں نے جو ان کے معتقد خاص ہیں ان الفاظ میں کی ہے۔

؎۱ ج ۱ ص ۱۸ طبع شاہجہانی بھوپال ۱۳۰۲ھ۔ ؎۲ فتح المغیث ص ۳۲۔ ؎۳ تدریب الراوی ص ۵۷۔

؎۴ توضیح الافکار ج ۱ ص ۵۵۔

وعجب است از مصنفؒ کہ ازیں جماعہ مذکورہ اخراج حدیث کردہ ونام دارمی باوجودیکہ در جنب صحاح ستہ است وغالب دریں روایات شریک جز یک جا برزبان خامہ نبردہ۔ [1]

مصنف سے تعجب ہے کہ انھوں نے اس جماعت مذکورہ سے تو حدیث کی تخریج کی' پر دارمی کا نام جو صحاح ستہ کے مقابلہ کی کتاب ہے اور اکثر ان روایات میں ان کے ساتھ شریک ہے بجز ایک جگہ کے کہیں زبانِ قلم پر نہ لائے۔

اتنا ہی نہیں بلکہ حافظ مغلطائی حنفی نے سنن دارمی کو صحیح کہدیا تو حافظ موصوف نے ان پر اعتراضات کی بوچھاڑ کردی' بات اتنی تھی کہ شیخ ابن صلاح نے اپنے مقدمہ اصول حدیث میں یہ لکھ دیا تھا کہ

اول من صنف الصحیح البخاری ابو عبداللہ محمد بن اسمعیل الجعفی مولاھم وتلاہ ابوالحسین مسلم بن الحجاج القشیری من انفسھم۔ [2]

پہلے جس نے صحیح تصنیف کی وہ بخاری ابو عبداللہ محمد بن اسمعیل ہیں کہ جو ولاءً جعفی ہیں اور ان کے بعد ابوالحسین مسلم بن الحجاج نے کہ جو نسلاً قشیری ہیں۔

اس پر حافظ مغلطائی نے اعتراض کیا کہ

ان مالکاً اول من صنف الصحیح وتلاہ احمد ابن حنبل وتلاہ الدارمی۔ [3]

سب سے پہلے تو امام مالک نے صحیح تصنیف کی ان کے پیچھے امام احمد بن حنبل نے اور ان کے پیچھے امام دارمی نے۔

جس پر حافظ ابن حجر فرماتے ہیں

واما ما یتعلق بالدارمی فتعقبہ الشیخ زین الدین بأن فیہ الضعیف والمنقطع لکن بقی مطالبۃ مغلطأی بصحۃ دعواہ ان جماعۃ اطلقوا علی مسند الدارمی کونہ صحیحاً فانی لم ارذلک فی کلام احد ممن یعتمد علیہ۔ [4]

اور دارمی کے متعلق جو مغلطائی نے کہا ہے اس پر شیخ زین الدین نے ان کی گرفت کی ہے کہ اس میں تو ضعیف اور منقطع روایات موجود ہیں لیکن مغلطای سے ان کے اس دعوی کی صحت کا مطالبہ باقی رہ گیا کہ "ایک جماعت نے مسند دارمی پر صحت کا اطلاق کیا ہے" کیونکہ یہ بات کسی معتمد علیہ شخص کے کلام میں میری نظر سے نہیں گزری۔

حالانکہ خود ہی یہ لکھ رہے ہیں کہ

لم ارلمغلطأی سلفاً فی تسمیۃ الدارمی صحیحاً الا قولہ انہ رأہ بخط المنذری وکذا قال العلائی۔ [5]

دارمی کو صحیح کہنے میں میں نے مغلطائی کا کوئی پیش رو نہیں دیکھا بجز اس کے کہ وہ یہ کہتے ہیں کہ انھوں نے حافظ منذری کے قلم کا یہی لکھا دیکھا تھا اور ایسا ہی علائی نے بھی کہا ہے۔

اور پھر یہ بھی فرماتے ہیں کہ:۔

کیف ولو اطلق علیہ ذلک ممن یعتمد علیہ لکان الواقع خلافہ لما فی الکتاب المذکور

بھلا مغلطائی کا دعوی کیونکر قابل تسلیم ہو اور اگر کسی قابل اعتماد شخص کی طرف سے اس پر صحت کا اطلاق کیا بھی گیا تو

---

[1] مسک الختام ص ۱۹۔ [2] ص ۱۳ طبع حلب۔ [3] توضیح الافکار ج ۱ ص ۳۷ [4] ایضاً ج ۱ ص ۳۹
[5] تدریب الراوی ص ۵۷۔

من الاحاديث الضعيفة والمنقطعة و الموضوعة والموطا في الجملة انظف احاديث واتقن رجالا منه [1]

واقعہ اس کے خلاف ہے کیونکہ کتاب مذکور میں احادیث ضعیفہ و منقطعہ اور موضوعہ موجود ہیں ہاں موطا فی الجملہ احادیث کے اعتبار کر اس کر زیادہ پاکیزہ اور رجال کے لحاظ سے زیادہ محکم ہے۔

اس کے بعد ایک اور اعتراض یہ بھی کیا ہے۔

ومع ذلك كله فلست اسلم ان الدارمي صنف كتابه قبل تصنيف البخاري الجامع لتعاصرهما ومن ادعى عليه ذلك فعليه البيان [2]

اور اس سب بحث کے باوجود میں یہ بھی تسلیم نہیں کرتا کہ دارمی نے اپنی کتاب کو امام بخاری کی جامع سے پہلے تصنیف کیا ہے کیونکہ وہ دونوں معاصر ہیں اور جو دارمی کے متعلق یہ دعوی کرتا ہے اس کو ثبوت دینا چاہیے۔

لیکن علامہ امیر یمانی نے خود حافظ صاحب سے بھی یہی مطالبہ کر دیا ہے چنانچہ فرماتے ہیں۔

قلت ومن ادعى تقدم تصنيف البخاري على تصنيف الدارمي فعليه البيان ايضاً [3]

میں کہتا ہوں کہ جو یہ دعوی کرے کہ بخاری کی تصنیف دارمی کی تصنیف سے مقدم ہے اس کو بھی ثبوت دینا چاہیے۔

بہرحال دارمی کی کتاب کو سنن ابن ماجہ پر فوقیت ہو یا نہ ہو لیکن اس سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ صحاح ستہ کی بزم میں دارمی کو بار نہ مل سکا اور مدت ہوئی کہ چھٹی کتاب کی جگہ سنن ابن ماجہ کو دی جا چکی ہے، چنانچہ امام ابوالقاسم رافعی المتوفی ۶۲۳ھ کی یہ تصریح سابق میں آپ پڑھ چکے ہیں کہ

• حفاظِ حدیث امام ابن ماجہ کی کتاب کو صحیحین، سنن ابی داؤد اور سنن نسائی کے برابر رکھتے اور جو روایات اس کتاب میں موجود ہیں ان سے سند پکڑتے ہیں"۔

اور مورخ ابن خلکان المتوفی ۶۸۱ھ اپنی کتاب وفیات الاعیان وانباء ابناء الزمان میں امام ابن ماجہ کے ترجمہ میں لکھتے ہیں۔

وكتابه في الحديث احد الصحاح الستة۔

حدیث میں ان کی کتاب صحاح ستہ کی ایک کتاب ہے۔

اور حافظ ابن کثیر المتوفی ۷۷۴ھ الباعث الحثیث میں فرماتے ہیں۔

وابو عبد الله محمد بن يزيد ابن ماجه القزويني صاحب السنن التي كمل بها الكتب الستة والسنن الاربعة بعد الصحيحين التي اعتنى باطرافها الحافظ ابن عساكر وكذلك شيخنا الحافظ المزي اعتنى برجالها واطرافها

اور ابوعبداللہ محمد بن یزید ابن ماجہ قزوینی اس سنن کے مصنف ہیں کہ جس سے صحاح ستہ نیز صحیحین کے بعد سنن اربعہ کی تکمیل ہو جاتی ہے جن کے اطراف سے حافظ ابن عساکر نے اعتنا کیا ہے اور اسی طرح ہمارے شیخ حافظ مزی نے بھی ان کے رجال واطراف کو جمع کیا ہے۔

اور حافظ عبدالقادر قرشی، الجواہر المضیہ کی "کتاب الجامع" میں لکھتے ہیں:۔

• جب محدث کسی حدیث کے بارے میں صرف رواہ الشیخان یا رواہ الامامان کہتا ہے تو بخاری و مسلم مراد ہوتے ہیں اور جب صرف رواہ الائمۃ الستۃ کہا جاتا ہے تو بخاری مسلم

[1] و [2] و [3] توضیح الافکار، ج ۱، ص ۳۹ - [4] الباعث الحثیث، ص ۹۰

ابوداؤد، ترمذی، نسائی اور ابن ماجہ مراد ہوتے ہیں اور جب صرف رواہ الخمسۃ کہا جاتا ہے تو بخاری مسلم، ابوداؤد، ترمذی اور نسائی مراد ہوتے ہیں"۔

صحت کے اعتبار سے سنن ابن ماجہ کا درجہ

حافظ شمس الدین ذہبی لکھتے ہیں :-

سنن ابی عبد اللہ کتاب حسن لولا ما کدرہ احادیث واھیۃ لیست بالکثیرۃ۔ [۵۱]

سنن ابوعبداللہ (ابن ماجہ) اچھی کتاب ہے، کاش اس کو چند واہی حدیثیں جو تعداد میں زیادہ نہیں خراب نہ کرتیں۔

یہ چند روایات کہ جنھوں نے سنن ابن ماجہ جیسی صاف کتاب کو گدلا اور مکدر بنا دیا ان کی تعداد کیا ہے اس کے بارے میں حافظ محمد بن طاہر مقدسی لکھتے ہیں کہ میں نے شہر رے میں ایک قدیم جزء کی پشت پر حافظ ابوحاتم المعروف بخاموش کے قلم سے یہ لکھا دیکھا ہے۔

قال ابو زرعۃ الرازی طالعت کتاب ابی عبد اللہ ابن ماجۃ فلم اجد فیہ الا قدرا یسیرا مما فیہ شیٔ وذکر قریب بضعۃ عشر۔ [۵۲]

ابو زرعہ رازی کا بیان ہے کہ میں نے ابوعبداللہ بن ماجہ کی کتاب کا مطالعہ کیا تو اس میں بجز تھوڑی سی مقدار کے کہ جن میں کچھ خرابی موجود ہے اور کوئی بات نہ دیکھی چنانچہ انھوں نے کچھ اوپر دس روایات ایسی ذکر کیں۔

اور حافظ ذہبی، تذکرۃ الحفاظ میں خود امام ابن ماجہ کی زبانی یہ ناقل ہیں :-

عرضت ھذہ السنن علی ابی زرعۃ فنظر فیہ وقال اظن ان وقع ھذا فی ایدی الناس تعطلت ھذہ الجوامع او اکثرھا ثم قال لعل لا یکون فیہ تمام ثلاثین حدیثا مما فی اسنادہ ضعف۔ [۵۳]

میں نے اس سنن کو حافظ ابوزرعہ کی خدمت میں لیجا کر پیش کیا تو فرمانے لگے کہ میرے خیال میں یہ کتاب اگر لوگوں کے ہاتھوں پڑ گئی تو یہ جوامع یا ان میں سے اکثر تصنیفات بیکار ہو کر رہ جائیں گی پھر فرمایا کہ شاید اس میں پوری تیس حدیثیں بھی ایسی نہ ہوں کہ جن کی اسناد میں ضعف ہو۔

اور حافظ سیوطی، زہر الربی علی المجتبی کے مقدمہ میں رقمطراز ہیں :-

واما ما حکاہ ابن طاھر عن ابی زرعۃ الرازی انہ نظر فیہ فقال لعلہ لا یکون فیہ تمام ثلاثین حدیثا مما فیہ ضعف فھی حکایۃ لا تصح لانقطاع سندھا، وان کانت محفوظۃ فلعلہ اراد ما فیہ من الاحادیث الساقطۃ الی الغایۃ او کان ما رأی من الکتاب الا جزءا منہ فیہ ھذا القدر وقد حکم ابو زرعۃ

ابن طاہر نے ابوزرعہ رازی سے جو یہ نقل کیا ہے کہ انھوں نے اس کتاب کو دیکھ کر یہ ارشاد فرمایا کہ شاید اس میں پوری تیس حدیثیں بھی ایسی نہ نکلیں کہ جن میں ضعف ہو سو یہ حکایت صحیح نہیں ہے کیونکہ اس کی سند میں انقطاع ہے اور اگر یہ روایت محفوظ ہے تو شاید انھوں نے انتہائی ساقط روایات کو مراد لیا ہے یا پھر دیکھا ہی کتاب کا ایک حصہ تھا کہ جس میں ان کو اسی قدر مل سکا، اور یہ واقعہ ہے کہ

---

[۵۱] تذکرۃ الحفاظ ترجمہ ابن ماجہ۔ [۵۲] شروط الائمۃ الستہ ص ۱۶۔

[۵۳] ابوزرعہ کا یہ بیان جیسا کہ ابھی آپ کی نظر سے گزرا، ذہبی نے تذکرۃ الحفاظ میں نقل کیا ہے اور ابن طاہر نے تو شروط الائمہ میں ان سے کچھ اوپر دس کی تعداد نقل کی ہے۔

علی احادیث کثیرة منه بکونها باطلة او ساقطة او منکرة وذلک محکی فی کتاب العلل لابن ابی حاتم۔

ابوزرعہ نے اس کی بہت سی حدیثوں کے متعلق باطل یا ساقط یا منکر ہونے کا فیصلہ کیا ہے جو ابن ابی حاتم کی کتاب العلل میں منقول ہے۔

اور حافظ ذہبی، سیر النبلا میں لکھتے ہیں کہ

وقول ابی زرعة لعل لایکون فیه تمام ثلاثین حدیثا مما فی سنده ضعف او نحو ذلک ان صح فانما عنی بثلاثین حدیثا الاحادیث المطرحة الساقطة، واما الاحادیث التی لاتقوم بها حجة فکثیرة لعلها نحو الالف[1]

اور ابوزرعہ کا یہ بیان کہ شاید اس میں پوری تیس حدیثیں بھی ایسی نہ ہوں کہ جن کی سند میں ضعف ہے اگر صحیح ہے تو ان کی مراد ان تیس حدیثوں سے نہایت گری ہوئی اور ساقط روایتیں ہیں ورنہ جن روایتوں سے کہ حجت نہیں قائم ہوتی وہ تو بہت ہیں شاید ایک ہزار کے قریب ہوں۔

غالباً یہ تیس کے قریب قریب وہی روایتیں ہیں کہ جن کو حافظ ابن جوزی نے موضوعات میں داخل کیا ہے یا دیگر محدثین نے ان میں سے بعض روایات کے موضوع ہونے کی تصریح کی ہے ان روایات پر فنی نقطۂ نظر سے ہم اپنی عربی تصنیف "ماتمس الیه الحاجة لمن یطالع سنن ابن ماجه" میں تفصیل سے بحث کر چکے ہیں، رہی عام ضعیف روایات سو واقعی اس کتاب میں بکثرت ہیں اور اگرچہ حافظ ابوالحجاج مزی نے اس بارے میں ایک عام حکم لگا دیا ہے کہ

کل ما انفرد به ابن ماجة فهو ضعیف

ہر وہ روایت جو صرف سنن ابن ماجہ میں ہو اور صحاح ستہ کی کسی دوسری کتاب میں نہ ہو وہ ضعیف ہے۔

لیکن یہ صحیح نہیں چنانچہ حافظ ابن حجر عسقلانی، تہذیب التہذیب میں لکھتے ہیں کہ

ولیس الامر فی ذلک علی اطلاقه باستقرائی و فی الجملة ففیه احادیث کثیرة منکرة۔

میرے تتبع کے مطابق علی الاطلاق ایسا نہیں ہے اگرچہ فی الجملہ اس میں بہت سی منکر حدیثیں ہیں۔

حافظ ابن حجر کی رائے میں احادیث کی بہ نسبت رجال کے بارے میں ایسا کہنا زیادہ مناسب ہے فرماتے ہیں۔

لکن حمله علی الرجال اولی واما حمله علی احادیث فلا یصح کما قدمت ذکره من وجود الاحادیث الصحیحة والحسان مما انفرد به عن الخمسة۔

لیکن حافظ مزی کی تصریح کو رجال پر محمول کرنا اولی ہے اور حدیثوں پر محمول کرنا صحیح نہیں جیسا کہ میں نے سابق میں بتایا کہ جن روایات میں وہ ائمہ خمسہ سے منفرد ہیں ان میں صحیح حدیثیں بھی ہیں اور حسن بھی۔

لیکن ہمارے استقراء اور تتبع کے اعتبار سے احادیث ایک طرف رجال کے بارے میں بھی کلی طور پر یہ حکم لگا دینا صحیح نہیں ملاحظہ فرمائیے روایات ذیل:۔

(۱) حدثنا العباس بن الولید واحمد بن الازهر قالا حدثنا مروان بن محمد

---

[1] توضیح الافکار۔ ج ۱ ص ۲۳۳۔

حدثنا يزيد بن السمط ثنا الوضين بن عطاء عن محفوظ بن علقمة عن سلمان الفارسي رضي الله عنه ان رسول الله صلے الله عليه وسلم توضأ فقلب جبة صوف كانت عليه فمسح بها وجهه (باب المنديل بعد الوضوء وبعد الغسل) یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے وضو کرنے کے بعد اپنے اونی جبہ کو جو آپ کے بدن مبارک پر تھا پلٹ کر اس سے اپنے چہرۂ انور کو پونچھا۔

حافظ بوصیری نے زوائد ابن ماجہ میں اس روایت کے متعلق تصریح کی ہے کہ

اسنادہ صحیح ورواتہ ثقات اس کی اسناد صحیح ہے اور اس کے راوی ثقہ ہیں۔

حالانکہ یزید بن السمط سے سنن ابن ماجہ کے علاوہ صحاح ستہ کی کسی کتاب میں کوئی روایت منقول نہیں ہے اور اس سے اخذ روایت میں امام ابن ماجہ بقیہ ائمہ خمسہ سے متفرد ہیں۔ ہاں یہ ضرور ہے کہ ان سے امام ابوداؤد نے کتاب المراسیل میں اور امام نسائی نے مسند مالک میں روایت لی ہے لیکن ان دونوں حضرات نے اپنی سنن میں ان سے کوئی روایت درج نہیں کی۔

(۲) حدثنا يعقوب بن حميد بن كاسب ثنا عبد العزيز بن محمد الدراوردي عن عبيد الله بن عمر عن ابراهيم بن محمد بن عبد الله بن جحش عن ابيه عن زينب بنت جحش انه كان له مخضب[1] من صفر قالت كنت ارجل رأس رسول الله صلے الله عليه وسلم فيه (باب الوضوء بالصفر) یعنی حضرت ام المومنین زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا کے پاس پیتل کا ایک بڑا برتن تھا جس کے متعلق وہ فرماتی ہیں کہ میں اس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا سر مبارک (دھوکر) شانہ کیا کرتی تھی۔

حافظ بوصیری نے زوائد میں اس کے لئے بھی یہی فرمایا ہے کہ اسنادہ صحیح ورجالہ ثقات حالانکہ ابراہیم بن محمد بن عبد اللہ بن جحش سے روایت میں امام ابن ماجہ متفرد ہیں اور بقیہ ارباب صحاح ستہ میں سے کسی نے بھی ان سے کوئی روایت نہیں لی ہے۔

(۳) حدثنا عبد الرحمن بن ابراهيم الدمشقي ثنا الوليد بن مسلم ثنا الاوزاعي ثنا نهيك بن يريم الاوزاعي ثنا مغيث بن سمي قال صليت مع عبد الله بن الزبير الصبح بغلس فلما سلم اقبلت على ابن عمر فقلت ما هذه الصلوة، قال هذه صلوتنا كانت مع رسول الله صلے الله عليه وسلم وابي بكر وعمر فلما طعن عمر اسفر بها عثمان (باب وقت صلاة الفجر) مغیث بن سمی کا بیان ہے کہ میں نے عبد اللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کے ساتھ صبح کی نماز اندھیرے میں پڑھی جب وہ سلام پھیر چکے تو میں حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کی طرف متوجہ ہوا اور ان سے عرض کیا کہ یہ کیا نماز ہے فرمانے لگے کہ حضور علیہ الصلوۃ والسلام اور حضرت ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما کے ساتھ تو ہماری یہی نماز تھی بعد کو جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو گھائل کر دیا گیا تو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ اجالے میں پڑھنے لگے۔

اس میں بھی نہیک بن یریم اوزاعی ایک ایسے راوی ہیں کہ جن سے بجز سنن ابن ماجہ کے صحاح ستہ کی اور کسی کتاب میں کوئی روایت موجود نہیں ہے حالانکہ حافظ بوصیری اس روایت کے متعلق

---

[1] مخضب، اس بڑے برتن (ٹب، بالٹی، لگن وغیرہ) کو کہتے ہیں جس میں کپڑے دھوتے اور رنگتے ہیں۔

فرماتے ہیں کہ اسنادہ صحیح۔

یہ تینوں روایات ہم نے کتاب کے ابتدائی حصے سے لیکر "باب الاذان" تک ہے، بطور مثال ذکر کی ہیں، اس لئے انصاف یہ ہے کہ امام ابن ماجہ جن رواۃ یا احادیث کے ساتھ منفرد ہیں ان پر کلیۃً تو ضعف کا حکم صادر کر دینا صحیح نہیں ہاں اکثریت کے اعتبار سے درست ہے، حافظ شہاب الدین بوصیری المتوفی سنہ ۸۴۰ھ نے زوائد ابن ماجہ پر ایک مستقل کتاب تصنیف کی ہے جس میں ہر روایت کی اسناد کے متعلق اس کی صحت و ضعف کو بیان کر دیا ہے۔ یہ کتاب اگرچہ اب ناپید ہے لیکن خوش قسمتی سے محدث ابو الحسن سندی نے اپنی شرح ابن ماجہ میں اس سے تمام ضروری چیزیں نقل کر دی ہیں۔

یہ واضح رہے کہ ضعیف روائتیں سنن ابن ماجہ ہی کے ساتھ خاص نہیں بلکہ صحاح ستہ کی دوسری کتابوں میں بھی موجود ہیں، فرق اتنا ہے کہ ان میں کم ہیں اور اس میں زیادہ ہیں اور ان کتابوں کو جو صحاح ستہ کہا جاتا ہے وہ محض تغلیباً ہے یہ مطلب نہیں کہ ان کی ہر روایت صحیح ہے چنانچہ نواب صدیق حسن خاں قنوجی، مسک الختام میں رقمطراز ہیں:۔

وایں ہر شش کتاب را اصول ستہ و صحاح ستہ و کتب ستہ و امہات ست، خوانند، شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ در اشعۃ اللمعات گفتہ کتب ستہ کہ مشہور اند در اسلام گفتہ اند صحیح بخاری و صحیح مسلم و جامع ترمذی و سنن ابی داؤد و سنن نسائی و سنن ابن ماجہ است و نزد بعضے موطا است بدل ابن ماجہ و صاحب جامع الاصول موطا را اختیار کردہ و دریں کتب انچہ اقسام حدیث است از صحاح و حسان و ضعاف ہمہ موجود است، و تسمیہ آں بصحاح بطریق تغلیب است۔ (ج ۱ ص ۱۷)	ان چھ کتابوں کو اصول ستہ، صحاح ستہ، کتب ستہ، اور امہات ست کہتے ہیں، شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ نے اشعۃ اللمعات میں کہا ہے کہ چھ کتابیں جو اسلام میں مشہور ہیں یہ بتلاتے ہیں: صحیح بخاری، صحیح مسلم، جامع ترمذی، سنن ابی داؤد، سنن نسائی، سنن ابن ماجہ، اور بعض کے نزدیک بجائے ابن ماجہ کے موطا ہے اور صاحب جامع الاصول نے موطا ہی کو اختیار کیا ہے اور ان کتابوں میں حدیث کی جتنی قسمیں ہیں صحیح حسن، ضعیف سب موجود ہیں اور ان کو صحاح کہنا تغلیب کے طور پر ہے۔

بہرحال جیسا کہ حافظ ابن حجرؒ نے تصریح کی ہے:۔

کتابہ فی السنن جامع جید کثیر الابواب و الغرائب وفیہ احادیث ضعیفۃ جداً۔[1]	علم سنن میں ابن ماجہ کی کتاب ایک عمدہ جامع ہے جس میں بہت سے ابواب و غرائب ہیں اور اس میں نہایت ضعیف حدیثیں بھی ہیں۔

صحاح ستہ میں سنن ابن ماجہ کا درجہ یہ واضح رہے کہ دیگر ارباب صحاح ستہ کی طرح امام ابن ماجہ نے بھی اپنی کتاب کی ترتیب و تدوین اور احادیث کے انتخاب میں بڑی جانفشانی اور عرق ریزی سے کام لیا ہے متعدد جگہ غریب احادیث کی تفصیل دی ہے[2] مختلف بلاد کی جو مخصوص روایات ہیں ان کی نشاندہی کی ہے

---

[1] تہذیب التہذیب۔ [2] مثال کے طور پر ملاحظہ ہوں ابواب ذیل، باب سجود القرآن، باب ماجاء فی الخطبۃ یوم الجمعۃ، باب من فاتتہ الاربع قبل الظہر، باب ماجاء فی صلوۃ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فی مرضہ، باب الولیمۃ، باب الاقتصاد فی طلب المعیشۃ، باب کسب الحجام۔

چنانچہ باب العفو عن القاتل میں حدیث ذیل کو نقل کر کے حدثنا ابو عمیر عیسی بن محمد النحاس و عیسی بن یونس والحسین بن ابی السری العسقلانی قالوا ثنا ضمرۃ بن ربیعۃ عن ابن شوذب عن ثابت البنانی عن انس بن مالک قال اتی رجل بقاتل ولیہ الی رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم فقال لہ النبی صلے اللہ علیہ وسلم اعف (الحدیث) لکھتے ہیں۔

قال ابن ماجۃ ہذا حدیث الرملیین لیس الا عندھم — یہ رملہ والوں کی حدیث ہے جو ان کے علاوہ اوروں کے پاس نہیں۔

اسی طرح "باب کل مسکر حرام" میں حسب ذیل دو روایتوں کو درج کر کے۔

(۱) حدثنا یونس بن عبد الاعلی ثنا ابن وھب اخبرنا ابن جریج عن ایوب بن ھانی عن مسروق عن ابن مسعود ان رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم قال کل مسکر حرام (ہر نشہ آور چیز حرام ہے)

(۲) حدثنا علی بن میمون الرقی ثنا خالد بن حیان عن سلیمان بن عبد اللہ بن الزبرقان عن یعلی بن شداد بن اوس سمعت معٰویۃ یقول سمعت رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم یقول کل مسکر حرام۔

پہلی روایت کے متعلق تصریح کی ہے کہ

قال ابن ماجۃ ھذا حدیث المصریین — یہ مصریوں کی حدیث ہے۔

اور دوسری روایت کے متعلق لکھا ہے کہ ھذا حدیث الرقیین (یہ رقہ والوں کی حدیث ہے)۔

غرض امام ممدوح نے لاکھوں احادیث کے ذخیرہ سے چار ہزار روایات کا انتخاب کر کے ان کو مختلف ابواب کے تحت پوری مناسبت کے ساتھ درج کیا ہے، تاہم چونکہ سنن ابن ماجہ میں کتب خمسہ کی بہ نسبت ضعیف حدیثیں زیادہ ہیں اس لئے اس کا درجہ صحاح ستہ میں سب سے فروتر ہے۔ محدث ابوالحسن سندی، شرح ابن ماجہ کے مقدمہ میں لکھتے ہیں:۔

وبالجملۃ فھو دون الکتب الخمسۃ فی المرتبۃ — اور بہر حال وہ رتبہ میں کتب خمسہ کے بعد ہے۔

اور علامہ محمد بن ابراہیم المعروف بابن الوزیر یمانی، تنقیح الانظار میں فرماتے ہیں:۔

واما سنن ابن ماجۃ فانھا دون ھذین الجامعین والبحث عن احادیثھا لازم و فیھا حدیث موضوع فی الفضائل[1] — اور رہی سنن ابن ماجہ سو وہ ان دونوں جامعوں (سنن ابی داؤد اور سنن نسائی) کے بعد ہے اور اس کی احادیث سے بحث لازم ہے اور اس میں فضائل کے اندر ایک موضوع حدیث بھی ہے۔

لیکن یہ واضح رہے کہ یہ ترجیح بحیثیت مجموعی ہے یعنی صحاح ستہ کی بقیہ کتابوں کو مجموعی حیثیت سے صحت کے لحاظ سے اس پر ترجیح حاصل ہے، یہ نہیں کہ کتب خمسہ کی ہر روایت سنن ابن ماجہ کی ہر روایت سے صحت میں زیادہ ہے کیونکہ سنن ابن ماجہ میں بہت سی حدیثیں ایسی بھی ہیں کہ جو صحت میں صحیح بخاری کی حدیثوں سے بھی اصح ہیں مثال کے طور پر حسب ذیل روایات ملاحظہ ہوں۔

---

[1] تنقیح الانظار مع توضیح الافکار، ج ۱ ص ۲۲۲ و ۲۲۳۔

(۱) حدثنا ابو مروان محمد بن عثمان العثمانی ثنا ابراهیم بن سعد عن ابیہ عن حفص بن عاصم عن عبد اللہ بن مالک ابن بحینۃ قال مر النبی صلی اللہ علیہ وسلم برجل وقد اقیمت صلاۃ الصبح وھو یصلی فکلمہ بشئی لا ادری ما ھو فلما انصرف احطنا بہ نقول ماذا قال لک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال قال لی یوشک احدکم ان یصلی الفجر اربعاً (باب ما جاء اذا اقیمت الصلاۃ فلا صلاۃ الا المکتوبہ) یعنی عبد اللہ بن مالک (جو اپنی ماں کی نسبت سے ابن بحینہ بھی کہلاتے ہیں) سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ایک شخص کے پاس سے گزرے نماز صبح کی اقامت ہو چکی تھی وہ شخص نماز پڑھ رہا تھا آپ نے اس سے کچھ گفتگو کی جس کو میں نہ سمجھ سکا کہ وہ کیا تھی جب حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نماز سے فارغ ہوئے تو ہم سب نے آکر اس کو گھیر لیا اور پوچھنے لگے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے تم سے کیا فرمایا، اس شخص نے بتایا کہ آپ نے یہ فرمایا تھا کہ "تم میں سے کوئی فجر کی چار بھی پڑھنے لگے گا"۔ سلہ

صحیح بخاری میں اسی باب کے اندر شعبہ کی روایت حسب ذیل اسناد سے منقول ہے حدثنی عبد الرحمٰن قال حدثنا بھز بن اسد قال حدثنا شعبۃ قال اخبرنی سعد بن ابراھیم قال سمعت حفص بن عاصم قال سمعت رجلا من الازد یقال لہ مالک بن بحینۃ ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم (الحدیث)

لیکن شعبہ کی اسناد میں دو غلطیاں ہیں ایک یہ کہ بحینہ، عبد اللہ کی والدہ کا نام ہے، مالک کی والدہ کا نہیں، دوم یہ کہ یہ روایت حضرت عبد اللہ بن مالک رضی اللہ عنہ سے مروی ہے جو مشہور صحابی ہیں ان کے باپ مالک سے نہیں کیونکہ وہ مشرف بہ اسلام نہیں ہوا تھا۔

(۲) اسی طرح "باب احداد المرأۃ علی غیر زوجھا" میں امام بخاری نے حسب ذیل روایت نقل کی ہے

حدثنا الحمیدی حدثنا سفیان قال حدثنا ایوب بن موسی قال اخبرنی حمید بن نافع عن زینب بنت ابی سلمۃ قالت لما جاء نعی ابی سفیان من الشام دعت ام حبیبۃ رضی اللہ عنھا بصفرۃ فی الیوم الثالث فمسحت عارضیھا وذراعیھا وقالت انی کنت عن ھذا الغنیۃ لولا انی سمعت النبی صلی اللہ علیہ وسلم یقول لا یحل لامرأۃ تومن باللہ والیوم الآخر ان تحد علی میت فوق ثلاث الا علی زوج فانھا تحد

زینب بنت ابی سلمہ کا بیان ہے کہ جب شام سے حضرت ابو سفیان رضی اللہ عنہ کی خبر مرگ کی اطلاع آئی تو ام المومنین حضرت ام حبیبہ رضی اللہ عنہا نے زردی (ابٹنا) منگوا کر اپنے دونوں رخساروں اور دونوں کلائیوں پر ملا اور فرمانے لگیں کہ اگر میں نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے یہ حدیث سنی نہ ہوتی تو مجھے اس کی ضرورت نہ تھی۔ آپ نے فرمایا ہے کہ جو عورت اللہ اور قیامت کے دن پر ایمان رکھتی ہے اس کو بیروا نہیں کہ وہ سوائے شوہر کے اور کسی میت پر تین دن سے زیادہ سوگ کرے، شوہر پر البتہ عورت کو چار ماہ دس

سلہ حنفیہ کے نزدیک اقامت ہو جانے کے بعد صفوں میں یا صفوں کے عین پیچھے صبح کی سنتوں کا ادا کرنا مکروہ ہے انھوں نے یہ مسئلہ اسی حدیث سے نکالا ہے کیونکہ یہ شخص عین صفوں میں سنت پڑھنے لگ گیا تھا۔

سلہ ملاحظہ ہو فتح الباری "باب اذا اقیمت الصلوٰۃ فلا صلاۃ الا المکتوبہ"۔

علیه اربعة اشهر و عشرا۔ دن تک سوگ کرنا پڑے گا۔

یہ روایت اگرچہ صحیح ہے مگر اس میں جو یہ مذکور ہے کہ حضرت ام المومنین ام حبیبہ رضی اللہ عنہا کے والد ماجد حضرت ابو سفیان رضی اللہ عنہ کی خبر مرگ شام سے آئی یہ غلط ہے حضرت ابو سفیان رضی اللہ عنہ کا انتقال ۳۲ھ یا ۳۳ھ میں مکہ معظمہ میں ہوا ہے، اسی لئے حافظ ابن حجر نے فتح الباری میں لکھا ہے کہ

ولم ارفی شیٔ من طرق الحدیث تقیید ہ بذلك الا فی روایۃ سفیان بن عیینۃ ھذہ واظنھا وھما

اس حدیث کے کسی طریقہ میں سوائے سفیان بن عیینہ کی اس روایت کے مجھے یہ تفصیل نہیں ملی اور میں اسے وہم سمجھتا ہوں۔

برخلاف اس کے امام ابن ماجہ نے اپنی سنن میں اس مضمون کی جتنی حدیثیں نقل کی ہیں ان میں کوئی ایسی قابل اعتراض بات نہیں ہے۔

(۳) اسی طرح صحیح بخاری "باب مناقب عثمان" میں ولید بن عقبہ پر شراب کی حد لگانے کے سلسلہ میں یہ آتا ہے کہ

ثم دعا علیا فامرہ ان یجلدہ فجلدہ ثمانین۔

پھر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو بلا کر یہ حکم دیا کہ ولید کو کوڑے لگائیں چنانچہ انھوں نے اس کو اسی کوڑے لگائے۔

حالانکہ دوسری صحیح ترین روایات سے ثابت ہے کہ ولید کو اسی نہیں بلکہ چالیس کوڑے لگائے گئے تھے[۱] مگر امام ابن ماجہ نے اس سلسلہ میں جو روایت اپنی کتاب میں درج کی ہے اس پر یہ اعتراض نہیں آتا کیونکہ اس میں کوڑوں کی تعداد کا ذکر نہیں ہے۔

تعداد ابواب و احادیث حافظ ابن کثیر البدایہ والنہایہ میں لکھتے ہیں۔

"سنن ابن ماجہ میں بتیس کتابیں، پندرہ سو ابواب، اور چار ہزار حدیثیں ہیں جو تھوڑی سی روایات کے علاوہ سب کی سب عمدہ ہیں"۔

تلامذہ حافظ جمال الدین مزی نے تہذیب الکمال میں امام ابن ماجہ کے تلامذہ کی فہرست میں حسب ذیل حضرات کے نام گنائے ہیں (۱) علی بن سعید بن عبد اللہ الغدانی العسکری (۲) ابراہیم بن دینار الجرشی الہمدانی (۳) احمد بن ابراہیم القزوینی جد حافظ ابو یعلی خلیلی (۴) ابو الطیب احمد بن روح شعرانی۔ (۵) اسحاق بن محمد قزوینی (۶) جعفر بن ادریس (۷) حسین بن علی بن برانیاد (۸) سلیمان بن یزید قزوینی۔ (۹) محمد بن عیسی صفار (۱۰) ابو الحسن علی بن ابراہیم بن سلمہ قزوینی (۱۱) ابو عمرو احمد بن محمد بن حکیم مدنی اصبہانی اور ان ناموں کو ذکر کرنے کے بعد لکھتے ہیں و آخرون یعنی ان کے علاوہ اور بھی ہیں۔

امام ابن ماجہ کی کتاب السنن کے مشہور راوی جیسا کہ امام رافعی نے تاریخ قزوین میں لکھا ہے یہ چار حضرات ہیں (۱) ابو الحسن بن قطان (۲) سلیمان بن یزید (۳) ابو جعفر محمد بن عیسی (۴) ابو بکر حامد ابہری، حافظ ابن حجر عسقلانی نے تہذیب التہذیب میں راویان سنن میں سعدون اور ابراہیم بن دینار

---

[۱] ملاحظہ ہو فتح الباری، باب مذکور

دو شخصوں کے نام کا اور اضافہ کیا ہے۔ ان سب لوگوں میں جس شخص کی روایت کو قبول عام نصیب ہوا وہ حافظ ابوالحسن قطان ہیں۔ یہ واضح رہے کہ ان کے نسخہ میں بہت سی روایتیں خود ان کی سند سے بھی منقول ہیں چنانچہ مطبوعہ نسخوں میں جو جگہ جگہ قال ابوالحسن حدثنا آتا ہے اس سے یہی مراد ہیں، یہ ابوالحسن اپنے وقت کے بہت بڑے عالم اور حافظ حدیث تھے۔ حافظ ذہبی نے تذکرۃ الحفاظ میں ان کا ترجمہ ان لفظوں میں شروع کیا ہے القطان الحافظ الامام القدوۃ ابوالحسن علی بن ابراھیم بن سلمۃ بن بحر القزوینی محدث قزوین وعالمہا، فن حدیث میں ابوحاتم رازی، امام ابن ماجہ، حارث بن ابی اسامہ وغیرہ بہت سے اکابر محدثین کے شاگرد ہیں، بڑے عابد و زاہد تھے، تیس سال تک صائم الدہر رہے، افطار میں صرف روٹی اور نمک پر گذران کرتے تھے، طلب حدیث کے لئے رحلت کی اور بہت بڑی تعداد میں حدیثیں لکھیں۔ ابن فارس لغوی نے خود ان کا بیان نقل کیا ہے کہ زمانہ رحلت میں پوری ایک لاکھ حدیثیں حفظ کی تھیں، اخیر عمر میں نابینا ہوگئے تھے کہا کرتے تھے کہ یہ مجھے کثرت کلام کی سزا ملی ہے حافظ خلیلی نے ان کے بارے میں لکھا ہے کہ ابوالحسن شیخ عالم بجمیع العلوم التفسیر و الفقہ والنحو واللغۃ (ابوالحسن شیخ ہیں اور تفسیر، فقہ، نحو اور لغت تمام علوم کے عالم ہیں) ان کی ولادت ۲۵۴ھ میں اور وفات ۳۴۵ھ میں ہوئی ہے۔

شروح و تعلیقات سنن ابن ماجہ پر سنن نسائی سے زیادہ شروح و تعلیقات لکھی گئی ہیں اور بڑے بڑے حفاظ و اہل فن نے لکھی ہیں۔ ذیل میں ان اکابر کی ایک فہرست نقل کی جاتی ہے جنہوں نے خاص اس کتاب کے متعلق کوئی خدمت انجام دی ہے۔

نام کتاب	نام مصنف	کیفیت
شرح سنن ابن ماجہ	امام حافظ علاء الدین مغلطائی بن قلیج بن عبداللہ الحنفی المتوفی ۷۶۲ھ	یہ سب سے پہلی اور سب سے جامع شرح ہے جو اس کتاب پر لکھی گئی، افسوس ہو کہ یہ شرح تمام نہ ہوسکی صرف ایک حصہ کی شرح ہے جو پانچ جلدوں پر مشتمل ہے اس شرح کا قلمی نسخہ ریاست ٹونک کے کتب خانہ میں میری نظر سے گزرا ہے۔
شرح سنن ابن ماجہ	ابن رجب زبیری	اس شرح کا ذکر شیخ ابوالحسن سندی نے اپنے حواشی میں کیا ہے پہلے میرا خیال تھا کہ یہ ابن رجب وہی مشہور مصنف ہیں جو شیخ ابن تیمیہ کے شاگرد ہیں، چنانچہ اسی بنا پر ما تمس الیہ الحاجۃ میں ان کا ترجمہ لکھا تھا، لیکن سنن ابن ماجہ کے ایک قلمی نسخہ میں (جو سندھ کے مشہور مورخ سید حسام الدین راشدی کے کتب خانہ میں موجود ہے) حدیث الایمان معرفۃ

نام کتاب	نام مصنف	کیفیت
		بالقلب وقول باللسان وعمل بالارکان پر حسب ذیل حاشیہ ہے قال فی الدیباجۃ موضوع وکذا قال ابن رجب الزبیری فی شرحہ علی ھذا الکتاب، یہ محدث عبداللہ بن سالم بصری کا ایک نوٹ تھا جو انھوں نے اس حدیث پر لکھا تھا اور اس کو محدث موصوف کے شاگرد شیخ اسمٰعیل بن عطا اللہ حلبی ثم المکی نے ان کی اصل تحریر سے اس نسخہ میں نقل کیا ہے، اس میں ابن رجب کی نسبت زبیری مذکور ہے مجھ کو یہ نسبت مشہور ابن رجب کے ترجمہ میں کسی کتاب میں نہیں ملی اسلئے یہ کوئی اور ابن رجب ہیں جو ابن رجب مشہور سے متاخر معلوم ہوتے ہیں۔
ماتمس الیہ الحاجۃ علی سنن ابن ماجہ	شیخ سراج الدین عمر بن علی بن الملقن المتوفی سنہ ۸۰۴ھ	علامہ ابن الملقن مشہور مصنف ہیں، انھوں نے صرف زوائد کی شرح لکھی ہے یعنی ان روایات کی جو کتب خمسہ میں موجود نہیں ہیں یہ شرح سنہ ۸۰۰ھ میں لکھی گئی ہے۔
الدیباجہ فی شرح سنن ابن ماجہ	شیخ کمال الدین محمد بن موسیٰ دمیری المتوفی سنہ ۸۰۸ھ	یہ شرح پانچ جلدوں میں ہے۔
شرح سنن ابن ماجہ	حافظ برہان الدین ابراہیم بن محمد المعروف بسبط ابن العجمی المتوفی سنہ ۸۴۱ھ	یہ ایک مختصر سی تعلیق ہے۔
مصباح الزجاجہ شرح سنن ابن ماجہ	علامہ جلال الدین سیوطی المتوفی سنہ ۹۱۱ھ	یہ بھی ایک مختصر سا حاشیہ ہے، شیخ علی بن سلیمان دمنتی نے اس کا بھی اختصار کیا ہے جس کا نام نور مصباح الزجاجہ ہے یہ اختصار مصر میں طبع ہو چکا ہے۔
شرح سنن ابن ماجہ	محدث ابوالحسن محمد بن عبدالہادی سندھی حنفی المتوفی سنہ ۱۱۳۸ھ	یہ سیوطی کی شرح سے زیادہ جامع ہے اس میں مصنف نے ضبط الفاظ حل غریب اور بیان اعراب کا زیادہ اہتمام کیا ہے۔
انجاح الحاجہ لشرح سنن ابن ماجہ	شیخ عبدالغنی بن ابی سعید مجددی دہلوی حنفی المتوفی سنہ ۱۲۹۵ھ	یہ بھی ایک مختصر مگر جامع اور عمدہ شرح ہے۔
حاشیہ بر سنن ابن ماجہ	مولانا فخر الحسن گنگوہی	نہایت مشہور و متداول حاشیہ ہے جو بارہا طبع ہو چکا ہے اس حاشیہ میں علامہ سیوطی اور مولانا عبدالغنی دونوں کی شرحوں کو مع مزید اضافہ کے جمع کر دیا ہے۔
مفتاح الحاجہ شرح سنن ابن ماجہ	شیخ محمد علوی	یہ بھی حاشیہ ہے اور اصح المطابع لکھنؤ میں طبع ہو چکا ہے۔

حافظ ذہبی نے ابن ماجہ کے ان رواۃ پر کہ جن سے صحیحین میں کوئی روایت درج نہیں ہے ایک مستقل کتاب لکھی ہے جس کا نام "المجرد فی اسماء رجال ابن ماجہ کلہم سوی من اخرج لہ منہم فی احد الصحیحین" ہے اس کتاب کا قلمی نسخہ دمشق کے کتب خانہ ظاہریہ میں موجود ہے، یہ سابق میں گزر چکا ہے کہ حافظ شہاب الدین بوصیری نے زوائد احادیث ابن ماجہ کو علیحدہ ایک کتاب میں جمع کیا ہے۔

کتاب کے اختتام سے پہلے جی چاہتا ہے کہ بعض ان متفرق واقعات کا ذکر کر دیا جائے جو سنن ابن ماجہ میں مختلف احادیث کے ذیل میں درج ہیں اور جن سے اس عہد کے مسلمانوں کو اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث طیبہ سے جو خصوصی تعلق تھا اس کی تصویر آنکھوں میں پھر جاتی ہے یہ واقعات حسب ذیل ہیں:

(۱) "باب وقت صلاۃ المغرب" میں حدیث عباد بن العوام عن عمر بن ابراھیم عن قتادۃ عن الحسن عن الاحنف بن قیس عن العباس بن عبد المطلب قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لا تزال امتی علی الفطرۃ (الحدیث) کو نقل کر کے لکھتے ہیں کہ

"میں نے محمد بن یحیی سے سنا فرماتے تھے کہ بغداد میں لوگوں کو اس حدیث کی بابت کچھ پریشانی تھی اس لئے میں اور ابو بکر الاعین دونوں عباد بن العوام کے صاحبزادے عوام کے پاس گئے وہ اپنے والد بزرگوار کا اصل نسخہ نکال کر لائے تو اس میں یہ حدیث موجود تھی۔"

(۲) "باب ما جاء فیما یستحب من التطوع بالنہار" میں نوافل نہار کی حدیث کو روایت کر کے حبیب بن ثابت سے نقل کیا ہے کہ انھوں نے اس حدیث کے راوی ابو اسحاق سبیعی کو مخاطب کر کے یہ کہا تھا کہ

ما احب ان لی بحدیثک ھذا ملاء مسجدک ذھبا — مجھ سے تم نے جو یہ حدیث بیان کی اس کے بدلہ میں تمہاری مسجد کے برابر بھرا ہوا سونا لینا بھی پسند نہیں کرتا۔

(۳) "باب ذکر وفاتہ ودفنہ صلی اللہ علیہ وسلم" میں حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے ان حسرت آمیز کلمات کو نقل کر کے جو انھوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے موقع پر کہے تھے لکھتے ہیں۔

قال حماد فرأیت ثابتا حین حدث بھذا الحدیث بکی حتی رأیت اضلاعہ تختلف۔ — حماد کا بیان ہے کہ میں نے ثابت کو دیکھا کہ جب انھوں نے یہ حدیث بیان کی تو اس قدر روئے کہ ان کی پسلیاں سکڑنے لگیں۔

(۴) "باب من طلق امرأتہ تطلیقتین" میں ابو الحسن مولی بنی نوفل کی ایک شاذ روایت کو نقل کر کے لکھتے ہیں

قال عبد اللہ بن المبارک لقد تحمل ابو الحسن ھذا صخرۃ عظیمۃ علی عنقہ — عبد اللہ بن مبارک کہتے ہیں کہ اس ابو الحسن نے تو اپنی گردن پر ایک بڑی بھاری چٹان اٹھالی ہے۔

(۵) فتنۂ دجال کی ایک طویل حدیث کو روایت کر کے عبد الرحمن محاربی سے نقل کرتے ہیں کہ

ینبغی ان یدفع ھذا الحدیث الی المؤدب حتی یعلمہ الصبیان فی الکتاب۔ — اس حدیث کو میاں جی کو دینا چاہئے تاکہ وہ مکتب کے بچوں کو اسے سکھلائیں۔

٭

الحمد للہ کتاب ختم ہوئی۔ کہنے کو یہ امام ابن ماجہ کی سوانح عمری ہے لیکن درحقیقت یہ تدوین حدیث کی تفصیلی تاریخ ہے اور مسلمانوں کی ان جانفشانیوں کا مرقع ہے جو انھوں نے خدا کے آخری پیغمبر جناب محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات کے ایک ایک حرف کو محفوظ کرنے کے لئے اٹھائی ہیں تاکہ امانت وحی کی ذمہ داری میں جو اس امت کے سپرد کی گئی تھی کسی قسم کا رخنہ نہ آنے پائے اور اللہ کی حجت تمام اہلِ ملل و ادیان پر تمام ہو جائے۔

دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کتاب کو قبولیتِ عام اور شہرتِ دوام عطا فرمائے اور جو غلطیاں اور لغزشیں ہوئی ہیں ان کو معاف فرمائے، واٰخر دعوانا ان الحمد للہ رب العلمین۔

محمد عبد الرشید نعمانی (نزیل کراچی)

یوم یکشنبہ بعد عصر، ۱۳ رمضان المبارک ۱۳۷۶ھ

اشاریہ

مُرتّبہ:- بشیر محمد

اسماءِ رجال

ا

. . . .

. . . .

ب

ت

ث

ج

چ

ح

د

ذ

ر

ز

س

ش

ص

ض

غ

ف

ق

ک

ل

م

ن

و

ی

اسمارِ اماکن

ا

ب - پ

ج - چ

ح

ر ۔ ز

س

ف

ق

ک ۔ گ

ل

م

ن

و - ھ

ی

اسماء قبائل وجماعات

ا

ب ـ ت

ج ـ ح ـ خ

د ـ ذ

ر ـ ز

س - ش

ظ - ع - ق

م

ن - ھ

اسمار کتب

ا

ث

ج

ح

خ

د

ذ

ر

ش

ص

ض

ط

ع

غ

ف

ق

ک

THE PROVINCES OF THE ABBASID CALIPHATE SHOWING THE CHIEF HIGH ROADS

نقشہ
رسول اللہؐ اور خلفائے راشدینؓ کے عہد میں دنیائے اسلام
فتوح النبیؐ
فتوح الصدیقؓ
فتوح الفاروقؓ
فتوح عثمانؓ
البحر الاسود
خلیج فارس
بحرین
عمان
حضرموت
بحر العرب
سند
اسکندریہ
قبرص
برقہ
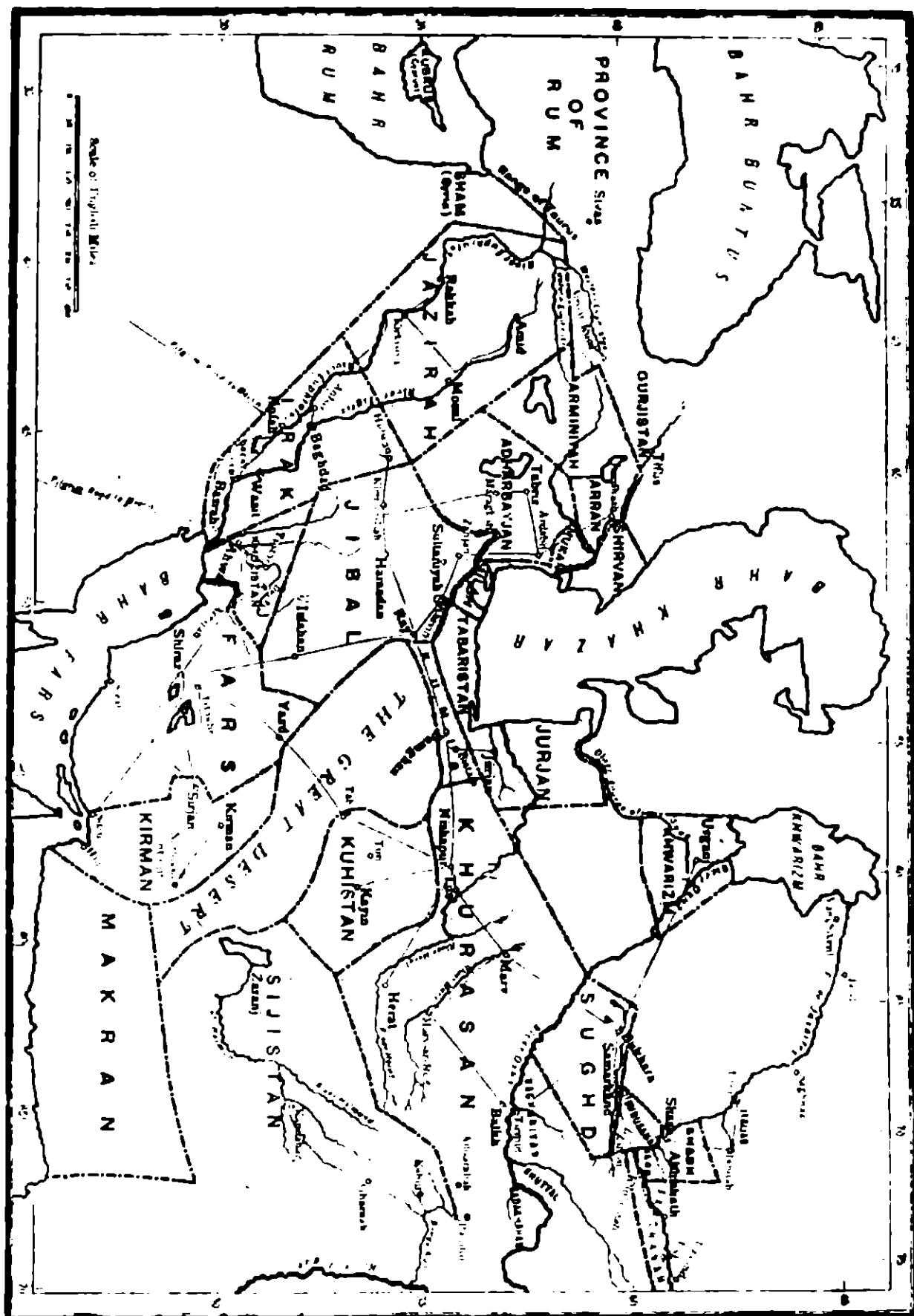
صحّت نامہ

اِس کتاب کی بعض کاپیاں پُرانی ہوجانے کے باعث قدرے خراب ہوگئی تھیں، مطالعہ سے قبل اغلاط درست فرمالیں۔

صفحہ	سطر	غلط	صحیح
۲	۱۶	جبسا	جیسا
۲	۱۹	مغرب	معرب
۲	۲۶	مرتصی	مرتضیٰ
۳	۱۲	مون	مولیٰ
۳	۲۶	فال	قال
۳	آخری	علامہ کردی	علامہ کردری
۴	۱۱	افلیم	اقلیم
۴	۱۶	فزوین	قزوین
۵	۵	ولید بن عتبہ	ولید بن عقبہ
۶	۵	سنہ ۲۱۰ھ	سنہ ۲۱۶ھ
۱۲	۲۳	ابوبکر محمد بن حجاج مقری	ابوبکر محمد بن ہارون بن حجاج مقری
۲۱	۲۷	محدث صمیری	محدث صیمری
۲۱	۲۹	مناقب صمیری	مناقب صیمری
۲۳	۱۵	سنہ ۶۶۵	سنہ ۶۵۵ھ
۲۳	۱۸	امام ابویوسف	امام ابوحنیفہ
۲۹	۳	جراجرایا	جرجرایا
۳۱	۲۸	فضیل ابن عیینہ	فضیل، ابن عیینہ
۴۲	۹	راتنا	رائینا
۴۲	۲۳	مطبوعہ	مطبوعہ مصر
۴۲	۲۵	فتاوے	فتاویٰ

صفحہ	سطر	غلط	صحیح
۴۵	آخری	ابواسحٰق الرازی القراء	ابواسحٰق الرازی الفراء
۵۰	۱۱	تذکرۃ الحفاظ میں کنیت ابوسعد ہے اور تہذیب التہذیب میں ابوسعید	
۵۰	۲۱	ابی بلر	ابی بکر
۵۲	۲۴	العاری ابومحمد	العامری ابومحمد
۵۲	۲۴	الرفاسی	الرواسی
۵۲	۲۵	سنہ ۱۴۷ھ	سنہ ۲۴۷ھ
۵۶	۱	امام ابوعاصم النبل	امام ابوعاصم النبیل
۵۷	۱۲	سنہ ۲۶۳ھ	سنہ ۲۶۲ھ
۵۸	۹	الغنزی	العنزی
۵۹	۱۵	سنہ ۵	سنہ ۲۵۰ھ
۵۹	۲۳	ابن الفزز	ابن الفزر
۵۹	۲۴	العمری	العمی
۶۶	۱۷	الطری	الطبری
۶۹	۱۵	سنہ ۲۷۶	سنہ ۲۷۹
۷۱	۱	النحزاز	الخزاز
۷۱	۸	حمدان	حمدون
۷۲	۵	محمد بن شان	محمد بن شاذان
۷۲	۱۳	معتصم باللہ	معتضد باللہ
۷۸	۹	سنہ ۹۲۸ھ	سنہ ۵۲۸ھ

صفحہ	سطر	غلط	صحیح
۸۱	۲	ضعیفه	ضیعه
۸۱	۲۲	امام یوسف	امام ابویوسف
۸۱	۲۵	له قراءة	له قراءته
۸۳	۲۰	عمر بن عبد العزیز	مولی عمر بن عبد العزیز
۸۳	آخری	البذلی	الهذلی
۸۶	۲۹	سنہ ۱۱۰ھ	سنہ ۱۸۰ھ
۸۷	حاشیہ ۱	اسحق بن راہویہ اور اسی طرح	اسحق بن راہویہ اور ابوعبیدہ اور اسی طرح
۹۰	۱۱	الحنظلی	الحنظلی
۹۰	۱۳	سنہ ۱۰۹ھ	سنہ ۲۰۹ھ
۹۱	۱۵	کرفه	کوفه
۹۱	۲۲	عثمان بن خرزاد	عثمان بن خرزاذ
۹۲	۱۰	الدهلی شهد له مشائخه	الذهلی شهد له مشائخه
۹۲	۱۱	بالتبحر فی معـ فة	بالتبحر فی معرفة
۹۲	۲۰	ابن خریمه	ابن خزیمه
۹۲	۲۲	نسائی ابرابن ماجہ کو تلمذ	نسائی اور ابن ماجہ کو تلمذ
۹۲	۲۶	تفرب	تقرب
۹۴	۱۳	الاعلان بالنوخ	الاعلان بالتوبیخ
۹۴	حاشیہ ۱۴	برو	جزو
۹۴	۲۶	حافظ عرقی	حافظ عراقی
۹۵	۶	سنہ ۲۷۸ھ	سنہ ۳۷۸ھ
۹۶	۱۸	بله	بلکه
۱۰۰	۲۶	علی بن احسن	علی بن الحسن
۱۰۰	۲۷	روایت کی ہے۔	روایت کی ہے (۴)

صفحہ	سطر	غلط	صحیح
			علی بن ہاشم بن مرزوق الہاشمی، ابوالحسن الرازی
۱۰۰	۲۷	(۴)	(۵)
۱۰۰	۲۸	(۵)	(۶)
۱۰۰	۲۹	سنہ ۲۴۱ھ - (۶)	سنہ ۲۴۱ھ - (۷)
۱۰۶	۱۲	زیانت	دیانت
۱۰۶	۱۶	رنگ	دنگ
۱۰۷	۲	ابن الاحزم	ابن الاخرم
۱۰۷	۳	فصور	قصور
۱۰۷	۱۸	دار البحارین	دار النجارین
۱۰۸	۱۹	الاحزم	الاخرم
۱۰۸	۲۰	لایاکننی	لا یساکننی
۱۰۸	۲۱	امام بحاری	امام بخاری
۱۰۹	۱۷	طیالسی حمیدی	طیالسی و حمیدی
۱۱۰	۶	عتفادت	متفاوت
۱۱۰	۱۷	سنہ ۳۴۴ھ	سنہ ۳۴۹ھ
۱۱۶	۲۱	راتے	فرماتے
۱۱۷	۲	ابوالحسن	ابوالحسین
۱۱۷	۱۰	الانتصار	الانتصار
۱۱۸	۲۶	عن ابی امامة عن ابی امامة	عن ابی امامة
۱۲۱	۱۴	مطین ابن نمیر	مُطین، ابن نمیر
۱۲۱	۲۷	مناسب	مناقب
۱۲۵	۳	۵۳	سلہ
۱۲۷	۵	حسان بن زیاد	حسان بن زید

صفحہ	سطر	غلط	صحیح
۱۲۸	۱۹	دکھایا	دکھایا
۱۳۵	۲۷	حکیم، ترمذی	حکیم ترمذی
۱۳۷	۸	منداول	متداول
۱۳۸	۵	فسوی	نسوی
۱۳۸	۶	الوزرعہ	ابوزرعہ
۱۳۸	۷	ابوحائم	ابوحاتم
۱۳۹	۶	جہنیہ	جہینہ
۱۳۹	۱۸	السانلین	السائلین
۱۴۰	۱۹	عبداللہ بن عمر	عبداللہ بن عمرو
۱۴۲	۵	عبداللہ بن عمر	عبداللہ بن عمرو
۱۴۳	۱۸	اپنے	اپنے والد
۱۴۳	۲۰	مشہور حماد	مشہور راوی حماد
۱۴۳	۲۰	جن میں حماد	جن میں حماد کی یہ
۱۴۶	۵	مسلم بن قیس	سلم بن قیس
۱۴۸	۱۹	بابن الدناغ	بابن الدباغ
۱۵۰	۷	بابن بروس	بابن بردس
۱۵۱	۲۸	مجموعہ تذکرۃ الحفاظ	مجموعہ ذیول تذکرۃ الحفاظ
۱۵۶	۱۰	معمہ	معمر
۱۶۱	۱۸	تبیض الصحیفہ	تبییض الصحیفہ
۱۶۱	۱۴	بدی	یدی
۱۶۲	۱۸	بن	ان
۱۶۲	۲۴	راہد	زاہد
۱۶۳	۶	وارقطنی	دارقطنی
۱۶۳	۱۳	ملرواہ الاکبر	مارواہ الاکابر
۱۶۳	۲۲	لابی الضیاء	لابن الضیاء
۱۶۳	عربی حصہ ۲۹	غبرالدارقطنی	غیرالدارقطنی
۱۶۴	۱۵	اسایید	اسانید
۱۶۴	۱۶	اقوال	اقوال
۱۶۴	۱۶	حلف	سلف
۱۶۴	۲۱	کتاب التمبر	کتاب التمیز
۱۶۴	۳۰	سنہ	۵۲ھ
۱۶۹	۱۰	ابن التیم	ابن القیم
۱۷۰	۱۷	مینے	مبنے
۱۷۰	۲۰	ناے	بناے
۱۷۰	۲۴	رون	مدون
۱۷۱	۱	والدماجد پیروی	والدماجد کی پیروی
۱۷۲	۲۰	سیرۃ النسان	سیرۃ النعمان
۱۷۲	۲۲	بحط	بخط
۱۷۲	۲۴	برولتہ	بروایۃ
۱۷۴	۱۲	سلک الدر	سلک الدرر
۱۷۹	۲۸	محمد بن جعفر کتابی	محمد بن جعفر کتانی
۱۸۲	۲۱	برحال	برجال
۱۸۳	۱۸	شیخ صالح	شیخ طاہر بن صالح
۱۸۴	۲۵	ملاعلی قاری تصنیف	ملاعلی قاری کی تصنیف
۱۸۹	۲۸	۵۲ھ	۵۳ھ
۱۹۰	۱۱	اور جس	اور جس ۳
۱۹۴	۱۳	- وامغان ۲۵	دامغان ۲۵
۲۱۳	۲۶	کشمیہینی	کشمیہنی
۲۱۷	۲۶	المجنہدین	المجتہدین
۲۲۸	۲۱	لشیخ	بشیخ
۲۴۶	۱۸	شیخ دمشق	شیخ علی بن سلیمان دمشقی